Marfat.com

......ایک تاریخی داستان......

محمد شاہ رنگیلا

اسلم راہی ایم اے

مکتبہ القریش
قذافی مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور
فون:7231595-7352835

Marfat.com

98271

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر	:	عبدالحفیظ قریشی
مطبع	:	نیراسد پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ	:	کلائمکس کمپیوٹرز
تعداد	:	500
سن اشاعت	:	2006
قیمت	:	

مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور

MAKTABA-AL... SH...
Rs 500

Marfat.com

انتساب:

ماضی کے متلاشیوں کے نام

Marfat.com

Marfat.com

•••

ایک سوار اس شاہراہ پر اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا رہا تھا جو غزنی، بنوں، بھیرہ، لاہور، بٹھنڈہ، تھانیسر، دہلی اور متھرا سے گزرتی دریائے جمنا کے دائیں کنارے کے ساتھ ساتھ بنارس سے ہوتی ہوئی پٹنہ کا رخ کر رہی تھی۔

بنارس سے کافی آگے جا کر ایک چوراہے پر وہ رک گیا۔ شاید ان علاقوں میں اجنبی تھا۔ نہیں جانتا تھا کہ اپنی منزل کی طرف جانے کے لئے اسے کدھر کا رخ کرنا چاہئے۔

وہ انہی سوچوں میں غرق تھا کہ دائیں جانب سے ایک گھڑ سوار اس شاہراہ پر آتا دکھائی دیا جو کالنجر سے بنارس ہوتی ہوئی پٹنہ کی طرف جاتی تھی۔

آنے والے اس سوار کو دیکھتے ہوئے پہلا سوار جو ایک چوراہے پر رک گیا تھا کسی قدر طمانیت اور آسودگی محسوس کرنے لگا تھا اور وہ اس سوار کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا جو بنارس سے آنے والی شاہراہ پر اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا چلا آ رہا تھا۔

دوسرا سوار جب قریب آیا تب اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے رکنے کے لئے کہا جس پر دوسرے سوار نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچتے ہوئے گھوڑے کو پہلے سوار کے قریب لا روکا۔ دوسرا سوار پہلے کو مخاطب کر کے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ پہلا سوار بڑی عاجزی اور انکساری میں بعد میں آنے والے سوار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز! میں نہیں جانتا تیری منزل کیا ہے...... تُو نے کدھر کا رخ کرنا ہے۔ پر تیری مہربانی ہو گی اگر تُو مجھے بتا دے کہ پٹنہ جانے کے لئے مجھے کدھر کا رخ کرنا چاہئے۔ میرا نام میراں شاہ ہے اور میں قندھار سے آیا ہوں۔ اس بناء پر ان علاقوں میں اجنبی ہوں۔''

پہلا سوار جس نے اپنا نام میراں شاہ بتایا تھا اس کے الفاظ سن کر دوسرا سوار کچھ دیر

Marfat.com

مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

''میرے عزیز! میرا نام ملکھی رام ہے۔ میں نے بھی پٹنہ ہی جانا ہے۔ پر یہ کہو تم پٹنہ کس کے ہاں جاؤ گے؟ قندھار سے اتنا لمبا سفر طے کر کے آئے ہو۔ کیا پٹنہ میں تمہارے عزیز واقارب ہیں جن کے پاس تم کسی اہم کام کے لئے آئے ہو؟''

میران شاہ نے چند لمحوں کے لئے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''میں پٹنہ کے ایک شخص علی مردان کے ہاں جانا چاہتا ہوں۔ اس کے باپ کا نام امین خان ہے۔ اس کے دو بھائی ہیں۔ ایک بڑا اور ایک چھوٹا۔ بڑے کا نام فیروز مرزا اور چھوٹے کا نام ناصر خسرو ہے۔ میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتا لیکن جس نے مجھے ان کی طرف بھجوایا ہے اس نے مجھے ان سے متعلق یہ تفصیل بتائی ہے۔''

میران شاہ کے اس انکشاف پر ملکھی رام نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، مسکراتے ہوئے آگے بڑھا، اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور میران شاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز! پہلے ہاتھ ملا۔ پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ جو میں خوشی کا اظہار کرتے ہوئے تم سے ہاتھ ملا رہا ہوں اس کی وجہ کیا ہے۔''

میران شاہ نے ہاتھ آگے بڑھایا، پُر جوش انداز میں اس سے مصافحہ کیا پھر ملکھی رام اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کیا ایسا کرنا اچھا نہ ہو گا کہ دونوں اپنے گھوڑوں کو درمیانہ روی سے پٹنہ کی طرف ہانک دیں۔ میں تم پر انکشاف کروں کہ جانا میں نے بھی امین خان ہی کے ہاں ہے۔ راستے میں ایک دوسرے کو بتائیں گے کہ ہم کیا کیا مقصد لے کر پٹنہ کے امین خان کا رخ کئے ہوئے ہیں۔''

ملکھی رام کے ان الفاظ سے میران شاہ خوش ہو گیا تھا۔ پھر ملکھی رام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بھائی ملکھی رام! تُو نے میرے سارے خدشات دور کر دیئے ہیں۔ اب میں مطمئن ہوں۔ اب میں سمجھ رہا ہوں کہ شاید میں اب پٹنہ پہنچ چکا ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی دونوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی پھر ملکھی رام میران شاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز! پہلے تُو بتا، تُو قندھار سے جو امین خان اور اس کے بیٹے علی مردان

Marfat.com

کے پاس جا رہا ہے تو تیرا ان کے پاس جانے کا کیا مقصد اور مدعا ہے؟ پہلے میرے سوال کا جواب دو پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں کس مقصد کے تحت امین خان کی حویلی کا رخ کر رہا ہوں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد ملکھی رام جب خاموش ہوا تب اسے مخاطب کرتے ہوئے میران شاہ کہہ رہا تھا۔

"قندھار میں خلجی قبیلہ ایک خاصی طاقت اور قوت رکھتا ہے۔ ان دنوں خلجی قبائل کا سردار میرویس ہے جو پٹنہ کے امین خان اور اس کے بیٹوں کا قریبی عزیز اور انتہا درجہ کا جانثار ساتھی ہے۔ اسی نے مجھے پٹنہ میں علی مردان کی طرف روانہ کیا ہے۔ خلجی قبائل کے سردار میرویس کے بارے میں تمہیں تفصیل بتا دوں کہ خلجی، قندھار کے اندر بڑی طاقت اور قوت رکھتے ہیں۔ لیکن ایران کے موجودہ بادشاہ سلطان حسین نے جسے عموماً حسین شاہ بھی کہتے ہیں کچھ عرصہ سے خلجیوں پر بے اعتمادی کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا اور اس بے اعتمادی کی وجہ سے شاہ حسین نے گرجستان کے ایک شہزادے جس کا نام گرگین ہے اور جو حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکا تھا، قندھار کا حکمران بنا کر بھیج دیا۔ گرگین ایرانی لشکر لے کر قندھار پہنچا۔ خلافِ توقع جب وہ قندھار میں داخل ہوا تو خلجیوں نے کوئی مزاحمت کی نہ اس کی تقرری پر بے زاری کا اظہار کیا۔ گرگین نے قندھار کا حاکم بننے کے ساتھ ہی خلجی سرداروں کو خواہ مخواہ سزائیں دینا شروع کر دی تھیں۔

اس طرح گرگین کے ذریعے ایران کا شہنشاہ حسین شاہ قندھار پر اپنے تسلط کو مضبوط اور مستحکم کرنا چاہتا تھا۔ ان حالات میں گرجستان کے شہزادے گرگین نے اپنی حکومت کو مستحکم پا کر اہل قندھار سے سخت سلوک کرنا شروع کر دیا۔ اہلِ شہر نے گرگین کے خلاف شاہ حسین کے دربار میں شکایات پہنچائیں لیکن وہاں ان کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ آخر تنگ آ کر گرگین کی سختیوں کے خلاف خلجی قبیلے کے سردار محمد ویس نے آواز اٹھائی تھی۔ اسے گرگین نے گرفتار کر کے اصفہان بھجوا دیا اور کہلا بھیجا کہ یہ سازش کرنے والوں کا سرغنہ ہے، اسے قید میں رکھا جائے۔

میرویس ایک دانش مند اور با ہوش شخص تھا۔ اس نے اپنی دولت اور دانش مندی کے ذریعے ایران کے اراکینِ دربار کو متاثر کیا۔ آخر کچھ عرصہ بعد وہ ایران کے شہنشاہ کے مقربین میں شامل ہو گیا۔

Marfat.com

میرویس نے اپنے ہم وطنوں میں زیادہ وقار حاصل کرنے کے لئے بیت اللہ کا حج کرنا چاہا چنانچہ اس کو حج پر جانے کی اجازت مل گئی۔ واپس آ کر سب سے پہلے اس نے بادشاہ کو گرگین خان سے بدظن کرنا چاہا اور اسے بتایا کہ روسیوں کا ارادہ آرمیدیا اور گرجستان کو مسخر کرنے کا ہے اور گرگین خان ان کا آلہ کار بنے گا۔ ایران کے حکمران حسین شاہ نے گرگین خان سے بدظن ہو کر اسے قندھار کی حکومت سے معزول کر کے قندھار کی سرداری خلجی قبیلے کے سردار میرویس کے سپرد کر دی لیکن لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ گرگین خان ہی کو رکھا گیا۔

قندھار پہنچ کر میرویس نے خلجی امراء کے علاوہ دوسرے امراء جو اس کے عقیدت مند تھے، جو اسے چاہتے تھے ان کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا اور انہیں حکومتِ ایران کے خلاف اکسایا۔ میرویس نے بظاہر لشکریوں کے سالار گرگین خان سے دوستی میں کوئی فرق نہ آنے دیا لیکن اندر ہی اندر وہ اپنی عسکری تیاریوں کو اپنے عروج پر پہنچاتا رہا۔

میرویس نے جب دیکھا کہ اب اس کے اپنے قبیلے کے علاوہ کچھ دوسرے قبیلے بھی اس کا ساتھ دے رہے ہیں اور اس کی عسکری طاقت مضبوط ہو چکی ہے تب اس نے گرگین خان اور اس کے کچھ رفقاء کو اپنے ہاں دعوت پر بلایا۔ اس دعوت کے دوران ہی میرویس نے اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ گرگین خان اور اس کے رفقاء کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد میرویس آندھی اور طوفان کی طرح حرکت میں آیا۔ اس وقت قندھار اور اس کے گرد و نواح میں جس قدر گرجستانی اور ایرانی لشکری تھے ان پر حملہ آور ہوا اور ان سب کا کام تمام کر کے رکھ دیا۔

ایران کے شہنشاہ حسین شاہ کو جب میرویس کی اس طاقت اور قوت کا علم ہوا تو غیض و غضب میں اپنے ایک سالار محمد جامی اور ہرات کے حاکم محمد خان کو پیغام بھیجا کہ وہ قندھار کا رخ کریں۔ میرویس سے ملیں، اسے ڈرائیں، دھمکائیں اور قندھار خالی کرنے پر آمادہ کر لیں۔

لیکن میرویس پر کسی فہمائش، کسی خوف، کسی دھمکی کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ اس نے الٹا محمد جامی اور حاکم ہرات محمد خان کو گرفتار کر لیا۔ اب حسین شاہ کے پاس اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ تھا کہ قندھار پر لشکر کشی کرے۔ چنانچہ حسین شاہ نے گرگین خان کے بھتیجے خسرو خان کو اس مہم پر مامور کیا اور اس نے قندھار کا محاصرہ کر لیا۔

Marfat.com

لیکن میرویس ایسی طاقت اور قوت کے ساتھ خسرو خان کے خلاف حرکت میں آیا کہ کئی مواقع پر اس نے خسرو خان کو بدترین شکست دی۔ خسرو خان کے ساتھ میرویس کے کئی ٹکراؤ ہوئے۔ آخری ٹکراؤ میں میرویس نے خسرو خان کا کام تمام کر دیا اور اس کے لشکر کی بڑی تعداد کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بچے کھچے لشکری قندھار کا محاصرہ ترک کر کے بھاگ گئے۔

اس کے بعد شاہ حسین نے اپنے ایک اور تجربہ کار اور آزمودہ سپہ سالار محمد رستم کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر قندھار کی طرف روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ ہر صورت میں میرویس کو اپنے سامنے زیر اور مغلوب کر لے۔ لیکن رستم جب قندھار پہنچا اور میرویس کے ساتھ اس کا ٹکراؤ ہوا تو میرویس نے رستم کو بھی بدترین شکست دی اور رستم کو شکست اٹھا کر بھاگنا پڑا۔

ان دو ایرانی لشکریوں کو شکست دینے کے بعد قندھار میں میرویس کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہوا بلکہ اس کی عزت اور عظمت بھی بڑھ گئی۔ میرویس نے اپنے بیٹے محمود کو اپنے لشکریوں کا سالار بنایا۔ ان واقعات کے بعد وہ ایک طرح سے قندھار کا والی ہو گیا تھا۔ لیکن اس دوران وہ بیمار پڑ گیا۔ بیماری کی ہی حالت میں اس نے مجھے پٹنہ جانے کا حکم دیا تھا لیکن حالات کی ستم ظریفی کہ ابھی میں نے قندھار سے روانہ ہونا تھا کہ میرویس اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ لہٰذا اس کے حکم کے مطابق اس کے بیٹے محمود نے مجھے ایک انتہائی اہم پیغام دے کر پٹنہ کے علی مردان کی طرف روانہ کیا ہے اور تم دیکھتے ہو کہ میں اب تمہارے ساتھ پٹنہ کا ہی رخ کیے ہوئے ہوں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد میران شاہ رکا، کچھ سوچا پھر بڑے غور سے ملکھی رام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے بھائی! اب تُو کہہ، تُو کس مقصد اور مدعا کے تحت پٹنہ میں علی مردان کا رخ کیے ہوئے ہے؟''

میران جب خاموش ہوا تب ملکھی رام کہنے لگا۔

''میران شاہ میرے عزیز بھائی! میں بنارس کے راجہ منس رام کی طرف سے آیا ہوں۔ یوں جانو میں منس رام کا قاصد ہوں اور ایک انتہائی اہم پیغام کے ساتھ پٹنہ میں علی مردان کا رخ کر رہا ہوں۔ میرے بھائی! میں جس مقصد کے تحت جا رہا ہوں

Marfat.com

اس کی تفصیل میں تمہیں بتاتا ہوں۔

بنارس کے راجہ منس رام کا ایک بیٹا بلونت سنگھ ہے جو ابھی بچپنے سے نکل کر جوانی کی حدود میں قدم رکھ رہا ہے۔ اس کی دو راجکماریاں ہیں۔ بڑی کا نام سمرہ دیوی، چھوٹی کا نام اروما دیوی ہے جبکہ منس رام کی رانی کا نام گورسیہ ہے۔ منس رام جس وقت بنارس کا راجہ نہیں تھا اس وقت اس پر علی بردان کے خاندان کے بہت سے احسان تھے اور وہ کچھ عرصہ پٹنہ ہی میں رہا تھا۔ اس بناء پر بنارس کے راجہ منس رام کے ایک طرح سے علی مردان کے ساتھ خاندانی تعلقات ہیں۔

چند ماہ پہلے منس رام کا بیٹا بلونت سنگھ اور اس کی دونوں بہنیں سمرہ دیوی اور اروما دیوی تینوں بنارس سے پٹنہ آئے اور علی مردان کے ہاں قیام کیا۔ تینوں نے چند ماہ تک علی مردان کے ہاں قیام کیا۔ وقت کا انقلاب کہ علی مردان کے ہاں قیام کے دوران سمرہ دیوی علی مردان کے چھوٹے بھائی ناصر خسرو سے محبت کر بیٹھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہنے لگے۔ اسی دوران پٹنہ کے حکمران طبقے کے ایک عزیز صفدر علی کی نگاہ سمرہ دیوی پر پڑی اور وہ اُسے دل دے بیٹھا اور ہرصورت میں سمرہ دیوی کو اپنی بیوی بنانے کا تہیہ کرلیا۔

جب صفدر علی نے اس سلسلے میں بات کو آگے بڑھایا تو سمرہ یوی نے اس کے ساتھ شادی کرنے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ نفرت کا اظہار کر دیا۔ اس لئے کہ وہ تو پہلے ہی اپنی زندگی، اپنے جیون کو ناصر خسرو سے وابستہ کر چکی تھی۔

صفدر علی چونکہ حکمران طبقے سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا وہ ضد، ہٹ دھرمی اور طاقت پر اتر آیا۔ اس نے یہ کہہ دیا کہ سمرہ دیوی پٹنہ سے واپس جا ہی نہیں سکتی۔ اس قیام کے دوران ہی اس کا نکاح اس سے ہوگا۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے اس کا بھائی بلونت سنگھ اور چھوٹی بہن جو ابھی بچی اور بالک ہے دونوں واپس بنارس کی طرف چلے گئے اور صورتِ حال سے بنارس کے راجہ منس رام کو اطلاع کر دی۔

اس سلسلے میں قاصدوں کے ذریعے منس رام نے پٹنہ کے علی مردان، اس کے بڑے بھائی فیروز مرزا، چھوٹے بھائی ناصر خسرو اور ان تینوں کے باپ محمد امین خان سے مشورہ کیا۔ اس مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ پٹنہ کے حکمران طبقے سے یہ کہا جائے کہ وہ سمرہ دیوی کی شادی صفدر علی سے کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن پہلے سمرہ

Marfat.com

دیوی کو بنارس بھیجا جائے اور اس کے بعد صفدر علی با قاعدہ بارات لے کر بنارس آئے اور سمرہ دیوی کو بیاہ کر لے جائے۔

یہ پیشکش جب پٹنہ کے حکمران طبقے سے کی گئی تو وہ تیار ہو گئے۔ صفدر علی جو سمرہ دیوی کو پسند کرنے لگا تھا اس نے بھی اس پر پسندیدگی کا خوشی کا اظہار کیا لہٰذا پٹنہ کے چند محافظ دستوں کے ساتھ سمرہ دیوی کو پٹنہ سے بنارس کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

اس سلسلے میں سمرہ دیوی کو محفوظ کرنے کے لئے محمد امین خان نے پہلے سے کچھ انتظامات کر رکھے تھے۔ جس وقت پٹنہ کے حکمرانوں کے مسلح دستے سمرہ دیوی کو لے کر بنارس کا رخ کئے ہوئے تھے کچھ مسلح جوان ان پر حملہ آور ہوئے اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سمرہ دیوی کو ان سے چھڑا لیا اور حملہ آور ہونے والے وہ نوجوان جو محمد امین خان کے آدمی تھے، سمرہ دیوی کو بنارس لے جانے کی بجائے محمد امین خان اور بنارس کے راجہ منس رام کے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق لاہور کے حاکم عبدالصمد کے پاس پہنچ گئے۔

اب تک سمرہ دیوی لاہور پہنچ چکی ہو گی اور دو تین دن کا وقفہ ڈال کر بنارس کے راجہ منس رام نے تیز رفتار قاصد پٹنہ کے حکمرانوں کی طرف بھجوائے اور ان سے گلہ شکوہ کیا کہ انہوں نے سمرہ دیوی کے بیاہ کے سلسلے میں اس کی تجویز کو قبول کر لیا تھا، پھر اب تک اس کی بیٹی سمرہ دیوی بنارس کیوں نہیں پہنچی۔

پٹنہ کے حکمران طبقے نے کہا کہ انہوں نے سمرہ دیوی کو بنارس بھجوا دیا تھا۔ آخر پٹنہ کے حکمران جستجو میں پڑ گئے اور یہ جاننے کی کوشش کرنے لگے کہ اگر سمرہ دیوی بنارس نہیں پہنچی تو وہ کدھر گئی ہے اور محافظ دستہ جو اس کے ساتھ گیا ہوا تھا اس کا کیا ہوا تھا۔ اب تک نہ انہیں سمرہ دیوی کا کھوج ملا ہے اور نہ ہی محافظ جو اس کے ساتھ تھے ان کی لاشیں ملیں۔ اس لئے کہ ان سب کا کام تمام کر کے ان کی لاشوں کو زمین میں دبا دیا گیا تھا۔

اب میں اپنے راجہ منس رام کا یہ پیغام لے کر امین خان کے گھرانے کی طرف جا رہا ہوں کہ آخر سمرہ دیوی کب تک لاہور کے حاکم عبدالصمد کے ہاں قیام کرے گی۔ کوئی ایسا طریقہ کار کرنا چاہیے کہ سمرہ دیوی اور ناصر خسرو کی شادی کا اہتمام ہو جائے اور دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے کسی محفوظ جگہ رہنے لگیں۔ پس یہی وہ پیغام ہے جو میں پٹنہ کے محمد امین خان کے گھرانے کے لئے لے کر جا رہا ہوں۔''

Marfat.com

یہاں تک کہنے کے بعد ملکھی رام جب خاموش ہوا تب بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے میران شاہ کہنے لگا۔

''میرے بھائی! تم نے اپنی گفتگو کے دوران پٹنہ کے حکمران طبقے کا ذکر کیا ہے۔ کیا تُو یہ نہیں بتائے گا کہ یہ حکمران طبقہ کون ہے؟''

جواب میں ملکھی رام نے کچھ سوچا، اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! یوں جانو یہ دو بھائی ہیں۔ ایک کا نام حسن علی اور دوسرے کا نام حسین علی ہے۔ سید زادے ہیں۔ ان سے متعلق میں جو تفصیل جانتا ہوں وہ کچھ اس طرح ہے کہ سلطنت دہلی کے پہلے دور میں زیدی سادات کا ایک گروہ گنگا جمنا کے دو آبہ میں آن بسا تھا اور کثرتِ اولاد کی برکت سے کئی ضلعوں میں پھیل گیا تھا۔ مشہور ہے کہ شروع شروع میں ان کے بارہ خاندان بارہ موضعوں میں آباد ہوئے تھے اور انہی سے آئندہ نسلیں چلیں اور انہیں ساداتِ بارہہ کہنے لگے۔

خوش عقیدہ مسلمان انہیں آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ ملوک و امراء عزت اور رعایت سے پیش آتے تھے۔ زمینداری نے انہیں آہستہ آہستہ تعلیم اور تمدن کی دنیا سے بیگانہ اکھڑ دیہاتی بنا دیا لیکن جفاکشی اور دلاوری میں فرق نہ آنے دیا۔

سلاطینِ مغلیہ کے عہد میں ہندوستان کے بہترین لڑنے والوں میں شمار ہوتے تھے اور سپہ گری کے زینے سے سلطنت کے اونچے اونچے مدارج تک چڑھنے لگے تھے۔ انہی ساداتِ بارہہ میں سے تین بھائی تھے جو اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں تھے اور اورنگ زیب عالمگیر کے بعد چھوٹے بھائی نور الدین علی نے شہزادہ معظم کی جنگ میں حصہ لیا اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ بڑا بھائی حسن علی اور منجھلا حسین علی الہ آباد اور بہار کے نائب صوبیدار مقرر ہوئے اور ابھی تک یہ ان علاقوں کے والی ہیں۔ پٹنہ ان کا مرکزی شہر ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ملکھی رام جب خاموش ہوا تب اس کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے میران شاہ کہنے لگا۔

''بھائی! تم سے مل کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ ایک تو مجھے تمہارے ذریعے محمد امین کے خاندان کے موجودہ حالات کا علم ہوا ہے۔ دوسری خوشی یہ ہے کہ ہم دونوں کی منزل اب پٹنہ میں ایک ہی حویلی میں ہے۔ میرے بھائی! اب یوں نہ کریں کہ دونوں اپنے

Marfat.com

گھوڑوں کو ایڑ لگائیں اور اپنی منزل کو سمیٹتے ہوئے پٹنہ کا رخ کریں۔''

جواب میں ملکھی رام نے مسکراتے ہوئے میران شاہ کی طرف دیکھا۔ پھر دونوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور وہ شاہراہ جو بنارس سے پٹنہ کی طرف جاتی تھی اس پر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے وہ پٹنہ کا رخ کر رہے تھے۔

❋

پٹنہ کی ایک حویلی میں پٹنہ کے ترکوں کا سردار محمد امین خان ایک روز اپنی حویلی کے کھلے صحن میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دائیں جانب اس کا بڑا بیٹا فیروز مرزا، اس کے بعد اس سے چھوٹا یعنی منجھلا علی مردان اور سب سے چھوٹا ناصر خسرو بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے کچھ بچے آپس میں تیغ زنی کی مشق کر رہے تھے۔ یہ بچے زیادہ تر آٹھ سے دس سال کی عمر کے تھے۔ ان میں سے دو بیٹے علی مردان کے تھے جن کے نام شہاب الدین اور شرف الدین تھے۔ دو بیٹے عباد الدین اور قاورد خان فیروز مرزا کے تھے۔ بائیں جانب کچھ عورتیں بھی بیٹھی ہوئی بچوں کی تیغ زنی کی مشق بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں۔ سب سے پہلے محمد امین خان کی بیوی یعنی فیروز مرزا، علی مردان اور ناصر خسرو کی ماں مہر النساء، اس کے بعد فیروز مرزا کی بیوی تقدیس خانم، اس کے بعد علی مردان کی بیوی قرہ خاتون بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے قریب ہی چھوٹی سی ایک بچی تھی۔ عمر اس کی بھی آٹھ دس سال کے قریب ہو گی۔ وہ فیروز مرزا کی بیٹی اور محمد امین خان کی پوتی تھی۔ اس کا نام ماہ الملک تھا۔

اس موقع پر محمد امین خان نے اپنے بیٹے فیروز مرزا کی طرف دیکھا اور تجسّس بھرے انداز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''فیروز مرزا! یہ مجتبیٰ خان کہاں چلا گیا ہے؟''

مجتبیٰ خان، فیروز مرزا کا بڑا بیٹا تھا اور اس کے باقی دو بیٹوں یعنی عباد الدین اور قاورد خان دونوں سے بڑا تھا۔ اس موقع پر فیروز مرزا نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ یہاں تک کہ اس کی بیوی تقدیس خانم بول اٹھی اور اپنے سسر محمد امین خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بابا! مجتبیٰ خان کو کچھ لوگ بلانے آئے تھے۔ شاید اس کے جاننے والے تھے۔ ان کے ساتھ گیا تھا۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔''

Marfat.com

تقدیس خانم کے اس جواب پر محمد امین خان ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''لگتا ہے بچوں پر تم لوگوں کی گرفت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ کسی بھی بچے کو بتائے بغیر کہ وہ کہاں جا رہا ہے، گھر سے نہیں نکلنا چاہیے۔ دیکھو، یہ چاروں بھائی کیسے تیغ زنی کی مشق کر رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر میرا دل خوش ہوتا ہے اور مجھے اپنے خاندان کا باغ کھلا کھلا لگتا ہے۔''

اس موقع پر محمد امین خان کے بڑے بیٹے فیروز مرزا نے اپنے باپ کی طرف دیکھا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''آپ ہر روز مجتبیٰ خان سمیت ان بچوں کی تیغ زنی کا اہتمام کرتے ہیں اور آپ نے تیغ زنی میں ان کی تربیت کا بہترین اہتمام بھی کر رکھا ہے۔ آپ کا اس معاملے میں بڑا تجربہ بھی ہے۔ آپ کیا اندازہ لگاتے ہیں، ہمارے پانچ بچوں میں کون سا بچہ حرب و ضرب کے فن میں ایک اعلیٰ پائے کا تیغ زن ثابت ہوگا؟''

جواب میں محمد امین خان کچھ دیر تک مسکراتا رہا، اس کے بعد تھوڑی دیر تک اس کی نگاہیں اپنے سامنے تیغ زنی کی مشق کرتے بچوں پر جمی رہیں پھر ہلکے ہلکے تبسم میں کہنے لگا۔

''اس وقت میری نگاہوں میں دو بچے ایسے ہیں جن سے متعلق میرا اندازہ ہے وہ ضرور کہیں نہ کہیں نام پیدا کریں گے۔ فیروز مرزا ایک تو تمہارا بیٹا ہے، قاورد خان اور دوسرا چھوٹے بھائی مردان کا بیٹا شہاب الدین ہے۔ ایک بات یاد رکھنا میں اس شہاب الدین سے بہت سی توقعات وابستہ کیے ہوئے ہوں۔ اس کی عمر بے شک اس وقت چھوٹی ہے۔ سات آٹھ سال کا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں تیغ زنی میں یہ اپنے سارے بچوں کو اکثر و بیشتر پچھاڑ دیتا ہے اور اس کے ان اندازوں کو دیکھتے ہوئے میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ آنے والے دور میں ہمارے بچوں میں شہاب الدین بڑا نام کمائے گا۔ اس کے بعد میرے خیال میں قاورد خان اس کا ہم رکاب ہوگا۔''

یہاں تک کہتے کہتے محمد امین خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی پوتی ماہ الملک جو فیروز مرزا کی بیٹی تھی اپنی جگہ سے اٹھی، بھاگتی ہوئی آگے آئی اور محمد امین خان کی گود میں بیٹھ گئی۔ پھر بڑی چاہت اور محبت میں کہنے لگی۔

Marfat.com

''دادا! آپ بھائیوں پر ساری توجہ دیتے ہیں۔ ان کی تیغ زنی اور جنگی مشق کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کے لئے آپ نے اچھے اچھے استاد مقرر کر رکھے ہیں۔ میری طرف کوئی دھیان ہی نہیں دیتا۔''

چھوٹی بچی ماہ الملک کے ان الفاظ پر محمد امین خان کھل کھلا کر ہنس دیا۔ دو تین بار اسے پیار کیا پھر بڑی چاہت اور محبت میں کہنے لگا۔

''میری بیٹی! ہمارے خاندان میں تُو اکلوتی بچی ہے۔ یاد رکھنا، تیری قدر میرے دل میں سب سے زیادہ ہے۔''

یہاں تک کہتے کہتے محمد امین خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ اس پر علی مردان اپنے باپ محمد امین خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے خیال میں مجتبیٰ خان لوٹ آیا ہے۔''

اس موقع پر علی مردان کا چھوٹا بیٹا شہاب الدین جو تیغ زنی کی مشق میں مصروف تھا، بول اٹھا۔

''میں دیکھتا ہوں کون آیا ہے۔''

وہ یہیں تک کہنے پایا تھا کہ اس کا چچا ناصر خسرو اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''شہاب الدین! تم اپنی تیغ زنی کی مشق جاری رکھو۔ میں دیکھتا ہوں دروازے پر دستک کس نے دی ہے۔ میرے خیال میں مجتبیٰ خان نہیں ہے۔ دروازے کو زنجیر نہیں لگی ہوئی لہٰذا اس کے اس طرح دستک دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں دستک کسی اور نے دی ہے۔'' اس کے ساتھ ہی ناصر خسرو حویلی کے صدر دروازے کی طرف ہولیا تھا۔

ناصر خسرو نے جب آگے بڑھ کر حویلی کا دروازہ کھولا تو حویلی سے باہر میران شاہ اور ملکھی رام دونوں اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے کھڑے تھے۔ ملکھی رام شاید اس خاندان کا جاننے والا تھا اور ان کے ہاں آتا رہتا تھا۔ ملکھی رام کو دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے ناصر خسرو اس کی طرف بڑھا، اسے گلے لگا کر ملا اس کے بعد میران شاہ سے بھی وہ اسی انداز میں ملا تھا اس کے بعد سوالیہ سے انداز میں ملکھی رام کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

Marfat.com

اس کے اس طرح دیکھنے کے جواب میں ملکھی رام مسکرایا اور کہنے لگا۔
''ناصر خسرو میرے عزیز بھائی! میں تمہارے سوالیہ انداز کو سمجھ گیا ہوں۔ تم یقیناً میرے ساتھی سے متعلق جاننا چاہتے ہو۔ اس کا نام میران شاہ ہے اور یہ قندھار سے آیا ہے۔ کیوں آیا ہے، یہ تو یہ خود ہی تم لوگوں کو تفصیل سے کہے گا۔ کیا تم ہمیں اندر آنے کے لئے نہیں کہو گے؟''

ناصر خسرو شرمندہ سا ہو گیا۔ حویلی کا ایک پٹ اس نے پورا کھول دیا لہٰذا میران شاہ اور ملکھی رام دونوں اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے حویلی میں داخل ہوئے۔

ان کے اس طرح آنے پر محمد امین خان نے اپنی دونوں بہوؤں یعنی فیروز مرزا کی بیوی تقدیس خانم اور منجھلے بیٹے علی مردان کی بیوی قرہ خاتون کی طرف دیکھا اور ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
''تم دونوں حویلی کے اندر چلی جاؤ۔ آنے والا ایک تو ملکھی رام ہے لیکن اس کے ساتھ دوسرا اجنبی ہے۔ اب دیکھتے ہیں ملکھی رام کس مقصد کے لئے آیا ہے اور اس کے ساتھ جو اجنبی ہے وہ کون ہے اور ان کے آنے کا کیا مقصد ہے۔''

محمد امین خان کے ان الفاظ کے جواب میں تقدیس خانم اور قرہ خاتون دونوں اپنی جگہ سے اٹھیں اور حویلی کے اندرونی حصے کی طرف چل دی تھیں۔ چھوٹی بچی ماہ الملک بھی اپنے دادا محمد امین خان کی گود سے اٹھ کر ان دونوں کے ساتھ ہو لی تھی۔

ناصر خسرو ملکھی رام اور میران شاہ دونوں کو پہلے اصطبل کی طرف لے گیا۔ دونوں کے گھوڑے اس نے بندھوائے، زینیں، دھانے اتارے، گھوڑوں کے چارے اور پانی کا بھی انتظام کیا۔ گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ جو ان کا سامان بندھا ہوا تھا وہ اتار کر اصطبل کے ایک طرف رکھ دیا۔ پھر ان دونوں کو اس طرف لایا جہاں محمد امین خان، اس کے دونوں بڑے بیٹے فیروز مرزا اور علی مردان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے ان کے بچے تیغ زنی کی مشق کر رہے تھے۔

جب وہ قریب گئے تب محمد امین خان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ باپ کو اٹھتے دیکھ کر فیروز مرزا اور علی مردان بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ تینوں باری باری ملکھی رام اور میران شاہ سے خوش کن انداز میں ملے۔ پھر محمد امین خان نے کھڑے کھڑے تیغ زنی کی مشق کرتے بچوں سے کہا۔

Marfat.com

''بچو! تم اپنی مشق جاری رکھو۔ میں دیوان خانے میں مہمانوں سے بات کر لیتا ہوں۔'' اس طرح بچے تو اپنے استاد کی نگرانی میں تیغ زنی کی مشق میں مصروف رہے جبکہ محمد امین خان حویلی کے دیوان خانے کی طرف ہو لیا تھا۔ فیروز مرزا، علی مردان، ناصر خسرو، میران شاہ اور ملکھی رام اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے تھے۔

دیوان خانے میں داخل ہونے کے بعد ملکھی رام نے میران شاہ کا تعارف کروایا۔ اس کے بعد محمد امین خان کے پوچھنے پر میران شاہ نے اپنی آمد کا مقصد بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قندھار کے خلجی سردار میرویس کے محمد امین خان کے بیٹے علی مردان کو اپنے پاس بلانے، قندھار میں خود مختاری اختیار کر کے ایران کے شہنشاہ شاہ حسین کے لشکریوں کو لگاتار شکست دینے اور میرویس کے بیمار ہو کر مرنے کی تفصیل بتا دی تھی۔

یہ تفصیل جان کر سب اداس اور افسردہ ہو گئے تھے۔ پھر محمد امین خان میران شاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میران شاہ! میرویس کے مرنے کا ہمیں بہت دکھ اور صدمہ ہوا ہے۔ اس لئے کہ وہ ہمارے سرکردہ عزیزوں میں سے ایک تھا۔ اگر اس نے مرنے سے پہلے میرے بیٹے علی مردان کو اپنے پاس بلایا تھا تو یہ ضرور وہاں جائے گا۔ جن حالات کے تحت میرویس میرے بیٹے علی مردان کی ضرورت محسوس کرتا تھا اب یہ ضرورت اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے محمود کے لئے زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ میران شاہ! چند روز ہمارے ہاں قیام کرو اس کے بعد علی مردان تمہارے ساتھ روانہ ہو گا۔ اس سلسلے میں پہلے مجھے ملکھی رام سے بات کر لینے دو۔ اس لئے کہ بیک وقت کئی اہم ذمہ داریاں ہمارے سر پر آن پڑی ہیں۔'' پھر محمد امین خان نے ملکھی رام کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''ملکھی میرے بیٹے! تُو کیا کہنا چاہتا ہے؟''

جواب میں ملکھی رام نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور کہنے لگا۔

''میں نے آپ سے کیا کہنا ہے۔ مجھے منس رام نے روانہ کیا ہے۔ وہ اپنی راجکماری سمرہ دیوی سے متعلق انتہا درجہ کا فکر مند اور پریشان ہے۔ اس وقت تو اس نے مجھے اس لئے آپ کی طرف روانہ کیا ہے تاکہ میں آپ لوگوں سے یہ جان سکوں کہ سمرہ دیوی سے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے کہ وہ ابھی تک لاہور پہنچی ہے کہ نہیں۔''

ملکھی رام جب خاموش ہوا تب مسکراتے ہوئے کچھ دیر تک محمد امین خان اس کی

Marfat.com

طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

''سمرہ دیوی سے متعلق تمہیں پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو محافظ اسے لے کر لاہور کی طرف گئے ہیں وہ اسے بڑی عزت اور احترام کے ساتھ لاہور کے حاکم عبدالصمد کے ہاں پہنچائیں گے۔ عبدالصمد ہمارا اپنا آدمی ہے اور وہ سمرہ کی خوب حفاظت کرے گا۔''

محمد امین خان جب خاموش ہوا تب مسکراتے ہوئے ملکھی رام بول اٹھا۔

''آپ نے سمرہ دیوی کو سمرہ کہا۔ اس موقع پر مجھے اپنے راجہ منس کی گفتگو یاد آ گئی ہے۔ اپنی رانی گورسیہ دیوی کے ساتھ راج محل میں جب وہ اکثر سمرہ سے متعلق گفتگو کرتا تھا تو سمرہ کی ماتا گواسیہ اسے سمرہ دیوی کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ لیکن اس موقع پر منس رام مسکراتے ہوئے اعتراض کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ سمرہ اب دیوی نہیں رہی۔ وہ اسلام قبول کر چکی ہے لہٰذا اسے سمرہ خانم کہہ کر پکارا کرو۔''

ملکھی رام جب خاموش رہا۔ تھوڑی دیر دیوان خانے میں خاموشی رہی اس کے بعد محمد امین خان اپنے منجھلے بیٹے علی مردان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''علی مردان! میں چاہتا ہوں دو روز بعد تم میران شاہ کے ساتھ قندھار کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ ناصر خسرو بھی تمہارے ساتھ جائے گا۔ تم تینوں بڑی رازداری کے ساتھ سفر کرنا۔ آدھی رات کے قریب تمہارا یہاں سے کوچ ہو گا اور دن چڑھنے تک تم لوگوں کو پٹنہ سے بہت دور نکل جانا چاہیے۔ تینوں یہاں سے سیدھا لاہور کا رخ کرنا۔ وہاں عبدالصمد سے ملنا۔ اتنی دیر تک سمرہ، عبدالصمد کے ہاں قیام کر چکی ہو گی۔ تم تینوں بھی وہیں قیام کرنا اور اس قیام کے دوران علی مردان اپنے چھوٹے بھائی ناصر خسرو اور سمرہ کے نکاح کا اہتمام کر دینا۔ یہ سارا اہتمام عبدالصمد کر دے گا۔ اس طرح تم ناصر خسرو اور سمرہ کو اپنے ساتھ قندھار لے جانا۔ یہ دونوں وہاں میاں بیوی کی حیثیت سے تمہارے ساتھ محفوظ رہیں گے۔ یہاں اب سمرہ کی وجہ سے ناصر خسرو کی زندگی کو بھی خطرہ ہے۔ ہمارے دشمن یہاں کے حکمران ہیں۔ وہ ہمارے خلاف طاقت کا بھی مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ جبکہ ہم ان کے خلاف ایسا کر سکتے ہیں نہ کرنے کے قابل ہیں۔ اس بناء پر ناصر خسرو کا تمہارے ساتھ قندھار چلے جانا ہی ہمارے لئے بہتر ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ جو میران شاہ میرویس کے کہنے پر تمہیں بلانے آ گیا ہے تو شاید اسی میں قدرت نے

Marfat.com

ہمارے لئے کوئی بہتری پنہاں کر رکھی ہو۔ اور جب یہاں کے حالات ٹھیک ہو گئے، میں تمہیں اطلاع کر دوں گا۔ تم تینوں واپس چلے آنا۔ میں سمجھتا ہوں اس وقت میران شاہ ہمارے لئے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لئے ایک اچھا موقع لے کر آیا ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد محمد امین خان جب خاموش ہوا تب علی مردان اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"ابا اگر آپ اجازت دیں تو قندھار کی طرف جاتے ہوئے میں اپنے چھوٹے بیٹے شہاب الدین کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اس طرح اس کے ساتھ ہونے سے وہاں....."

علی مردان اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔ اس لئے کہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں محمد امین خان کہنے لگا۔

"علی مردان میرے بیٹے! میں جانتا ہوں اپنے دونوں بیٹوں شہاب الدین اور شرف الدین میں سے تم شہاب الدین کو بہت چاہتے ہو۔ وہ بڑا ہونہار بچہ ہے۔ پر یہ بھی تو سوچو، تمہاری بیوی اور شہاب الدین کی ماں قرہ خاتون تو شہاب الدین پر جان چھڑکتی ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اسے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی۔ میری طرف سے تمہیں شہاب الدین کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت ہے۔ لیکن اس سلسلے میں قرہ خاتون سے بھی بات کر لینا۔ اگر وہ اس پر راضی ہو تو شہاب الدین کو ساتھ لے کر جانا اور اگر وہ رضامند نہ ہو تو پھر شہاب الدین کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہاں، اگر قرہ خاتون تمہیں شہاب الدین کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دے تو میرے بیٹے! قندھار میں اس کی تیغ زنی کی مشق اور تربیت کا بہترین اہتمام کرنا۔ اس لئے کہ میں اپنی نسل میں سے شہاب الدین کو سب سے زیادہ ہونہار اور ترقی کرنے والا بچہ خیال کرتا ہوں۔ اس بناء پر میری یہ خواہش ہے کہ تم اس پر اپنی پوری توجہ مبذول رکھو۔ شہاب الدین سے متعلق میں ابھی سے تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ میری نسل میں سے میرا اندازہ ہے کہ یہ شہاب الدین سب سے اعلیٰ اور ارفع مقام حاصل کرے گا۔ اس بناء پر......"

امین خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کا بیٹا اور شہاب الدین کا باپ علی مردان بڑی انکساری سے اپنے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

Marfat.com

''ابا! آپ فکر نہ کریں۔ شہاب الدین کی تربیت میں آپ کی خواہش کے مطابق کروں گا۔''

جواب میں محمد امین مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ''چلو، یہ مسئلہ حل ہوا۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ شہاب الدین کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ لیکن شہاب الدین کی ماں سے اس سلسلے میں اجازت ضرور لینا۔''

جواب میں جب علی مردان نے مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی تب اس موقع پر قندھار سے آنے والے میران شاہ نے کچھ سوچا پھر محمد امین خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہندوستان کے حالات کی مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی۔ یہاں جو حالات میں پٹنہ میں دیکھ رہا ہوں اور جن حالات سے آپ گزر رہے ہیں ان کی تو میں توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیر کی سلطنت کو کیا ہوا۔ سلطنت تقسیم ہو گئی ہے۔ آخر عالمگیر نے اتنی بڑی سلطنت میراث میں چھوڑی تھی جس کی ہندوستان کی شاہی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ بشمول کابل اس کا رقبہ کم و بیش پندرہ لاکھ مربع میل ہے اور آبادی بیس کروڑ کے قریب تھی۔ چین کے سوا غالباً دنیا کی کسی ہم عصر سلطنت میں اتنے انسان شخص واحد کے حلقہ بگوش نہ تھے جتنے بادشاہِ دہلی کی رعایا میں شمار ہوتے تھے۔ بے شبہ یہ ان موروثی بادشاہوں کی غیر معمولی ہمت اور قابلیت کا ثبوت تھا۔ آخر اتنی بڑی سلطنت اچانک ریت کے کچے قلعے کی طرح زمین پر کیسے آ رہی اور بکھر کر رہ گئی۔''

جواب میں امین خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

''میران شاہ! تاریخ کا استاد یہ نقطہ سمجھا گیا ہے کہ بادشاہوں کی تدبیر اور تقدیر اس وقت تک یاوری کرتی ہے جب تک ہاتھ شمشیر میں اور نیزہ بغل میں رہے۔ اس کے علاوہ باریک بین اہلِ نظر یہ بھی کہتے ہیں کہ جس کے قدم آگے نہیں بڑھتے، زمانہ ان کو ایک جگہ ٹکنے نہیں دیتا، پیچھے دھکیل دیتا ہے۔ فطرت کے قانون میں محض قیام اور جمود کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد امین رکا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

''مغلوں کی اس عظیم سلطنت کے انتشار پر یورپ کے حالات بھی اثر انداز ہوئے ہیں میران شاہ! اٹھارہویں صدی عیسوی وہ زمانہ ہے جبکہ مغربی یورپ میں شخصی بادشاہی

Marfat.com

کے افق پر بغاوت کا گرد و غبار نمودار ہو چکا ہے۔ موروثی اقتدار کی خرابیاں نہ صرف دیکھی گئی ہیں بلکہ دکھائی جانے لگی ہیں۔ شاہانہ استبداد اور خود آرائی کی بجائے ضابطے اور قانون کی عملداری کا قدم آ گیا ہے۔ علم و دولت کی افزائش سے پادری اور زمین دار کی اجارہ داری ٹوٹنے لگی ہے۔ وہ طبقے جنہیں یہ نیا سرمایہ ہاتھ لگا ہے، ملکی انتظام اور حکومت میں بھی حصہ طلب کرنے لگے ہیں۔ یوں جانو یہ جمہوریت کی ایک مبہم اور ضعیف سی ابتداء ہے۔ لیکن اس نے مطلق العنانی کو انگشت نما ضرور کر دیا ہے اور یہی خیالات ایشیاء میں بھی داخل ہو رہے ہیں۔

تم نے عالمگیر کی سلطنت کا ذکر کیا تھا اور یہ بھی پوچھا تھا کہ اتنی بڑی سلطنت آخر زوال اور انحطاط کا شکار کیسے ہو گئی۔

میرے بھائی! جب تک عالمگیر زندہ تھا اس نے ہر علاقے، ہر صوبے پر اپنی گرفت سخت رکھی۔ وہ کمال کا انسان تھا۔ ایسے انسان روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ پر ان علاقوں کی بدقسمتی کہ اورنگ زیب کے آنکھیں موندتے ہی جانشینی کی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ اس جنگ کے دوران اس کے دو بیٹے اور تین پوتے بھی کام آئے۔ اورنگ زیب کے سب سے بڑے بیٹے معظم جسے عموماً ہم لوگ شاہ عالم بہادر بھی کہہ کر پکارتے ہیں کو اپنے والد کی رحلت کی اطلاع مارچ 1707ء کو جمرود میں ملی۔

اس نے فوراً اپنی جانشینی کا اعلان کر دیا اور جمرود سے آگرہ روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس نے مختلف سرکاری خزانوں سے تقریباً پینسٹھ لاکھ روپیہ بھی حاصل کیا اور بارہ جون کو آگرہ جا پہنچا۔ دراصل معظم نے اورنگ زیب کی وفات سے پہلے ہی اس مقصد کے لئے مکمل تیاری کر لی تھی۔ اس لشکر کے علاوہ راستے میں مختلف دریا عبور کرنے کے لئے تمام تیاریاں پہلے سے ہی کر رکھی تھیں۔ اس بناء پر اسے برق رفتاری سے آگرہ پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد امین خان رکا پھر کہنے لگا۔

"میران شاہ! جو حالات میں تمہیں بتا رہا ہوں یا بتاؤں گا یہ حالات میرے چشم دیدہ ہیں اور ان حالات پر جب میں غور کرتا ہوں اور اپنے ذہن میں انہیں دوہراتا ہوں تو مجھے کس قدر افسوس، کس قدر دکھ ہوتا ہے اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بہرحال میران شاہ! حالات کچھ اس طرح بڑھتے ہیں کہ معظم یعنی شاہ عالم بہادر کی

Marfat.com

آگرہ کی طرف پیش قدمی کے دوران اس کا لڑکا عظیم الشان جو بنگال اور بہار کا وائسرائے تھا، آگے بڑھا۔ وہ اس وقت دکن میں تھا۔ اس نے مزید لشکری بھرتی کئے اور آگرہ کی طرف بڑھنے لگا۔ اس لئے کہ بنگال کا پورا خزانہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ لہٰذا اس نے تقریباً ایک کروڑ کی رقم سے لشکری بھرتی کرتے ہوئے اپنے لشکر میں خوب اضافہ کیا۔

دریں اثناء اورنگ زیب عالمگیرؒ کا دوسرا بیٹا اعظم شاہ بڑی تیز رفتاری سے احمد نگر پہنچا جہاں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات ہوئی تھی۔ اس نے 14 مارچ کو اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا مگر اعظم شاہ میں ایک طرف صبر و تحمل کا فقدان تھا دوسری طرف اس کی مالی حالت بے حد کمزور تھی۔ دکن میں بھی اس کے لشکر کا یہ عالم تھا کہ گزشتہ تین سال سے تنخواہیں بھی نہ ملی تھیں۔

اس کے علاوہ اس کے ناروا سلوک کی وجہ سے اس کے متعدد قریبی مشیر اور سالار بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اعظم شاہ 17 مارچ کو احمد نگر سے چلا اور 11 جون کو گوالیار پہنچ گیا۔ اس کا بیٹا بیدار بخت ایک قابل لڑکا تھا اور اپنی صلاحیتوں اور حالات کے پیش نظر اس قابل تھا کہ آگرہ پر با آسانی قبضہ کر لیتا۔ مگر خود اعظم شاہ اسے بھی شک وشبہ کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

اعظم شاہ نے اپنے بیٹے بیدار بخت کی پیش قدمی روک دی۔ اسے یہ خوف تھا کہ کہیں بیدار بخت آگرہ پہنچنے کے بعد خود تخت پر قبضہ کر کے اسے محروم نہ کر دے۔ بیدار بخت نے باپ کے حکم کے تحت پیش قدمی ترک کر دی اور مالوہ میں مقیم ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ڈیڑھ ماہ کا عرصہ ضائع ہو گیا جبکہ اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ لہٰذا بڑے بھائی معظم یعنی بہادر شاہ اور اس کے بیٹے عظیم الشان نے نہایت آسانی سے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ اعظم شاہ نے ایک اور بڑی غلطی کی کہ بہادر شاہ کی طرف سے اسے سلطنت تقسیم کرنے کی پیشکش بھی کی گئی تھی لیکن اس نے اپنے بڑے بھائی بہادر شاہ کے مشورے کو قبول نہ کیا۔ ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا اٹھارہ جون کو سموہ گڑھ کے قریب بیدار بخت اور بہادر شاہ کی افواج کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ بیدار بخت کو شکست ہوئی اور وہ جنگ میں کام آگیا۔

اس دوران خانِ عالم، رام سنگھ ہاڑا اور بہت سے دیگر سالار جو اعظم شاہ کا ساتھ

98271

Marfat.com

دے رہے تھے جنگ کے دوران کام آ گئے۔ مزید یہ کہ اورنگ زیب کا نامور سالار ذوالفقار خان بھی اعظم شاہ کا ساتھ چھوڑ گیا۔ اس کے علاوہ امبر کا راجہ جے سنگھ بھی اعظم شاہ کے بڑے بھائی معظم یعنی بہادر شاہ سے جا ملا۔

اعظم شاہ کا دوسرا لڑکا والا جاہ شدید زخمی ہوا۔ جس وقت اعظم شاہ اپنے لشکر کے ہمراہ اپنے بیٹے بیدار بخت کی مدد کے لئے پہنچا تو پانسہ پلٹ چکا تھا اور معظم کو مکمل فتح حاصل ہو چکی تھی۔ اعظم شاہ اور اس کے بہت سے دیگر سالار ہلاک کر دیئے گئے۔ اس کی بچی کھچی سپہ فرار ہو گئی۔ ایک اندازے کے مطابق اس جنگ کے دوران طرفین کے تقریباً دس ہزار لشکری ہلاک ہوئے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد محمد امین رکا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔"میران شاہ! آگے کچھ یوں ہوا کہ معظم اس فتح کے بعد بارہ نومبر تک آگرہ میں رہا۔ اس کے بعد اس نے راجپوتانہ کی طرف پیش قدمی کی۔ اس کے بعد اسے مجبوراً دکن کا رخ کرنا پڑا کیونکہ اس کا چھوٹا بھائی کام بخش وہاں من مانی کارروائیاں کرنے میں مصروف تھا۔

کام بخش کو اورنگ زیب عالمگیر کی موت کی اطلاع اس وقت ملی جب وہ بیجاپور کے وائسرائے کے طور پر جا رہا تھا۔ اس نے بیجاپور پہنچتے ہی اپنی رسم تاج پوشی ادا کی اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

وہ دو ماہ تک خود ساختہ بادشاہ کی حیثیت سے مقیم را۔ اس دوران لشکر میں اضافہ کرتا رہا اور حکم جاری کرتا رہا۔

اس کے امراء اور سالاروں نے اس دوران بعض قلعوں اور بعض مقامات پر قبضہ بھی کر لیا مگر جلد ہی اس کے ایک وزیر تقرب خان اور خزانے کے عامل احسن خان کے درمیان ٹھن گئی جس کی وجہ سے کام بخش کو شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ اسی دوران تقرب خان کی باتوں میں آ کر کام بخش نے گولکنڈہ کے وائسرائے رستم خان کو قتل کروا دیا اور بہت سے دیگر افسروں کی املاک کو ضبط کر لیا۔

معظم نے 17 مئی 1708ء کو دریائے نربدا کو عبور کرنے کے بعد کام بخش کو صلح و آشتی کا پیغام روانہ کیا مگر کام بخش نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔ چنانچہ جونہی معظم حیدر آباد کے قریب پہنچا وہ سب لوگ جن پر کام بخش نے مظالم ڈھائے تھے، معظم سے جا

Marfat.com

ملے۔

13 جنوری 1709ء کو کام بخش کے پاس صرف ساڑھے تین سو لشکری رہ گئے تھے جن پر معظم کے پچیس ہزار لشکریوں نے حملہ کر دیا۔ کام بخش اس دوران شدید زخمی ہوا۔ اس معرکے کے بعد معظم بارہ جون 1710ء کو اجمیر پہنچ گیا۔

دوسری طرف اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کی اطلاع پاتے ہی راجپوت سردار اجیت سنگھ نے جودھ پور پر قبضہ کر کے مغل کماندار محراب خان کو معزول کر دیا۔ معظم جنوری 1708ء کو امبر پہنچ گیا۔ ریاست اس نے ایک شخص بجے سنگھ کے سپرد کر دی۔ پھر معظم جودھ پور پہنچا۔

اس دوران محراب خان نے اجیت سنگھ کو شکست دے کر بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ شکست کے بعد اجیت سنگھ نے اطاعت قبول کر لی۔ بہادر شاہ نے اسے مہاراجہ کا خطاب دے کر ساڑھے تین ہزار کا منصب عطا کر دیا۔ اس کے علاوہ کچھ عرصہ بعد اجیت سنگھ، درگا داس اور راجہ جے سنگھ کے ساتھ بہادر شاہ کے پڑاؤ سے فرار ہو گیا۔

یہ لوگ مئی 1708ء میں میواڑ کے راجہ امر سنگھ کے ساتھ جا ملے تاکہ مغلوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کر سکیں۔

ان سب نے مل کر مغل کمانداروں کو شکست دی اور راتوں رات امبر پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے اگست میں اس کارروائی کے بعد ستمبر میں میواڑ کے مغل کماندار سید حسین خان اور کچھ دیگر مغل سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس بناء پر معظم نے ایک معاہدے کے تحت اجیت سنگھ اور جے سنگھ کو مغل ملازمتوں پر بحال کر دیا۔

معظم نے کام بخش کی کوشش ناکام بنانے اور دکن کے حالات پر قابو پانے کے بعد سترہ سو دس میں راجپوتانہ کا رخ کیا۔ راجپوت راجاؤں کو معافی دے دی گئی۔ جون میں انہیں تحفے تحائف دینے کے بعد ان کی ریاستوں میں انہیں واپس بھیج دیا گیا۔

دوسری طرف سکھوں کی بغاوت بھی سامنے آئی۔ سکھوں کی بغاوت کے باعث حالات نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ سکھوں کا دسواں اور آخری گرو گوبند سنگھ نومبر 1708ء میں انتقال کر گیا تھا۔ گوبند سنگھ لاولد تھا۔ سکھوں نے یہ سازش کی کہ گوبند سنگھ کے ایک ہم شکل شخص کو خفیہ طور پر پنجاب بھیج دیا اور یہ خبر اڑا دی کہ گوبند سنگھ کو اس لئے دوبارہ زندگی مل گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف سکھوں کی جدوجہد آزادی میں ان کا

Marfat.com

ساتھ دے سکے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد محمد امین خان رکا، دم لیا پھر ہندوستان میں مغلوں کے حالات میران شاہ کو سناتے ہوئے وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔

"میران شاہ میرے عزیز! اس کے بعد یوں ہوا کہ اس مصنوعی گرو گوبند نے اپنا نام سچا بادشاہ رکھا۔ تاہم اسے بندہ بیراگی یا شام گرو کے نام سے بھی یاد کیا جانے لگا۔

سکھ اس مصنوعی گرو گوبند سنگھ کے اردگرد اکٹھے ہونا شروع ہو گئے۔ جلد ہی اس شخص نے چالیس ہزار سکھوں کا ایک لشکر تیار کر لیا۔ اس نے سون پت پر قبضہ کر کے انبالہ سے تقریباً چھبیس میل دور ساڈورا کے شہر کو نیست و نابود کر دیا اور بائیس مئی 1710ء کو سرہند کے کماندار وزیر خان کو ہلاک کر دیا اور مغل کیمپ کو لوٹ لیا۔

سکھوں نے سرہند پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں کے مسلمان عوام پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ مساجد مہندم کر دی گئیں۔ مکانات نذرِ آتش کر دیئے گئے۔ عورتوں سے بدسلوکی کی گئی اور مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔

نیا مصنوعی گرو جسے شام گرو کہاں جاتا ہے اس نے سرہند سے تقریباً دو کروڑ روپے بصورت نقدی یا ساز و سامان لوٹ مار کے ذریعے حاصل کر لئے۔ جب شام گرو نے پیش قدمی شروع کی تو تھانیسر کے قریب ایک مسلمان سالار نے اس کی شدید مزاحمت کی۔ سکھوں کے مختلف جتھے جالندھر دوآب میں داخل ہو گئے مگر سلطان پور کے کماندار شمس خان نے اپنے لشکر کے ساتھ سکھوں کو شدید جانی نقصان پہنچایا اور انہیں راہوں کے قلعے میں دھکیل دیا۔

کچھ عرصہ بعد سکھ یہاں سے بھی فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے جب شمس خان نے راہوں قلعے پر حملہ آور ہو کر اسے لوٹا تو سکھوں نے اس جگہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ مگر جلد دوآب کا تمام علاقہ سکھوں سے آزاد کرا لیا گیا۔

سکھوں کے ایک اور جتھے نے سہارن پور پر حملہ کر دیا اور تقریباً نصف ضلع پر قبضہ کر لیا۔ سکھ یہاں زیادہ دیر نہ رہ سکے کیونکہ مغل سالاروں اور مقامی مسلمانوں نے شدید مزاحمت کی۔ وزیر خان کی شکست کے بعد سکھوں کے حوصلے بڑھے تو انہوں نے امرتسر کو اپنا مرکز بنا دیا اور لاہور پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اسی اثناء میں انہوں نے مختلف مواضعات میں لوٹ مار بھی کی۔ رفتہ رفتہ وہ لاہور

Marfat.com

کے قریب جا پہنچے۔

لاہور کے مسلمانوں نے کسی بیرونی مدد کے بغیر ہی سکھوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ انہوں نے سکھوں کے حملے کی شدید مزاحمت کی اور اس مہم کو ناکام بنا دیا۔ آخر لاہور کے عوام نے سکھوں کو بدترین شکست دی اور پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

اس دوران معظم بھی حرکت میں آیا۔ اجمیر سے روانہ ہو کر وہ سکھوں کے مصنوعی گرو شام گرو کی طرف بڑھا۔

شام گرو کو جب معظم کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ ساڈورا میں اپنے پڑاؤ کو چھوڑ کر لوہ گڑھ کے قلعے میں چھپ گیا۔ ان دنوں موسم بے حد خراب تھا۔ شاہراہیں بند ہونے کی وجہ سے رسد بھی بمشکل ملتی تھی جس کی وجہ سے معظم کے لشکر کو خاصا نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ سکھوں نے اس نقصان کو شام گرو کی کرامات قرار دیا۔

بہرحال ایک بار پھر سکھوں سے جنگ ہوئی۔ اس دوران ڈیڑھ ہزار سکھ ٹھکانے لگا دیئے گئے۔ سکھوں کے دوسرے جتھوں پر دیگر مغل سالاروں نے حملہ کر کے انہیں خاصا جانی نقصان پہنچایا۔ آخر لوہ گڑھ کے قلعے میں موجود سکھوں کا صفایا کر دیا گیا۔ تاہم بعض پہاڑیوں میں سکھ جنگجو دستے موجود تھے۔

جب شام گرو نے یہ نازک حالات دیکھے تو وہ خاص خاص لوگوں کے ساتھ ایک پہاڑی کے دوسری طرف منتقل ہو گیا۔ شام تک سکھوں کی مزاحمت ختم ہو گئی۔ مغلوں نے ان کے بہت سے لشکریوں کو قیدی بنا لیا۔ شام گرو وہاں سے بھاگ نکلا۔ گڑھ وال اور نہان کے راجاؤں نے شام گرو کو فرار میں مدد دی۔ بہرحال اس کے بعد بھی چند سال تک سکھوں کے ساتھ جنگ جاری رہی۔

سکھوں پر زور ڈالتے ہوئے مغلوں کا لشکر ایک بار پھر سرہند پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد شام گرو ایک بار پھر پنجاب کے میدانی علاقوں میں پہنچا۔ اس نے مغلوں کے ایک سالار شمس خان کو قصور جاتے ہوئے آن لیا اور ہلاک کر دیا۔ اب سکھوں کا رخ باری دوآب کی طرف ہو گیا تھا۔ ان علاقوں کے لوگ سکھوں کے ظلم و ستم سے پہلے ہی برافروختہ تھے۔ آخر مقامی لوگوں اور سکھوں میں جھڑپ ہوئی اور مقامی لوگوں نے سکھوں کو بدترین شکست دے کر انہیں پسرور کے قریب پہاڑیوں میں دھکیل دیا۔

سکھوں کی ان لگاتار بغاوتوں اور شورشوں کی وجہ سے اورنگ زیب عالمگیر کے بیٹے

Marfat.com

معظم علی کے لئے حالات اور زیادہ خراب اور ابتر ہو گئے۔ مملکت میں پہلے ہی افراتفری کا عالم تھا۔ ان سکھوں کی وجہ سے باغی اور سرکش عناصر خروج کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔"

سکھوں کے حالات بیان کرتے کرتے امین خان کچھ افسردہ اور ملول سا ہو گیا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہا آخر پھر میران شاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میران شاہ! میرے عزیز! لگتا ہے ہندوستان کے حالات اب مزید خراب اور ابتر ہونے کے درپے ہو گئے ہیں۔ مختلف صوبے اور ضلعے پہلے ہی مغلوں کی گرفت سے کچھ نکل چکے ہیں کچھ نکلتے جا رہے ہیں۔ اب ہندوستان کا بادشاہ بیمار پڑ گیا ہے۔ معظم علی ان دنوں سخت علیل ہے اور اس نے لاہور میں قیام کر رکھا ہے۔ معظم علی کے چار بیٹے ہیں۔ جہاندار شاہ، رفیع الشان، عظیم الشان اور جہاں شاہ۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اپنے باپ کے علیل ہونے پر چاروں بھائی آپس میں اتفاق و تعاون کا مظاہرہ کرتے ہوئے مملکت کے امور کی طرف توجہ دیتے۔ صرف ایک اپنے بیمار باپ کے پاس اس کی خدمت کے لئے رہتا، باقی نظم و نسق سنبھالتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ چاروں لاہور میں اپنے باپ کے پاس جمع ہو گئے ہیں اور اس کے مرنے کے منتظر ہیں۔"

محمد امین خان رکا، کچھ سوچا پھر اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"میران شاہ! تم نے کبھی جنگل میں پڑے بیمار جانور کو دیکھا ہے؟ اس کی بیماری کے پیش نظر گِدھ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں تاکہ اس کے مرنے پر اس پر ٹوٹ پڑیں اور اسے نوچیں۔ یہی حالت اس وقت معظم علی اور اس کے بیٹوں کی ہے۔ بیٹے باپ کے پاس جمع ہیں کہ کب وہ مرے اور ان میں سے ہر کوئی تخت و تاج حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگ جائے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد امین خان رک گیا۔ کچھ دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا، گردن جھکی رہی پھر انتہائی تاسف آمیز انداز میں کہنے لگا۔

"میران شاہ میرے عزیز! ہندوستان کے عظیم مغل حکمران اورنگ زیب عالمگیر کے بعد اب ہندوستان کی یہ حالت ہے جو میں نے تمہارے سامنے بیان کر دی ہے۔"

امین خان کی اس گفتگو کا جواب میران شاہ دینا ہی چاہتا تھا کہ حویلی کے صدر دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ ساتھ ہی کچھ لوگوں کے رونے کی آوازیں بھی سنائی دینے

Marfat.com

لگی تھیں۔ اس صورت حال پر امین خان، فیروز مرزا، علی مردان، ناصر خسرو کے علاوہ ملکھی رام اور میران شاہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ دیوان خانے سے باہر نکلے۔ جب وہ حویلی کے صحن میں آئے تو حویلی کے صحن میں ان کے بچے جو تیغ زنی کی مشق کر رہے تھے وہ بھی اپنی تربیت چھوڑ کر صدر دروازے کی طرف بھاگے تھے۔ دروازہ جب کھولا گیا تو کچھ لوگ ایک چارپائی پر لاش رکھے حویلی سے باہر کھڑے تھے۔

یہ صورتِ حال محمد امین خان اور اس کے بیٹوں اور پوتوں کے لئے بڑی ناقابل برداشت تھی۔ سب پر خاموشی طاری تھی۔ اس دوران علی مردان ہمت کر کے آگے بڑھا، لاش کے اوپر جو خون آلود سفید چادر پڑی ہوئی تھی، ہٹا کر جب اس نے لاش کا چہرہ دیکھا تو اپنے دل پر ہاتھ رکھ لیا اور غمزدہ سے انداز میں کہنے لگا۔

"ہائے ہمارا بیٹا مجتبیٰ خان......"

ان الفاظ پر مجتبیٰ خان کا باپ اور علی مردان کا بڑا بھائی فیروز مرزا چونکا، آگے بڑھ کر جب اس نے اپنے بیٹے کی لاش دیکھی تو اس کی حالت ناقابل برداشت تھی۔ اس موقع پر علی مردان نے اپنے بھائی فیروز مرزا کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور اسے سہارا دیا۔ تاہم ان دونوں کا باپ اور مرنے والے مجتبیٰ خان کا دادا محمد امین خان ستون کی طرح کھڑا تھا۔ چپ، خاموش، کسی مجسمے کی طرح بے حس و حرکت تھا۔ کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا۔ اس موقع پر چاروں بچے شہاب الدین، شرف الدین، عباد الدین اور قاوردخان رونے لگے تھے۔ پر اس موقع پر امین خان کی دھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"خبردار کسی نے رونے کی کوشش کی۔" پھر اس نے تحکمانہ انداز میں بچوں کو اندر جانے کے لئے کہا تو بچے سہمے سہمے انداز میں بھاگتے ہوئے حویلی کے اندر چلے گئے تھے۔

محمد امین خان نے اس موقع پر لاش لانے والوں کی طرف دیکھا۔ وہ سب اس کے عزیز و اقارب تھے۔ انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"پہلے یہ بتاؤ، تم یہ لاش کہاں سے لائے ہو؟"

ان میں سے ایک روتی ہوئی آواز میں محمد امین خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"سردار! جب ہمیں مجتبیٰ خان کے مرنے کی اطلاع دی گئی تو جو لوگ وہاں موجود تھے انہوں نے بتایا کہ تین ہندو جن کی مجتبیٰ خان کے ساتھ دشمنی چل رہی تھی انہوں نے

Marfat.com

اسے قتل کر دیا ہے۔ ان کے نام برادرو چندر اور دیوراج ہیں۔"
جواب میں محمد امین کچھ دیر خلاؤں میں گھورتا رہا، پھر اپنے سب سے چھوٹے بیٹے ناصر خسرو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ناصر میرے بچے! اپنے دونوں بڑے بھائیوں فیروز مرزا اور علی مردان اور آنے والے ان عزیز و اقارب کے ساتھ مل کر لاش کو اندر لے چلو۔ لاش کو زنان خانے میں لے جاؤ۔ میں جانتا ہوں بچے اندر چلے گئے ہیں اور وہ مجتبیٰ خان کی موت کی خبر حویلی میں عورتوں کو کر دیں گے اور حویلی کے اندر ایک شور اٹھ کھڑا ہو گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ لاش کو عورتوں کے کمرے میں پہنچا دو تا کہ وہ مرنے والے کا چہرہ دیکھ سکیں۔ میرے اس بچے کو کس نے قتل کیا ہے، میں جان گیا ہوں۔ خداوند کو منظور ہوا تو ایک روز میں یا میری اولاد میرے اس مرنے والے بچے کا انتقام ضرور لیں گے۔"

اس موقع پر ناصر خسرو، اس کے دونوں بڑے بھائی فیروز مرزا اور علی مردان حرکت میں آنا چاہتے تھے لیکن جو ان کے قریبی رشتہ دار لاش کو لے کر آئے تھے وہ خود ہی چارپائی اٹھا کر حویلی کے اندر داخل ہوئے اور علی مردان کی رہنمائی میں وہ زنان خانے کی طرف بڑھے تھے۔ اتنی دیر تک زنان خانے سے بین کرنے، نوحہ گری کرنے اور رونے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔

بہر حال مجتبیٰ خان کی لاش کو زنان خانے میں پہنچا دیا گیا۔ اتنی دیر تک آس پاس رہنے والے بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ حویلی کے کھلے صحن میں افسوس کرنے والوں کا جمگھٹا ہونے لگا تھا۔ ہر کوئی اداس اور افسردہ تھا۔ اس موقع پر ناصر خسرو اور اس کے دونوں بڑے بھائی فیروز مرزا اور علی مردان، مجتبیٰ خان کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لئے کوئی جذباتی فیصلہ کرنے والے تھے کہ امین خان نے انہیں سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کر دیا تھا۔

تاہم اسی روز مغرب اور عشاء کے درمیان مجتبیٰ خان کو دفن کر دیا گیا تھا۔
مجتبیٰ خان کی تدفین کے بعد ایک بار پھر محمد امین خان، اس کے تینوں بیٹے فیروز مرزا، علی مردان اور ناصر خسرو کے علاوہ میران شاہ اور ملکھی رام دیوان خانے میں جمع ہوئے۔ محمد امین خان نے اپنے دوسرے عزیز و اقارب اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو جو اس وقت وہاں جمع ہو گئے تھے اور انتقام پر تلے ہوئے تھے سمجھا بجھا کر اپنے گھروں کی

Marfat.com

طرف بھیج دیا تھا۔ علی مردان اور فیروز مرزا کے جتنے بچے تھے، گھر کی جتنی عورتیں تھیں انہیں بھی دوسرے کمرے کی طرف بھیج دیا گیا تھا۔ اس کے بعد محمد امین خان نے باری باری پہلے اپنے تینوں بیٹوں فیروز مرزا، علی مردان اور ناصر خسرو کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''میں جانتا ہوں، مجتبیٰ خان کے مرنے کے بعد تم تینوں بھائیوں کی کیا حالت ہے ......تمہارے کیا جذبات ہیں۔ یہ مت سوچنا میرے جذبات تم سے مختلف ہیں۔ وہ میرا پوتا تھا۔ میرے شجرہ نسب کی ایک سرسبز اور شاداب ٹہنی تھا جسے کاٹ دیا گیا ہے۔ ہم ترکِ جہاں کٹنا جانتے ہیں اور کاٹنا بھی جانتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا، یہ وقت انتقام لینے کا نہیں ہے۔ ہم انتقام پر اترے تو یاد رکھنا اپنے دشمنوں کے ہاتھوں تباہ و برباد کر دیئے جائیں گے۔ یہ پٹنہ شہر ہے جہاں کے حاکم حسین علی اور حسن علی ہیں۔ ان کے قریبی عزیزوں میں سے صفدر علی اور عالم علی کے علاوہ صفدر علی کے بھائی اور عالم علی کے بھائی بھی ہمارے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ جو لوگ لاش گھر لے کر آئے تھے ان کا کہنا تھا کہ انہیں بتایا گیا ہے کہ مجتبیٰ خان کو تین ہندو بُرادو، چندر اور دیو راج نے قتل کیا ہے اس لئے کہ ایک موقع پر مجتبیٰ خان سے ان تین ہندوؤں کی تلخ کلامی کسی معاملے میں ہوئی تھی۔ لہٰذا ان تینوں کے نام لے دیئے گئے ہیں۔ اور اگر ان تینوں نے مجتبیٰ خان کا خاتمہ کیا بھی ہے تو یہ انہوں نے خود نہیں، کسی کے کہنے پر کیا ہے اور حالات حقیقت بن کر ایک روز ضرور ہمارے سامنے آئیں گے۔

میرے بچو! اس موقع پر میری ایک بات ضرور یاد رکھنا، مجھ سے پوچھے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانا۔ جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی فیصلہ نہ کرنا۔ میں جانتا ہوں میرے پوتے کے قتل میں حسن علی اور حسین علی دونوں اگر بلا واسطہ نہیں تو بالواسطہ ضرور ملوث ہیں۔ براہِ راست اس میں ان کے دونوں بڑے عزیز صفدر علی اور عالم علی شامل ہیں۔ وقت کا انتظار کرو اور پھر دیکھو قضا و قدر کے اراکین مغلوبیت کا فیصلہ کس کے حق میں کرتے ہیں اور غالب رہنا کس کے مقدر میں لکھتے ہیں۔

میرے عزیز بچو! پٹنہ شہر بہار کا مرکزی شہر ہے اور اس پر حسن علی اور حسین علی حاکم اور والی ہیں لہٰذا یہاں رہتے ہوئے ہم ان کے خلاف نہ کوئی کارروائی کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنا انتقام لینے کے لئے کامیابی اور فوز مندی حاصل کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اس موقع پر

Marfat.com

ایک مشورہ دینے لگا ہوں اسے غور سے سننا اور جلد اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد امین رکا پھر کہنے لگا۔

''فیروز مرزا! سب سے پہلے میں تمہارے ذمے ایک کام لگانے لگا ہوں۔ آج ہی آدھی رات کے قریب تم یہاں سے دہلی روانہ ہو جانا اب ہم پٹنہ میں نہیں رہیں گے۔ دہلی میں تم معظم کی بیوی مہر پرور سے ملنا۔ وہ اس وقت قصر ہی میں قیام رکھتی ہے اس لئے کہ وہ ہمارے موجودہ شہنشاہ معظم علی کی بیوی ہے اور معظم علی ان دنوں اپنے چاروں بیٹوں کے ہمراہ لاہور میں مقیم ہے۔ ہمارے تعلقات سب سے چھوٹے بھائی جہاں شاہ کے ساتھ سب سے اچھے اور عمدہ ہیں۔ گو رفیع الشان اور عظیم الشان بھی ہمارے لئے اچھے ہیں لیکن شہنشاہ معظم علی اور اس کا بڑا بیٹا جہاندار شاہ قرابت داریوں اور تعلقات کو کوئی اہمیت دینے والے نہیں ہیں لہٰذا ان سے ہمیں کسی مدد کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔

اب جہاندار شاہ کے تینوں بھائی عظیم الشان، رفیع الشان اور جہاں شاہ تو لاہور جا چکے ہیں لیکن جہاندار شاہ کا بیٹا روشن اختر جسے محمد شاہ کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے (یہی روشن اختر بعد میں محمد شاہ کے نام سے ہندوستان کا بادشاہ بنا اور تاریخ کے اوراق میں محمد شاہ رنگیلا کہلایا) کے ساتھ ہمارے تعلقات بہت اچھے ہیں۔

فیروز مرزا میرے عزیز بیٹے! پٹنہ سے روانہ ہونے کے بعد دہلی کا رخ کرنا اور قصر میں مہر پرور کے علاوہ اس کے پوتے روشن اختر یعنی محمد شاہ سے بھی ملاقات کرنا۔ اپنے پورے حالات ان دونوں سے بیان کرنا اور مجھے امید ہے کہ ہمارے دشمنوں سے ہمیں محفوظ کرنے کے لئے وہ ہمیں دہلی میں کوئی معقول رہائش حاصل کرنے میں مدد دیں گے جن کے لئے ہم انہیں پورا معاوضہ دیں گے ایسا میں اس لئے کر رہا ہوں جب مہر پرور اور محمد شاہ کا ہاتھ ہم پر ہوگا تو کوئی بلا توقف اور آنکھیں بند کر کے ہم پر حملہ آور ہونے اور ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا اس لئے کہ روشن اختر یعنی محمد شاہ بہر حال ہمارے موجودہ بادشاہ معظم علی کا پوتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد امین خان جب خاموش ہوا تب اس کا منجھلا بیٹا علی مردان بول اٹھا۔

''ابا! اگر آپ اجازت دیں تو اس موقع پر میں بھی کچھ کہوں۔''

محمد امین خان نے بڑی سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

Marfat.com

"میرے بچے! ابھی تک میں نے اپنی گفتگو ختم نہیں کی۔ بہرحال جو تم کہنا چاہتے ہو، کہہ لو۔"

اجازت ملنے پر علی مردان بول اٹھا۔

"ابا! اگر آپ اجازت دیں تو بھائی فیروز مرزا اماں کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں اس لئے کہ مہر پرور کے ہماری ماں مہر النساء کے ساتھ بڑے اچھے تعلقات ہیں۔ اگر بھائی فیروز مرزا اپنے ساتھ اماں کو بھی لے کر جاتے ہیں تو مہر پرور اور محمد شاہ پر ہماری التجا کا زیادہ اثر ہوگا اور وہ کھل کر ہماری مدد اور حمایت پر آمادہ ہو جائیں گے۔"

علی مردان جب خاموش ہوا تب کچھ دیر ہلکے ہلکے تبسم میں محمد امین خان نے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

"علی مردان میرے بچے! جو تجویز تم نے پیش کی ہے وہ اچھی ہے۔ لیکن جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ سن لو۔ فیروز مرزا جاتے جاتے صرف تمہاری ماں مہر النساء ہی نہیں تم دونوں کی بیویوں قرہ خاتون اور تقدیس خانم کے علاوہ چاروں بچوں کو بھی اپنے ساتھ لے جائے گا۔ پہلے وہاں کسی سرائے میں قیام کر لینا اس کے بعد مہر پرور اور محمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہونا ساتھ ہی میں تمہیں معقول رقم بھی مہیا کر دوں گا۔ اگر تمہارے وہاں قیام کے دوران ہی رہائش کا بندوبست ہو جائے تو تم سب کو اس حویلی میں مقیم کر کے مجھے اطلاع بھیج دینا۔ دہلی سے تم واپس یہاں نہ آنا۔ میں حویلی اور اس کا سارا سامان اپنے قبیلے کے کچھ لوگوں کے حوالے کر کے دہلی پہنچ جاؤں گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد محمد امین رکا اس کے بعد اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"ملکھی رام بھی آج ہی بنارس کی طرف چلا جائے گا اور منس رام سے جا کر کہے گا کہ وہ سمرہ سے متعلق بالکل پریشان اور فکرمند نہ ہو۔ سمرہ اب اس کی نہیں ہماری بیٹی ہے اور اب ہم اس کی حفاظت کا خوب انتظام کریں گے۔ آج رات ہی علی مردان اور ناصر خسرو کے علاوہ میران شاہ تینوں قندھار کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور اگر قرہ خاتون نے علی مردان کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے شہاب الدین کو اپنے ساتھ لے جائے تو وہ بھی ان کے ساتھ قندھار روانہ ہو جائے گا۔

ہماری بدقسمتی کہ جو حالات ابھی تک ہمیں اپنی عورتوں سے کہنے چاہئے تھے، مجتبیٰ

Marfat.com

خان کی وجہ سے نہیں کہہ سکے۔ اب علی مردان اور فیروز مرزا دونوں زنان خانے کی طرف جاؤ۔ میران شاہ اور ملکھی رام کی وجہ سے جو تفصیل ہے وہ سب ان سے کہہ دینا تاکہ انہیں بھی پورے حالات کی خبر ہو اور جو گفتگو میں نے کی ہے اس سے بھی انہیں آگاہ کرنا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد محمد امین خان رکا تب اس کا بڑا بیٹا فیروز مرزا بول اٹھا۔

"ابا! اگر آپ برا نہ مانیں تو اس موقع پر میں آپ کی اس تجویز سے اختلاف رکھتا ہوں۔ اگر مجھے اپنے چاروں بچوں اور ساری عورتوں کو لے کر دہلی کی طرف جانا ہے جبکہ بھائی علی مردان، ناصر خسرو اور چھوٹا بچہ شہاب الدین قندھار کی طرف میران شاہ کے ساتھ جائیں گے تو ابا! آپ حویلی میں اکیلے رہ کر کیا کریں گے؟ برا نہ مانئے گا، جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ غور سے سنیں پھر جو فیصلہ آپ دیں گے وہ ہم سب کے لئے آخری ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر آج رات ہم نے دہلی کی طرف روانہ ہونا ہے تو پھر اپنی حویلی اپنے کچھ لوگوں کے حوالے کر کے آپ بھی ہمارے ساتھ دہلی چلیں۔ یہاں حویلی میں جس قدر ہمارے پاس نقدی اور سرمایہ ہے، وہ اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ خدا کے فضل سے ہمارے پاس اس قدر سرمایہ ہے کہ اس سے ہم دہلی میں ایک نہیں کئی رہائش گاہیں خرید سکتے ہیں۔ وہاں جا کر سب سرائے میں قیام کریں گے۔ اس سلسلے میں مجھے مہر پرور اور اس کے پوتے محمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ خود جب ان کے پاس جائیں گے تو وہ آپ کو ایسی عزت ایسا احترام دیں گے کہ جو بھی آپ کہیں گے وہ مانیں گے اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔"

جواب میں محمد امین کچھ دیر تک ہلکے ہلکے تبسم میں فیروز مرزا کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

"میرے بچے! اگر تیری یہی صلاح ہے تو ایسا ہی ہوگا۔ آج رات ہم سب یہاں سے کوچ کریں گے۔ ایک بات یاد رکھنا، میں اپنے بچے مجتبیٰ خان کے انتقام کو بھولوں گا نہیں۔ وقت آنے دو، پھر دیکھنا میں قاتلوں کے خلاف کیسا خونی انقلاب برپا کرتا ہوں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد محمد امین خان رکا، تب ڈرتے ڈرتے، سہمے سہمے ملکھی رام

Marfat.com

بول اٹھا اور محمد امین خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر آپ برا نہ مانیں تو اس موقع پر میں بھی ایک مشورہ آپ کو دینا چاہتا ہوں۔''

محمد امین نے مسکراتے ہوئے ملکھی رام کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''ملکھی! کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ کچھ کہنے کے لئے تمہیں مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔''

جواب میں ملکھی رام مسکرایا پھر کہنے لگا۔

''اگر آپ برا نہ مائیں تو اس موقع پر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ دہلی کا رخ کرنے کی بجائے آپ مالوہ کا رخ کیوں نہیں کرتے۔ مالوہ کا حاکم اور صوبے دار قمر الدین آپ کا بھتیجا ہے اس لئے کہ آپ اس کے دادا کے بھتیجے ہیں۔ میرے خیال میں اگر آپ سب افراد مالوہ قمر الدین کے پاس چلے جائیں تو وہ اپنے رشتے کو خوب نبھائے گا اور آپ کی حفاظت اور آپ کی دیکھ بھال کا خوب اہتمام کرے گا۔''

ملکھی رام جب خاموش ہوا تب کچھ سوچتے ہوئے محمد امین خان کہنے لگا۔

''ملکھی رام! جو مشورہ تم نے دیا ہے تمہارے اندازے کے مطابق وہ بھی صحیح ہے۔ لیکن یاد رکھنا عنقریب حالات بڑے ابتر ہو جائیں گے۔ شہنشاہ لاہور میں بیمار ہے اس کے چار بیٹوں جہاندار، عظیم الشان، رفیع الشان اور جہاں شاہ میں سے اس وقت صرف جہاندار شاہ کی حیثیت مضبوط ہے۔ باقی بھائیوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ بادشاہ بنے گا۔ اس بناء پر ان بھائیوں کی اولاد یاد رکھنا جہاندار شاہ کی زندگی ہی میں اس کے خلاف حرکت میں آ سکتی ہے یا کچھ عرصہ بعد تخت نشینی کے لئے وہ جھگڑا اٹھے گا کہ الامان الحفیظ۔ اور اگر اپنے بھائیوں کا خاتمہ کر کے یا ان پر غلبہ حاصل کر کے جہاندار بادشاہ بن گیا تو وہ اپنے بعد کوشش کرے گا کہ اپنے بیٹے عز الدین کو ہندوستان کا بادشاہ بنائے لیکن دوسری طرف تخت کے اور بھی بہت سے دعوے دار ہیں۔ عظیم الشان کا بیٹا فرخ سیر ہے جو اس وقت بنگال میں مقیم ہے اور تیسرے بیٹے رفیع الشان کے تین بیٹے محمد ابراہیم، رفیع الدولہ اور رفیع الدرجات ہیں۔ یہ بھی اپنے باپ رفیع الشان کا انتقام لینے کے لئے اٹھ سکتے ہیں اور چوتھے بھائی جہاں شاہ کا ایک ہی بیٹا ہے، روشن اختر یعنی محمد شاہ۔ وہ بھی عمر کے ایسے حصے میں ہے جہاں نہ کسی کے خلاف اٹھ سکتا ہے نہ بغاوت کر سکتا ہے اور پھر وہ ایسا کرنے والا بھی نہیں۔ اس کے باوجود اس کی بھی بڑی

Marfat.com

اہمیت ہے اس لئے کہ موجودہ بادشاہ کی بیوی مہر پرور سب سے زیادہ محمد شاہ ہی کو پسند کرتی ہے اور اس نے دہلی کے قصر میں محمد شاہ ہی کے ساتھ قیام کر رکھا ہے۔

ملکھی! رام اگر موجودہ بیمار بادشاہ معظم علی کے بعد تخت کے دعوے دار اٹھ کھڑے ہوں گے تو یاد رکھنا ایسا بھی موقع آ سکتا ہے کہ مالوہ میں میرے بھتیجے قمر الدین کی کوئی حیثیت نہ رہے۔ اگر کوئی ایسا موقع آ گیا تو وہاں ہم سے دشمنی رکھنے والے کھل کر ہمارے خلاف حرکت میں آ جائیں گے اور ہم کچھ نہیں کر پائیں گے اور اگر ہم دہلی میں رہائش رکھتے ہیں اور تخت نشینی کی جنگ بھی شروع ہو جاتی ہے، خانہ جنگی بھی اٹھ کھڑی ہوتی ہے تب بھی مہر پرور اور محمد شاہ کی وجہ سے ہم دہلی میں کسی حد تک محفوظ رہیں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد محمد امین خان رکا پھر دوبارہ ملکھی رام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"ملکھی رام! تم بھی آج رات ہی کے وقت ہمارے ساتھ کوچ کر جانا۔ منس رام کو میری طرف سے تسلی اور تشفی دینا۔ اسے کہنا بالکل مطمئن اور شانت رہے۔ علی مردان، ناصر خسرو اور میران شاہ لاہور پہنچ کر لاہور کے حاکم عبدالصمد سے ملیں گے۔ عبدالصمد ہی کی نگرانی میں سمرہ اور ناصر خسرو کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے گا۔ پھر علی مردان عبدالصمد سے کہے گا کہ اپنا کوئی ہرکارہ دہلی میں میری طرف روانہ کرے جو مجھے سمرہ اور ناصر خسرو کی شادی کے علاوہ باحفاظت قندھار کی طرف کوچ کرنے کی اطلاع کر دے۔ یہ اطلاع میں منس رام کو بھجوا کر مطمئن کروا دوں گا۔ میرے خیال میں اب تم اٹھو۔ نہ صرف اپنی تیاری کرو بلکہ زنان خانے میں جا کر فیروز مرزا اور علی مردان! تم جو حالات پیش آ رہے ہیں یا میں نے جو گفتگو تم سے کی ہے اس کی اطلاع انہیں کرو۔"

اپنے باپ کے کہنے پر فیروز مرزا اور علی مردان دونوں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ زنان خانے کی طرف گئے وہاں ایک کمرے میں ان دونوں کی ماں مہر النساء کے علاوہ دونوں کی بیویاں تقدیس خانم اور قرہ خاتون کے علاوہ چھوٹی بچی ماہ الملک جو فیروز مرزا کی بیٹی تھی بیٹھی ہوئی تھیں۔

دونوں بھائی آگے بڑھ کر اپنی ماں کے پہلو میں خالی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ پھر فیروز مرزا نے میران شاہ اور ملکھی کے آنے کے پورے حالات سنائے۔ ساتھ ہی جو گفتگو

Marfat.com

تھوڑی دیر پہلے دیوان خانے میں ہوئی تھی اس سے بھی سب کو آگاہ کیا۔

فیروز مرزا جب خاموش ہوا تب علی مردان کی بیوی قرہ خاتون انتہائی پریشانی اور فکرمندی میں اپنے شوہر علی مردان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''تو کیا آپ شہاب الدین کو قندھار لے جائیں گے؟ آپ جانتے ہیں میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور پھر قندھار لے جا کر نجانے آپ اس کی تربیت کا صحیح اہتمام بھی کر سکیں گے کہ نہیں۔ اگر اس کی تربیت ادھوری رہ گئی تو میں زندگی بھر نہ آپ کو نہ اپنے آپ کو معاف کر سکوں گی۔''

قرہ خاتون جب خاموش ہوئی تب علی مردان بڑی چاہت میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''قرہ خاتون! تم شہاب الدین کو کس قدر چاہتی ہو، میں جانتا ہوں۔ اور تم یہ بھی جانتی ہو مجھے اپنا بیٹا کس قدر عزیز ہے۔ مطمئن رہو، قندھار میں اس کی بہترین تربیت کا اہتمام کروں گا۔ وہاں میرے ساتھ محفوظ رہے گا اور جب میں اسے لے کر تمہارے پاس لوٹوں گا تو تم فخر کرو گی کہ میں نے اس بیٹے کی کیسی اچھی اور شاندار تربیت کی ہے۔ قندھار سے میں اسے کندن بنا کر لاؤں گا۔''

قرہ خاتون کچھ سوچتی رہی پھر ہار ماننے کے انداز میں کہنے لگی۔

''اگر آپ لوگوں کا یہی فیصلہ ہے تو میں اسے تسلیم کرتی ہوں لیکن شہاب الدین کا خیال رکھیے گا۔''

قرہ خاتون کے اس فیصلے پر فیروز مرزا اور علی مردان خوش ہو گئے تھے۔ پھر وہ زنان خانے سے نکلے، اپنے باپ اور تیسرے بھائی ناصر خسرو سے مل کر اپنی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ گھر میں جس قدر اثاثہ تھا، وہ جمع کر لیا گیا۔ ضروری سامان بھی سمیٹ لیا گیا۔ اس طرح آنے والی شب کو سب نے وہاں سے بڑی رازداری کے ساتھ کوچ کیا۔ حویلی محمد امین خان نے اپنے کچھ عزیزوں کے حوالے کر دی تھی۔ ملکھی رام بنارس کی طرف چلا گیا تھا۔ باقی سب دہلی تک اکٹھے گئے۔ وہاں سب نے ایک سرائے میں قیام کر لیا تھا۔

❀ ...... ❀

Marfat.com

•••

دہلی کے سلطان معظم کی بیوی مہر پرور ایک روز قصر میں اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا پوتا محمد شاہ اور محمد شاہ کی رضاعی بہن رحیم النساء بیٹھے ہوئے تھے۔ تینوں آپس میں کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ محل سرا کا ایک شخص دروازے پر نمودار ہوا۔ پہلے اپنی کمر کو خم کرتے ہوئے اس نے مہر پرور کو تعظیم دی پھر انتہائی عقیدت اور احترام سے اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''خاتونِ محترم! کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے ملاقات کے متمنی ہیں۔''

ان الفاظ پر مہر پرور نے آنے والے محل سرا کے اس شخص کی طرف غور سے دیکھا پھر کہنے لگی۔

''تم نے پوچھا تو ہوتا کہ وہ کون لوگ ہیں جو مجھ سے ملنے کے متمنی ہیں ...... ان کے نام بھی پوچھے ہوتے۔''

اس پر وہ شخص مہر پرور کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں نے ان کے نام پوچھے ہیں۔ جو شخص آپ سے ملنے کا متمنی ہے اس کا نام محمد امین خان ہے۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی ہے جس کا نام مہر النساء ہے۔''

یہ دونوں نام سن کر مہر پرور چونکی تھی جبکہ محمد شاہ اور اس کی رضاعی بہن دونوں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر مہر پرور محمد شاہ اور رحیم النساء دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''دونوں جاؤ، انہیں عزت اور احترام کے ساتھ میرے پاس لے کر آؤ۔ اس لئے کہ وہ دونوں ہمارے لئے بڑے محترم، بڑے صاحب عزت ہیں۔ اس لئے

Marfat.com

کہ ماضی میں ان کے خاندان کے ہم پر بہت سے احسانات ہیں۔“

مہر پرور کے ان الفاظ کے ساتھ ہی محمد شاہ اور رحیم النساء دونوں باہر نکلے۔ محمد شاہ شاید محمد امین خان اور اس کے اہل خانہ کو پہلے سے ہی جانتا تھا۔ جونہی اس کی نظر محمد امین خان پر پڑی، بھاگا اور اس سے بغل گیر ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مہر النساء نے پہلے رحیم النساء کو گلے لگا کر پیار کیا بعد میں محمد شاہ کو لپٹایا اور پیشانی چومی۔ پھر رحیم النساء نے مہر النساء کا ہاتھ پکڑ لیا۔ محمد شاہ، محمد امین خان کا بازو تھام چکا تھا۔ اس طرح دونوں ان دونوں کو قصر کے اس کمرے میں لے کر داخل ہوئے جس میں مہر پرور بیٹھی ہوئی تھی۔

محمد امین خان اور مہر النساء کو دیکھتے ہی مہر پرور اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ مہر النساء آگے بڑھ کر اس سے بغل گیر ہوئی محمد امین خان نے سلام کہا۔ سب نشستوں پر بیٹھ گئے پھر شکوؤں بھری آواز میں مہر پرور نے محمد امین خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”امین خان! حد ہو گئی۔ اتنا عرصہ ہو گیا دہلی میں۔ کتنے انقلاب آ گئے۔ تخت نشینی کے لئے کیا کچھ نہ ہوا۔ میں اس قصر کے کمرے میں تنہا پڑی رہتی ہوں۔ کوئی ایسا نہیں جو میری دلجوئی کرے۔ شوہر اور چاروں بیٹوں کے لاہور چلے جانے کے بعد اب لے دے کر یہ پوتا محمد شاہ اور رحیم النساء رہ گئے ہیں جو میری دلجوئی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ چاروں طرف سکوت اور اندھیرا ہی دکھائی دیتا ہے۔“

مہر پرور جب خاموش ہوئی تب بڑی عاجزی اور انکساری میں محمد امین خان کہنے لگا۔ ”خاتونِ محترم! آپ جانتی ہیں تخت نشینی کی جنگ جب ہوتی ہے تو بڑے بڑے سورماؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے تاکہ وہ کسی فریق کے مخالف کا ساتھ نہ دیں۔ اس موقع پر میرے بچوں نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ آپ کے پاس آنے کو جی چاہتا تھا لیکن چاروں طرف خون ریزی دیکھتے ہوئے پٹنہ میں گوشہ گیر ہو بیٹھے تھے۔ اب ایک افتاد پڑی ہے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔“

مہر پرور نے چونکنے کے انداز میں محمد امین خان کی طرف دیکھا۔ تجسس بھرے انداز میں پوچھا۔

”کیسی افتاد آن پڑی ہے تم پر؟“

Marfat.com

کہ ماضی میں ان کے خاندان کے ہم پر بہت سے احسانات ہیں۔"

مہر پرور کے ان الفاظ کے ساتھ ہی محمد شاہ اور رحیم النساء دونوں باہر نکلے۔ محمد شاہ شاید محمد امین خان اور اس کے اہل خانہ کو پہلے سے ہی جانتا تھا۔ جونہی اس کی نظر محمد امین خان پر پڑی، بھاگا اور اس سے بغل گیر ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مہر النساء نے پہلے رحیم النساء کو گلے لگا کر پیار کیا بعد میں محمد شاہ کو لپٹایا اور پیشانی چومی۔ پھر رحیم النساء نے مہر النساء کا ہاتھ پکڑ لیا۔ محمد شاہ، محمد امین خان کا بازو تھام چکا تھا۔ اس طرح دونوں ان دونوں کو قصر کے اس کمرے میں لے کر داخل ہوئے جس میں مہر پرور بیٹھی ہوئی تھی۔

محمد امین خان اور مہر النساء کو دیکھتے ہی مہر پرور اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ مہر النساء آگے بڑھ کر اس سے بغل گیر ہوئی محمد امین خان نے سلام کہا۔ سب نشستوں پر بیٹھ گئے پھر شکووں بھری آواز میں مہر پرور نے محمد امین خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"امین خان! حد ہو گئی۔ اتنا عرصہ ہو گیا دہلی میں۔ کتنے انقلاب آ گئے۔ تخت نشینی کے لئے کیا کچھ نہ ہوا۔ میں اس قصر کے کمرے میں تنہا پڑی رہتی ہوں۔ کوئی ایسا نہیں جو میری دلجوئی کرے۔ شوہر اور چاروں بیٹوں کے لاہور چلے جانے کے بعد اب لے دے کر یہ پوتا محمد شاہ اور رحیم النساء رہ گئے ہیں جو میری دلجوئی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ چاروں طرف سکوت اور اندھیرا ہی دکھائی دیتا ہے۔"

مہر پرور جب خاموش ہوئی تب بڑی عاجزی اور انکساری میں محمد امین خان کہنے لگا۔ "خاتونِ محترم! آپ جانتی ہیں تخت نشینی کی جنگ جب ہوتی ہے تو بڑے بڑے سورماؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے تاکہ وہ کسی فریق کے مخالف کا ساتھ نہ دیں۔ اس موقع پر میرے بچوں نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ آپ کے پاس آنے کو جی چاہتا تھا لیکن چاروں طرف خون ریزی دیکھتے ہوئے پٹنہ میں گوشہ گیر ہو بیٹھے تھے۔ اب ایک افتاد پڑی ہے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔"

مہر پرور نے چونکنے کے انداز میں محمد امین خان کی طرف دیکھا۔ تجسس بھرے انداز میں پوچھا۔

"کیسی افتاد آن پڑی ہے تم پر؟"

Marfat.com

جواب میں محمد امین خان نے چند دنوں میں رونما ہونے والے پورے حالات تفصیل سے کہہ سنائے تھے۔

مہر پرور سارے حالات سن کر غم زدہ سے انداز میں کچھ دیر تک خاموشی اختیار کئے رہی پھر محمد امین خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''محمد امین خان! تم نے بہت برا کیا۔ اگر تم اپنے اہل خانہ کو بھی اپنے ساتھ لے کر آئے ہو تو یہاں قصر میں میرے پاس لے کر آتے۔ اس لئے کہ تمہارے اہل خانہ میرے جان پہچان کے لوگ ہیں تم انہیں سرائے میں ٹھہرا کر آ گئے ہو۔ اگر تمہارا منجھلا بیٹا بہار کے حکمران طبقے سے خوفزدہ ہو کر قندھار کا رخ کرنا چاہتا ہے تو اسے روک دو۔ یہاں دہلی میں تم لوگ محفوظ رہو گے۔ تم لوگوں پر کوئی ہاتھ نہیں ڈالے گا۔''

محمد امین خان خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''خاتون! وہ ڈر یا خوف کے مارے قندھار نہیں جانا چاہتا بلکہ قندھار کے خلجی سردار میرویس نے اسے بلایا ہے۔ میرویس تو بیمار ہو کر فوت ہو چکا ہے اب اس کا بیٹا محمود بڑی بے چینی اور بے تابی سے میرے بیٹے علی مردان کا انتظار کر رہا ہو گا۔ بس علی مردان میرویس کی طلبی پر قندھار جانا چاہتا ہے اس لئے میرویس کا ایک ہرکارہ بھی یہاں آیا ہوا ہے اور وہ علی مردان ہی کو لینے آیا ہے۔''

محمد امین خان جب خاموش ہوا تب دوبارہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مہر پرور کہنے لگی۔ ''جہاں تک تمہاری رہائش کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں تمہیں فکرمند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے میری ایک چھوڑ دو حویلیاں جو شادی سے پہلے ہی میری تھیں ابھی تک میری ہیں اور خالی پڑی ہوئی ہیں۔ وہاں کوئی رہائش نہیں رکھتا۔ تاہم میرے کچھ کارندے ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک حویلی میں اپنے اہل خانہ کو لے جا کر آباد کر دو۔ اس سلسلے میں محمد شاہ تمہارے ساتھ جائے گا۔ تمہیں وہ حویلی بھی دکھا دے گا۔''

محمد امین خان نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

''خاتون! اس حویلی کی......''

محمد امین خان کو رک جانا پڑا اس لئے کہ ڈانٹ دینے کے انداز میں مہر پرور بول اٹھی۔ ''اس کی قیمت کی بات نہ کرنا۔ تم جانتے ہو تمہارے ہی نہیں، تمہارے چچا کے بھی

Marfat.com

ہم پر بڑے احسانات ہیں۔ وہ ہم پر بڑے مہربان تھے۔ اگر تم نے حویلی کی قیمت چکانے کا ارادہ کیا تو میں سمجھوں گی تم میری توہین کے درپے ہو۔"

اس موقع پر مہر پرور خاموش رہ کر کچھ سوچتی رہی پھر کہنے لگی۔

"محمد امین خان اور مہرالنساء میری بہن! بڑھاپے کی وجہ سے زیادہ چل پھر نہیں سکتی ورنہ میں خود تم دونوں کے ساتھ جاتی اور اس حویلی میں تمہارے اہل خانہ کو آباد کرتی۔ اب میں اس کام کے لئے اپنے پوتے محمد شاہ اور رحیم النساء کو بھیجتی ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی مہر پرور نے محمد شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"محمد شاہ میرے بچے! رحیم النساء کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ محمد امین خان کے اہل خانہ کو سرائے سے نکال کر اس حویلی میں لے جاؤ جو قصر سے دور ہے اس لئے کہ میں چاہتی ہوں کہ یہاں رہتے ہوئے یہ کم از کم قصر کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہیں۔"

محمد شاہ اور رحیم النساء دونوں اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مہر پرور پھر بول اٹھی۔ "اب تم دونوں میاں بیوی محمد شاہ اور رحیم النساء کے ساتھ جاؤ اور جس حویلی سے متعلق میں نے محمد شاہ کو ہدایت کی ہے اس میں اپنے اہل خانہ کو آباد کرو۔ گھر کے حالات درست کرنے کے بعد پھر اپنے سارے اہل خانہ کو لے کر میرے پاس آنا تم سب کی آمد پر مجھے بے حد خوشی ہوگی۔ میں خود بھی کوشش کروں گی کہ کسی روز پالکی میں بیٹھ کر تمہاری حویلی میں آؤں اور تم سب کے ساتھ مل کر کھانا کھاؤں۔"

جواب میں محمد امین خان اور مہرالنساء دونوں مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے پھر وہ محمد شاہ اور رحیم النساء کے ساتھ قصر سے باہر نکل گئے تھے۔

پہلے چاروں سرائے میں گئے۔ وہاں محمد شاہ اور رحیم النساء دونوں بڑے پُر جوش انداز میں محمد امین خان کے سارے اہل خانہ سے ملے پھر جس قدر ان کے پاس ضرورت کا سامان تھا وہ اٹھایا گیا۔ محمد شاہ اور رحیم النساء انہیں اس حویلی میں لے گئے جس کا اشارہ مہر پرور نے دیا تھا۔

حویلی میں پہنچانے کے بعد رحیم النساء تو زنان خانے میں عورتوں کے ساتھ رہی جبکہ محمد شاہ بازار تک محمد امین خان کے بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ گیا۔ وہاں سے ضرورت کا سامان خرید کر حویلی میں ڈلوا دیا تھا۔ شام تک محمد شاہ اور رحیم النساء دونوں ان کے ہاں ہی رہے۔ شام کا کھانا بھی ان کے ہاں ہی کھایا پھر محمد امین خان سے

Marfat.com

اجازت لے کر دونوں قصر کی طرف چلے گئے تھے۔
دہلی اپنے اہل خانہ کے ساتھ پہنچ کر محمد امین خان کو ایک طرح سے تسلی اور تشفی ہو گئی تھی۔ وہ اب اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو بہار کے حکمرانوں سے محفوظ خیال کر رہا تھا۔ شام کا کھانا کھانے اور مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد محمد امین خان، فیروز مرزا، علی مردان، ناصر خسرو اور میران شاہ سب دیوان خانے میں بیٹھ گئے۔ پھر محمد امین خان اپنے منجھلے بیٹے علی مردان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''علی مردان! میں جانتا ہوں پٹنہ سے دہلی کا سفر کرتے ہوئے تم تھکے ہارے ہو۔ میں چاہتا ہوں تم دو دن یہاں قیام کرو۔ اس کے بعد اپنی منزل قندھار کا رخ کر لینا۔ بیٹے! راستے میں کہیں فالتو قیام نہ کرنا۔ جہاں بھی ٹھہرنا، سرائے میں ٹھہرنا۔ لاہور پہنچ کر ناصر خسرو اور سمرہ کی شادی کا اہتمام کرنے کے بعد قندھار کا رخ کرنا۔ لاہور پہنچ کر اپنے پہنچنے کی اطلاع عبدالصمد کے ذریعے کروا دینا۔ ہماری طرف سے بالکل مطمئن رہنا۔ قندھار میں شہاب الدین کا خیال رکھنا۔ ناصر خسرو اور سمرہ بھی تمہاری حفاظت میں وہاں ہوں گے۔ میں امید رکھتا ہوں جس طرح تم سب بھائی اتفاق اور محبت کے ساتھ پٹنہ میں رہتے رہے ہو ایسے ہی قندھار میں بھی رہو گے۔ دہلی میں ہمارے متعلق فکرمند مت ہونا۔ پٹنہ میں مجھے اپنے اہل خانہ کے متعلق خوف تھا لیکن یہاں اب میں انہیں اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دوں گا۔ یہ بھی خیال مت کرنا کہ میں اپنے بیٹے مجتبیٰ خان کی موت کو بھول جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں اس کا قتل بہار کے حکمرانوں نے ہی کرایا ہے یہ ان کی سازش ہے اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا ہے کہ ہم نے سمرہ کو ان کے ہتھے نہیں چڑھنے دیا۔ خداوند کو منظور ہوا تو اب میں ایک نہ ایک روز اپنے ان دشمنوں سے مجتبیٰ کا بڑا ہولناک انتقام لوں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد امین خان رکا پھر اپنے بیٹے علی مردان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''علی مردان میرے بچے! جو حالات اب تک ہم پر بیتے ہیں ان کی اطلاع میں کسی خاص آدمی کے ذریعے اپنے بھتیجے قمر الدین کے پاس مالوہ پہنچاؤں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو ہماری خیر خیریت جاننے کے لئے وہ اپنا کوئی آدمی پٹنہ کی طرف روانہ کرے اور وہاں ہمیں نہ پا کر قمر الدین کو فکرمندی اور تشویش لاحق ہو گی۔ لہٰذا میں اسے اطلاع کر دوں

Marfat.com

گا کہ ہم اس طرح کے حالات کے تحت پٹنہ سے دہلی منتقل ہو چکے ہیں۔
بیٹے! تم قندھار پہنچ کر میرویس کے بیٹے محمود سے ہم سب کی طرف سے اس کے باپ کے مرنے کا دلی افسوس کرنا۔ جو حالات میران شاہ نے بتائے ہیں ان کے مطابق یردیس تو اب فوت ہو چکا ہے لیکن محمود ہی اب قندھار کا حاکم ہوگا۔ وہاں رہتے ہوئے محمود کا ساتھ دینا۔ اپنے بھائی، بیٹے اور بھائی کی بیوی کا بھی خیال رکھنا۔''
یہاں تک کہتے کہتے محمد امین خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ عشاء کی اذان سنائی دی تھی۔ اذان کے بعد وہ پھر بولا اور کہنے لگا۔
''اٹھو، سب نماز کی تیاری کرو۔ اس کے بعد آرام کرو۔ یہاں اسی دیوان خانے میں چٹائیاں یا بڑی دری بچھا دو۔ یہیں نماز پڑھ لیتے ہیں۔''
اس پر وضو کرنے کے لئے سب وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔
پھر دو دن بعد علی مردان اپنے چھوٹے بھائی ناصر خسرو اور اپنے بیٹے شہاب الدین کے ساتھ دہلی سے لاہور کوچ کر گیا تھا۔

❁

علی مردان ایک روز لاہور کے حاکم عبدالصمد کی حویلی پر دستک دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھل گیا تھا۔ دروازہ کھولنے والا شاید عبدالصمد کا کوئی خادم تھا۔ پہلے اس نے علی مراد، ناصر خسرو اور ننھے شہاب الدین کی طرف دیکھا جو اپنے اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے کھڑے تھے۔ پھر دروازہ کھولنے والے اس خادم کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا اور علی مردان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
''میں آپ تینوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ علی مردان ہیں اور آپ کے ساتھ آپ کا چھوٹا بھائی ناصر خسرو ہے۔ جو چھوٹا بچہ آپ کے ساتھ ہے اس سے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''
جواب میں علی مردان مسکرایا اور دروازہ کھولنے والے خادم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
''بچے کا نام شہاب الدین ہے۔ یہ میرا بیٹا ہے۔ تم نے ہمیں خوب پہچانا۔ کیا تم ہماری آمد کی اطلاع عبدالصمد کو نہیں دو گے؟''
اس پر اس خادم نے دروازے کے دونوں پٹ کھول دیئے اور کہنے لگا۔ ''پہلے آپ اندر آئیں۔ یہاں کا ہر مکین بڑی بے چینی سے آپ کی آمد کا منتظر ہے۔''

Marfat.com

یہاں تک کہتے کہتے اس خادم کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ سکونتی حصے سے ایک انتہائی خوبصورت، حسین، دراز قد اور پُرکشش جسمانی زاویوں کی لڑکی بھاگتی ہوئی صدر دروازے کی طرف آئی تھی۔ قریب آ کر اس نے ایک میٹھی نگاہ ناصر خسرو پر ڈالی پھر علی مردان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بھائی آپ کیسے ہیں؟''

علی مردان نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ جونہی اس لڑکی کی نگاہ قریب کھڑے شہاب الدین پر پڑی تو بے چینی اور بے تابی سے اس کی طرف بڑھی، اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ کئی بار اس کا منہ چوما پھر اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''شہاب الدین میرے عزیز! تم کیسے ہو؟''

اس پر شہاب الدین مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''دیکھ لیں ...... آپ لاہور پہنچیں، ہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے آن پہنچے اور آپ کو اکیلا نہیں رہنے دیا۔''

وہ لڑکی سمرہ تھی۔ شہاب الدین سے ملنے کے بعد کھڑی ہوئی پھر ناصر خسرو کی طرف دیکھا پھر انتہائی میٹھی آواز میں کہا۔

''آپ کیسے ہیں؟''

ناصر خسرو مسکرا دیا کہنے لگا۔ ''بس ٹھیک ہوں۔ کہیں بیٹھیں تو تمہیں پورے حالات سناتے ہیں۔''

جواب میں سمرہ کچھ کہنے لگی تھی کہ اتنی دیر تک حویلی کے اندر سے عبدالصمد اور اس کے اہل خانہ نکل آئے تھے۔ عبدالصمد باری باری علی مردان اور ناصر خسرو سے ملا۔ شہاب الدین کو پیار کیا۔ پھر عبدالصمد کے خادم ان کے گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے گئے تھے۔ گھوڑوں سے بندھا ہوا سامان اتار کر انہوں نے ایک طرف رکھ دیا تھا جبکہ عبدالصمد اور اس کے اہل خانہ سب کو حویلی کے دیوان خانے میں لے گئے تھے۔

جب سب لوگ نشستوں پر بیٹھ گئے تب عبدالصمد کے پوچھنے پر علی مردان نے اپنے قندھار جانے کی وجہ، مجتبیٰ خان کے مارے جانے اور بہار کے حکمرانوں سے تنگ آ کر دہلی میں منتقل ہونے کی پوری تفصیل کہہ دی تھی۔

مجتبیٰ خان کی موت کا سن کر سمرہ چونک سی پڑی تھی۔ چیخنے کے انداز میں علی مردان

Marfat.com

کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔
”بھائی مجتبیٰ خان کو کیا ہوا؟“
جواب میں دکھ بھرے انداز میں علی مردان کہنے لگا۔
”میری بہن! یوں جانو وہ بہار کے حکمرانوں کے مظالم کا شکار ہو گیا ہے۔ لیکن اس کا خون ہم رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔ حالات سنور جائیں تو اس کا انتقام ضرور لیں گے۔“
یہاں تک کہنے کے بعد علی مردان رکا پھر عبدالصمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
”میں ایک شب سے زیادہ یہاں قیام نہیں کر سکتا اور نہ ہی کروں گا۔ آپ کی مہربانی ہو گی کہ آج شام تک ناصر خسرو اور سمرہ کے نکاح کا اہتمام کر دیں۔ یہ رسم انتہائی سادگی سے ہم سب کی موجودگی میں ہو گی۔ اس کے بعد کل علی الصبح میں یہاں سے قندھار کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔“
اس گفتگو پر سمرہ کچھ شرما سی گئی تھی۔ پھر عبدالصمد اٹھا اور علی مردان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
”علی مردان! تم میرے ساتھ آؤ...... دونوں مل کر نکاح کا اہتمام کرتے ہیں۔ اتنی دیر تک کھانا تیار ہو جاتا ہے۔ پھر کھانا کھاتے ہیں۔“
علی مردان چپ چاپ لاہور کے حاکم عبدالصمد کے ساتھ نکل گیا تھا۔
اسی روز مغرب کی نماز کے بعد ناصر خسرو اور سمرہ کے نکاح کا اہتمام کر دیا گیا تھا۔ وہ رات انہوں نے وہیں بسر کی۔ اگلے روز علی مردان اور ناصر خسرو دونوں بھائی میران شاہ، سمرہ اور شہاب الدین کے ساتھ لاہور سے قندھار کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

✽

علی مردان، ناصر خسرو، سمرہ، میران شاہ اور شہاب الدین ایک روز قندھار میں داخل ہوئے تھے۔ قندھار ایک پرانا تاریخی شہر ہے۔ سب سے پہلے اس کا ذکر 1150ء میں اسلامی تاریخوں میں ملتا ہے۔ اس کے بعد کے زمانے میں قندھار شہر تیمور لنگ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ پندرھویں صدی کے اختتام پر قندھار سلطان حسین کی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ اسی زمانے میں قندھار کا نام پہلی بار سکوں پر کندہ ہوا اور یہ حسین شاہ ہی کے دورِ حکومت میں ہوا۔

Marfat.com

اس کے بعد ارغون سردار ذوالنون بیگ نے قندھار کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ اس کے بعد کے زمانے میں شیبانی خان جو ازبکوں کا بادشاہ تھا قندھار پر چڑھ دوڑا اور ذوالنون بیگ کے بعد اس کا بیٹا شاہ بیگ قندھار کا حکمران ہوا لیکن آنے والے دور میں مغل شہنشاہ بابر نے شاہ بیگ کو قندھار سے نکال باہر کیا لیکن بابر کے ہندوستان کی طرف آنے کی وجہ سے شاہ بیگ ایک بار پھر قندھار پر قابض ہو گیا۔ بابر نے قندھار کو پھر فتح کیا اور اسے مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا۔

بابر کی وفات کے بعد کابل اور قندھار کی حکومت اس کے بیٹے کامران کو ملی اور وہ اس زمانے میں بھی ان پر قابض رہا جب اس کا بھائی ہمایوں ہندوستان سے ایران کی طرف جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

ایران کے صفوی بادشاہ قندھار کو ہمیشہ خراسان کا حصہ قرار دیتے رہے ہیں۔ ہمایوں کی جلاوطنی ختم ہونے کے بعد ہمایوں نے ایرانی فوج کی مدد سے قندھار کا محاصرہ کیا اور اسے فتح کرنے کے بعد ایرانیوں کے حوالے کر دیا۔ لیکن بعد میں جب ایرانیوں کے ساتھ اس کے اختلافات پیدا ہوئے تو اس نے ایرانیوں پر حملہ آور ہو کر قندھار واپس لے لیا۔

اکبر کے عہدِ حکومت کے ابتدائی ایام میں ایران کے شہنشاہ نے قندھار پر قبضہ کر لیا تھا لیکن اکبر نے قندھار ایرانیوں سے واپس لے لیا اور اسے پھر مغل حکومت کا حصہ بنا دیا۔

ایرانی ایک بار پھر قندھار پر چڑھ دوڑے اور جہانگیر کے عہد حکومت میں انہوں نے پھر قندھار پر حملہ آور ہو کر اسے فتح کر لیا اور ایران میں شامل کر لیا۔

جہانگیر کے بعد شاہجہان ہندوستان کا بادشاہ بنا تو اس نے قندھار کو اپنا ہدف بنایا۔ ایرانیوں کو اس نے مار بھگایا۔ قندھار پر قبضہ کر لیا اور اسے پھر مغل سلطنت کا حصہ بنا دیا۔

قندھار شہر ایک طویل عرصہ تک صفوی بادشاہوں کے زیرنگیں رہا اور اب خلجیوں یعنی غلزیوں نے قندھار پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ قبضہ میرویس نے کیا تھا اور میرویس کی وفات کے بعد اب اس کا بیٹا محمود قندھار کا حاکم تھا۔

علی مردان، ناصر خسرو، شہاب الدین اور سمرہ چاروں جب میران شاہ کے ساتھ قندھار شہر میں قندھار کے خلجی حکمران محمود کی رہائش گاہ میں داخل ہوئے تب محمود نے

Marfat.com

شاندار انداز میں ان سب کا استقبال کیا۔ سب کو دیوان خانے میں لے گیا اور پھر جو حالات ہندوستان میں بیتے تھے وہ خود میران شاہ نے تفصیل کے ساتھ محمود سے کہہ دیئے تھے۔

محمود نے پہلے مجتبیٰ خان کے مرنے پر علی مردان اور ناصر خسرو سے دلی افسوس کا اظہار کیا پھر علی مردان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا ناصر خسرو اور اس کی بیوی کو بھی اپنے ساتھ لے آئے۔ یہاں قیام کے دوران آپ کے بیٹے شہاب الدین کی تیغ زنی کی مشق اور تربیت کا بہترین اہتمام کیا جائے گا۔ میرا باپ مرنے سے پہلے چاہتا تھا کہ آپ اس کی زندگی میں ہی یہاں پہنچ جائیں۔ بہرحال اس کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اب جو حالات ہمارے سامنے ہیں وہ یہ کہ باپ کے مرنے کے بعد میں نے اپنی خوشی سے اپنے چچا عبداللہ کو قندھار کا سربراہ بنا دیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ میں اس کے زیر نگرانی کام کروں۔ لیکن اس نے ایران کے شہنشاہ کے ساتھ سازباز کرنا شروع کر دی تھی۔ معاملہ جب زیادہ بڑھا تو میں نے خود ہی اپنے چچا کو ہٹا دیا۔ پہلے اسے اسیر کیا پھر اس کا خاتمہ کر دیا۔ میرے چچا کا بیٹا اشرف چند دن تو اپنے باپ کے اس طرح مارے جانے پر دکھ اور افسوس کرتا رہا۔ مجھ سے کھنچا کھنچا بھی رہا۔ لیکن اب وہ مجھ سے راضی ہو گیا ہے اور حالات پہلے کی طرح معمول پر آ گئے ہیں۔

ایران کے شہنشاہ نے کئی بار ہم پر حملہ آور ہو کر قندھار کو ہم سے چھیننا چاہا لیکن ناکام رہا۔ اب میں ارادہ کر چکا ہوں کہ خود ایرانی مملکت پر حملوں کی ابتدا کروں گا۔ ہم ایرانی حکمرانوں کے ساتھ ٹکرانا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن ایران کے بادشاہ حسین شاہ نے ناحق گرجستان کے نو مسلم گرگین کے کہنے پر میرے والد میرویس کو گرفتار کر کے اصفہان بلا لیا۔ وہ تو میرے باپ کی دانائی تھی کہ وہ حج کے لئے گیا۔ حج سے واپس آ کر قندھار آیا اور گرگین کا خاتمہ کر دیا۔ اگر میں اب چپ اور خاموش بیٹھا رہا تو اس کا ردعمل یہ ہو گا کہ ایران کا حکمران حسین شاہ اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنے کے بعد ضرور مجھ پر حملہ آور ہو کر میرا کام تمام کرنے کی کوشش کرے گا لیکن میں اسے ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ میرے پاس خاصا بڑا لشکر ہے اور اس لشکر میں انتہائی آزمودہ کار افغان شامل ہیں جو جنگ کا بہترین تجربہ رکھتے ہیں اور بد سے بدتر حالات میں بھی وہ

Marfat.com

دشمن پر ضرب لگانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔
علی مردان! تمہارے اور تمہارے چھوٹے بھائی کے یہاں آنے سے میں سمجھتا ہوں مجھے تقویت ملی ہے۔ چند دن تک دونوں بھائی آرام کرو اس کے بعد میں اپنی مہموں کی ابتدا کروں گا۔ ان مہموں میں علی مردان! تمہارا بیٹا شہاب الدین بھی لشکر میں شامل ہوا کرے گا اور پڑاؤ میں ناصر خسرو کی بیوی سمرہ بھی ہوا کرے گی۔ اس طرح جنگوں کے دوران علی مردان! جہاں تمہاری وجہ سے مجھے تقویت ملے گی وہاں ان جنگوں کے دوران تمہارے بیٹے شہاب الدین کی تربیت کا بہترین کام ساتھ ساتھ چلتا رہے گا۔"
علی مردان اور ناصر خسرو دونوں نے محمود کے اس منصوبے سے اتفاق کیا تھا۔ اپنی رہائش گاہ کے اندر ہی اس نے اپنی حویلی کا ایک حصہ علی مردان، ناصر خسرو، شہاب الدین اور سمرہ کے لئے مختص کر دیا تھا۔ اس طرح ان چاروں نے قندھار میں رہائش اختیار کر لی تھی۔

❁

محمود اب بڑی تیزی سے اپنی عسکری تیاریوں کو آخری شکل دے رہا تھا۔ اس کام میں علی مردان اور ناصر خسرو اس کی مدد کر رہے تھے۔ ان جنگی تیاریوں میں علی مردان کا بیٹا شہاب الدین بھی بچہ ہونے کے باوجود بڑی سرگرمی سے حصہ لے رہا تھا۔
جس وقت محمود نے ایرانی سلطنت پر ضرب لگانے کے لئے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے دی تھی، ایران کے اندر حالات مزید خراب ہونا شروع ہو گئے۔ گو ایران کے بادشاہ حسین شاہ نے جسے تاریخ کے اوراق میں زیادہ تر سلطان حسین کے نام سے یاد کیا گیا ہے اپنی جنگی تیاریاں مکمل کر لیں اور محمود پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار تھا کہ اسی دوران اچانک ایک طرف سے کرد نمودار ہوئے۔ اصفہان کے گرد و نواح میں انہوں نے خوب لوٹ مار کی اور کافی قصبوں کو ویران اور راکھ کرتے چلے گئے۔
دوسرا بڑا حادثہ ان دنوں جو نمودار ہوا وہ افغانوں کے قبیلے ابدال کی طرف سے تھا۔ ان کا سردار آزاد خان ابدال ایک خاصا بڑا لشکر لے کر ہرات کی طرف بڑھا اور ہرات پر اس نے قبضہ کر لیا۔
ایران کے بادشاہ سلطان حسین نے اپنے ایک سالار قلی خان کو افغان سردار آزاد خان کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا لیکن ہرات کے نواح میں آزاد خان نے ایرانی

Marfat.com

سالار قلی خان کو بدترین شکست دی اور اس کے لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ابدالیوں کی اس فتح سے ایران کی مشرقی سرحد پر ابدالیوں کی خود مختار ریاست قائم ہو گئی تھی۔ اس موقع پر عمان کے عرب بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں بھی عرصے سے ایرانیوں سے بہت سی شکایات تھیں لہٰذا یہ عرب بھی بڑے سرفروشانہ انداز میں حرکت میں آئے اور خلیج فارس کے بہت سے جزائر میں انہوں نے لوٹ مار کر کے ان گنت ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے اپنے لئے فوائد حاصل کرنے شروع کر دیئے تھے۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے محمود نے وقت سے پہلے ہی ایرانی حکومت کے خلاف حرکت میں آنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آخر محمود اپنے لشکر کو لے کر نکلا۔ علی مردان، ناصر خسرو، شہاب الدین اس کے لشکر میں شامل تھے۔ لشکریوں کی عورتیں بھی لشکر میں تھیں جن کی وجہ سے سمبرہ بھی اپنے شوہر ناصر خسرو کے ساتھ لشکر میں موجود تھی۔

ایران کی مملکت پر ضرب لگانے کے لئے خلجی حکمران محمود پہلے سیستان کی طرف بڑھا۔ بڑی تیزی، تندی اور برق رفتاری سے اس نے صحرائے لوط کو عبور کیا اور کرمان جا پہنچا۔ وہاں اس وقت زیادہ تر پارسی اور آتش پرست آباد تھے۔ انہوں نے نہ محمود کا مقابلہ کیا نہ کوئی مزاحمت کی بلکہ انہوں نے محمود کا ساتھ دیا۔ اس طرح محمود بڑی آسانی سے کرمان فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

محمود اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے ایران کے حکمران سلطان حسین نے اپنے ایک عمدہ سالار لطف علی خان کا انتخاب کیا۔ اس نے ایک خاصا بڑا لشکر لطف علی خان کے حوالے کیا اور اسے محمود پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا۔

محمود، اس کے سالار، اس کے لشکری ان علاقوں کے پیچ و خم، زمین کے کٹاؤ، دروں اور شاہراہوں کے علاوہ دوسرے راستوں سے نا آشنا تھے جس کی بناء پر لطف علی خان اچانک ان پر حملہ آور ہوا اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ لیکن محمود کی یہ عارضی اور وقتی پسپائی تھی اس لئے کہ اس نے ایران پر ضرب لگانے کا پورا تہیہ کر لیا تھا۔ دوسری طرف محمود کو پسپا کرنے کے بعد ایرانی سالار لطف علی خان شیراز پہنچا۔ وہاں اس نے ایک اور لشکر پہلے لشکر میں شامل کر کے اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کیا۔ اب اس کا

Marfat.com

ارادہ تھا کہ وہ آگے بڑھ کر قندھار پر حملہ آور ہوگا تاکہ افغانوں کی طرف سے آئندہ ایران پر حملہ آور ہونے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

ابھی حالات اس نہج تک پہنچے تھے کہ ایران کے اندر ایک تبدیلی اور انقلاب رونما ہوگیا۔ دراصل ایران کے دربارِ شاہی میں سازشوں کا زور تھا۔ کسی نمایاں خدمت بجا لانے والے کو پسند نہیں کیا جاتا تھا چنانچہ کسی امیر اور رئیس نے لطف علی خان کے برادرِ نسبتی فتح علی خان پر الزام تراشی شروع کر دی۔ فتح علی خان وزیر مملکت تھا۔ اس سے متعلق الزام لگایا گیا اور یہ خبر اڑا دی گئی کہ فتح علی خان بادشاہ کو قتل کر کے خود ایران کا بادشاہ بننا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں وہ اندر ہی اندر سازش کر رہا ہے اور اس سازش کی تکمیل کے بعد سلطان حسین کا کام تمام کر دیا جائے گا۔

سلطان حسین ایسا احمق اور بے وقوف حکمران نکلا کہ بجائے معاملے کی تحقیقات کرواتا جن لوگوں نے شکایت کی تھی، انہیں گرفتار کر کے پورے معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے بعد کوئی قدم اٹھاتا لیکن اس نے شکایت کرنے والوں کی شکایت پر ہی حرکت میں آنے کا ارادہ کرلیا۔ اس نے فتح علی خان کو وزارت سے محروم کر کے اس کی دونوں آنکھیں نکلوا دیں اور لطف علی خان کو اس کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے شاہی ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔

اتنی دیر تک ہندوستان میں بھی ایک تبدیلی اور انقلاب رونما ہونا شروع ہو چکا تھا۔ سب سے پہلی تبدیلی بنگال میں رونما ہوئی۔ اورنگ زیب کے بیٹے معظم علی یعنی شاہ عالم بہادر شاہ نے اپنے بھائی عظیم الشان کو بنگال کا حاکم مقرر کیا تھا۔ عظیم الشان خود تو دہلی ہی میں رہا جبکہ اپنی طرف سے اس نے اپنے بیٹے فرخ سیر کو بنگال کا نائب حاکم مقرر کر کے بھیج دیا تھا۔

مگر یہ فرخ سیر نا اہل اور بے پرواہ ثابت ہوا۔ جس وقت معظم علی زندہ تھا، اپنی سلطنت اور اپنی حکومت کے آخری ایام میں تھا اس نے ایک بار اس فرخ سیر کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم بھیجا تھا کیونکہ بنگال میں اس کی کارکردگی اطمینان بخش نہ تھی مرکز میں فرخ سیر کی تبدیلی ایک طرح سے معزولی کا فرمان تھا۔ فرخ سیر کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ اس کا دادا معظم علی بنگال میں اس کی کارکردگی سے بالکل خوش نہیں ہے لہٰذا اسی بناء پر اسے مرکز میں بلا لیا ہے اور اب بنگال میں کسی اور کو حاکم مقرر کیا جائے گا۔

Marfat.com

اپنے دادا معظم علی کا یہ حکم پا کر فرخ سیر بنگال سے تو رخصت ہو گیا تھا لیکن وہ آہستہ آہستہ مرکز کا رخ کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بنگال سے نکل کر بہار میں داخل ہوا۔ اور وقت گزاری کے لئے پٹنہ شہر میں داخل ہوا۔

پٹنہ شہر میں قیام کے دوران ہی فرخ سیر کو اپنے دادا معظم علی کے مرنے کی خبر پہنچی۔ فرخ سیر کی خوش قسمتی کہ اس وقت بہار کا نائب صوبے دار سید حسین علی اور اس کا بھائی حسن علی پٹنہ شہر سے باہر گیا ہوا تھا لہٰذا پٹنہ میں فرخ سیر کے سامنے نہ کوئی بولنے والا تھا، نہ اس کے کاموں میں کوئی مزاحمت کرنے والا تھا۔ اس بناء پر اپنے دادا معظم علی کے مرنے کی خبر سن کر فرخ سیر نے پٹنہ شہر میں اپنے حکم سے نقارے بجوا دیئے اور اپنے باپ عظیم الشان کی بادشاہت کا اعلان کروا دیا۔

اب بہار کے حکمران سید برادران تھے جو حسین علی اور حسن علی تھے۔ اس وقت وہ شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ ان کی غیر موجودگی ہی میں فرخ سیر نے پٹنہ شہر میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا۔ اس صورتِ حال کے بعد حسین علی اور حسن علی واپس پٹنہ آئے تو انہوں نے صورتِ حال کو پہلے کی نسبت پٹنہ میں مختلف پایا۔

حسین علی اور حسن علی کو جب خبر ہوئی کہ فرخ سیر بنگال سے ان کے شہر پٹنہ میں داخل ہو چکا ہے اور یہ کہ اس کے ساتھ اس کے کافی حمایتی اور مسلح لشکری بھی ہیں، ساتھ ہی اس نے اپنے باپ کی بادشاہت کا بھی اعلان کر دیا ہے تب وہ بڑے پریشان ہوئے۔ دونوں بھائی ایک جگہ جمع ہوئے۔ اپنے سارے حمایتیوں کو بھی بلا لیا۔ جب ان کے سارے حمایتی ایک جگہ جمع ہو گئے تب حسن علی سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائیو! فرخ سیر بنگال سے پٹنہ میں داخل ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ایک عسکری قوت بھی ہے۔ اس موقع پر اگر ہم نے فرخ سیر سے ٹکرانے کی کوشش کی تو اگر ہم کامیاب بھی ہو گئے تو ہمیں خاصا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس لئے کہ اگر مرنے والے بادشاہ معظم علی کے بعد فرخ سیر کا باپ عظیم الشان ہندوستان کے تاج و تخت کا مالک بن گیا تو پھر فرخ سیر تو ہمارے سروں پر لٹکتی ہوئی تیز تلوار ثابت ہو گا۔ اس بناء پر میں چاہتا ہوں کہ اس سے کوئی کام لیا جائے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد حسن علی جب خاموش ہوا تو ان کا ایک حمایتی اٹھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

Marfat.com

''اس میں کوئی شک نہیں کہ فرخ سیر کے ساتھ مسلح جوان ہیں اور اگر ہم اس سے ٹکرائیں تو میرے خیال میں ہم اسے قابو اور گرفت میں کر سکتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ معظم علی کے مرنے کے بعد اس کے چار بیٹے ہیں، جہاندار شاہ، جہاں شاہ، عظیم الشان اور رفیع الشان۔ اگر ان چاروں بھائیوں کے درمیان تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے خانہ جنگی کی ابتداء ہوگئی اور عظیم الشان اس میں کامیاب نہ ہوا تو پھر یہ سوچیں کہ ہمارا کیا انجام ہوگا۔ اس بناء پر میں تو یہ مشورہ دوں گا کہ اپنے سارے مسلح جوانوں کو تیار کرنا چاہئے اور فرخ سیر اور اس کے مسلح ساتھیوں پر حملہ آور ہو کر اس کا کام تمام کر دینا چاہئے اور پہلے کی طرح ہمیں اپنی حکومت بہار پر بحال رکھنی چاہئے بلکہ اگر سلطنت کے اندر خلفشار مزید بڑھتا ہے تو یہاں سے نکل کر ہمیں بنگال پر بھی قبضہ کر کے ان دونوں صوبوں کے اندر اپنی حکومت مضبوط اور مستحکم کر دینی چاہئے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جب وہ سردار خاموش ہوا تو ایک دوسرا اٹھا اور اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''جو کچھ میرے عزیز ساتھی نے کہا، میں قطعی طور پر اس سے اختلاف رکھتا ہوں ہمیں کسی بھی صورت مسلح ہو کر فرخ سیر اور اس کے ساتھیوں پر حملہ آور نہیں ہونا چاہئے۔ یاد رکھئے، اگر ہندوستان کا بادشاہ معظم علی فوت ہو چکا ہے تو اس کے بعد صرف فرخ سیر کا باپ عظیم الشان ہی نہیں، عظیم الشان کے تین بھائی بھی ہیں۔ اگر اس وقت ہم نے فرخ سیر پر حملہ آور ہو کر پٹنہ کو اس سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کا، اس کے مسلح جوانوں کا خاتمہ کر دیا تو یاد رکھنا صورتِ حال یکسر ہمارے خلاف ہو جائے گی۔ اگر تو فرخ سیر کا باپ عظیم الشان بادشاہ بن گیا تو پھر یاد رکھو ہم سب کو وہ موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ بہار کا حکمران کسی اور کو بنادے گا جو حکمران بن کر ہماری نسلوں تک کا صفایا کر کے رکھ دے گا۔ اور اگر نیا بادشاہ عظیم الشان نہیں بنتا، اس کے تین بھائیوں میں سے کوئی ہندوستان کا شہنشاہ بنتا ہے تب بھی ہمیں فرخ سیر کے خلاف حرکت میں نہیں آنا چاہئے۔ باقی تین بھائیوں میں سے جو بھی ہندوستان کا بادشاہ بنے گا آخر وہ فرخ سیر کا چچا ہوگا اور اگر ہم نے اس موقع پر فرخ سیر کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا، فرخ سیر کے انتقام کا بہانہ بنا کر ہندوستان کا نیا حکمران ہمیں بہار کے علاقے سے نیست و نابود کر کے رکھ دے گا اور میں سمجھتا ہوں ہمیں یہ خطرہ مول نہیں لینا

Marfat.com

چاہیے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد وہ سردار رکا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔"اس موقع پر میں یہی مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ فرخ سیر سے ملاقات کی جائے۔ اس کی پٹنہ شہر میں خوب آؤ بھگت کی جائے اور اس کے ساتھ ایک ملاقات کر کے اسے اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ بہار کے حکمران مکمل طور پر اس کا ساتھ دیں گے اور مرنے والے بادشاہ معظم کے بعد وہ یہ چاہیں گے کہ اس کی جگہ فرخ سیر ہندوستان کا بادشاہ بنے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ہم فرخ سیر کو یہ پیشکش کریں کہ اسے بادشاہ بنانے میں اس کی مدد کریں گے تو وہ یقیناً ہماری اس تجویز سے اتفاق کرے گا اور اگر وہ ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا اور ہم اسے اپنی پوری طاقت اور قوت استعمال کر کے ہندوستان کا بادشاہ بنانے میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھنا، ہندوستان پر فرخ سیر کی نہیں ہماری حکومت ہو گی۔ ہم بادشاہ گر کہلائیں گے۔ جس کو چاہیں گے حکمران بنائیں گے اور جس کو چاہیں گے کان سے پکڑا کر تاج و تخت سے محروم کر دیں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد جب وہ سردار خاموش ہوا تو حسن علی نے اپنے بھائی حسین علی کی طرف دیکھا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے عزیز بھائی! ابھی تک ہمارے سردار اور امراء ہی بول رہے ہیں۔ کیا تم اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرو گے؟"

اس پر حسین علی مسکرایا اور کہنے لگا۔

"جس سردار نے ابھی ابھی مشورہ دیا ہے، میں اس کے مشورے سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ ہمیں کسی بھی صورت فرخ سیر سے ٹکرانے کا خطرہ اور خدشہ مول نہیں لینا چاہیے۔ اگر ہم فرخ سیر سے ٹکراتے ہیں تو ہمارے سامنے خطرات خدشات اور قتل و غارت گری کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا۔ اس بناء پر فرخ سیر کے ساتھ تعاون کرنا ہی ہمارے لئے سود مند ہے۔ میرے خیال میں اٹھیں، میں اور آپ فرخ سیر سے ملتے ہیں اور اسے امید دلاتے ہیں کہ اگر وہ ہمارا ساتھ دے، ہمارے مشوروں پر عمل کرے تو ہم اسے معظم علی کے بعد ہندوستان کے تخت و تاج کا وارث بننے میں مدد دیں گے۔"

حسن علی نے اپنے بھائی حسین علی کی اس تجویز سے اتفاق کیا پھر کچھ سرکردہ امراء

Marfat.com

کے ساتھ وہ وہاں سے اٹھ کر فرخ سیر کی طرف گئے تھے۔

فرخ سیر کے ساتھ اس وقت اس کے کچھ سرکردہ ساتھی بھی تھے۔ حسن علی، حسین علی اور ان کے ساتھی بڑے پُر جوش انداز میں اسے ملے۔ فرخ سیر نے انہیں بڑی عزت اور احترام کے ساتھ اپنے قریب بٹھایا، پھر گفتگو کا آغاز حسن علی نے کیا اور فرخ سیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں اور میرا بھائی حسین علی بے حد شرمندہ ہیں کہ آپ ہماری غیر موجودگی میں بنگال سے نکل کر پٹنہ میں داخل ہوئے اور کسی نے آپ کی کوئی خاطر خواہ آؤ بھگت اور تواضع نہ کی۔ اگر ہم دونوں بھائی اس وقت پٹنہ میں ہوتے تو یقیناً آپ کا شاندار استقبال کرتے اور آپ پر واضح ہو جاتا کہ پٹنہ جیسے تاریخی شہر میں شاہی خاندان کے ایک فرد کا کیسے استقبال اور کیسے اس کی تواضع اور آؤ بھگت کی جاتی ہے۔''

حسن علی کی اس گفتگو سے فرخ سیر پھولا نہ سما رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا بھائی حسین علی فرخ سیر کو مخاطب کرتے ہوئے بول اٹھا۔

''محترم فرخ سیر! جیسا کہ آپ کو پتہ ہے کہ ہندوستان کا بادشاہ اور آپ کا دادا معظم علی فوت ہو چکا ہے۔ اس کے فوت ہونے کے بعد ہم چاہیں گے کہ آپ کا خاندان برسرِ اقتدار آئے۔ اگر آپ خود ہندوستان کا بادشاہ بننے کے خواہاں ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنانے کے لئے پوری طاقت اور قوت کے ساتھ آپ کا ساتھ دیں گے اور اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے دادا کے مرنے کے بعد آپ کا باپ عظیم الشان ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک بنے تب بھی اس کام میں ہم آپ کو مدد دینے کے لئے تیار ہیں۔ اب فیصلہ آپ پر ہے، جیسا چاہیں گے ہم ایسا ہی کرنے پر تیار ہیں۔''

حسین علی جب خاموش ہوا تو کچھ دیر تک فرخ سیر باری باری حسن علی، حسین علی اور ان دونوں کے ساتھ آنے والے امراء کی طرف بڑی شکر گزاری اور ممنونیت سے دیکھنے لگا پھر کہنے لگا۔

''فی الحال میں چاہتا ہوں کہ پٹنہ کے اندر ہی قیام رکھوں۔ فی الحال میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ دادا کے فوت ہونے کے بعد میرا باپ عظیم الشان، ہندوستان کے تاج و تخت کا مالک بنے۔ آپ دونوں کی آمد سے پہلے میں نے پٹنہ میں اپنے باپ کی بادشاہت کا اعلان کر دیا ہے۔ اب پٹنہ میں قیام کے دوران حالات کا جائزہ لیتا رہوں گا۔ میرے

Marfat.com

باپ کو بھی خبر ہو جائے گی کہ میں نے اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا ہے لہٰذا وہ خود بھی تاج و تخت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس وقت تک میں پٹنہ ہی میں قیام کروں گا اور اگر تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے میرے باپ کو میری مدد کی ضرورت ہوئی تو میں پٹنہ سے ایک لشکر لے کر دہلی کا رخ کروں گا اور ہر صورت میں اپنے باپ کو دہلی کے تاج و تخت پر بٹھاؤں گا۔ اس سلسلے میں، میں چاہوں گا کہ تم بھی میری مدد کرو۔ اگر تمہاری مدد سے میرا باپ دہلی کے تاج و تخت کا مالک بن گیا تو یاد رکھنا تمہاری قدر، تمہارے درجات اور تمہارے منصب میں خوب اضافہ ہو جائے گا۔ اب بولو تم کیا کہتے ہو؟''

فرخ سیر جب خاموش ہوا تب حسن علی نے کچھ سوچا پھر فرخ سیر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جس طرح آپ اپنے باپ کے لئے بادشاہت کے طلب گار ہیں، کیا اسی طرح آپ کے چچاؤں کی اولاد بھی ایسی ہی کوشش کرے گی؟''

جواب میں فرخ سیر کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ میرا بڑا چچا جہاندار شاہ ہے۔ اس کا بیٹا عز الدین ہے جسے عموماً عالمگیر ثانی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ بڑا نیک، خاموش طبع ہے۔ وہ تاج و تخت کے معاملے میں کوئی جدوجہد کرے گا نہ قتل و غارت گری میں حصہ لے گا۔

جہاں تک میرے باپ عظیم الشان کا تعلق ہے تو میں اس کا واحد بیٹا فرخ سیر ہوں جو تخت و تاج کا خواہش مند ہوں۔ میرا دوسرا بھائی ایسا نہیں ہے۔

میرا دوسرا چچا رفیع الشان ہے۔ اس کے تین بیٹے ہیں۔ بڑے کا نام محمد ابراہیم، اس سے چھوٹے کا نام رفیع الدولہ، اس سے چھوٹے کا نام رفیع الدرجات ہے۔ یہ تینوں بھائی بڑے خاموش طبع اور نیک ہیں۔ مجھے ان سے کوئی شکوہ اور گلہ نہیں ہے اور میں تم لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے دادا کے مرنے کے بعد یہ تینوں بھائی کسی طرح بھی کوشش نہیں کریں گے کہ ان کا باپ رفیع الشان دہلی کے تاج و تخت کا مالک بنے۔

میرا تیسرا اور سب سے چھوٹا چچا جہاں شاہ ہے۔ اسکا ایک ہی بیٹا محمد شاہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں وہ میرے سارے چچاؤں کے بیٹوں کی نسبت زیادہ بے ضرر ہے۔ اسے جنگ و جدل سے نفرت ہے۔ خاموشی اور گوشہ گیری کی زندگی بسر کرنے کا عادی ہے۔

Marfat.com

میری دادی مہر پرور بھی زندہ ہے اور محمد شاہ دادی کے پاس ہی رہتا ہے۔ اگر میرے باپ اور میرے چچاؤں کے درمیان تاج وتخت کے لئے رسہ کشی شروع ہوتی ہے تو میں تم لوگوں کو یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ اس موقع پر میری دادی مہر پرور بالکل خاموش اور غیر جانبدار رہے گی۔ اگر میرے باپ اور میرے چچاؤں کے درمیان تخت و تاج کے لئے خانہ جنگی شروع ہوتی ہے تو میں سمجھتا ہوں یہ میری دادی مہر پرور کے لئے بڑا اندوہناک حادثہ ہوگا اور اگر اس کے بیٹوں میں سے کسی کو نقصان پہنچا تو میں سمجھتا ہوں شاید وہ جی بھی نہ سکے۔ اس بناء پر مجھے اپنی دادی کے علاوہ اپنے چچاؤں کے بیٹوں میں سے نہ کسی سے کوئی خطرہ ہے اور نہ ہی ان میں سے میں کسی کے خلاف ہوں بلکہ ان سب کے میرے ساتھ تعلقات بہت اچھے اور برادرانہ ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد فرخ سیر رکا تھا، کچھ سوچا پھر وہ حسن علی اور حسین علی اور ان کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''سب سے پہلے تو میں تم لوگوں کا شکر گزار ہوں کہ تم لوگوں نے مجھے مدد کی پیشکش کی ہے۔ میرا اب آخری فیصلہ یہی ہے کہ میں فی الوقت پٹنہ ہی میں قیام کروں گا اور حالات پر گہری نگاہ رکھوں گا اور دیکھوں گا کہ یہاں رہتے ہوئے اپنے باپ کو تاج و تخت کا مالک بناتے ہوئے میں اس کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔''

حسن علی اور حسین علی دونوں نے اپنے سالاروں سمیت فرخ سیر کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ اس طرح فرخ سیر نے پٹنہ ہی میں قیام کر لیا تھا۔

❋ ...... ❋

Marfat.com

•••

دوسری طرف مرنے والا بادشاہ معظم علی جو اورنگ زیب عالمگیر کا بڑا بیٹا تھا اس نے لاہور میں وفات پائی تھی۔ اس کے چاروں بیٹے اس کے ہمراہ اس وقت لاہور میں موجود تھے۔ ان میں سب سے بڑا جہاندار شاہ تھا مگر لاہور میں اس کے پاس خزانہ تھا نہ لشکر۔ دوسرا لڑکا عظیم الشان سب بھائیوں میں قابل تھا۔ بھائیوں کے مقابلے میں اس کے وسائل بھی بہتر تھے۔ تیسرا رفیع الشان اپنے بڑے بھائی عظیم الشان سے حسد کرتا تھا۔ چوتھا جہاں شاہ ویسے ہی حکومت کے لئے نا اہل تھا۔

اس صورت حال میں مغل سالار ذوالفقار خان نے تینوں بھائیوں کو اپنے بھائی عظیم الشان کے خلاف متحد ہونے پر آمادہ کر لیا۔ اس دوران مختلف امراء بھی کسی نہ کسی طرح عظیم الشان کے خلاف گٹھ جوڑ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اس طرح مرنے والے بادشاہ معظم علی کے بیٹوں کے باہمی تنازعہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ناپسندیدہ عناصر نے عوام میں لوٹ مار شروع کر دی۔

معظم علی کا بیٹا عظیم الشان اس موقع پر بالکل بے یار و مددگار نہ تھا۔ پھر وہ خاموشی کے ساتھ حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے پاس وسائل بھی موجود تھے مگر اس نے ان کارروائیوں کو دبانے کی کوئی کوشش نہ کی اور صرف اپنے دفاع پر ہی اکتفا کیا۔

عظیم الشان کے اس ردِعمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے مخالف بھائیوں کو لشکر جمع کرنے اور کارروائی کرنے کا موقع مل گیا۔ عظیم الشان کے تین مخالف بھائیوں نے طاقت اور قوت جمع کرنے کے بعد عظیم الشان کے خلاف متحرک ہونے کا فیصلہ کر لیا اور آخر اس کے پڑاؤ کا محاصرہ کر لیا۔

اس طرح فریقین میں ہولناک جنگ ہوئی۔ دونوں طرف کے لشکریوں کا نقصان

Marfat.com

ہوا جس کے نتیجے میں عظیم الشان پر دباؤ بڑھ گیا۔ یہ جنگ اس قدر ہلاکت خیز تھی اور لشکریوں کا اس قدر نقصان ہوا کہ عظیم الشان کے پاس صرف دو ہزار لشکری بچ گئے۔ پھر مزید بڑا حادثہ نمودار ہوا کہ جنگ کے دوران توپ کا ایک گولہ عظیم الشان کے ہاتھی کو لگا۔ گولہ لگنے سے ہاتھی زخمی ہو کر بھاگ نکلا اور دریائے راوی کی دلدل میں کود گیا۔ اس طرح ہاتھی کے ساتھ خود عظیم الشان بھی دریائے راوی کی دلدل میں پھنس کر ہلاک ہو گیا۔

عظیم الشان کے خلاف مغلوں کے سالار ذوالفقار خان کی سازش کامیاب ہو گئی اور وہ عملاً خود مختار ہو گیا۔ اس نے جہاندار شاہ کی حمایت کی اور اس کے دونوں بھائیوں کو الگ کر دیا۔ مگر تینوں بھائیوں میں عظیم الشان پر فتح کے بعد مال غنیمت کی تقسیم پر تنازعہ ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جہاندار شاہ اور جہاں شاہ کے درمیان پھر جنگ ہوئی۔ جہاندار شاہ کو شکست ہوئی اور اسے راہِ فرار اختیار کرنا پڑی لیکن بعد میں جہاں شاہ اچانک زخمی ہونے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔ اب جہاندار شاہ کے مقابلے میں صرف اس کا ایک بھائی رفیع الشان رہ گیا تھا۔

جہاں تک رفیع الشان کا تعلق ہے تو اب تک وہ جہاندار شاہ اور جہاں شاہ کے تنازع میں بالکل غیر جانبدار تھا۔ جب جہاں شاہ ہلاک ہو گیا تب رفیع الشان نے جہاندار شاہ پر حملہ کر دیا مگر وہ بھی جہاندار شاہ کے خلاف جنگ کرتے ہوئے ہلاک ہو گیا۔ اس طرح تینوں بھائیوں کے خون کی قیمت پر جہاندار شاہ ہندوستان کے تاج و تخت کا مالک بنا تھا۔

جہاندار شاہ کے تخت نشین ہوتے ہی ذوالفقار خان کو وزیر بنا دیا گیا۔ ذوالفقار خان نے جہاندار شاہ اور اپنے مخالفوں سے گن گن کر بدلے لئے۔ اس نے اپنے خاص لوگوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ اس دوران عظیم الشان کے سب سے بڑے لڑکے محمد کریم کو بھی وحشیانہ طریقے سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہ اقدام بھی ذوالفقار خان کے حکم کے تحت کیا گیا تھا۔

جہاندار شاہ تخت و تاج کا مالک بننے کے بعد لاہور سے دہلی پہنچا۔ دہلی پہنچ کر جہاندار شاہ کو خبر ہوئی کہ اس کے بھائی عظیم الشان کا بیٹا فرخ سیر بنگال سے پٹنہ پہنچ چکا ہے اور وہاں وہ اپنے باپ کو تاج و تخت کا مالک بنانے کے لئے طاقت اور قوت جمع کر

Marfat.com

رہا ہے۔

فرخ سیر کو پٹنہ ہی میں قیام کے دران لاہور میں اپنے باپ عظیم الشان کے مارے جانے کی خبر ملی اور اسے یہ بھی خبر پہنچ گئی کہ اس کے باپ کا بڑا بھائی جہاندار شاہ تینوں بھائیوں کو مغلوب کرنے کے بعد ہندوستان کے تاج و تخت کا مالک بن گیا ہے۔ فرخ سیر تک یہ بھی خبر پہنچ گئی کہ جہاں دار نے فرخ سیر کی گرفتاری یا قتل کا فرمان بھی غالباً جاری کر دیا ہے۔

فرخ سیر اپنے باپ کے مارے جانے کے بعد پٹنہ میں بڑی تیزی کے ساتھ اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنے لگا تھا۔ سید برادران، حسن علی اور حسین علی پوری طرح اس کا ساتھ دے رہے تھے۔

پٹنہ بڑا پرانا اور قدیم تاریخی شہر تھا اور یہاں سید برادران کی بڑی گرفت بھی تھی۔ جس جگہ پٹنہ شہر آباد تھا۔ پٹنہ شہر کی آبادی سے پہلے وہاں ایک شہر پاٹلی پتر ہوا کرتا تھا اور یہی پاٹلی پتر مشہور ہندو راجہ اشوک کا دارالسلطنت بھی تھا۔ اس کی سلطنت خلیج بنگال تک پھیلی ہوئی تھی۔

1540ء میں پٹنہ کو اس وقت خاص اہمیت حاصل ہوئی جب شیر شاہ سوری نے اسے پہلی بار بہار کا دارالحکومت بنایا۔ مغلوں کے عہد میں پٹنہ تجارتی مرکز اور بہار کا دارالحکومت تھا۔ پٹنہ کے جنوب مغربی حصے میں راجہ اشوک کمار کے دور کے قدیم شہر پاٹلی پتر کے کھنڈرات موجود ہیں۔ ان میں سوستونوں والا ایک ایوان بھی ہے جو مہاراجہ اشوک نے بنوایا تھا۔

پٹنہ کی قدیم عمارات میں سے ایک مسجد ہے جس کا صحن سنگ مرمر کا ہے۔ یہ مسجد 1499ء میں بنگال کے حاکم حسین شاہ نے بنوائی تھی۔ اس کے علاوہ شیر شاہ سوری کی مسجد اور جہانگیر کے بیٹے شہزادہ پرویز کی مسجد بھی دیکھنے کے لائق ہیں۔ اس کے علاوہ پٹنہ کی ایک اور مشہور و معروف عمارت ہے جسے گولا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ عمارت خاص اینٹ سے بنی ہوئی ہے اور یہ سو فٹ بلند ہے۔ یہاں ایک کتب خانہ نندہ بخش کتب خانہ کے نام سے بھی مشہور تھا جو دنیا کے بڑے کتب خانوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کتب خانے میں حضور ﷺ کی پیدائش سے لے کر مغلوں کے دور تک اسلامی تصانیف محفوظ رکھی گئی تھیں۔ یہ شہر دریائے گنگا کے بائیں یعنی جنوبی کنارے پر

Marfat.com

واقع ہے۔

بہر حال اپنے باپ عظیم الشان کے مرنے کی خبر سن کر فرخ سیر نے بڑی تیزی سے پٹنہ شہر میں اپنی عسکری طاقت میں اضافہ کرنا شروع کر دیا تھا اور اب وہ پٹنہ سے نکل کر دہلی کی طرف کوچ کرنے کے لئے پر تول رہا تھا۔

فرخ سیر کو جب اپنے باپ کی موت کی خبر پٹنہ شہر میں ہوئی تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اپنی بادشاہت کے اعلان کے بعد اس نے حسن علی، حسین علی، ان کے ساتھیوں اور ساتھ ہی اپنے دیگر حمایتیوں کی ایک مجلس طلب کر لی تھی۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تب فرخ سیر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اب جبکہ میں نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا ہے تو میرا چچا جہاندار شاہ جو ہندوستان کا بادشاہ بن بیٹھا ہے ضرور میرے خلاف حرکت میں آنے کی کوشش کرے گا۔ میں چاہتا ہوں اس کے حرکت میں آنے سے پہلے ہم اپنی طاقت اور قوت میں اس قدر اضافہ کر لیں کہ اگر میرا ٹکراؤ میرے چچا جہاندار شاہ سے ہوتا ہے تو میں اس پر غالب رہوں تاکہ ہندوستان میں میری بادشاہت قائم رہے۔ اس لئے کہ میں بادشاہ ہونے کا اعلان تو کر ہی چکا ہوں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد فرخ سیر رکا پھر حسن علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''حسن علی! اس موقع پر میں تمہارے ذمے ایک کام لگاتا ہوں۔ مرنے والے شہنشاہ معظم نے مجھے بنگال سے طلب کیا تھا۔ میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے بنگال سے میں نے کوئی چیز اپنے ساتھ نہیں لی تھی۔ سارا خزانہ ویسے کا ویسا ہی ہے۔ اب تمہارے ذمے میں یہ کام لگاتا ہوں کہ تم آج ہی کسی وقت اپنے چند مسلح دستوں کے ساتھ بنگال کی طرف روانہ ہو جاؤ اور وہاں خزانے میں جو کچھ ہے اسے سمیٹ کر یہاں لے آؤ تاکہ اس رقم سے ایک بڑا لشکر تیار کیا جا سکے۔''

فرخ سیر جب خاموش ہوا تب حسن علی اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ ایک اچھی تدبیر ہے اور میرے بھائی حسین نے بھی اس سلسلے میں ایک لائحہ عمل وضع کر رکھا ہے۔ میرے خیال میں آپ سنیں گے تو اس کی تعریف کریں گے اور اس طرح ہماری طاقت اور قوت میں اضافہ ہو گا۔

Marfat.com

ہم اس سلسلے میں دو اقدام کرنا چاہتے ہیں۔ پہلا یہ کہ میں اپنے چھوٹے بھائی حسین کو میرٹھ اور سہارن پور کی طرف روانہ کرتا ہوں۔ اس لئے کہ ہماری برادری اور حمایت کے لوگ زیادہ تر وہیں آباد ہیں۔ وہاں سے ہمیں لشکر کو تقویت دینے کے لئے بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ اب آپ نے بنگال کے خزانے کا ذکر کیا ہے تو اگر وہ رقم ہمیں ملتی ہے تو پھر ہم اس رقم میں سے کچھ خرچ کر بھوجپور کے راجپوت لڑاکوں کو بھی اپنے ساتھ ملا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ بھوجپور کے راجپوتوں کے ساتھ ہمارے تعلقات بہت اچھے ہیں اور اگر ہم انہیں ایک معقول رقم کا لالچ دیں تو بھوجپور سے بھی ہمیں ہزاروں کی تعداد میں راجپوت حاصل ہو سکتے ہیں جنہیں ہم اپنے لشکر میں شامل کر کے لشکر کو ناقابل تسخیر بنا سکتے ہیں۔

پٹنہ اور بہار کے دوسرے علاقوں سے بھی جنگجو نوجوانوں کو اپنے گرد جمع کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہیں معقول معاوضہ دیں گے۔ میرے خیال میں ہم اپنے اس لائحہ عمل کی تکمیل کریں تو ہندوستان کا تاج و تخت یقیناً جہاندار سے نکل کر ہماری جھولی میں ہو گا اور کوئی بھی آنے والے دور میں تاج و تخت ہم سے چھین نہیں سکے گا۔''

فرخ سیر نے حسن علی کی اس تجویز سے اتفاق کیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''حسن علی! جو کچھ تم نے کہا ہے میں اس سے متفق ہوں۔ پر پہلے چند مسلح دستوں کے ساتھ بنگال کا رخ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بدلتے ہوئے حالات کو دیکھتے ہوئے میں بنگال کے خزانے پر جن لوگوں کو حفاظت کی خاطر مقرر کر کے آیا ہوں وہ بدل جائیں اور خزانہ اِدھر اُدھر کر کے خود فرار ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں تاج و تخت حاصل کرنے کے لئے جو لشکر ترتیب دینا ہے اس کی ترتیب میں ہمیں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جب تم بنگال سے خزانہ لے کر آؤ گے تب اس سلسلے میں راجپوتوں سے بات کریں گے۔ پہلے ان سے اس موضوع پر گفتگو کرنا اچھا نہیں ہے۔ یہ نہ ہو بنگال کا خزانہ ہمارے ہاتھ نہ آئے اور اس سے پہلے ہی اگر ہم نے راجپوتوں سے اس موضوع پر گفتگو کی اور رقم نہ ہونے کے باعث ہمیں کہیں شرمندگی بھی نہ اٹھانی پڑے۔ جہاں تک تمہارے بھائی حسین کا تعلق ہے تو یہ آج ہی تمہارے ساتھ میرٹھ اور سہارن پور کی طرف روانہ ہو جائے اور وہاں سے بھی لشکریوں کی صورت میں جو کچھ حاصل ہو سکے انہیں لے کر پٹنہ پہنچ جائے۔''

Marfat.com

فرخ سیر کی اس تجویز سے حسین علی اور حسن علی کے علاوہ دوسرے سالاروں اور امراء نے بھی اتفاق کیا تھا لہٰذا حسن علی بنگال کا خزانہ حاصل کرنے کے لئے اسی روز روانہ ہو گیا تھا جبکہ حسین علی اپنی ذات برادری کے لوگوں کے پاس میرٹھ اور سہارن پور کا رخ کر گیا تھا۔

دوسری طرف ہندوستان کے نئے تاجدار جہاں دار شاہ کی یہ حالت تھی کہ تخت نشین ہوتے ہی اس نے ایک پرانے سالار ذوالفقار خان کو اپنا وزیر بنا لیا تھا اور ذوالفقار خان نے مخالفین سے گن گن کر بدلے لئے تھے۔ اس نے اپنے خاص لوگوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کر دیا۔

جہاندار شاہ لاہور سے دہلی پہنچا لیکن اس کی بدقسمتی کہ دہلی پہنچ کر مملکت کا نظم ونسق درست کرنے کی بجائے وہ عیش و عشرت میں کھو گیا۔ ان دنوں دو انتہا درجہ کی خوبصورت ہندو عورتیں تھیں۔ دونوں بہنیں تھیں۔ ایک لال کماری اور دوسری جد روپ۔ لال کماری اپنے شباب اور اپنے حُسن کی وجہ سے اپنے عروج پر تھی اور جد روپ بھی اس سے کم نہ تھی۔

چاہیے تو یہ تھا کہ جہاندار شاہ دہلی پہنچ کر مملکت کو اپنی گرفت میں لیتا، سارے کام وزراء پر نہ چھوڑ دیتا۔ ہر کام پر نگاہ رکھتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ لال کماری جس کے حُسن، جس کی خوبصورتی، جس کے جمال کے چرچے پورے ہندوستان میں تھے وہ اس جہاندار شاہ کی داشتہ بن گئی اب وہ نہ صرف داشتہ تھی بلکہ اعلیٰ پائے کی رقاصہ اور گائیک بھی تھی۔ جہاں تک اس کی چھوٹی بہن کا تعلق ہے تو وہ رقص و موسیقی اور گائیکی میں خصوصیت کے ساتھ اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔

دہلی پہنچ کر جہاندار شاہ نے حکومت کے کسی کام کی طرف توجہ نہ دی بلکہ اپنی داشتہ لال کماری کے ساتھ شب و روز رنگ رلیوں میں مصروف ہو گیا۔ جہاندار شاہ کو اس عورت نے اپنی طرف ایسا راغب کر لیا تھا کہ اسے سلطنت کی ہوش تک نہ رہی تھی۔ سلطنت کی اس خراب صورتِ حال کی وجہ سے اور جہاندار شاہ کو لال کماری کی طرف راغب دیکھتے ہوئے موقع پرست امراء نے دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنا شروع کر دی تھی۔ اس طرح سلطنت کا نظم ونسق درہم برہم ہو گیا تھا معززین کی عزت اور آبرو بھی محفوظ نہ رہ سکی۔

Marfat.com

دوسری طرف لال کماری کی حالت یہ تھی کہ اسے خوش کرنے کے لئے جہاندار شاہ سالانہ دو کروڑ روپے اسے عطا کرتا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ دو کروڑ کی اس رقم کے علاوہ لال کماری کو تحفے تحائف جو ملتے تھے وہ اس کے علاوہ تھے۔ مؤرخین لال کماری سے متعلق یہ بھی لکھتے ہیں کہ لال کماری خود کو نور جہاں کی سطح کی خاتون سمجھنے لگی تھی۔ وہ اسلام کا تمسخر اڑانے لگی تھی۔ اس دوران مذہب کے تمسخر سے بھی عوام اور بہت سے لوگ بادشاہ کے خلاف نفرت اور بیزاری کا اظہار کرنے لگے تھے۔ جہاندار شاہ کو سلطنت کا اگر کوئی کام درپیش ہوتا تو وہ اس سلسلے میں سب سے پہلے لال کماری سے مشورہ کرتا اور جو لال کماری مشورہ دیتی اس پر عمل کرتا تھا۔

دوسری طرف فرخ سیر، حسن علی اور حسین علی کے ساتھ مل کر اپنی طاقت میں اضافہ کر رہا تھا۔ حسن علی اور حسین علی کے ذات برادری کے لوگ جو میرٹھ اور سہارن پور کے درمیان آباد تھے، اپنی شجاعت میں مشہور تھے۔ ان دونوں بھائیوں کو اورنگ زیب کے عہد میں بھی عزت اور وقار حاصل تھا اور وہ چار ہزاری مناصب کے سالار تھے۔ لیکن اورنگ زیب کا بیٹا معظم علی ان کے خلاف ہو گیا اور انہیں ان کے مناصب سے محروم کر دیا تھا۔ تاہم فرخ سیر کے باپ عظیم الشان نے انہیں پناہ دی اور آلہ آباد اور بہار میں دونوں بھائیوں کو اپنا نائب مقرر کیا۔ اسی بناء پر اب حسن علی اور حسین علی کھل کر فرخ سیر کا ساتھ دے رہے تھے۔

فرخ سیر کے کہنے پر حسن علی نے اگست کے مہینے میں بنگال کا خزانہ اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس رقم سے فرخ سیر نے لشکری بھرتی کرنے شروع کر دیئے تھے۔ خاصا بڑا لشکر تیار کر دیا تھا۔ سہارن پور اور میرٹھ سے بھی کافی لشکری آ گئے تھے۔ حسن علی اور حسین علی کو دیکھتے ہوئے سلطنت کے بہت سے دیگر امراء بھی ان کی طرف دیکھتے ہوئے فرخ سیر سے جا ملے تھے۔

بنگال سے رقم ملنے کے بعد حسن علی اور حسین علی پھر حرکت میں آئے۔ بھوجپور کے راجپوتوں کے ساتھ انہوں نے رابطہ قائم کیا۔ انہیں معقول رقم کا لالچ دیا۔ یہ رابطہ قائم رہا اور چالیس ہزار راجپوتوں کا ایک لشکر بھی فرخ سیر، حسن علی اور حسین علی کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گیا۔

ہندوستان کے تاجدار جہاندار شاہ کو جب اپنے بھتیجے فرخ سیر کی ان جنگی تیاریوں کا

Marfat.com

علم ہوا تو اس نے سب سے پہلے لال کماری سے مشورہ کیا۔ اپنے وزیر ذوالفقار خان کو بھی اس سلسلے میں کوئی اہمیت نہ دی۔ اس لئے کہ جہاندار شاہ کے لئے اب سب کچھ لال کماری ہی تھی۔ اس کے حُسن اور اس کی خوبصورتی نے جہاندار شاہ کو بالکل ہی چت کر کے رکھ دیا تھا۔

جہاندار شاہ نے جب اس سے مشورہ کیا تو لال کماری نہیں چاہتی تھی کہ جہاندار شاہ خود لشکر لے کر نکلے۔ اس لئے کہ اگر وہ نکلتا ہے تو لال کماری کو بھی اس کے ساتھ جانا پڑتا تھا۔ اس بناء پر اس نے جہاندار شاہ سے کہا کہ فرخ سیر کی کوئی اتنی اہمیت نہیں ہے۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ اپنے بیٹے معز الدین کو روانہ کر دے۔

اتنی دیر تک فرخ سیر، حسن علی، حسین علی اور ان کے سالار بھی لشکر لے کر پٹنہ سے روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ پچیس ہزار کا اپنا لشکر تھا اور چالیس ہزار جنگجو راجپوت اس کے علاوہ تھے۔ لال کماری کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے، ان کا مقابلہ کرنے کے لئے جہاندار شاہ نے اپنے بیٹے عز الدین کو لشکر دے کر روانہ کیا تاکہ وہ انہیں شکست دے اور مار بھگائے۔ اب فرخ سیر اپنا لشکر لے کر دہلی کا رخ کر رہا تھا جبکہ جہاندار شاہ کا بیٹا اپنا لشکر لے کر پٹنہ کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اس طرح دونوں لشکر ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لئے بڑی برق رفتاری سے ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

آخر فرخ سیر اور ہندوستان کے بادشاہ جہاندار شاہ کے بیٹے عز الدین کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے۔ اس موقع پر فرخ سیر کے لشکر کی تعداد زیادہ تھی۔ اس کے پاس اپنا پچیس ہزار کا لشکر تھا۔ اس کے علاوہ چالیس ہزار جنگجو راجپوتوں کا بھی لشکر تھا۔ اپنی اس طاقت اور قوت کو دیکھتے ہوئے فرخ سیر نے پہلے حملہ آور ہونے کا تہیہ کیا اور پھر وہ عز الدین کے لشکر پر خوابوں کو مسمار کرتی زندگی کی دشواریوں اور محرومیوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

دوسری طرف عز الدین نے بھی اسی کے سے انداز میں جوابی کارروائی کی اور وہ بھی دل کو خلش اور روح کو گھاؤ دیتے کرب اور مرگ کی کھولتی آگ کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دونوں طرف کے لشکری ایک دوسرے پر بری طرح ٹوٹ پڑے تھے۔ میدانِ جنگ میں ہر کوئی ایک دوسرے کے دل پر شوریدہ سری طاری کرنے کے درپے تھے۔ اپنی

Marfat.com

کامیابی اور کامرانی کے لئے کشمکش اور جدوجہد شروع ہو گئی تھی۔ لشکری ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے ہوئے وحشی صدیوں کے راز کھولتے اوہام کے زنگار کی طرح چھانے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ میدانِ جنگ کے اندر اجل کا پیغام دیتے تیروں، موت اچھالتی شمشیروں، ڈھالوں کے تیز برساؤ نے لاوے، شعلے اور شراروں سا ایک کہرام برپا کر دیا تھا۔

اس ٹکراؤ، اس جنگ کے نتیجے میں فرخ سیر کو فتح ہوئی اور عزالدین شکست اٹھا کر آگرہ کی طرف بھاگ گیا۔ ہندوستان کے بادشاہ جہاندار شاہ کو جب اپنے بیٹے عزالدین کی شکست کا حال معلوم ہوا تو وہ خود دہلی سے آگرہ کی طرف روانہ ہوا مگر عیش و عشرت اور لال کماری کی محبت نے اسے کنگال کر دیا تھا۔ اس کے پاس نئے لشکری بھرتی کرنے کے لئے بھی کوئی رقم نہ تھی۔ اس نے قلعہ اور شاہی ٹکسال کا سونا سمیٹا اور لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔

دسمبر کے مہینے میں وہ آگرہ پہنچا۔ پھر کچھ جاٹ قبائل کو لے کر اپنے بھتیجے فرخ سیر کا مقابلہ کرنے کے لئے ساموگڑھ کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اس کی بدقسمتی کہ ساموگڑھ کی طرف جاتے ہوئے اسے راستے میں خبر ملی کہ اس کے کچھ لشکری خفیہ طور پر فرخ سیر سے مل چکے ہیں۔ اب یہ پتہ نہیں کہ افواہ تھی یا حقیقت لیکن اس خبر نے جہاندار شاہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ساموگڑھ کی طرف جانے کی بجائے وہ پلٹا اور آگرہ کی طرف لوٹ گیا۔

دوسری طرف فرخ سیر بھی اپنے چچا جہاندار کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑی تیزی سے آگرہ کا رخ کر رہا تھا۔ اس کے پاس جہاندار شاہ سے کہیں بڑا اور تربیت یافتہ لشکر تھا۔

آگرہ شہر سے باہر جہاندار شاہ نے اپنے بھتیجے فرخ سیر کو روکنے اور اس سے جنگ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ دس جنوری کو آگرہ شہر سے باہر فرخ سیر اور جہاندار شاہ میں ہولناک مقابلہ ہوا۔

اس موقع پر جہاندار شاہ کی بدقسمتی کہ جنگ سے متعلق اپنے سالاروں اور امراء سے مشورہ کرنے کی بجائے وہ ہندوستان کی حسینہ اور نور جہاں بننے کی متمنی داشتہ لال کماری سے مشورے کرتا رہا۔

Marfat.com

اس کے اس رویے کی وجہ سے اس کے لشکر میں جو سالار اور امراء تھے وہ حسد اور رقابت میں مبتلا ہو گئے تھے۔

سالاروں نے جب دیکھا کہ ان کا بادشاہ جہاندار شاہ جنگ کے سلسلے میں نہ ان سے کوئی مشورہ کرتا ہے نہ انہیں کوئی اہمیت دیتا ہے، ہر بات میں وہ لال کماری کو اہمیت دیتا ہے اور اس سے مشورہ کرتا ہے تب انتقامی کارروائی کرتے ہوئے کچھ سالاروں نے اس کے لشکر کے اندر ہی لوٹ مار شروع کر دی تھی۔

آگرہ سے باہر ہلکا سا ٹکراؤ ہوا جس کے نتیجے میں جہاندار شاہ فرار ہو گیا۔ اس موقع پر ہندوستان کے بادشاہ جہاندار شاہ کی حالت یہ تھی کہ جب وہ جنگ میں حصہ لینے کے لئے آیا تھا اس وقت وہ ہاتھی پر سوار تھا اور ہاتھی پر اس کے ساتھ اس وقت لال کماری بھی سوار تھی۔ جس وقت اس نے شکست کا منہ دیکھا تو اپنے ہاتھی کو موڑ کر آگرہ کی طرف بھاگا۔ اس وقت بھی لال کماری ہاتھی پر اس کے ساتھ سوار تھی۔

جہاندار شاہ لال کماری کے ساتھ پہلے آگرہ شہر میں داخل ہوا۔ وہاں اس نے اپنی داڑھی مونچھیں صاف کروائیں، ایک غریب آدمی کا بھیس بدلا۔ لال کماری کو ساتھ لیا۔ دونوں ایک بیل گاڑی میں سوار ہوئے اور دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس موقع پر جہاندار شاہ کو کوئی پہچان نہ سکا۔ لال کماری نے اپنا آپ ڈھانپا ہوا تھا۔ اور پھر اس موقع پر لوگ یہ توقع نہیں کر سکتے تھے کہ ہندوستان کا بادشاہ کسی بیل گاڑی میں بھی ہو سکتا ہے۔ اسی بناء پر جہاندار شاہ لال کماری کے ساتھ اسی بیل گاڑی میں آگرہ سے دہلی پہنچ گیا۔

دہلی پہنچ کر جہاندار شاہ نے اورنگ زیب عالمگیر کے دور کے نامور سالار ذوالفقار خان کے باپ اسد خان سے مدد کی درخواست کی۔ اسد خان اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں بڑے سرکردہ لوگوں میں سے تھا۔ اسے جب خبر ہوئی کہ جہاندار شاہ آگرہ سے شکست اٹھا کر اور بھیس بدل کر دہلی پہنچا ہے تو اس نے فرخ سیر کو خوش کرنے کے لئے جہاندار شاہ کو گرفتار کر کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ یہ کارروائی کرنے کے بعد اسد خان نے تیز رفتار قاصد فرخ سیر کی طرف بھجوایا اور اسے اپنے اور اپنے بیٹے ذوالفقار کے تعاون کا یقین دلا دیا۔ جہاندار کو شکست دینے کے بعد فرخ سیر نے بھی دہلی کا رخ کیا۔ فروری کے مہینے میں وہ دہلی جا پہنچا۔

Marfat.com

دہلی پہنچ کر سب سے پہلے ہندوستان کے بادشاہ جہاندار شاہ کو قتل کیا گیا۔ اس کے بعد دہلی میں فرخ سیر نے اپنی تخت نشینی کا اعلان کیا اور بعد میں اس نے آگرہ کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔

آگرہ کی طرف جانے سے پہلے فرخ سیر نے حسن علی کو پہلے آگرہ کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ جہاندار شاہ اور اس کے متعلقین کی تمام املاک وغیرہ ضبط کر لے۔

پرانے اور قدیم سالار اسد خان نے کیونکہ فرخ سیر کو خط لکھا جس کے ذریعے اس نے اپنی اور اپنے بیٹے ذوالفقار خان کی طرف سے فرخ سیر کی مکمل اطاعت کی پیشکش کی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ اس نے جہاندار شاہ کو قید کر لیا ہے۔ لہٰذا ان کی قدر دانی کی گئی۔ آخر کچھ ناگزیر حالات کی وجہ سے فرخ سیر نے دہلی ہی میں قیام کیا۔

اب مملکت میں ایک انقلاب اور تبدیلی رونما ہونی شروع ہو گئی تھی۔ فرخ سیر کی قربت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام پرانے امراء کو ختم کر کے کچھ امراء اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا گروہ حسین علی اور حسن علی کا مخالف تھا اور ان دونوں گروہوں کا سرخیل اور رہنما ایک شخص قاضی عبداللہ تھا۔

یہ شخص عبداللہ کبھی جہانگیر نگر یعنی ڈھاکہ کی مسندِ خلافت پر متمکن تھا۔ وہیں سے ترقی پائی۔ اس کے بعد اسے میر جملہ خانِ خانہ کے خطاب سے نوازا گیا۔ دہلی کا تخت و تاج حاصل کرنے کے بعد فرخ سیر نے بخشی گری یعنی وزارت تو حسین علی کے سپرد کی۔ اسے امام الملک اور امیر الامراء کا خطاب دیا۔ اس کے بڑے بھائی حسین علی کو قطب الملک کا خطاب دیا اور وزارتِ عظمیٰ اس کے سپرد کی گئی۔

نئے بادشاہ فرخ سیر کے نزدیک یہ ان کی گزشتہ خدمات کا کافی انعام اور آئندہ اطاعت اور وفاداری کی ضمانت تھی۔ لیکن مورخین لکھتے ہیں کہ حسین علی اور حسن علی شروع ہی سے اپنی نگاہوں میں فرخ سیر کو حقیر خیال کرنے لگے تھے۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت تھی کہ ان دونوں کی قوتِ بازو سے اس نے بادشاہت حاصل کی تھی۔ دونوں بھائی اسے اپنا احسان مند بلکہ دستِ نگر سمجھتے تھے اور غالباً وہ یہی ہوس رکھتے تھے کہ فرخ سیر آخر تک ان کے اشاروں پر چلتا رہے گا۔

لیکن بادشاہت میں یہ ذہنیت دنیا کے اندر غداری سمجھی جاتی ہے اور حق یہ ہے کہ مطلق العنانی آئین سے متعلق سازگاری نہیں رکھتی۔ جلد ہی فرخ سیر اور سید وزیروں

Marfat.com

میں اختلاف اور کشاکشی کی نوبت آ گئی۔ تاج پوشی کے ساتھ ہی پرانے رفیق اور شہزادگی کے ندیم پائے تخت میں پہنچے اور بڑے بڑے عہدوں کی کرسیوں پر بٹھا دیئے گئے۔ حسین علی اور حسن علی فرخ سیر کے ان فیصلوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے اس لئے کہ نئے منصب داران دونوں بھائیوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے بلکہ انہوں نے ان دونوں سید برادران کے خلاف فرخ سیر کو بھڑکانا شروع کر دیا تھا۔

میر جملہ یعنی قاضی عبداللہ جو حسین علی اور حسن علی دونوں کے خلاف تھا، فرخ سیر نے اپنی مُہر اس کی تحویل میں دے دی۔ اسے نہ صرف میر جملہ بلکہ خانِ خاناں کے خطاب سے معزز کیا گیا۔ اس طرح قاضی عبداللہ کی فرخ سیر کی نگاہوں میں بڑی اہمیت ہوگئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی فرخ سیر نے مال گزاری کی وصولی اور خزانہ حسن علی کے سپرد کیا جسے قطب الملک کا خطاب دیا گیا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حسن علی لا ابالی سا آدمی تھا جسے رتبے کی بلندی عیاشی کی پستیوں میں دھکیل رہی تھی۔ مگر اس کا ایک دیوان رتن چند کچھ ہی روز میں خزانے پر ایسے قاعدے اور ضابطے کے قفل چڑھانے میں کامیاب ہوگیا کہ اچھے اچھے عہدے داروں کا اس پر بس نہ چلتا تھا اور اس کی اجازت کے بغیر نہ کسی کو وظیفہ ملتا تھا نہ مناصب کا کوئی روپیہ حاصل کر سکتا تھا۔ انتہا یہ کہ خاص بادشاہی محاصل و مداخل میں اس رتن چند نے اپنے دخل کا پنجہ گاڑ دیا تھا۔ دربار اور محل سرا کے مصارف تک محض شاہی عہدے داروں کے حکم سے ادا نہ کرتا تھا بلکہ خوب اپنے سامنے جھکاتا تھا اور سب کو اپنی یا قطب الملک کی منظوری کا پابند بناتا تھا۔ کچھ مؤرخین یہ لکھتے ہیں کہ قطب الملک کی سستی کی وجہ سے رتن چند کچھ اس طرح چڑھا کہ تنخواہیں تقسیم کرتے کرتے وہ خود عہدے بھی تقسیم کرنے لگا تھا۔

اس دوران فرخ سیر نے جو اچھا کام کیا وہ یہ کہ محمد امین خان کو اس کے گھر سے بلایا۔ فرخ سیر مغلوں کے گزشتہ دور میں محمد امین خان کے خاندان کی کارگزاریوں سے واقف اور آگاہ تھا۔ اسی بناء پر اس نے محمد امین خان کو بلایا۔ محمد امین خان جب قصر میں حاضر ہوا تو فرخ سیر نے بہترین انداز میں اس کا استقبال کیا۔ پُر جوش مصافحہ کیا۔ محمد امین خان کو اس نے ایک اعلیٰ عہدہ پیش کیا۔ ساتھ ہی اسے اعتماد الدولہ اور نصرت

Marfat.com

جنگ کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔

اب فرخ سیر کے گرد جو امراء جمع ہو گئے تھے۔ ان کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ حسین علی اور حسن علی کا تھا اور دوسرا گروہ وہ تھا جس کی رہنمائی قاضی عبداللہ کر رہا تھا۔ اس طرح دونوں گروہوں کے اندر ایک کشمکش اور چپقلش شروع ہو گئی تھی۔

اس موقع پر قاضی عبداللہ یعنی میر جملہ نے ایک قدم اٹھایا۔ اس نے اورنگ زیب عالمگیر کے دور کے پرانے سالار ذوالفقار خان کے باپ اسد خان اور حسن علی کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ اپنی اس کوشش میں کسی حد تک وہ کامیاب بھی ہوا۔ فرخ سیر بھی اس کی باتوں میں آ گیا۔ اس نے پہلے اسد خان اور ذوالفقار خان کی گرم جوشی سے تواضع کی، انہیں تحائف بھی پیش کئے۔ مگر بعد ازاں جب دوسرے گروہ نے جوابی کارروائی کی تو فرخ سیر نے ان کی باتوں میں آ کر ذوالفقار خان کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد اس کے حکم سے کچھ غلاموں نے ذوالفقار خان کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد اسد خان اور اس کے بیٹے ذوالفقار خان کی تمام املاک ضبط کر لی گئیں۔ اس رویے کی وجہ سے ذوالفقار خان کا بوڑھا باپ اسد خان خود بخود ہی موت کی آغوش میں چلا گیا۔

اب فرخ سیر کی حکومت دو گروہوں کا اکھاڑہ بن گئی تھی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے فرخ سیر نے بیشتر پرانے عہدے داروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور ان کی جگہ نئے عہدے دار مقرر کئے تھے۔ فرخ سیر اب سید برادران جنہیں لوگ بادشاہ گر بھی کہنے لگے تھے ان کے اثر و رسوخ سے بھی بے خبر نہ تھا۔ اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ سید برادران کہیں شاہی خاندان سے کسی اور شہزادے کو تخت نشین کرنے کی سازش نہ کریں۔ اس بناء پر اس نے شاہی افرادِ خانہ کو محبوس کر دیا۔ جہاندار شاہ کے سب سے بڑے بیٹے عز الدین اور کچھ دیگر شاہی شہزادوں کو بینائی سے محروم کر دیا گیا۔

فرخ سیر کی خامی یہ تھی کہ وہ ہمیشہ دوسروں کے مشوروں کا محتاج رہا۔ وہ ہر ایک کی باتوں میں آ جاتا تھا اور حد سے تجاوز کر جاتا تھا۔ اسی دوران سید برادران کے خلاف بھی دربار میں سازشوں نے عروج پکڑنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سید برادران اور فرخ سیر کے درمیان اختلافات کا آغاز ہو گیا۔ اس موقع پر میر جملہ نے فرخ سیر کے مزید کان بھرنا شروع کر دیئے اور اسے اس شبہ میں مبتلا کر دیا کہ سید

Marfat.com

برادران دولت جمع کر رہے ہیں اور اپنی قوت میں بھی اضافہ کر رہے ہیں تاکہ فرخ سیر کی حکومت کا تختہ الٹ سکیں۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ سید برادران نے دربار میں حاضری دینا بھی بند کر دی مگر فرخ سیر نے آئندہ خطرات کے پیش نظر جلد ہی حسن علی اور حسین علی دونوں بھائیوں سے مصالحت کر لی۔

فرخ سیر نے کیونکہ بادشاہت حاصل کرنے کے لئے راجپوتوں کی طاقت اور قوت کو استعمال کیا تھا لہٰذا اب اس کے لئے ایک خطرے کی بجائے دو خطرات سر ابھارنے لگے تھے۔ پہلا خطرہ تو وہ اپنے لئے حسین علی اور حسن علی کو خیال کرتا تھا کہ کہیں وہ دوسرے مغل شہزادے کو اس کے مدِ مقابل لا کر اسے ہی ہندوستان کا بادشاہ نہ بنا دیں۔ دوسری طرف راجپوت سلطنت کے اندر لوٹ مار کی سرگرمیوں میں لگ گئے تھے اس لئے کہ انہوں نے فرخ سیر کو آخر بادشاہت حاصل کر کے دی تھی۔

راجپوتوں کی ان سرگرمیوں کا خاتمہ کرنے کے لئے فرخ سیر نے ایک تدبیر سے دو کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے اس نے راجپوتوں کے سردار اجیت سنگھ کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ اس کے بعد اس نے حسین علی کو ایک لشکر دے کر راجپوتوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور ساتھ ہی راجپوت سردار اجیت سنگھ کو خط لکھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح حسین علی کو موت کے گھاٹ اتار دے۔

حسین علی لشکر لے کر راجپوتوں کی طرف بڑھا۔ مارواڑ کے قریب جب وہ پہنچا تو راجپوتوں کے سردار اجیت سنگھ نے دیکھا کہ جو لشکر اس کے پاس ہے اس سے کئی گنا بڑا لشکر اس پر حملہ آور ہونے کے لئے حسین علی لایا ہے لہٰذا راجپوتوں کے سردار اجیت سنگھ کو یقین ہو گیا کہ وہ اس لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر کرے گا تو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا لہٰذا اس نے جنگ سے پہلے ہی پسپا ہونا شروع کیا اور بیکانیر کے صحراؤں کی طرف پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

دوسری طرف حسین علی بھی اس کا تعاقب کرتا رہا۔ گرمی کی شدت اور بھوک پیاس سے دونوں لشکروں کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی۔ اجیت سنگھ خائف تھا کہ اگر اس نے مقابلہ کرنے کی ٹھانی تو اسے عبرت ناک شکست ہو گی اور اس شکست کے دوران کہیں اس کا خاتمہ ہی نہ کر دیا جائے۔ لہٰذا اس نے حسین علی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے،

Marfat.com

اطاعت قبول کر لی اور یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنی ایک لڑکی کو فرخ سیر کے ساتھ بیاہ دے گا۔ ساتھ ہی اپنے ایک لڑکے اجے سنگھ کو دربار میں یرغمال کے طور پر بھیج دے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ آئندہ اپنی اطاعت کے اظہار کے طور پر وہ خود بھی فرخ سیر کے لشکر میں شامل ہو جائے گا۔

اس طرح حسین علی کامیابی حاصل کر کے اپنے لشکر کے ساتھ دہلی لوٹ گیا۔

فرخ سیر چاہتا تھا کہ اجیت سنگھ کے ہاتھوں حسین علی کا خاتمہ کرا دے۔ جب اس میں ناکامی ہوئی تو اس نے اپنے گرد حفاظت کا ایک حصار بنانا شروع کر دیا۔ حسین علی اور حسن علی سے خوفزدہ ہو کر اس نے اپنے گرد دو خاص آدمیوں کو مقرر کیا۔ ایک تو پہلے ہی اس کے پاس تھا یعنی میر جملہ خان۔ دوسرا شخص خانِ دوراں تھا۔ اسے بھی اس نے اعلیٰ منصب پر قائم کیا۔ لشکر پر بھی اس کی گرفت رکھی۔ ساتھ ہی مملکت کے فیصلے کرنے کے لئے وہ ان دونوں ہی سے مشورے کرنے لگا تھا۔

جہاں تک علی مردان، فیروز مرزا اور ناصر خسرو کے باپ محمد امین کا تعلق تھا اسے وزارت کا منصب بھی مل چکا تھا۔ بہترین خطاب بھی عنایت ہوئے تھے لیکن وہ بالکل خاموش تھا۔ اس نے کسی دھڑے کا ساتھ نہ دیا۔ گو اسے حسن علی، حسین علی اور ان کے خاندان کے کچھ دیگر افراد سے شکوے، شکایتیں اور رقابتیں بھی تھیں۔ پھر وہ اپنا انتقام لینے کے لئے مناسب وقت کی تلاش میں تھا اس لئے کہ اس موقع پر حسین علی اور حسن علی کا اقتدار تو اپنے عروج پر تھا۔ ان کے خلاف حرکت میں آنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

حسن علی اور حسین علی نے جب دیکھا کہ انہیں نظر انداز کرتے ہوئے فرخ سیر تو میر جملہ اور خانِ دوراں کو اہمیت دینے لگا ہے لہٰذا ایک بار پھر دونوں بھائیوں نے دربار میں حاضری بند کر دی اور اپنے گھروں میں بند ہو گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنے دفاع کے لئے انتظامات بھی کر لئے تھے۔

جب کچھ دن خاموشی رہی تو حسن علی اور حسین علی نے ایک اور قدم اٹھایا۔ دراصل وہ بھی فرخ سیر کو اپنے سامنے جھکانا چاہتے تھے۔ ان دونوں نے فرخ سیر کے نام اپنے استعفے بھیج دیئے۔

فرخ سیر نے ایک بار پھر مصالحت کی کوشش کی۔ اس مصالحت کی گفتگو کے دوران

Marfat.com

حسن علی اور حسین علی دونوں نے کچھ شرائط پیش کیں۔ پہلی شرط یہ تھی کہ میر جملہ کو دہلی سے نکالا جائے اور اسے کہیں اور بھیج دیا جائے۔ فرخ سیر نے ان کی اس شرط کو قبول کر لیا اور میر جملہ کو بہار کا حاکم بنا کر روانہ کر دیا۔ دوسری شرط یہ پیش کی گئی کہ حسین علی کو دکن کا وائسرائے مقرر کیا جائے۔ فرخ سیر نے اس شرط کو بھی قبول کر لیا۔ لہٰذا حسین علی ایک لشکر لے کر دکن کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسی دوران فرخ سیر نے راجپوتوں کے سردار اجیت سنگھ کی لڑکی سے شادی کر لی جو ابھی نوعمر ہی تھی۔

اپنے گرد منڈلانے والے ان دو گروہوں سے فرخ سیر کو کچھ سکون اور آسودگی حاصل ہوئی تھی کہ اس کے لئے سکھوں کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس لئے کہ اس سے پہلے سکھوں کے مصنوعی اور نام نہاد گرو نے روپوشی اختیار کر لی تھی۔ اسے شام گرو اور بندہ بیراگی کا نام بھی دیا گیا تھا، پھر اچانک ہی بندہ بیراگی نمودار ہوا اور ساڈورہ کے قریب اپنی طاقت اس نے مرکوز کرنا شروع کر دی۔ اس نے پَر پُرزے نکالنے شروع کر دیئے اور اردگرد کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔

فرخ سیر کو جب شام گرو یعنی بندہ بیراگی کی ان کارروائیوں کی اطلاع ملی تو اس نے لاہور کے اپنے حاکم عبدالصمد خان کو پیغام بھیجا کہ سکھوں کے گرو بندہ بیراگی کا کوئی بندوبست کرے۔ یہ پیغام ملنے کے بعد عبدالصمد فوراً حرکت میں آیا اور جس قلعے میں بندہ بیراگی نے قیام کیا ہوا تھا اس قلعے کا اس نے محاصرہ کر لیا۔

چند روز کی جنگ کے بعد سکھ لشکر کو لوہ گڑھ میں پناہ لینا پڑی۔ عبدالصمد آگے بڑھا۔ لوہ گڑھ پر حملہ آور ہوا اور بندہ بیراگی کو اس نے پھر پہاڑیوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

کچھ دنوں بعد بندہ بیراگی نے روپڑ، کلانور اور بٹالہ کے اضلاع میں مختلف جگہوں، قصبوں پر حملے شروع کر دیئے اور دوبارہ لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ اس کی ان کارروائیوں سے تنگ آ کر فرخ سیر نے مغلوں کا ایک لشکر اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ یہ لشکر بندہ بیراگی پر چڑھ دوڑا اور اسے گورداسپور میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ آخر مغل لشکر نے بندہ بیراگی پر حملہ آور ہوتے ہوئے اس کا ناک میں دم کر دیا۔ تب بندہ بیراگی ایک حملے کے دوران گرفتار ہو گیا۔ اس کے سرکردہ ساتھیوں اور لشکریوں میں سے اکثر کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

Marfat.com

اس طرح بندہ بیراگی اور اس کے ساتھیوں کو پہلے جلوس کی صورت میں دہلی کے بازار میں گھمایا گیا اور پندرہ مارچ کو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس طرح فرخ سیر کے دور میں اٹھنے والی سکھوں کی اس شورش اور بغاوت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا تھا۔

ان کاموں سے فراغت پانے کے بعد فرخ سیر اپنی دادی مہر پرور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت وہاں محمد شاہ کے علاوہ اس کی رضاعی بہن رحیم النساء بھی بیٹھی ہوئی تھی۔

فرخ سیر کیونکہ ہندوستان کا بادشاہ تھا لہٰذا محمد شاہ اور رحیم النساء دونوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ فرخ سیر کیونکہ عمر میں کافی بڑا تھا، رحیم النساء کا سر چوم کر اسے پیار کیا۔ محمد شاہ کو اس نے گلے لگایا پھر اپنی دادی کے دونوں گھٹنے پکڑتے ہوئے بیٹھ گیا۔ اس موقع پر اس کی دادی مہر پرور کچھ دیر تک بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

''فرخ سیر میرے بیٹے! میں دیکھتی ہوں کہ سلطنت کے اندر افراتفری اور ہلچل مچی ہوئی ہے۔ میرے بچے! مجھے اب کوئی چرکہ لگانے کی کوشش نہ کرنا۔ کیا تمہاری دادی کے لئے اس سے بڑا کوئی دکھ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے چار بیٹے تخت نشینی کی جنگ لڑتے ہوئے ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ بڑی سخت جان ہوں جو اس قدر صدمے برداشت کرنے کے بعد بھی بچی ہوئی ہوں۔ میرے بیٹے! اس موقع پر میری تم سے استدعا ہے کہ اب میرے خاندان میں سے کسی اور کو موت کے گھاٹ نہ اتارنا۔ یہ صدمے میرے لئے ناقابل برداشت ہوں گے۔ اس محمد شاہ کو دیکھو، یہ میرا یوں جانو آخری سہارا ہے۔ بیٹے! اسے دشمنوں کی نظر نہ لگنے دینا۔ بھائی سمجھ کر اس کا خیال رکھنا۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو یاد رکھنا قیامت کے روز تمہارا دامن ہوگا اور میرے ہاتھ۔''

یہاں تک کہنے کے بعد مہر پرور جب خاموش ہوئی تب فرخ سیر بڑے غور سے اپنی دادی کی طرف کچھ دیر دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

''اماں! میں نے کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کی۔ میرا باپ تمہارا بیٹا تھا۔ اس کے ساتھ جو ظلم ہوا میں نے اس کا انتقام لیا ہے۔ اماں! جہاں تک میرے تایا اور چچا کے بیٹوں کا تعلق ہے، اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہیں کچھ نہیں کہہ رہا۔ جہاں تک محمد

Marfat.com

شاہ کا تعلق ہے تو اماں! یوں جاننا یہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے۔ اگر کسی نے اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھا تو اماں! دیکھنا میں اس کا کیا حشر نشر کرتا ہوں۔ اماں! میں ایسا کروں گا جیسا تم چاہو گی۔ پر دادی اماں! میں تو دو انتہائی اہم کاموں کے سلسلے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔"

جواب میں مہر پرور نے تھوڑی دیر تک جستجو بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔

"اگر تم دو اچھے موضوع پر مجھ سے گفتگو کرنا چاہتے ہو تو بیٹے مجھے خوشی ہو گی۔ اگر پھر کسی کی جان لینے سے متعلق مجھ سے مشورہ کرنا ہے تو ایسی گفتگو میرے سامنے نہ ہی کرو تو اچھا ہے۔ تاہم اگر تم کوئی ایسا اقدام کرنا چاہتے ہو تو پھر دو کام کرو۔ یا تو میرے کانوں میں سیسہ ڈال دو تا کہ میری سماعت ختم ہو جائے اور میں کچھ نہ سنوں یا میرا خاتمہ کر دو۔ اس لئے کہ......"

اس سے آگے مہر پرور کچھ نہ کہہ سکی۔ فرخ سیر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا پھر انتہائی عقیدت سے اس کے گھٹنے پکڑے، پھر کہنے لگا۔

"دادی اماں! ایسی کوئی بات نہیں۔ پہلے آپ سنیں تو سہی میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔"

مہر پرور اس کے کہنے پر خاموش ہو گئی۔ لہٰذا فرخ سیر نے کہنا شروع کیا۔

"اماں! پہلا کام جو میں کرنا چاہتا ہوں اور جس کے لئے آپ کی اجازت حاصل کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ میں اپنی بیٹی کو اپنے بھائی محمد شاہ سے منسوب کرنا چاہتا ہوں۔ بولو اماں! اب آپ کا کیا خیال ہے؟ اس لئے کہ میری بیوی اور میرے گھر کے دیگر افراد ایسا چاہتے ہیں۔ محمد شاہ بھی اس وقت پاس ہی بیٹھا ہوا ہے۔ آپ بھی موجود ہیں۔ دونوں اگر مشورہ کرنا چاہتے ہیں تو میں چلا جاتا ہوں۔ سوچ سمجھ کر مجھے بتا دیجئے گا۔"

فرخ سیر کے ان الفاظ پر مہر پرور کے چہرے پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر وہ فرخ سیر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"میرے بیٹے! اگر تم ایسا چاہتے ہو تو یوں جانو اس میں تو میری خوشی اور طمانیت ہے۔ محمد شاہ یہیں بیٹھا ہوا ہے۔ اس سے پوچھ لیتے ہیں۔ تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

پھر مہر پرور نے محمد شاہ کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

Marfat.com

''محمد شاہ میرے بیٹے! بولو۔ تمہاری ذات سے متعلق گفتگو ہو رہی ہے لہٰذا تمہاری رضامندی ضروری ہے۔''

محمد شاہ نے اس موقع پر ایک نگاہ اپنی رضاعی بہن رحیم النساء پر ڈالی اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی پھر اسی مسکراہٹ میں اس نے فرخ سیر کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی دادی مہر پرور کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اماں! آپ جو فیصلہ کریں گی وہ میرے لئے آخری ہوگا۔ اگر مجھے فرخ سیر کی بیٹی کا ساتھی بنایا جاتا ہے تو میں زندگی بھر اس ساتھ پر فخر کرتا رہوں گا۔''

محمد شاہ کے ان الفاظ پر فرخ سیر نے اسے گلے لگا لیا اور اس کی پیشانی چومی۔ اس موقع پر مہر پرور اور رحیم النساء دونوں مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ فرخ سیر نے محمد شاہ کو علیحدہ کیا پھر اپنی دادی مہر پرور کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اماں! ایک موضوع ختم ہوا۔ اب دوسرے موضوع کی طرف آتا ہوں۔ دوسرا موضوع بڑا اہم ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد فرخ سیر رکا پھر اپنی دادی مہر پرور کو مخاطب کرتے ہوئے دوبارہ کہہ رہا تھا۔

''اماں! جس موضوع پر میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں وہ موضوع میرے موجودہ منصب دار محمد امین خان سے متعلق ہے۔ اماں! محمد امین خان اور اس کے خاندان کے جو تعلقات، جو روابط ہمارے خاندان سے رہے ہیں ان سے آپ واقف ہیں۔ ان کے ہم پر بڑے احسانات ہیں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ پٹنہ میں انہوں نے بڑی کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کی ہے اس لئے کہ حسن علی اور حسین علی اور ان کے کچھ عزیز و اقارب ان کے سخت خلاف ہیں۔ اس مخالفت کی ایک وجہ بنارس کے راجہ منس رام کی بیٹی بھی تھی۔ اماں! مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ محمد امین خان کا منجھلا بیٹا علی مردان اور چھوٹا بیٹا ناصر خسرو دونوں قندھار چلے گئے ہیں۔ علی مردان اپنے چھوٹے بیٹے شہاب الدین کو بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے اور حسین علی نے مجھے یہاں تک بتا دیا ہے کہ محمد امین خان اور اس کے بیٹوں نے بنارس کے راجہ منس رام کی بیٹی سمرہ کو لاہور بھجوا دیا تھا اور قندھار کی طرف جاتے ہوئے وہ سمرہ کو بھی اپنے ساتھ قندھار لے گئے ہیں۔ اب حسن علی اور حسین علی یہ کوشش کر رہے ہیں کہ قندھار ہی میں علی مردان، ناصر خسرو، منس رام

Marfat.com

کی بیٹی سمرہ اور علی مردان کے بیٹے شہاب الدین کا خاتمہ کرا دیا جائے۔ اس لئے کہ حسن علی اور حسین علی دونوں محمد امین خان کے خاندان کے ساتھ انتہا درجہ کی دشمنی، مخالفت اور عداوت رکھتے ہیں۔ وہ مجھے بھی محمد امین خان کے خلاف اکساتے رہتے ہیں کہ میں نے اسے اپنا منصب دار اور مشیر کیوں بنا رکھا ہے۔ لیکن ابھی تک میں ان کے کسی مشورے پر عمل نہیں کر رہا۔ اماں! یہ حسین علی اور حسن علی دونوں میری حکومت سے مخلص نہیں اور نہ ہی دل سے وہ چاہتے ہیں کہ میں حکمران رہوں۔ وہ خود بادشاہ گر بننا چاہتے ہیں۔ ہمارے خاندان کے جتنے دوسرے شاہی افراد ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ایک کے بعد دوسرے کو تخت نشین کر کے اپنا مہرہ بنا کر استعمال کرتے رہیں اور ہندوستان پر دونوں بھائی اپنے خاندان کے ساتھ خود حکومت کرتے رہیں۔ اماں! اب بولیں، آپ کیا کہتی ہیں؟ جہاں تک میرا تعلق ہے میں چاہتا ہوں علی مردان اور اس کا بیٹا شہاب الدین، علی مردان کا چھوٹا بھائی ناصر خسرو اور اس کی بیوی سمرہ چاروں قندھار سے یہاں واپس آئیں اور ایک طرح سے ہمارے خاندان کا حصہ بنیں۔ ہم ان کی حفاظت کا سامان کریں گے۔"

فرخ سیر جب خاموش ہوا تب بڑی چاہت اور محبت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مہر پرور کہنے لگی۔

"میرے بیٹے! جو کچھ تُو کہتا ہے، یوں سمجھو یہ میرے دل کی آواز ہے۔ میں اس لحاظ سے بھی تمہاری شکر گزار اور ممنون ہوں کہ نا مساعد حالات کے باوجود تُو نے محمد امین خان کو ایک اچھے منصب پر مقرر کیا ہے۔ اس موقع پر میں تمہیں یہ بھی مشورہ دوں گی کہ ان حالات میں دو اشخاص تمہارے لئے انتہا درجہ کے مخلص اور جانثار ثابت ہو سکتے ہیں۔ ایک محمد امین خان اور دوسرا اس کا بھتیجا نظام الملک۔ (نظام الملک کو تاریخ کے اوراق میں زیادہ تر نواب نظام الملک کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کا پورا نام میر قمر الدین تھا۔ آگے چل کر حیدر آباد دکن کی آصف جاہی حکومت کا یہی بانی ہوا۔ عالمگیر کے مشہور اور مقبول امیر شہاب الدین کا فرزند تھا۔ عالمگیر کے دور میں اس نے بیجاپور کی فتح میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ اس کے علاوہ نظام الملک کے باپ خواجہ عابد قلیچ خان نے گولکنڈہ کے محاصرے میں اپنی جان قربان کرتے ہوئے فتوحات کو یقینی بنایا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد نظام الملک نے بھی اپنے باپ کی طرح

Marfat.com

قلیچ بیگ کا خطاب پایا تھا۔ اس کے بعد عالمگیر کے بعد اس نے نظام الملک کے خطاب سے وزارت کے درجے تک ترقی کی تھی۔ جب حسین علی اور حسن علی نے طاقت اور قوت استعمال کر کے فرخ سیر کو ہندوستان کا حاکم بنا دیا تب وہ اس وقت مالوہ کا حاکم تھا۔ اور ایک طرح سے عزلت میں نشینی اور گوشہ گیری کی زندگی بسر کرنے کو ترجیح دے رہا تھا)

مہر پرور رکی۔ پھر وہ فرخ سیر کو مخاطب کر کے کہہ رہی تھی۔

''میرے بیٹے! جب حالات تمہارے لئے ابتر ہو جائیں تو یاد رکھنا دونوں پر اعتماد اور بھروسہ کرنا۔ جہاں تک تمہاری اس تجویز کا تعلق ہے کہ محمد امین خان کے بیٹے علی مردان، اس کے بیٹے شہاب الدین، علی مردان کے بھائی ناصر خسرو اور بنارس کے راجہ منس رام کی بیٹی سمرہ کو قندھار سے واپس بلایا جائے تو اس سلسلے میں رکو، پہلے اس موضوع پر محمد امین خان سے مشورہ کرتے ہیں۔ بیٹے! تمہارے یہاں آنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ حسین علی اور حسن علی شک کرتے رہیں گے کہ شاید تم ان کے خلاف ساز باز کر رہے ہو۔ میں خود محمد امین خان سے مشورہ کرلوں گی پھر تمہاری طرف محمد شاہ کو بھیجوں گی اور وہ تمہیں صورتِ حال سے آگاہ کر دے گا۔''

اپنی دادی مہر پرور کے ان الفاظ پر فرخ سیر خوش ہو گیا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھا۔ دادی کو سلام کیا۔ رحیم النساء، محمد شاہ دونوں کو پیار کیا پھر وہ وہاں سے نکل گیا تھا۔

٭......٭

Marfat.com

●●●

اب دہلی کی مملکت کے حالات مزید خراب ہونا شروع ہو گئے تھے۔ حالات کو درست کرنے کے لئے فرخ سیر کو صرف یہی تجویز دکھائی دیتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اگر حسن علی اور حسین علی کا خاتمہ کر دیا جائے تو مملکت کے حالات درست ہو سکتے ہیں۔
فرخ سیر اب پہلے کی نسبت ان دونوں بھائیوں سے زیادہ خطرہ محسوس کرنے لگا تھا۔ لہٰذا اس نے اورنگ زیب کے زمانے کے بعض امراء کو عہدے دینے شروع کر دیئے۔

سب سے پہلے اس نے میر جملہ کو خفیہ طور پر پٹنہ سے دہلی بلایا۔ اس کے حکم پر وہ دہلی پہنچ گیا۔ فرخ سیر نے اسے لاہور جانے کا حکم دیا تاکہ کم از کم لاہور اور وہاں کی جو طاقت اور قوت ہے وہ میر جملہ کی وجہ سے اس کی گرفت میں رہے۔

یہ حکم ملنے کے بعد میر جملہ لاہور چلا گیا۔ اس دوران فرخ سیر نے مالیات کے ماہر رتن چند کو اہمیت دی۔ اس کے علاوہ ایک کشمیری سالار محمد مراد کو اس نے سات ہزار کے لشکر کا سالار بنا دیا اور اسے اعتماد خان کا خطاب دیا اور یہ کشمیری رہنما محمد مراد حسین اور حسن علی کی نگاہوں میں کھٹکتا تھا اور وہ اسے اپنا دشمن خیال کرتے تھے۔ اس پر فرخ سیر نے یہ بھی اضافہ کیا کہ محمد مراد کو اس نے شاہی حرم کا نگران بھی مقرر کر دیا۔

اس طرح ایک اور شخص سربلند خان کو بھی فرخ سیر نے اعلیٰ منصب عطا کیا۔ انہی دنوں ایک اور ناقابل تلافی واقعہ بھی رونما ہوا تھا اور وہ یہ کہ نمازِ عید ادا کرتے ہوئے حسن علی پر کسی نے حملہ کیا۔ اسے قتل کرنا چاہا۔ لیکن حسن علی کے اردگرد اس قدر محافظ ہوا کرتے تھے کہ حسن علی بچ نکلا۔

حالات جب مزید پیچیدہ ہونے لگے تو فرخ سیر نے اپنے حمایتی میر جملہ کو ایک بار پھر لاہور سے دہلی بلا لیا لیکن فرخ سیر کی بدقسمتی کہ حسن علی نے میر جملہ کو اپنے ساتھ ملا

Marfat.com

لیا۔ ساتھ ہی حسن علی نے دہلی میں رونما ہونے والے حالات سے اپنے بھائی حسین علی کو بھی اطلاع کر دی جو اس وقت دکن کے علاقے میں تھا۔ لہٰذا حسین علی برہان پور سے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت اس کے ساتھ ایک بہت بڑا لشکر تھا۔ اس کے علاوہ اورنگ زیب عالمگیر کے بڑے بیٹے اکبر کا بیٹا یعنی اورنگ زیب کا ایک پوتا بھی حسین علی اپنے ساتھ لا رہا تھا جو اس وقت مرہٹوں کے اندر زندگی کے دن گزار رہا تھا اور مرہٹوں نے اسے حسین علی کے سپرد کر دیا تھا۔

مزید یہ کہ مرہٹوں نے بھی حسین علی کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ اس طرح حسین علی کے پاس ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا جس کے ساتھ اس نے دہلی کا رخ کیا تھا۔

اسی اثناء میں فرخ سیر نے حسن علی کو ایک بار پھر راضی کر لیا۔ اس کے ساتھ مصالحت کر لی۔ حتیٰ کہ اس کے ساتھ اپنا عمامہ بھی تبدیل کر لیا اور حسن علی ہی کی وجہ سے فرخ سیر نے اپنے منصب دار محمد امین خان کو مالوہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس طرح محمد امین خان کو ایک طرح سے دہلی سے نکال دیا گیا تھا۔ تاہم محمد امین خان کا بڑا بیٹا فیروز مرزا اپنے دیگر اہل خانہ کے ساتھ دہلی ہی میں مقیم رہا۔

حسن علی کو ایک بار پھر راضی کرنے اور اس کے ساتھ مصالحت کرنے کے بعد جو لوگ اس وقت فرخ سیر سے شکایات محسوس کر رہے تھے ان سے بھی فرخ سیر نے مصالحت کر لی تھی۔ ان میں سے اجیت سنگھ، سربلند خان اور جے سنگھ زیادہ قابل ذکر تھے۔ لیکن لگتا تھا کہ حسین علی اور حسن علی کے شکوے ابھی بھی دور نہ ہوئے تھے لہٰذا فرخ سیر نے دونوں بھائیوں کو مزید انعام و اکرام سے نوازا۔ ان کے درجات میں بھی ترقی دی اور پھر انہی کے کہنے پر محمد امین خان کو جسے دہلی میں منصب سے ہٹا کر مالوہ کا حاکم مقرر کیا گیا تھا اسے اب مالوہ کی حاکمیت سے بھی برطرف کر دیا گیا۔ اس طرح محمد امین خان مالوہ سے پھر دہلی میں اپنے بیٹوں کے پاس آ گیا تھا۔

اس دوران جب حسن علی کا بھائی ایک بہت بڑا لشکر لے کر دہلی پہنچا تو فرخ سیر نے جس طرح حسن علی سے عمامہ تبدیل کیا تھا اسی طرح فرخ سیر نے حسین علی کے سر پر اپنا عمامہ رکھ دیا۔ دراصل اسے اس وقت یہ خوف تھا کہ کہیں حسین علی اورنگ زیب عالمگیر کے پوتے کو تخت نشین نہ کر دے۔ اس لئے کہ اس وقت حسین علی اور حسن علی ایک طرح سے بادشاہ گر بن چکے تھے جس کو چاہتے تخت پر بٹھا دیتے تھے جسے چاہتے

Marfat.com

تھے خون میں نہلا کر تخت سے اتار سکتے تھے۔
اسی دوران حسین علی کو کسی نے یہ خبر دے دی کہ فرخ سیر اس کا مقابلہ کرنے کے درپے ہے۔ اس خبر کی کوئی تحقیق نہ کی گئی۔ اس خبر کو سنتے ہی حسین علی کا بڑا بھائی حسن علی، اجیت سنگھ کے ہمراہ شاہی قصر میں داخل ہوا۔ اجیت سنگھ پہلے فرخ سیر کے خلاف تھا۔ حالانکہ اجیت سنگھ کی بیٹی فرخ سیر کی بیوی تھی اور فرخ سیر اجیت سنگھ کا داماد تھا۔
اس موقع پر حسن علی اور اجیت سنگھ کے ساتھ ایک خاص بڑا لشکر تھا جس کے ذریعے انہوں نے محل کے دروازے بند کر دیئے۔ چھوٹا بھائی حسین علی جو اس سے پہلے اپنے لشکر کے ساتھ دہلی میں قیام کئے ہوئے تھا، وہ بھی دہلی میں داخل ہو گیا۔ اس دوران شہر کے اندر یہ افواہ گرم ہو گئی کہ فرخ سیر کو معزول کر دیا گیا ہے۔
اس ناموافق خبر کو سن کر جب بہت سے امراء نے محل میں داخل ہونے کی کوشش کی تو انہیں ناکامی ہوئی۔ حسن علی، حسین علی اور ان کے حمایتیوں نے انہیں محل میں داخل نہ ہونے دیا۔ فرخ سیر کو اب یقین ہو گیا تھا کہ حسین علی اور حسن علی دونوں اجیت سنگھ کے ساتھ مل کر اس کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا وہ قصر سے نکل کر اپنی حرم سرا میں چلا گیا تھا۔
آخر بڑے بھائی حسن علی کے آدمی، اس کے حاشیہ نشین اور اس کے لشکری شاہی حرم میں داخل ہو گئے۔ فرخ سیر کے چچا رفیع الشان کے ایک بیٹے رفیع الدرجات کو تخت نشین کر دیا گیا۔ ساتھ ہی حسن علی کے آدمیوں نے فرخ سیر کو حرم سے باہر نکالا۔ پہلے اسے دھکے دیئے، زدو کوب کیا اس کے بعد فوراً اسے آنکھوں سے محروم کر دیا گیا۔ پہلے دو ماہ تک اسے قید میں رکھ کر اذیتیں دی جاتی رہیں اس کے بعد اسے رات کے وقت موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اس کا خاتمہ کرنے کے بعد اسے ہمایوں کے مقبرے میں دفن کر دیا گیا۔
اس طرح فرخ سیر کا سات سالہ دورِ حکومت اپنے انجام کو پہنچا۔ اس دوران نظم و نسق کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور ہر طرف بدعنوانیوں کا دور دورہ تھا۔
فرخ سیر نے محمد امین خان کو پہلے دہلی میں اپنا منصب دار مقرر کیا تھا جو ایک طرح سے وزیر کا عہدہ تھا۔ پھر اس کے مخالفین کے تنگ کرنے پر اسے دہلی سے نکال کر مالوہ کا حاکم مقرر کر دیا تھا جبکہ مالوہ کا اس سے پہلے محمد امین خان کا بھتیجا نظام الملک حاکم

Marfat.com

تھا۔ لیکن دہلی کے افراتفری کے حالات دیکھتے ہوئے نظام الملک اپنے اہل خانہ کو لے کر دکن کی طرف چلا گیا تھا۔

اس کے بعد محمد امین خان کے مخالفین ہی کے کہنے پر فرخ سیر نے محمد امین خان کو مالوہ کی حاکمیت سے بھی معزول کر دیا تھا۔ لہٰذا محمد امین خان دہلی میں گوشہ گیری اور عزلت نشینی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

✲

محمد امین خان ایک روز اپنے بڑے بیٹے فیروز مرزا، اپنے پوتوں میں سے عباد الدین، قادرد خان، شرف الدین، اپنی بیوی مہر النساء اور اپنی دونوں بہوؤں تقدیس خانم اور قرہ خاتون کے ساتھ بیٹھا گھریلو موضوعات پر گفتگو کر رہا تھا۔ فیروز مرزا کی بیوی تقدیس خانم اور اس سے چھوٹے بھائی علی مردان کی بیوی قرہ خاتون دونوں سگی بہنیں تھیں۔ اس بناء پر خاندان کے اندر بڑا اتفاق اور اتحاد تھا جس کے نتیجے میں فیروز مرزا اور علی مردان کے بچوں کے اندر بھی ایک مثالی اتفاق اور تعاون تھا۔

اسی گفتگو کے دوران ایک طرف سے فیروز مرزا کی بیٹی ماہ الملک بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ اب وہ کافی بڑی ہو گئی تھی اور بچپنے سے نکل کر شباب اور جوانی کی حدود میں قدم رکھ رہی تھی۔ دوسری طرف فیروز مرزا کے بیٹے عباد الدین، قادرد خان بھی جوانی کی حدود میں داخل ہو رہے تھے۔ دوسری طرف علی مردان کا بڑا بیٹا شرف الدین بھی بلوغت کی حد کو پھلانگ چکا تھا۔

جس وقت ماہ الملک بھاگتی ہوئی اپنے دادا کے قریب آئی اس وقت اس کے ہاتھ میں کچھ پھل تھے جو اس نے شاید حویلی میں پھل دار درختوں سے توڑے تھے۔ پھر چہکنے کے انداز میں وہ محمد امین خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”دادا ابو! میں آپ کو ایک اچھی خبر بلکہ خوشخبری کہوں؟“

محمد امین خان نے مسکراتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے ماہ الملک کو قریب بلایا۔ ماہ الملک کا سر جھکا کر اس کا سر چوما پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میری بیٹی! تُو مجھے کوئی اچھی یا خوش کرنے والی خبر نہ بھی دے تب بھی جب تُو مسکراتے ہوئے میری طرف آتی ہے تو میرے لئے خوشیاں ہی خوشیاں ہوتی ہیں۔ اگر میرے بچوں کے بچے مطمئن اور خوش ہیں تو میری بچی! اسی میں میری خوشی ہے۔“

Marfat.com

ماہ الملک نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پھل ایک برتن میں رکھ دیئے پھر دوبارہ محمد امین خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''دادا! میں حقیقی معنوں میں آپ کو اچھی خبر سنانے آئی ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں حویلی میں پھل توڑ رہی تھی کہ حویلی میں ماموں حیدر بیگ اور چچا غازی الملک داخل ہوئے ہیں۔ وہ اپنے گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے گئے ہیں اور تھوڑی دیر تک دیوان خانے کی طرف آئیں گے۔''

حیدر بیگ، تقدیس خانم اور قرہ خاتون کا بھائی تھا جبکہ غازی الملک محمد امین خان کے بھتیجے اور مالوہ کے سابق حاکم نظام الملک کا بیٹا تھا۔

ماہ الملک کے ان الفاظ کے جواب میں دیوان خانے میں بیٹھے سب لوگ ان دونوں کی آمد پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس موقع پر محمد امین خان کچھ کہنا چاہتا تھا کہ حیدر بیگ اور غازی الملک دونوں اپنے کندھوں پر چرمی خرجینیں ڈالے دیوان خانے میں داخل ہوئے تھے۔ سب سے پہلے دونوں محمد امین خان، فیروز مرزا، شرف الدین، عباد الدین، قاورد خان سے باری باری گلے ملے۔ پھر مہر النساء، قرہ خاتون اور تقدیس خانم کی خدمت میں سلام کہا اور آخر میں انہوں نے بڑے پیارے انداز میں ماہ الملک کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ پھر دونوں محمد امین خان کے سامنے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس کے بعد گفتگو کا آغاز ماہ الملک کے ماموں حیدر بیگ نے کیا۔ محمد امین خان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''آپ کو حکومت کے اعلیٰ منصب پر مقرر کرنے پھر معزول کر کے مالوہ کا حاکم بنانے اور وہاں سے بھی معزول کر دینے کی ساری خبریں ہم تک پہنچی ہیں۔ جن لوگوں کے کہنے پر ایسا ہوا ہے انہیں آپ بھی جانتے ہیں، ہم بھی ان سے آگاہ ہیں۔ ہم اس وقت دکن کی طرف سے آ رہے ہیں اور ہمارے پاس آپ کے بھتیجے نظام الملک کا یہ پیغام ہے کہ آپ اب قندھار سے بھائی علی مردان اور ناصر خسرو، شہاب الدین اور سمرہ خاتون کو واپس بلا لیں۔ نظام الملک اعتراض اور خفگی کا اظہار کر رہے تھے کہ آپ نے انہیں قندھار بھیجا ہی کیوں۔ اگر قندھار کے میرویس نے بھائی علی مردان کو بلایا تھا تو علی مردان اکیلے جاتے۔ چند دن وہاں رہ کر چلے آتے۔ میرویس سے مل لیتے۔ ناصر خسرو اور......''

Marfat.com

یہاں تک کہتے کہتے حیدر بیگ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ محمد امین خان بول اٹھا۔
"بیٹے! تم لوگ صورتِ حال کو نہیں سمجھتے۔ سمرہ بیٹی کی وجہ سے پٹنہ کے حکمران جو اب بادشاہ گر بن گئے ہیں، ہمارے دشمن ہو گئے تھے۔ بنارس کے راجہ منس رام کی رائے سے ہم نے سمرہ کو لاہور کے حاکم عبدالصمد کی طرف بجھوا دیا تھا۔ ایسا ہم نے اس کے تحفظ کی خاطر کیا تھا۔ اگر ہم نے ناصر خسرو کو یہیں رکھنا ہوتا تو پھر سمرہ کو لاہور بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ پہلے ہم نے ارادہ کیا تھا کہ ناصر خسرو کو بھی لاہور بھیج دیں گے۔ وہاں عبدالصمد ناصر خسرو اور سمرہ کی شادی کا اہتمام کر دیتا اور دونوں میاں بیوی کچھ عرصہ لاہور ہی میں قیام کرتے اور جب یہاں کے حالات درست ہو جاتے تو پھر ہم دونوں کو واپس بلا لیتے۔

پر میرے بچو! شاید قدرت کو ایسا منظور نہ تھا۔ اس لئے کہ اسی دوران قندھار کے ہمارے عزیز میرویس کا ایک قاصد جس کا نام میران شاہ تھا وہ یہاں پہنچا اور اس نے یہ پیغام دیا کہ علی مردان کو میرویس نے قندھار بلا لیا ہے۔ لہٰذا ہم نے اسی میں بہتری سمجھی کہ علی مردان جب میرویس کے بلاوے پر قندھار جائے تو جاتی دفعہ ناصر خسرو کو بھی اپنے ساتھ لے جائے اور لاہور میں ناصر خسرو اور سمرہ کی شادی کا اہتمام کر کے دونوں کو قندھار لے جائے۔ اس موقع پر علی مردان چونکہ اپنے چھوٹے بیٹے شہاب الدین کو بھی اپنے ساتھ لے جانے کا خواہش مند تھا لہٰذا ہم نے اسے اجازت دے دی۔"
محمد امین خان یہاں تک کہنے کے بعد جب خاموش ہوا تب اس بار حیدر بیگ کی بجائے غازی الملک بول اٹھا اور محمد امین خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
"دادا! آپ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں؟ یاد رکھئے گا، جو حالات ہم پر اس وقت گزر رہے ہیں ان حالات میں عزت ایسے ہی آدمی کی ہوتی ہے جو عزت دار کی عزت کرے۔ اور جو عزت نہ کرانا چاہے اسے اسی کے اندازوں کے مطابق ہی جواب دے۔ لہٰذا ہم آپ کے پاس صرف یہ گزارش کرنے آئے ہیں کہ آپ فی الفور بھائی علی مردان، ناصر خسرو، سمرہ خاتون اور شہاب الدین کو واپس بلا لیں۔ بہت سے لوگ اس موضوع پر ہمارا ٹھٹھہ اور مذاق کرنے لگے ہیں کہ ہم نے بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے کچھ افرادِ خانہ کو ان کی حفاظت کے لئے قندھار بھیج دیا ہے۔"
غازی الملک جب خاموش ہوا تب اس بار حیدر بیگ سخت غصے اور بے چینی کا اظہار

Marfat.com

کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''امید ہے آپ ہماری اس التماس کو اہمیت دیں گے۔ نظام الملک نے ہمیں آپ کی طرف بھجواتے ہوئے سختی کے ساتھ تاکید کی تھی کہ آپ کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ چاروں کو قندھار سے واپس بلا لیا جائے۔ لہٰذا میں ایک بار پھر گزارش کروں گا کہ آپ چاروں کو قندھار سے واپس بلالیں۔ ہم سب نظام الملک کے ساتھ مل کر دکن میں ایک قوت جمع کر رہے ہیں اور اب کسی نے ہمارے ساتھ شیطانی کھیل کھیلنا چاہا تو اس کے دامن، اس کی جھولی میں پچھتاؤوں کے سوا کچھ نہیں رہے گا۔ آپ ہم دونوں کے ساتھ وعدہ کیجئے کہ آپ ہمارے کہنے پر ان چاروں کو قندھار سے واپس بلالیں گے۔''

محمد امین خان نے مسکراتے ہوئے حیدر بیگ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''حیدر بیگ! میں جانتا ہوں تمہیں ان کا کس قدر احساس ہے۔ اس لئے کہ تم قرہ خاتون اور تقدیس خانم کے بھائی ہو۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ مجھے اپنے دونوں بیٹے، اپنا پوتا یاد نہ آتے ہوں گے؟ میں چاہتا ہوں وہ میری آنکھوں کے سامنے رہیں۔ تم دونوں اس بات سے آگاہ ہو کہ اپنے سارے بچوں میں سے میں شہاب الدین کو سب سے زیادہ چاہتا ہوں۔ اس سے محبت کرتا ہوں۔ ویسے تو مجھے سارے ہی بچے عزیز ہیں، یہ میری پھلواری کے پھول ہیں لیکن وہ پھول بڑا انوکھا ہے۔ میں اسے اپنی حویلی کا گوہر آب دار خیال کرتا ہوں۔ یاد رکھنا جوان ہو کر وہ بڑا بے مثل تیغ زن، بڑا بے نظیر مجاہد ثابت ہو گا اور میرا دل کہتا ہے کہ اپنے کارناموں سے اس خاندان کا نام ضرور روشن رکھے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد امین خان رکا پھر خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''غازی الملک اور حیدر بیگ میرے دونوں بچو! کہنے کو تو تم نے کہہ دیا ہے کہ میں ان چاروں کو واپس بلالوں لیکن کہیں......''

یہاں تک کہتے کہتے محمد امین خان کو رک جانا پڑا اس لئے کہ حیدر بیگ بول اٹھا تھا۔ ''دادا! آپ کس قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔ کیا ہم چربی کے بنے ہوئے انسان ہیں کہ کوئی ہمیں اپنی دھونس دھمکی کی حدت سے پگھلا کر رکھ دے گا؟ کیا ہمارے دشمن لوہے اور پتھر کے بنے ہوئے ہیں کہ ہماری تلواریں ان کے سامنے کند ہو چکی ہیں؟ آپ ذرا ان چاروں کو قندھار سے دہلی بلا کر دیکھئے۔ میں آپ کے سامنے آج قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہمارے خاندان میں سے کسی کو بھی انہوں نے نقصان پہنچانے کی کوشش کی

Marfat.com

تو میں ان بادشاہ گروں سے انتقام لینے والا پہلا شخص ہوں گا۔ اگر ان دونوں کی وجہ سے ہم پر کوئی افتاد نازل ہوئی تو دادا حیدر بیگ اپنی جان قربان کر دے گا لیکن انتقام لینے سے ٹلے گا نہیں۔ ذرا آپ ان چاروں کو واپس تو بلا کر دیکھئے گا اور اگر آپ نے انہیں واپس نہ بلایا تو پھر ہمارے دشمن مزید ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ اس طرح ان چار کے بعد آپ کو اپنے اہل خانہ میں سے مزید کو قندھار بھیجنا پڑے گا اور ذرا یہ بھی سوچیں کہ یہ سلسلہ آخر کب تک جاری رہے گا؟"

حیدر بیگ جب خاموش ہوا تب محمد امین خان مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"اچھا بچو! ناراض نہ ہو۔ اگر تم دونوں کی یہی خواہش ہے اور نظام الملک بھی یہی چاہتا ہے اور نظام الملک نے اگر دکن میں اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ بھی کرنا شروع کر دیا ہے تو پھر مطمئن رہو۔ میں جلد ایک قاصد قندھار کی طرف روانہ کروں گا اور ان چاروں کو دہلی بلا لوں گا۔ تم دونوں نے نہ کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے۔ آتے ہی اس موضوع پر گفتگو شروع کر دی ہے۔"

امین خان نے ماہ الملک کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"بیٹی! تمہارا ماموں اور چچا آئے ہیں۔ ان کے کھانے کا اہتمام کرو۔"

ماہ الملک باہر نکلنے لگی تھی کہ حیدر بیگ نے اسے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا پھر بڑی محبت سے اسے کہنے لگا۔

"ماہ الملک! میں اور غازی الملک راستے میں دوپہر کا کھانا کھا کر آئے ہیں۔ بس میری بیٹی، آرام سے اپنے ماموں کے پاس بیٹھے۔ اس میں ہی ہماری خوشی ہے۔ کھانا اب شام کو اکٹھے ہی کھائیں گے۔"

جواب میں ماہ الملک چپ چاپ اپنے ماموں حیدر بیگ کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ پھر سب مل کر دہلی کے تشویش ناک حالات پر گفتگو کرنے لگے تھے۔

✻

فرخ سیر کے قتل کے وقت اس کی بیوی جو جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کی بیٹی تھی اور شادی کے بعد اس کا نام گوہر آراء رکھ دیا تھا اس نے اپنی جان بچانے کے لئے شاہی قصر سے بھاگ کر محمد امین خان کے اہل خانہ کے پاس پناہ لی تھی۔ حسن علی اور حسین علی کے آدمی دندناتے پھرتے تھے۔ کوئی بھی انہیں پوچھنے والا نہ تھا۔ اس لئے کہ

Marfat.com

طاقت، قوت اور مملکت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھی۔ بڑے بڑے شرفاء، بڑے بڑے جانباز قسم کے امراء ان کی قتل و غارت گری سے سہم کر اپنے گھروں میں دبک گئے تھے۔

دونوں بادشاہ گر بن گئے تھے۔ فرخ سیر کا خاتمہ کرنے کے بعد انہوں نے رفیع الدرجات کو تخت نشین تو کر دیا تھا۔ وہ اس وقت بیس سال کی عمر کا تھا مگر ایک ذہین اور انتہائی دانشمند انسان تھا۔ اگر اسے کام کرنے کا موقع فراہم کیا جاتا تو وہ یقیناً سلطنت کی فلاح اور بہبود کے لئے بہترین کام کرتا لیکن حسن علی اور حسین علی نے اسے تخت نشین تو کر دیا لیکن ایک پل کے لئے بھی اپنی مرضی کے مطابق نظم ونسق چلانے کی مہلت نہ دی۔ دراصل حسین علی اور حسن علی دونوں بھائی اب بادشاہ گر بن کر خود برسرِ اقتدار رہنے کا تہیہ کر چکے تھے۔

اسی دوران حسن علی اور حسین علی دونوں کے لئے آگرہ میں حالات کچھ خراب ہونا شروع ہو گئے۔ اس لئے کہ وہاں کے توپ خانے میں کام کرنے والے سارے لشکر نے ایک با اثر ہندو متر اسین کے اکسانے پر رفیع الدرجات کو بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور انہوں نے اورنگ زیب عالمگیر کے بڑے بیٹے اکبر کے لڑکے نیکو سیر کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔

دوسری طرف نیا بادشاہ رفیع الدرجات ایک عرصہ سے علیل اور بیمار چلا آ رہا تھا، ان حالات کو دیکھتے ہوئے اس کی بیماری میں مزید اضافہ ہو گیا جس کی بناء پر بادشاہ گر حسن اور حسین علی نے چار جون کو رفیع الدرجات کو معزول کر دیا اور اس بیچارے کی قسمت کہ وہ صرف چند ہفتے ہندوستان کا حکمران رہنے کے بعد اپنی معزولی کے صرف ایک ہفتے بعد انتقال کر گیا۔

چھ جون کو بادشاہ گروں نے مرنے والے بادشاہ رفیع الدرجات کے بڑے بھائی اور اورنگ زیب عالم گیر کے پوتے اور رفیع الشان کے بیٹے رفیع الدولہ کو تخت نشین کر دیا مگر وہ بھی ایک کھلونے کی طرح تھا۔ حکومت تو درکنار اسے اپنی ذاتی زندگی میں بھی آزادی حاصل نہ تھی۔ سلطنت کے اندر حسن علی اور حسین علی جیسا چاہے کھیل کھیلتے تھے۔ ان کے پاس طاقت اور قوت تھی اور کوئی ان کے سامنے آنے کی جرأت اور جسارت نہیں کر سکتا تھا۔ اسی دوران مرنے والے بادشاہ فرخ سیر کے ماموں عنایت

Marfat.com

اللہ نے دونوں بادشاہ گر بھائیوں کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی لیکن مخبروں نے پہلے ہی اس سازش کا انکشاف کر دیا جس پر بادشاہ گروں نے فرخ سیر کے ماموں عنایت اللہ کو گرفتار کر کے ٹھکانے لگا دیا۔

اب بادشاہ گر بھائیوں نے آگرہ کی طرف توجہ دی۔ اس لئے کہ آگرہ میں جو اس وقت لشکر موجود تھا اس نے اورنگ زیب کے پوتے نیکوسیر کو اپنا بادشاہ بنا لیا تھا۔ بادشاہ گروں نے پھر آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ حسن علی ایک لشکر لے کر آگرہ کا رخ کرے اور وہاں اٹھنے والی بغاوت اور نئے شہنشاہ نیکوسیر کا خاتمہ کر دے۔

حسین علی ایک لشکر لے کر دہلی سے بڑی برق رفتاری کے ساتھ آگرہ کی طرف گیا۔ آگرہ کا اس نے محاصرہ کر لیا۔ آگرہ میں کوئی اتنا بڑا لشکر نہ تھا جو دہلی کے لشکر کا مقابلہ کرتا۔ حسین علی نے آگرہ کا محاصرہ کرنے کے بعد چند ہی دنوں میں آگرہ کو اپنے سامنے زیر کر لیا۔ نئے بادشاہ نیکوسیر کو گرفتار کر لیا۔ اس موقع پر اس کے چھوٹے بھائی نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ بادشاہ گر حسین علی نے اسے بھی گرفتار کر لیا اس طرح حسن علی نے آگرہ فتح کر لیا۔ یہاں سے حسین علی کو کافی مقدار میں مال و دولت حاصل ہوا اور نئے بادشاہ نیکوسیر اور اس کے بھائی دونوں کو زندان میں منتقل کر دیا گیا۔

مقامی با اثر ہندو مترا سین جس کے کہنے پر آگرہ میں مقیم لشکر نے نیکوسیر کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا تھا اس نے خودکشی کر لی۔ اس موقع پر بادشاہ گر بھائیوں کے لئے ایک اور مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا وہ یہ کہ نیا بادشاہ رفیع الدولہ نہ صرف ان کے ہاتھوں میں کھلونا تھا بلکہ وہ افیون کا عادی تھا۔ اسی افیون کے زیادہ استعمال کی وجہ سے اس کی صحت گر گئی۔ لہٰذا چھ جون کو وہ تخت نشین ہوا اور سترہ ستمبر کو وفات پا گیا۔

بادشاہ گر بھائیوں نے اس کی موت کو نو دن تک صیغۂ راز میں رکھا۔ اسی دوران حسن علی، حسین علی اپنے عزیز و اقارب، اپنے حمایتی سالاروں اور امراء کے علاوہ اپنے بہترین دو بڑے سالاروں صفدر علی اور عالم علی کے ساتھ اپنی رہائش گاہ میں جمع ہوئے۔ صفدر علی اور عالم علی دونوں دکن کے علاقوں میں مقیم تھے۔ ان کے پاس کافی بڑے بڑے لشکر تھے۔ صفدر علی ایک لشکر کے ساتھ برہان پور کے قریب تھا جبکہ عالم علی ایک خاصا بڑا لشکر لے کر اس وقت بالا پور یعنی برار کے علاقوں میں مقیم تھا۔ صفدر علی اور عالم علی دونوں کو بادشاہ گر بھائیوں نے صلاح مشورے کے لئے دہلی بلا لیا تھا۔

Marfat.com

جب حسین علی اور حسن علی کے سب حمایتی ایک جگہ جمع ہو گئے تب بھائی حسین علی سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"رفیقانِ دیرینہ! جو حالات اس وقت ہیں ان سے تم سب لوگ آگاہ ہو۔ رفیع الدولہ کو مرے کئی دن ہو چکے ہیں۔ اب سلطنت بغیر بادشاہ کے تو نہیں رہ سکتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت ہم ہی نے کرنی ہے لیکن عوام کو مطمئن کرنے کے لئے کوئی مہرہ بھی تو ہمارے سامنے ہونا چاہئے۔ تم لوگوں کو اس سلسلے میں مشاورت کے لئے بلایا گیا ہے۔ اب بولو تم کیا مشورہ دیتے ہو؟"

اس موقع پر حسن علی اور حسین علی کا ایک حمایتی اٹھا اور ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اس وقت ہمارے سامنے تین افراد ہیں جو تخت کے وارث بھی ہیں اور جنہیں ہم ایک کامیاب مہرے کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ ان میں پہلا اورنگ زیب عالمگیر کے بیٹے کام بخش کا پوتا محی الدین ہے۔ دوسرا اورنگ زیب عالمگیر کے پوتے رفیع الشان کا بیٹا اور رفیع الدولہ اور رفیع الدرجات کا بھائی ظہیر الدین ابراہیم ہے۔ جبکہ تخت کا تیسرا حقدار جو ہمارے سامنے ہے وہ دہلی ہی میں مقیم ہے اور وہ اورنگ زیب کے پوتے جہاں شاہ کا بیٹا روشن اختر ہے جسے عموماً لوگ محمد شاہ کہہ کر پکارتے ہیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد وہ حمایتی رکا پھر اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"جہاں تک میرا ذاتی خیال ہے کام بخش کے پوتے محی الدین کو بادشاہ تسلیم کر کے سلطنت کے سارے امور اور کام اپنے ہاتھ میں لئے جا سکتے ہیں۔"

وہ شخص جب خاموش ہوا تو بادشاہ گر بھائیوں میں سے چھوٹا حسین علی اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"جن تین تخت کے دعویداروں کا تم نے ذکر کیا ہے تمہارا یہ ذکر تو اچھا اور درست بھی ہے لیکن تم نے جو یہ کہا ہے کہ محی الدین کو ہم بادشاہ بنا کر اپنی من مانی کرتے رہیں تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ کام بخش کے پوتے محی الدین کا مزاج بالکل اورنگ زیب عالمگیر کی طرح ہے۔ نام بھی اسی سا ہے۔ ایک بات یاد رکھنا اگر اس موقع پر ہم نے محی الدین کو بادشاہ بنا لیا تو پھر وہ اس مزاج کا شخص ہے کہ ہمارے ہاتھوں کھلونا بننے کی بجائے وہ شخص موت کو ترجیح دے گا۔ لہٰذا فی الحال ان تین میں سے محی الدین کا نام

Marfat.com

نکال دو۔ باقی دو رہتے ہیں، ایک ظہیر الدین ابراہیم، دوسرا روشن اختر محمد شاہ۔

ان دونوں میں سے ظہیر الدین ابراہیم بھی ہمارے کام کا آدمی نہیں ہے۔ یاد رکھنا اگر ہم نے اسے تخت نشین کروا دیا تو یہ جو ہم من مانیاں کرتے پھرتے ہیں، لوگ ہمیں جو بادشاہ گر کہنے لگے ہیں تو نہ یہ من مانیاں رہیں گی نہ کوئی بادشاہ گری رہے گی۔ اس موقع پر میں تم سب کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ محی الدین کو بھی بھول جاؤ اور ظہیر الدین ابراہیم کو بھی بھول جاؤ اور روشن اختر کو محمد شاہ کے نام سے ہندوستان کے تخت طاؤس پر بٹھا دو۔"

یہاں تک کہنے کے بعد چھوٹا بادشاہ گر حسین علی رکا پھر اپنے جمع ہونے والے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"عزیز ساتھیو! ظہیر الدین ابراہیم کی بجائے محمد شاہ ہمارے حق میں بہتر رہے گا۔ محمد شاہ نے ان دنوں اپنی دادی مہر پرور کے ہاں قیام کیا ہوا ہے اس لئے کہ اس کا باپ تو مارا جا چکا ہے۔ کوئی بھائی اس کا ہے نہیں۔ ماں بھی ماری جا چکی ہے۔ آ جا کے دادی ہی ہے جس نے اس کی دیکھ بھال اور پرورش کی ہے۔ جہاں تک اس کی دادی مہر پرور کا تعلق ہے تو وہ بڑی عقل مند، صاحب بصیرت اور دور اندیش خاتون ہے۔ اب تک ہماری وجہ سے جو حالات پیدا ہوئے ہیں ان سے مہر پرور نے بھی اندازہ لگا لیا ہے کہ ہماری اجازت کے بغیر کوئی ہندوستان کا بادشاہ بن ہی نہیں سکتا۔ اسی بناء پر ہم دور اور نزدیک سب شہروں میں بادشاہ گر کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ ان حالات میں مہر پرور کبھی بھی پسند نہیں کرے گی کہ اس کا پوتا محمد شاہ ہماری مرضی، ہمارے فیصلوں کے خلاف قدم اٹھائے اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ لہٰذا میری طرف سے مشورہ یہ ہے کہ روشن اختر کو محمد شاہ کے نام سے ہندوستان کا بادشاہ بنا دو۔ اگر وہ بادشاہ بنتا ہے تو پھر ہماری بادشاہ گری بھی قائم رہے گی۔ من مانیاں بھی چلتی رہیں گی۔ اور ساتھ ہی اپنے دل کے قرطاس پر یہ بھی لکھ لو کہ جب ہم بادشاہ گر رہیں گے، من مانیاں بھی کرتے رہیں گے تو تم لوگوں کی ہر خواہش، ہر حرص و ہوس کی بھی تکمیل ہوتی رہے گی۔ اب بولو، اس سلسلے میں تم کیا کہتے ہو؟"

چھوٹے بادشاہ گر حسین علی کی اس تجویز سے اس کے بڑے بھائی کے علاوہ دوسرے سب لوگوں نے بھی اتفاق کیا۔ لہٰذا ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک محمد شاہ کو

Marfat.com

بناتے ہوئے اسے شاہ جہان کے تخت طاؤس پر بٹھا دیا گیا تھا۔

✿

علی مردان، اس کا نوجوان بیٹا شہاب الدین، بھائی ناصر خسرو اور ناصر خسرو کی بیوی سمرہ قندھار سے دہلی کی طرف جاتے ہوئے ایک روز دریائے چناب کو عبور کرنے کے بعد معروف تاریخی شہر سوہدرہ کے قریب آئے تب سات سوار ان کی راہ روک کھڑے ہوئے تھے۔ راہ روکنے والے پوری طرح مسلح تھے اور راہ روکنے کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی تلواریں اور ڈھالیں بھی سنبھال لی تھیں۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے علی مردان، اس کے بیٹے شہاب الدین اور بھائی ناصر خسرو نے بھی اپنی تلواروں اور ڈھالوں پر اپنی گرفت کر لی تھی۔ پھر علی مردان اپنے بھائی ناصر خسرو اور بیٹے شہاب الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''عزیزو! یہ لوگ جو ہماری راہ روک چکے ہیں ان میں سے دو کو میں بھی پہچان چکا ہوں۔ ایک کا نام منصور علی ہے۔ یہ پٹنہ کے حسن علی اور حسین علی کے رشتہ داروں میں سے جو صفدر علی ہے اس کا بھائی ہے۔ دوسرے کا نام سلطان علی ہے اور یہ اس عالم علی کا بھائی ہے جو ان دنوں دکن میں ایک لشکر کی کمانداری کر رہا ہے اور یہ بھی پٹنہ کے حسین علی اور حسن علی کا قریبی رشتہ دار ہے۔ یاد رکھنا، یہ سب کچھ سوچی سمجھی تدبیر کے تحت کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا میرے عزیزو! آج جان ہتھیلی پر رکھ کر نہ صرف اپنے آپ کا دفاع کرنا ہے بلکہ ہم نے سمرہ کو بھی بچانا ہے۔''

یہاں تک کہتے کہتے علی مردان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ جن لوگوں نے راہ روکی تھی ان میں سے ایک علی مردان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''علی مردان! یہاں دریائے چناب کے قریب تمہاری، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی اور بھائی کی بیوی کی زندگی کی جدوجہد اور کوشش تمام ہوئی۔ یہ سرزمین تم چاروں کا قبرستان بنے گی۔''

راہ روکنے والا وہ مسلح جوان جب خاموش ہوا تب علی مردان بڑی جرأت مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''راہ روکنے والو! ہم تمہیں پہچان چکے ہیں کہ تم کون ہو۔ ایک بات یاد رکھنا، آج اگر ہمارے گریبان چاک کرو گے تو لیل و نہار کی کروٹوں میں کوئی تمہیں بھی خون میں

Marfat.com

نہلا کر رکھ دے گا۔ آج ہمارے لئے دار و رسن کی داستانوں کا اہتمام کرو گے تو یاد رکھنا سزا و جزا کا عمل اور موت و حیات کی کشمکش ایک دن تمہیں بھی ایسا ہی بھیانک قصہ بنا کر رکھ دے گی۔“

راہ روکنے والوں میں سے جن دو کے نام علی مردان نے منصور علی اور سلطان علی بتائے تھے انہوں نے اپنے دیگر ساتھیوں کو مخصوص اشارہ کیا اور یہ اشارہ پاتے ہی وہ سب نابود اور محروم کر دینے والی وحشت کی طرح علی مردان، ناصر خسرو اور شہاب الدین پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

تینوں کچھ دیر تک ان حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔ اس دوران راہ روکنے والوں میں سے اچانک ایک علیحدہ ہوا، سمرہ کی طرف بڑھا، اس پر تلوار برسائی اور اسے کاٹ کر رکھ دیا۔

اس صورتِ حال کو شاید علی مردان کے جواں سال فرزند شہاب الدینؒ نے دیکھ لیا تھا۔ برق کے کوندے کی طرح وہ پلٹا اور جس نے سمرہ کو ہلاک کیا تھا ایسے انداز میں اس پر تلوار گرائی کہ اس کی تلوار اس کے شانے سے نیچے تک اس کے جسم کو کاٹتی چلی گئی۔ اس کے بعد دوبارہ وہ اپنے اور اپنے چچا کے ساتھ مل کر حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے ہوئے دفاع کرنے لگا تھا۔

اس دوران علی مردان نے اچانک حملہ آوروں میں سے ایک کو چکمہ دیا اور اس کا کام تمام کر کے رکھ دیا۔ جب وہ چیخ مارتے ہوئے گرا تو اس کے ساتھیوں میں سے کچھ مرنے والے کی طرف متوجہ ہوئے تھے جس سے شہاب الدین نے فائدہ اٹھایا، جواں سال شاہین کی طرح حرکت میں آیا، لپکا اور پلک جھپکتے میں دو حملہ آوروں کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ پر عین اسی وقت راہ روکنے والوں میں سے دو ناصر خسرو کی طرف بڑھے تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنی تلوار کا چکمہ دے کر ناصر خسرو کا کام تمام کر دیا۔ یہ صورتِ حال شہاب الدین نے بھی دیکھ لی تھی۔ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہوا وہ ان کی طرف بڑھا تھا۔

اب مقابلے پر تین رہ گئے تھے۔ دو ناصر خسرو کا کام تمام کرنے کے لئے اس کی طرف بڑھے تھے اور ایک علی مردان کے ساتھ برسرِ پیکار تھا۔

جن دو نے حملہ آور ہو کر ناصر خسرو کا کام تمام کیا تھا، شہاب الدین ان کی طرف

Marfat.com

بڑھا، کچھ دیر تک ان کے ساتھ زیست و حیات کا کھیل کھیلتا رہا۔ اس دوران انہوں نے کوئی مشورہ کیا، ایک شہاب الدین کو اپنے ساتھ الجھائے رہا، دوسرا گھوڑے کو ایڑ لگا کر تیزی سے علی مردان کی طرف بڑھا تھا۔

علی مردان اس وقت ان کے ایک ساتھی کے ساتھ تیغ زنی میں مصروف تھا کہ دوسرا اس کی پشت کی طرف گیا اور تلوار برسا کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اتنی دیر تک شہاب الدین نے بھی اپنے سے ٹکرانے والے کو موت کی گہری نیند سلا دیا تھا۔

اب دو دشمنوں کے سامنے شہاب الدین اکیلا تھا اور دو دشمن وہ تھے جن کے نام اس کے باپ نے منصور علی اور سلطان علی کہے تھے۔ دونوں اپنے گھوڑوں کو شہاب الدین کے قریب لائے پھر جس کا نام منصور علی تھا وہ کھا جانے والے انداز میں شہاب الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ذرا اس میدان کو دیکھ۔ تجھے اپنے باپ، اپنے چچا اور اس کی بیوی کی لاش خون میں لت پت دکھائی دے گی۔ اس میدان میں یہی انجام تمہارا بھی ہو گا۔ تم لوگوں نے پٹنہ والوں سے دشمنی مول لی تھی اور پٹنہ والے تمہیں وہاں پہنچائیں گے جہاں سے واپسی کے سارے ہی راستے بند ہو جاتے ہیں۔“

جواب میں شہاب الدین نے انتہائی غصے اور کرب میں اپنے سامنے اپنی تلوار لہرائی اور کھولتے لہجے میں انہیں مخاطب کیا۔

”شیطان کے گماشتو! زندگی اور موت میرے اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ذرا مجھ سے ٹکرا کر دیکھو، مجھے اپنے سامنے خام کار اور نوجوان نہ سمجھنا۔ جب ٹکراؤ گے تو ایسی پختہ کاری کا مظاہرہ کروں گا کہ سر سے لے کر پاؤں تک عرق عرق ہو کر رہ جاؤ گے۔ ستم گروں کے سیاہ اعمال جیسے شیطانو! تم نے ہمارے ساتھ بدی کی ابتداء کی ہے۔ اگر یہ ابتداء ہمارے حق میں اچھی نہیں تو یاد رکھنا اس کا انجام تمہارے لئے بڑا عذاب ناک اور بڑا ہولناک ہو گا۔“

اس کے بعد شہاب الدین نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور صداقت کی تابانیوں اور وجد آفریں بے باکی کی طرح ان دونوں پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

ان دونوں کا خیال تھا کہ ان کے سامنے شہاب الدین ایک نو عمر ہے بچپنے سے بلوغت میں قدم رکھ رہا ہے۔ زیادہ دیر تک ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا جب شہاب

Marfat.com

الدین نے اپنا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ کئی بار ان پر ہولناک وار کیے اور دونوں کو اس نے کئی مواقع پر زخم بھی لگائے تب ان کے ارادے، ان کے عزائم تبدیل ہو گئے اب وہ دونوں شہاب الدین کو ایسے ہی خیال کر رہے تھے جیسے کسی شاہین کا تربیت یافتہ بچہ فاختاؤں پر جھپٹنے کے لئے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے چکا ہو۔

یہ صورت حال دونوں کے لئے پریشان کن تھی۔ لہٰذا دونوں نے آپس میں مخصوص اشارہ کیا پھر پیچھے ہٹے اور اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

شہاب الدین ان کا تعاقب کرنا چاہتا تھا پر اپنے باپ، چچا اور سمرہ کی لاشوں کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سوچوں میں کھو گیا۔ بھاگتے ہوئے گھوڑے کو اس نے روک دیا، پلٹا، لاشوں کے پاس آیا، تینوں کی نبض کا جائزہ لیا۔ تینوں ہی دم توڑ چکے تھے۔ اس موقع پر شہاب الدین کسی ردِ عمل کا اظہار کرنا چاہتا تھا کہ مشرق کی طرف سے کچھ گھوڑ سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آ رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہوئے شہاب الدین کی پیشانی پر تشویش کی سلوٹیں گہری ہو گئی تھیں۔ سوار بڑی تیزی سے قریب آتے جا رہے تھے۔ شہاب الدین نے کچھ سوچا، پھر اپنے گھوڑے کی رقاب میں پاؤں جمائے، ایک زہریلی جست اس نے لگائی اور دوسرے ہی لمحے وہ گھوڑے کی زین پر تھا۔ ساتھ ہی اس نے تلوار اور ڈھال پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے آنے والے سواروں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار اور مستعد کر لیا تھا۔

مشرق کی طرف سے آنے والے وہ چاروں سوار جب قریب آئے تب شہاب الدین کی پیشانی پر جو تشویش کی سلوٹیں پڑی تھیں، جاتی رہی تھیں۔ آسودہ اور پُرسکون ہو گیا تھا۔ شاید آنے والوں میں سے کسی کو وہ پہچان گیا تھا۔

چاروں سوار قریب آ کر اپنے گھوڑوں سے اترے۔ ان کی طرف دیکھتے ہوئے شہاب الدین بھی اپنے گھوڑے سے اتر گیا تھا۔ آنے والے چاروں بڑی تشویش سے علی مردان، ناصر خسرو اور سمرہ کی لاشوں کو دیکھنے لگے تھے۔ تب وہ اداس اور افسردہ ہو گئے تھے۔ پھر ان میں سے ایک جو کسی قدر پکی عمر کا تھا شہاب الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بیٹے! اگر میں غلطی پر نہیں تو تُو شہاب الدین ہے۔ علی مردان کا چھوٹا بیٹا۔"

شہاب الدین سنجیدہ تھا۔ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

Marfat.com

"میں آپ کو پہچان چکا ہوں۔ اسی بناء پر میں اپنے گھوڑے سے اتر گیا ہوں۔"
چاروں اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ شہاب الدین سے باری باری گلے ملے پھر وہی جس نے شہاب الدین کو پہچانا تھا، شہاب الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"بیٹے! میرے ساتھیوں نے تمہیں اس لئے نہیں پہچانا کہ جب تم دہلی سے قندھار کی طرف گئے تھے تو تم بچے تھے۔ اب تم کئی سال بعد واپس آ رہے ہو تو بچپنے سے نکل کر بلوغت کی حدود میں داخل ہو رہے ہو۔ اس بناء پر تمہیں پہچان نہ سکے۔ بیٹے! ہمیں افسوس ہے ہم دیر سے پہنچے۔ دراصل یہ ساری سازش حسن علی اور حسین علی کی ہے۔ ان کو نجانے کیسے خبر ہو گئی کہ تمہارے دادا نے تم لوگوں کو واپس بلا لیا ہے لہٰذا انہوں نے کچھ آدمی مقرر کئے تاکہ راستے ہی میں تم چاروں کا خاتمہ کر دیں۔ تمہارے دادا کے حمایتیوں نے اس کی اطلاع تمہارے دادا کو کی اور انہوں نے فی الفور تم لوگوں کی حفاظت کے لئے ہم چاروں کو بھیجا۔ پر افسوس جس کام کے لئے ہمیں بھیجا گیا اسے ہم ادا نہ کر سکے اور دشمن کے آدمی اپنا کام تمام کر کے چلتے بنے۔"
وہ شخص جب خاموش ہوا تب شہاب الدین کہنے لگا۔

"راہ روکنے والے سات تھے۔ میرے ابا نے ان میں سے دو کو پہچان لیا تھا۔ ان کے نام منصور علی اور سلطان علی ہیں اور ابا نے کہا تھا کہ وہ پٹنہ کے حکمران دونوں بھائیوں کے دو بہترین سالاروں صفدر علی اور عالم علی کے بھائی ہیں۔ پانچ تو ہمارے ہاتھوں مارے گئے لیکن منصور علی اور سلطان علی بھاگنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ میں ان کا تعاقب کرنا چاہتا تھا۔ پر میں اپنے باپ، اپنی چچی اور چچا کی لاشیں بھی اس طرح ویرانوں میں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس بناء پر میں نے تعاقب نہیں کیا سو وہ بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن میں انہیں چھوڑوں گا نہیں۔"
یہاں تک کہنے کے بعد شہاب الدین رکا پھر بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"ہندوستان کی سرزمین میں وہ کہیں بھی چلے جائیں، زمین کی تہہ کے اندر بھی اتر جائیں تو میں اپنے انتقام کی پیاس بجھانے کے لئے انہیں وہاں سے نکالوں گا ضرور۔ جس طرح انہوں نے میرے باپ، میرے چچا، میری چچی کو خون آلود کیا ہے ایسے ہی

Marfat.com

میں انہیں اور ان کی نسلوں تک کو خون میں نہلا کر رکھ دوں گا۔"

شہاب الدین یہاں تک کہنے کے بعد رک گیا، کچھ سوچا پھر آنے والے ان چاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میں اب دہلی اپنے گھر نہیں جاؤں گا۔ تم میرے باپ، میرے چچا اور چچی کی لاشیں دہلی لے جاؤ۔ وقت ضائع نہ کرنا۔ موسم ٹھنڈا ہے۔ اس بناء پر لاشیں خراب نہیں ہوں گی۔ اگر خراب ہونے کا اندیشہ بھی ہوا تو پیٹ صاف کر کے لاشوں کو دہلی ضرور پہنچانا۔ میں دشمنوں سے انتقام ضرور لوں گا۔"

اس موقع پر جس شخص نے شہاب الدین کو پہچانا تھا وہ آگے بڑھا، شہاب الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بڑی شفقت سے کہنے لگا۔

"بچے! یہ تمہارا نوجوانی کا فیصلہ ہے جو سراسر جذبات پر مبنی ہے۔ میرے بچے! ایسے فیصلے پائیدار نہیں ہوتے۔ ہم تمہیں دشمن سے نمٹنے کے لئے اکیلا تو نہیں نکلنے دیں گے۔ تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم اپنے دادا، اپنی ماں، اپنے بڑے ابا کو کیا منہ دکھاؤ گے، اس میں تمہارا کیا قصور ہے؟ تمہارے بڑے ابا تمہارے دادا، تمہاری ماں سب کو خبر ہو چکی ہے کہ حسن علی اور حسین علی نے اپنے کچھ آدمی تم پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کئے ہیں۔ اسی بناء پر تو ہم ادھر آئے ہیں۔ آؤ ہمارے ساتھ دہلی چلو۔ لاشوں کو بھی اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ اور اس کے بعد تمہارا دادا اور بڑے ابا جو فیصلہ کریں گے وہی ہمارے لئے آخری ہو گا۔"

اس کے بعد اس نے شہاب الدین، اس کے باپ، چچا اور سمرہ کی غیر موجودگی میں دہلی کے اندر جو تبدیلیاں ہوئی تھیں ان کی تفصیل بھی کہہ دی تھی۔

آخر کار ان چاروں کے سمجھانے پر شہاب الدین ان کے ساتھ جانے پر تیار ہو گیا۔ تینوں لاشوں کو انہوں نے سنبھالا اور اس کے بعد وہ بڑی تیزی سے دریائے چناب کے کنارے سے دہلی کا رخ کر رہے تھے۔

❁......❁

Marfat.com

●●●

تخت نشین ہونے کے بعد محمد شاہ سب سے پہلے اپنی دادی مہر پرور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسے سلام کیا۔ ہندوستان کا بادشاہ بننے پر مہر پرور نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ محمد شاہ کو اپنے سامنے بٹھایا۔ اس موقع پر محمد شاہ اپنی دادی مہر پرور کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''دادی اماں! مجھے ہندوستان کا بادشاہ تو بنا دیا گیا ہے لیکن میرے اردگرد مسائل ہی مسائل اور میرے چاروں طرف وسائل کا قحط پھیلا ہوا ہے۔ دادی اماں! آپ جانتی ہیں اصل حکومت دونوں بادشاہ گر بھائیوں کے پاس ہے۔ اس سے پہلے حکمرانوں کے علاوہ وہ اپنے کئی دیگر سرکردہ دشمنوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں۔ نہ ان سے کوئی باز پرس کرسکتا ہے نہ انہیں ان کے جرائم کی کوئی سزا دے سکتا ہے۔ اماں! کہنے کو تو میں بادشاہ ہوں لیکن اگر میں ان کے ہاتھوں کٹھ پتلی نہ بنا، ان کے ہاتھوں کا کھلونا نہ بنا تو پھر جس طرح اس سے پہلے انہوں نے فرخ سیر، رفیع الدرجات، رفیع الدولہ کو ان کے انجام تک پہنچایا ہے، میرا انجام ان سے بھی بدتر کریں گے۔ اماں! میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ بھی کچھ ایسے لوگ ہوں جو ان بادشاہ گروں کے مقابلے میں میرا ساتھ دیں اور میرا ان کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہے تو کم از کم میں اپنے ان ہمراہیوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کے قابل تو ہوں۔ دادی اماں! میں اپنی حالت ان بادشاہ گروں کے ہاتھوں فرخ سیر، رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ جیسی نہیں بنانا چاہتا۔ ان کے مرنے، ان کی موت کا غم جس قدر آپ کو ہے اتنا ہی مجھے بھی ہے۔ اس لئے کہ وہ میرے چچازاد تھے۔ میرے بازو، میرا سہارا تھے۔

اماں! اگر میں شروع میں ہی ان کے ہاتھوں کا کھلونا بن گیا تو آنے والے دور میں

Marfat.com

وہ مجھے اپنے پاؤں تلے روند کر رکھ دیں گے۔ انہوں نے مجھے اپنا وزیر بنانے کے لئے کئی ناموں کی پیشکش کی ہے لیکن میں نے ابھی کسی کا انتخاب نہیں کیا۔ میں نے انہیں یہ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا کہ فی الحال مجھے سوچنے کا موقع دیں۔ وزیر ایسے شخص کو بناؤں گا جو سلطنت کے لئے سودمند ثابت ہو۔ سلطنت کے استحکام کے لئے کام کرے۔"

محمد شاہ جب خاموش ہوا تو مہر پرور کچھ دیر تک بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر پوچھ بیٹھی۔ "بیٹے! اس سلسلے میں اپنا وزیر منتخب کرنے کے لئے کسی کا نام تمہارے ذہن میں ہے؟"

"دادی اماں! ایک نام میرے ذہن میں ہے۔ پر پہلے میں آپ کا مشورہ جاننا چاہوں گا کہ آپ اس سلسلے میں کس کی سفارش کرتی ہیں، کس کا نام لیتی ہیں کہ اسے مملکت کا وزیر ہونا چاہئے؟" محمد شاہ نے بڑے غور سے اپنی دادی مہر پرور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

محمد شاہ کے ان الفاظ پر مہر پرور تھوڑی دیر تک ہلکے ہلکے تبسم سے محمد شاہ کی طرف دیکھتی رہی۔ اس موقع پر اس کی آنکھوں میں شفقت، اس کے تبسم میں ممتا بھری محبت تھی۔ پھر محمد شاہ کی سماعت سے اس کی آواز ٹکرائی تھی۔

"محمد شاہ میرے بچے! اس موقع پر میرے ذہن میں بھی ایک نام ہے لیکن پہلے میں چاہوں گی تم اس شخص کا نام کہو جسے تم وزیر منتخب کرنا چاہتے ہو۔ اس کے بعد میں وہ نام کہوں گی جو اس وقت میرے ذہن میں ہے۔"

محمد شاہ نے ہاتھ آگے بڑھا کر مہر پرور کے دونوں گھٹنے پکڑے پھر اپنا سر اس کی گود میں رکھ دیا، کہنے لگا۔

"دادی اماں! آپ کیسی بات کرتی ہیں۔ پہلے آپ کا نام اس کے بعد میں کہوں گا کہ میں کسے وزیر بنانا چاہتا ہوں۔"

مہر پرور کچھ دیر تک اپنی گود میں رکھے محمد شاہ کے سر پر ہاتھ پھیرتی رہی پھر بڑی محبت میں کہنے لگی۔

"اچھا یہ بات ہے تو اٹھ۔ کاغذ اور قلم دوات لے کر آؤ۔"

لمحہ بھر کے لئے محمد شاہ نے جستجو بھرے انداز میں مہر پرور کی طرف دیکھا پھر جست لگانے کے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ تیزی سے ایک طرف گیا۔ ایک کاغذ اور قلم دوات لا

Marfat.com

کر مہر پرور کے سامنے رکھ دیئے تھے۔

مہر پرور نے کاغذ کو دوہرا کر کے محمد شاہ سے چھپاتے ہوئے اس پر ایک نام لکھا۔ کاغذ کو دوہرا کر دیا پھر محمد شاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''میرے بچے! جس شخص کو میں پسند کرتی ہوں کہ وہ تمہارا وزیر بنے میں نے اس کا نام اس کاغذ پر لکھ کر کاغذ دوہرا کر دیا ہے۔ پہلے تم کہو، کسے وزیر بنانا چاہتے ہو اس کے بعد میں کاغذ پر لکھا ہوا یہ نام تمہارے سامنے رکھ دوں گی۔''

محمد شاہ مان گیا۔ لمحہ بھر کے لئے اس نے بڑی عقیدت اور ارادت مندی سے اپنی دادی کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''اماں! اس وقت جس شخص کا نام وزیر کے لئے میرے ذہن میں ہے وہ محمد امین خان ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور پر بھروسہ اور اعتماد کرنے کو فی الحال میرا جی نہیں چاہتا۔ میں سمجھتا ہوں صرف امین خان ہی ہے جو ان بادشاہ گروں کے مقابلے میں چھاتی تان کر میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ میں کچھ اور معاملات طے کرنے کے بعد اس موضوع پر آپ سے گفتگو کرنے آیا ہوں۔ آپ جانتی ہیں محمد امین خان کا بھتیجا نظام الملک ان دنوں دکن کے جنوبی علاقوں میں مقیم ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرتا جا رہا ہے۔ آپ یہ بھی جانتی ہیں کہ محمد امین خان کی بادشاہ گروں کے ساتھ عداوت چل رہی ہے۔ لہٰذا اگر محمد امین خان بادشاہ گروں کے خلاف ہے تو اس کا بھتیجا نظام الملک بھی یقیناً ان کے خلاف ہے۔ نظام الملک نے اپنے ایک قاصد کے ذریعے دکن سے میری طرف پیغام بھجوایا ہے کہ اگر میں بادشاہ بن گیا ہوں تو بادشاہ گروں کے سامنے دب کر نہ رہوں، اپنی مرضی، اپنی منشاء کے مطابق فیصلے کروں اور کام کروں جو سلطنت کے لئے بہتر ہوں۔ وہ کام نہ کروں جن میں ان بادشاہ گروں کی خوشنودی اور خداوند قدوس کی ناراضگی ہو۔ نظام الملک نے مجھے یہ بھی پیغام بھجوایا ہے کہ اس نے دکن میں ایک طاقت اور قوت جمع کر لی ہے اگر اس موقع پر بادشاہ گروں نے کوئی غلط قدم اٹھانے کی کوشش کی یا ان کے حمائتیوں نے کسی بھی علاقے میں میرے لئے مسائل کھڑے کرنے کی کوشش کی تو نظام الملک اپنا لشکر لے کر میرے حق میں اٹھ کھڑا ہوگا۔ اس کے علاوہ پٹنہ اور چند دوسرے شہروں میں محمد امین خان کے بھی بڑے حمایتی ہیں۔ لشکر کے اندر بھی اس کی حمایت کرنے والے

Marfat.com

کافی ہیں۔ اب آپ وہ کاغذ اُلٹیں جس پر آپ نے اپنا منتخب کردہ نام لکھا ہے۔"

محمد شاہ جب تک بولتا رہا، مہر پرور مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر گہرے تبسم میں کہنے لگی۔

"بچے! اب اس کاغذ کی تہہ کھولنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ نام تو تم نے خود ہی کہہ دیا ہے۔" اس کے ساتھ ہی محمد شاہ نے جھپٹ کر تہہ کیا ہوا وہ کاغذ اٹھایا۔ جب اس کی تہہ کھولی تو اس پر محمد امین خان کا نام لکھا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر تک کاغذ پر لکھے نام کو دیکھتے ہوئے محمد شاہ مسکراتا رہا، پھر مہر پرور کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اماں! قسم خداوند قدوس کی، آپ کے فیصلے نے جہاں میرا دل خوش کر دیا ہے وہاں مجھے قلبی طور پر ایک آسودگی اور روحانی طور پر طمانیت بھی حاصل ہوئی ہے۔"

مہر پرور نے محمد شاہ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، کہنے لگی۔

"بیٹے! میں خود بھی تمہیں نصیحت اور وصیت کروں گی کہ کسی کے ہاتھوں میں مہرہ بن کر حکومت نہ کرنا۔ کسی کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر فیصلے نہ کرنا۔ کسی کے سامنے دب کر ایسے کام نہ کرنا جس میں خداوند قدوس کی ناراضگی ہو۔ میرے بچے! وہ کام کرنا جس میں کائنات کے مالک کی رضامندی ہو۔ اگر وہ خوش ہے تو ساری دنیا بھی تمہاری مخالف ہو جائے تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اور میرے بچے! اگر تم ساری دنیا کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ اور تمہارا مالک، تمہارا خالق، تمہارا خدا تم سے خوش نہ ہو تو پھر اس کی گرفت، اس کے عذاب، اس کی پکڑ سے تمہیں کوئی بچا نہ سکے گا۔ لہٰذا اللہ کا نام لو، محمد امین خان کو وزیر بنا دو۔ باقی معاملات اپنے اللہ کے سپرد کر دو۔ یہ کام کیونکہ تم نیک نیتی اور خلوص سے کر رہے ہو لہٰذا مجھے امید ہے کہ تمہارے دشمنوں کے مقابلے میں کائنات کا مالک یقیناً تمہاری حمایت اور مدد کرے گا۔"

مہر پرور کے ان الفاظ پر محمد شاہ کی چھاتی تن گئی تھی۔ گردن سیدھی ہو گئی تھی۔ دونوں ہاتھ آگے بڑھائے، مہر پرور کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انہیں بوسہ دیا پھر اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں سے نکل گیا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد جو سب سے پہلا کام اس نے کیا وہ یہ کہ اس نے امین خان کو اپنا وزیر بنانے کا اعلان کر دیا تھا۔

Marfat.com

ہندوستان کا وزیر بننے کے بعد محمد امین خان ایک روز اپنی حویلی میں بیٹھا ہوا تھا کہ حویلی میں جودھ پور کا راجہ اجیت سنگھ، اس کی رانی بشن کماری اور بچپن سے شباب کی حدود میں داخل ہوتی راجکماری پاربتی دیوی داخل ہوئے تھے۔ محمد امین خان اور اس کے اہل خانہ نے تینوں کو حویلی میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ جب وہ ان کا استقبال کرنے کے لئے اٹھے تب اجیت سنگھ، بشن کماری اور پاربتی کے پیچھے ہی پیچھے بنارس کا راجہ منس رام، اس کی رانی گورسیہ دیوی اور بیٹی اروما دیوی ایک ساتھ داخل ہوئے تھے۔ محمد امین خان، اس کے بیٹے فیروز مرزا، فیروز مرزا کے دونوں بیٹوں عباد الدین، قاوردخان اور علی مردان کے بڑے بیٹے شرف الدین نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا تھا۔ پھر سب ہی دیوان خانے میں جا کر بیٹھ گئے۔

اس موقع پر محمد امین خان نے جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔ ”اجیت سنگھ! میرے خیال میں عورتوں کو زنان خانے میں بھیج دو۔“

اجیت سنگھ نے اس موقع پر غور سے محمد امین خان کی طرف دیکھا پھر بول اٹھا۔

”آپ کا کہنا درست ہے۔ لیکن فی الحال ان کا یہاں بیٹھنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ میں اور میرے اہل خانہ ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے پاس آنے سے پہلے وہی گفتگو میں اپنے رفیق بنارس کے راجہ منس رام، ان کی پتنی گورسیہ دیوی سے بھی کر چکا ہوں۔ اب اس معاملے کو آخری شکل دینے کے لئے یہاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔“

جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کی اس گفتگو کے جواب میں محمد امین خان تھوڑی دیر تک اس کی طرف جستجو بھرے انداز میں دیکھتا رہا اس کے بعد اسے مخاطب کیا۔

”اجیت سنگھ! کھل کر کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ اگر تم کسی معاملے کا فیصلہ کروانا چاہتے ہو تو میرے بس میں ہوا تو ضرور کروں گا۔“

اجیت سنگھ جواب میں سنبھلا، اپنی نشست پر پہلو بدلا، اس کے بعد وہ کہہ رہا تھا۔

”محترم امین خان! آپ جانتے ہیں فرخ سیر کے مرنے کے بعد میری بیٹی بیوہ ہو چکی ہے۔ فرخ سیر کے ساتھ جب میری بیٹی کی شادی ہوئی تو اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ان بادشاہ گروں نے فرخ سیر کا خاتمہ کر دیا۔ اب فرخ سیر اور محمد شاہ کی دادی مہر پرور کی مہربانی سے آپ کے ہمسائے میں رہائش کے لئے میری بیٹی کو حویلی مل گئی۔ وہ

Marfat.com

اسی حویلی میں قیام کرنا چاہتی ہے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ فرخ سیر سے شادی کرنے کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنا نام گوہر آراء رکھ لیا تھا۔ اب جبکہ فرخ سیر نہیں رہا، وہ بیوہ ہو چکی ہے تو ہم اس پر یہ تو زور نہیں ڈالتے کہ وہ اپنا دھرم تبدیل کرے۔ گوہر آراء ہی رہے۔ لیکن کم از کم ہمارے ساتھ جا کر جودھ پور میں قیام تو کرے۔ وہ دہلی سے جانا نہیں چاہتی۔ جو مہر پرور نے اسے حویلی دی ہے اسی میں رہنا چاہتی ہے۔ اب آپ بتائیں، اتنی بڑی حویلی میں میری بیٹی اکیلی کیسے رہ سکتی ہے؟''

اجیت سنگھ کے خاموش ہونے پر محمد امین خان اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیا اس موضوع پر تم نے گوہر آراء سے بات کی؟ اگر کی ہے تو کب؟''

اجیت سنگھ دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''وہ مجھے اپنے شوہر کا قاتل سمجھتی ہے۔ اس لئے کہ اس وقت میں بادشاہ گروں کے ساتھ ایسا نہ کرتا تو وہ میرا خاتمہ کر دیتے۔ لہٰذا میری بیٹی مجھ سے خفا لگتی ہے۔ میں نے گزشتہ دن اس موضوع پر اس سے گفتگو کی تھی اور اس پر زور دیا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ جودھ پور چلے۔ لیکن وہ جودھ پور جانے کے لئے تیار ہی نہیں ہے۔ الٹا یہ چاہتی ہے کہ ہم اس کی چھوٹی بہن راجکماری پاربتی دیوی کو بھی اس کے پاس دہلی میں چھوڑ دیں اور وہ آپ کے ہمسائے میں جو حویلی ملی ہے اس میں رہے۔ اس طرح اس کا خیال ہے کہ وہ دونوں بہنیں اس حویلی میں......''

اجیت سنگھ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے امین خان بول اٹھا تھا۔ ''اجیت سنگھ! اس موضوع پر تمہاری بیٹی گوہر آراء مجھ سے بھی بات کر چکی ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ وہ ہمارے ہمسائے میں آ گئی ہے۔ وہ ایک اچھی اور بڑی سعادت مند بچی ہے۔ اس وقت بھی وہ میرے زنان خانے میں بیٹھی ہوئی ہے۔ جو گفتگو تم نے اس سے کی تھی اس کی ساری تفصیل اس نے مجھ سے کہی تھی۔ وہ پکا اور پختہ ارادہ کئے ہوئے تھی کہ وہ دہلی سے نہیں نکلے گی۔ اس کا کہنا تھا کہ دہلی میں اس کے شوہر فرخ سیر کی قبر ہے۔ تم پر یہ بھی انکشاف کروں کہ وہ روزانہ نہیں تو ایک دن چھوڑ کر ہمایوں کے مقبرے میں اپنے شوہر فرخ سیر کی قبر پر جاتی ہے، پھول چڑھا کر آتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں تم گوہر آراء پر زور نہ ڈالو اور کوئی کام اسے اس کی مرضی کے خلاف کرنے پر مجبور نہ کرو۔''

Marfat.com

اجیت سنگھ مسکرایا، پھر محمد امین خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
''آپ نے بھی وہی فیصلہ دیا جو میری پتنی بشن کماری دیتی ہے۔ بشن کماری چاہتی ہے کہ گوہر آراء کے ساتھ یہ خود اور راجکماری پاربتی دیوی دونوں رہیں۔''
اجیت سنگھ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے محمد امین خان بول اٹھا تھا۔

''اجیت سنگھ! یہ تو بہت اچھا فیصلہ ہے۔ تم اپنی پتنی بشن کماری، راجکماری پاربتی کو یہیں گوہر آراء کے پاس رہنے دو اور خود جودھ پور جا کر نظم ونسق سنبھال لو۔ میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جہاں تک ان تینوں ماں بیٹی کا تعلق ہے، ان سے متعلق فکرمند نہ ہونا۔ بشن کماری کی حیثیت یہاں میری بہن کی سی ہوگی۔ پاربتی اور گوہر آراء میری دو عزیز بیٹیوں کی طرح دہلی میں رہیں گی۔ اب بولو، تم کیا کہتے ہو؟''

محمد امین خان کی گفتگو سے شاید اجیت سنگھ مطمئن ہو گیا تھا۔ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''میرا مسئلہ تو حل ہوا۔ اب ذرا منس رام کی طرف توجہ دیجئے۔''
اس موقع پر منس رام مسکراتے ہوئے خود ہی بول اٹھا اور محمد امین خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔
''میں دو کاموں کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔ اول یہ کہ آپ کو وزیر بننے پر مبارک باد پیش کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے مجھے پتہ چلا تھا کہ آپ نے علی مردان، شہاب الدین، ناصر خسرو اور میری بیٹی سمرہ کو واپس بلا لیا ہے۔ سوچا اگر وہ پہنچ گئے ہوں تو ان سے بھی مل لوں گا۔''

بنارس کے راجہ منس رام نے ابھی اپنی گفتگو ختم نہ کی تھی، مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس موقع پر جودھ پور کا راجہ اجیت سنگھ اپنے منہ پر دائیں بائیں طمانچے مارنے لگا اور کہنے لگا۔

''میں انتہا درجہ کا احمق، بے وقوف اور بد سلیقہ شخص ہوں محمد امین خان! آیا میں بھی آپ کو آپ کی وزارت پر مبارک باد دینے کے لئے تھا پر میں نے آپ کو مبارک باد دینے کی بجائے پہلے اپنا گھریلو مسئلہ رکھ دیا۔'' اس کے بعد اجیت سنگھ لگاتار محمد امین خان کو مبارک باد دینے لگا تھا۔ اس کی اس حرکت پر سب ہنس دیئے تھے۔

Marfat.com

اچانک محمد امین خان سنجیدہ ہو گیا پھر اپنے پوتے قاوردخان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''قاوردخان! ذرا اٹھ کر جانا۔ گوہر آراء اس وقت زنان خانے میں ہے۔ اسے بلا کر لاؤ۔''

اس پر قاوردخان اٹھ کر دیوان خانے سے نکل گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لوٹا۔ اس کے پیچھے پیچھے مرنے والے بادشاہ فرخ سیر کی بیوہ اور جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کی بیٹی داخل ہوئی تھی۔ دروازے پر آتے ہی اس نے سب کو سلام کیا پھر آگے بڑھ کر اپنی ماتا بشن کماری کے پاس ہو بیٹھی تھی۔ اس کے بعد محمد امین خان نے اس کے سلسلے میں جو دیوان خانے میں گفتگو ہوئی تھی اس سے اسے مطلع کر دیا تھا۔

اس گفتگو پر گوہر آراء بے حد خوش ہوئی پھر اپنے باپ اجیت سنگھ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''پتا جی! اگر جودھ پور میں آپ میرے باپ ہیں تو یہاں دہلی میں محترم امین خان میرے باپ اور میرے نگران ہیں۔ اگر آپ میری ماتا، میری بہن راجکماری پاربتی دیوی کو میرے پاس چھوڑ کر جاتے ہیں تو آپ ان دونوں بلکہ ہم تینوں سے متعلق اپنے دل میں کسی پریشانی اور تشویش کو جگہ نہ دیجئے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں، جس طرح ہم جودھ پور میں محفوظ ہوں گی اسی طرح یہاں بھی محفوظ رہیں گی۔ آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

گوہر آراء کی اس گفتگو کے جواب میں محمد امین خان کہنے لگا۔

''اجیت سنگھ! اب فیصلہ ہو گیا۔ تم جودھ پور چلے جاؤ گے۔ یہ تینوں ماں بیٹیاں ہمارے ساتھ والی حویلی میں رہیں گی اور ان کی حفاظت تمہارے نہیں اب ہمارے ذمے ہے۔''

اس کے ساتھ ہی امین خان نے منس رام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''منس رام! میں نے چاروں کو قندھار سے بلا لیا ہے۔ ان چاروں کو باحفاظت لانے کے لئے میں نے اپنے کچھ مسلح جوان بھی مغرب کی طرف روانہ کر دیئے ہیں اس لئے کہ میرے کچھ حمایتیوں نے اطلاع دی تھی کہ بادشاہ گر اور ان کے کچھ سرکردہ لوگ ان چاروں کو نقصان پہنچانے کے در پے ہیں۔ میرے خیال میں چند روز تک وہ

Marfat.com

چاروں دہلی پہنچ جائیں گے۔"
اس کے بعد محمد امین خان کے کہنے پر بشن کماری، راجکماری پاربتی دیوی، گورسیہ دیوی، راجکماری اروما پانچوں اٹھ کر حویلی کے زنان خانے کی طرف چلی گئی تھیں۔

❁

زنان خانے میں ساری عورتیں مختلف گروہوں میں بیٹھ کر اپنے اپنے موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں۔ ایک جگہ قرہ خاتون، تقدیس خانم، مہر النساء، رانی گورسیہ دیوی، حسین اور خوبصورت راج کماری پاربتی دیوی کی ماتا بشن کماری بھی بیٹھی کسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں۔ دوسرے گروہ میں فرخ سیر کی بیوہ گوہر آراء، اس کی چھوٹی بہن راجکماری پاربتی دیوی، بنارس کے راجہ منس رام کی راج کماری اروما دیوی اور محمد امین خان کی پوتی اور فیروز مرزا کی حسین اور خوبصورت بیٹی ماہ الملک بیٹھی کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں۔ اس موقع پر ماہ الملک خصوصیت کے ساتھ پاربتی دیوی اور راجکماری اروما کے ساتھ بہت گھلی ملی سی دکھائی دے رہی تھی۔ ہنس ہنس کر ان سے باتیں کر رہی تھی اور وہ بھی بڑی بے تکلفی سے خوش کن انداز میں قہقہے لگا رہی تھیں۔ ایسے میں ماہ الملک کچھ سوچتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی، اپنی ماں تقدیس خانم کے پہلو میں بیٹھ گئی، اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے گئی اور کہنے لگی۔
"اماں! ذرا راجکماری پاربتی اور اروما کی طرف دیکھو۔ کیا ایسی حسین اور خوبصورت لڑکیاں یہاں ملتی ہیں؟"
تقدیس خانم نے گھورنے کے انداز میں ماہ الملک کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔
"یہ کہنے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ کھل کر کہو، کیا کہنا چاہتی ہو؟"
ماہ الملک پھر اپنا منہ ماں کے قریب لے گئی اور کہنے لگی۔
"اماں! برا نہ ماننا، میں نے اپنے دل میں ایک فیصلہ کیا ہے اور اس فیصلے سے آپ کو آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔ آگے آخری فیصلہ کرنا بڑوں کا کام ہے۔ اماں! میرا بھائی شہاب الدین آ رہا ہے۔ آپ جانتی ہیں میرے سگے بھائیوں عباد الدین اور قادر خان کے علاوہ چچا زاد شرف الدین تینوں سے شہاب الدین خوبصورت اور فرمانبردار ہے۔ اماں! اب وہ جوان ہو کر لوٹ رہا ہے۔ میرا دل کہتا ہے وہ خوب قد آور، توانا اور کڑیل ہوگا۔ اماں! میں نے اپنے دل میں یہ ٹھانی ہے کہ جودھ پور کی راج کماری پاربتی دیوی

Marfat.com

کو شہاب الدین کے لئے پسند کیا جائے اور اروما دیوی کو اپنے بھائی قاوردبیگ کے لئے میں پسند کر چکی ہوں۔''

تقدیس خانم اور ماہ الملک کو اس طرح باتیں کرتے دیکھ کر قرہ خاتون بھی ان کی طرف متوجہ ہوئی کیونکہ وہ تقدیس خانم کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر تقدیس خانم کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''کیا کہتی ہے میری بیٹی؟''

جواب میں سرگوشی کرتے ہوئے تقدیس خانم نے وہ ساری گفتگو قرہ خاتون سے کہہ دی تھی جو ماہ الملک نے کہی تھی۔

یہ ساری گفتگو سن کر قرہ خاتون خوش ہوگئی تھی۔ اپنے اور تقدیس خانم کے درمیان اس نے ذرا سی جگہ بنائی، ماہ الملک کو وہاں بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب ماہ الملک وہاں بیٹھ گئی تب قرہ خاتون، ماہ الملک اور تقدیس خانم دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے رازدارانہ انداز میں کہنے لگی۔

''جہاں تک پاربتی کا تعلق ہے تو اس نے یہیں ہمارے ہمسائے میں گوہر آراء کے ساتھ رہنا ہے۔ ان دونوں کی ماتا بشن کماری بھی یہیں قیام کرے گی۔ پہلے شہاب الدین کو آنے دو۔ شہاب الدین بھی یہیں رہے گا۔ پاربتی بھی یہیں ہوگی۔ دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع فراہم کریں گے۔ اگر دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تو یقیناً ہم پاربتی کو شہاب الدین کے لئے پسند کر لیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد قرہ خاتون رکی، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ ''جہاں تک اروما دیوی کا تعلق ہے تو وہ گھر کی بات ہے۔ یوں جانو وہ ہماری مٹھی میں ہے۔ اس لئے کہ بنارس والوں سے ہمارے پرانے تعلقات ہیں۔ وہ چند دن یہاں رہیں گے۔ کچھ دن ہمارے ہاں، کچھ دن دہلی میں اپنے عزیزوں کے ہاں قیام کریں گے اور رخصت ہوتے وقت میں منس رام اور اس کی رانی گورسیہ دیوی کے کانوں میں یہ بات ڈال دوں گی کہ ہم راج کماری اروما دیوی کو قاوردخان کے لئے پسند کرتے ہیں۔ میرے خیال میں وہ انکار نہیں کرے گی۔''

قرہ خاتون جب خاموش ہوئی تب تقدیس خانم اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''قرہ میری بہن! اپنی اس بھانجی کو اس فیصلے سے بھی آگاہ کرو جو اس کا دادا اس

Marfat.com

سے متعلق کر رہا ہے۔''
اپنی ماں تقدیس خانم کے ان الفاظ پر ماہ الملک چونکی تھی اور تجسس بھرے انداز میں اپنی خالہ قرہ خاتون کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اس موقع پر قرہ خاتون مسکراتے ہوئے اپنا منہ ماہ الملک کے قریب لے گئی اور کہنے لگی۔

''ماہ الملک میری بچی! تیرے متعلق تیرا دادا یہ فیصلہ کر رہا ہے کہ تجھے میرے بڑے بیٹے شرف الدین کے ساتھ منسوب کر دیا جائے۔ بول کیا تجھے اس سلسلے میں کوئی اعتراض ہے؟''

یہ الفاظ سن کر ماہ الملک شرماتی، لجاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر دھیمے سے لہجے میں کہنے لگی۔

''خالہ! مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟''

اس کے ساتھ ہی وہ تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے ہٹی اور پھر پہلے کی طرح راجکماری پاربتی، گوہر آراء اور راجکماری اروما کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگی تھی۔

اس موقع پر مہر النساء کو کچھ خیال گزرا اور وہ قرہ خاتون اور تقدیس خانم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''گھر پر اتنے مہمان آئے ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں تم دونوں بہنیں اٹھ کر کچھ کھانے کا بھی اہتمام کرو۔''

مہر النساء کے ان الفاظ کے ساتھ ہی قرہ خاتون اور تقدیس خانم دونوں بہنیں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اس موقع پر ماہ الملک نے چونکنے کے انداز میں ان کی طرف دیکھا، اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کی طرف گئی پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''آپ دونوں بہنیں کہاں جانے لگی ہیں؟''

قرہ خاتون دھیمے سے لہجے میں کہنے لگی۔

''بیٹی! مہمان آئے ہوئے ہیں۔ ان کے کھانے کا اہتمام کرتی ہیں۔''

ماہ الملک نے بڑے پیارے انداز میں ایک ہاتھ میں اپنی ماں تقدیس خانم کا بازو پکڑا، دوسرے ہاتھ سے اپنی خالہ قرہ خاتون کا۔ دونوں کو کھینچ کر اپنی نشستوں پر بٹھا دیا، پھر کہنے لگی۔

''آپ دونوں بہنیں بیٹھیں۔ آج کھانے کا اہتمام میں اور ہماری بڑی بہن گوہر

Marfat.com

آراء کریں گی۔"

اس کے ساتھ ہی ماہ الملک پیچھے ہٹی تھی۔ اس کے یہ الفاظ گوہر آراء نے بھی سن لئے تھے۔ وہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ماہ الملک کا بازو اس نے پکڑا پھر کہنے لگی۔ "آؤ، میں اور تم مطبخ کی طرف جاتی ہیں۔ پاربتی اور اروما دونوں یہاں بیٹھتی ہیں۔"

گوہر آراء کے یہ الفاظ سن کر پہلے پاربتی اٹھی، پھر اروما بھی کھڑی ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی پاربتی کہنے لگی۔

"اگر آپ دونوں مطبخ کی طرف جانے لگی ہیں تو ہم بھی جاتی ہیں۔ وہاں کام میں آپ کا ہاتھ بٹا دیں گی۔" اس کے ساتھ ہی وہ چاروں نشست گاہ سے اٹھ کر مطبخ کی طرف ہولی تھیں۔

مطبخ میں انہوں نے تھوڑی دیر کام کیا ہوگا کہ باہر حویلی میں انہیں شور سنائی دیا۔ یہ شور سن کر جب ماہ الملک مطبخ سے باہر نکلی تو اس نے دیکھا دیوان خانے سے سب مرد اٹھ کر بدحواسی کے عالم میں حویلی کے صحن کی طرف جا رہے تھے۔ اس موقع پر اسے حویلی کے صحن میں رونے کی آوازیں بھی سنائی دی تھیں۔ یہ صورت حال ماہ الملک کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ زنان خانے کی طرف گئی۔ اپنی دادی مہر النساء، اپنی ماں تقدیس خانم اور قرہ خاتون کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"آپ باہر حویلی کی طرف دیکھیں۔ نجانے کیا ہوا ہے۔ کسی کے رونے کی آواز آ رہی ہے۔ دیوان خانے سے اٹھ کر سب لوگ بدحواسی کے عالم میں حویلی کے صحن کی طرف جا رہے ہیں۔"

ماہ الملک کے اس انکشاف پر دیوان خانے میں بیٹھی ہوئی ساری عورتیں بدحواسی کے عالم میں اٹھیں اور زنان خانے سے نکل کر حویلی کے صحن کی طرف لپکی تھیں۔ ماہ الملک بھی ان کے ساتھ تھی۔ اتنی دیر تک گوہر آراء اور راجکماری پاربتی اور راجکماری اروما دیوی بھی مطبخ سے نکل کر ان کے ساتھ ہولی تھیں۔

سب لوگ جب حویلی کے صحن میں آئے تو صحن میں وہ چار مسلح جوان جنہیں محمد امین خان نے علی مردان، ناصر خسرو، شہاب الدین اور سمرہ کی مدد کے لئے بھجوایا تھا وہ گھوڑوں سے علی مردان، ناصر خسرو اور سمرہ کی لاشیں اتار رہے تھے۔

Marfat.com

لاشوں کو انہوں نے گھوڑوں سے اتار کر حویلی کے صحن میں جہاں گھاس تھی، وہاں ڈال دیا تھا۔ یہ صورتِ حال گھر کے ہر فرد کے لئے نا قابل برداشت تھی۔ ماہ الملک چیخیں مار کر رونے لگی تھی۔ باری باری ہر لاش سے لپٹ کر ان کی پیشانیاں چوم رہی تھی۔ مہر النساء، لاشوں کے قریب جا کر چکرائی اور صحن میں گر گئی تھی۔ شرف الدین، عباد الدین اور قاورد خان اسے سنبھالنے لگے تھے۔ خود بھی رو رہے تھے۔ تقدیس خانم اور قرہ خاتون دونوں بہنوں کی حالت نا قابل برداشت تھی۔ رو رہی تھیں، ہلکے ہلکے بین کر رہی تھیں۔

اس موقع پر محمد امین خان اور اس کا بڑا بیٹا فیروز مرزا سکتے کے عالم میں لاشوں کے پاس کھڑے تھے۔ جو لوگ لاشیں لے کر آئے تھے انہوں نے پوری تفصیل دونوں باپ بیٹے سے کہہ دی تھی۔ اس موقع پر محمد امین خان نے اپنے بیٹے فیروز مرزا کو مخاطب کیا۔
''کاش بتانے والا مجھے پہلے بتاتا کہ میرے بچوں کو خطرہ ہے تو میں ان کی حفاظت کا اہتمام کر لیتا۔ لیکن ان کو قتل کرنے والے بچیں گے نہیں۔ اپنے بدترین انجام کو ضرور پہنچیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد امین خان نے بدحواسی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھا پھر لاشیں لانے والے چاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
''یہ تو میرے گھر کے تین فرد ہیں۔ ان کے ساتھ میرے گھر کا گوہرِ آبدار بھی تھے۔'' یہ جملہ ادا کرتے وقت محمد امین خان کی آواز اس کے حلق میں ڈوب گئی تھی۔ اندر ہی اندر رو رہا تھا۔ ہچکیوں کو دبا رہا تھا۔ ظاہر میں اپنا بھرم رکھے ہوئے تھا۔ دوبارہ لاشیں لانے والوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بولو! میرا وہ گوہر کہاں ہے؟ وہ اس حویلی کا اجالا، اس خاندان کے لئے سرمایۂ لطافت اور وہ میرے شجرۂ نسب کی پھلواری میں روشن مہتاب جیسا تھا۔ بولو، میرا بچہ شہاب الدین کہاں ہے؟'' یہاں تک کہنے کے بعد محمد امین خان پھٹ پڑا۔ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ ہچکیوں کو بڑی مشکل سے دبا رہا تھا۔

اپنے باپ کی یہ حالت دیکھ کر قریب ہی کھڑا فیروز مرزا ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ زمین کی طرف دیکھتے ہوئے لمحے بھر کے لئے کھل کر رویا پھر ایک دم سنبھل گیا، سر کو جھٹکا دیا۔ اس کے آنسو اس موقع پر زمین پر گر کر جذب ہو گئے تھے۔ اس موقع پر قرہ خاتون

Marfat.com

کی حالت دیوانوں جیسی ہو گئی تھی۔ لاشیں لانے والوں کو مخاطب کر کے وہ چلا اٹھی تھی۔

"بولتے کیوں نہیں ہو...... کہاں ہے شہاب الدین؟"

اتنی دیر تک ہمت کرتے ہوئے شرف الدین، عباد الدین اور قاورد خان اندر سے مسہریاں اٹھا لائے تھے اور لاشوں کو ان پر ڈال دیا گیا تھا۔

لاشیں لانے والے چاروں بھی رو رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک محمد امین خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"شہاب الدین زندہ ہے۔ حویلی کے پاس جو اونچی پھلواری بنی ہوئی ہے، اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے اس کی منڈیر پر بیٹھا ہوا ہے۔ اندر نہیں آتا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ مجرم ہے۔ اپنے باپ، اپنے چچا، اپنی چچی کی حفاظت نہیں کر سکا۔ لہٰذا وہ اس قابل نہیں کہ اپنے اہل خانہ کو منہ دکھائے۔"

یہ الفاظ سن کر ماہ الملک آپے سے باہر ہو گئی تھی۔ چیخیں مار کر رونے لگی تھی۔ ساتھ ہی باری باری شرف الدین، عباد الدین، قاورد خان کی منتیں کرتے ہوئے وہ روتے چیختے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"خدا کے لئے میرے بھائی شہاب الدین کو اندر لاؤ۔"

امین خان نے اس موقع پر اپنے بیٹے فیروز مرزا کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

"فیروز مرزا! جا، شہاب الدین کو اندر لا۔ میں جانتا ہوں تو بھی آگاہ ہے کہ وہ بڑا جذباتی، بڑا حساس بچہ ہے۔ جوان ہو کر پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت، پُرکشش، جامہ زیب ہو گیا ہو گا...... جا، اُسے اندر لے کر آ۔ اس نے کبھی تیرا کہا ٹالا نہیں۔ تیرے کہنے پر فوراً اندر چلا آئے گا۔"

فیروز مرزا روتے روتے سنبھلا، حویلی کے بیرونی دروازے کی طرف چل دیا۔ شرف الدین جو شہاب الدین کا بڑا بھائی تھا اور دونوں چچا زاد بھائی عباد الدین اور قاورد خان بھی فیروز مرزا کے پیچھے ہو لئے تھے۔ جب حویلی کے دروازے سے باہر نکلے تو حویلی کی دیواروں کے ساتھ ساتھ جو پھلواری بنی ہوئی تھی اس کی جو منڈیر تھی وہاں شہاب الدین سر جھکائے بیٹھا رو رہا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے تھا۔ فیروز مرزا اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔ انتہائی دکھ بھرے انداز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

Marfat.com

''واہ شہاب الدین، واہ ...... تم جانتے بھی تھے کہ اس گھر کا ہر فرد تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر بھی تم نے لاشیں اندر بھیج دیں اور خود باہر بیٹھے رہے تا کہ ہمارے دل، ہمارے جگر پاش پاش ہو جائیں۔''

اس سے آگے فیروز مرزا کچھ نہ کہہ سکا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو گئی تھیں۔ آواز ڈوب رہی تھی۔ اپنے بڑے ابا کی یہ حالت دیکھتے ہوئے شہاب الدین اٹھا، اس سے لپٹ گیا اور اس کے شانے پر سر رکھ کر رونے لگا تھا۔

فیروز مرزا نے اسے علیحدہ کیا، پھر عباد الدین، قاورد خان اور شرف الدین باری باری اس سے گلے ملے۔ قاورد خان نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی تھی۔ شرف الدین اور عباد الدین اسے سہارا دے کر حویلی میں داخل ہوئے۔ فیروز مرزا بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ قاورد خان اس کے گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے گیا تھا۔

سب سے پہلے ماہ الملک دیوانہ وار بھاگی۔ بری طرح شہاب الدین سے لپٹ گئی تھی۔ پھر زار و قطار رونے لگی تھی۔ شہاب الدین کی حالت بھی ناقابل برداشت تھی۔ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ ماہ الملک کو اس نے علیحدہ کیا پھر اس کی ماں قرہ خاتون اور خالہ تقدیس خانم کے علاوہ مہر النساء نے اسے لپٹا کر پیار کیا۔ بعد میں دادا امین خان نے اسے لپٹایا، اس کی پیشانی چومی۔

اس موقع پر شہاب الدین کو نجانے کیا سوجھی، اس نے اپنی تلوار بے نیام کی۔ دونوں ہاتھوں میں تلوار کو تولا پھر تلوار اس نے اپنے دادا کے قدموں میں رکھی اور رقت آمیز آواز میں کہنے لگا۔

''دادا! میری یہ تلوار اٹھائیں اور میرا خاتمہ کر دیں۔ اس لئے کہ میں صرف اپنا ہی مجرم نہیں کہ میں اپنے باپ، اپنے چچا، اپنی چچی کی حفاظت نہیں کر سکا، آپ کا بھی خطا کار ہوں کہ میں آپ کے دو بیٹوں، آپ کی بہو کو بچا نہ سکا۔''

شہاب الدین کے یہ الفاظ سن کر محمد امین خان دکھ اور غم میں دوہرا ہو گیا تھا۔ جھکا اور شہاب الدین کو اٹھایا اور کہنے لگا۔

''میرے بچے! ایسی باتیں مت کر۔ ایسی باتیں کرے گا تو اپنے دادا کو مار دے گا۔ پھر ان تینوں کے ساتھ مجھے بھی دفن کر آنا۔''

اپنے دادا سے ہٹ کر شہاب الدین نے فیروز مرزا کی طرف دیکھا اور روتی ہوئی

Marfat.com

آواز میں اسے کہنے لگا۔

"بڑے ابا! میں آپ کا بھی مجرم ہوں۔ آپ کے دو بھائی اور آپ کی بھاوج میرے سامنے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور میں کچھ نہ کر سکا۔"

پھر اس نے اپنی دادی مہر النساء کی طرف دیکھا، پہلے سے بھی زیادہ کرب خیز آواز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"دادی اماں! سب سے زیادہ تو میں آپ کا قصور وار ہوں۔ آپ کے دو ستون جیسے مضبوط بیٹے اور بہو میرے سامنے جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سب مل کر مجھے ماریں۔ مجھے سزا دیں۔ مجھے اتنا ماریں کہ میرے جسم سے گوشت نوچ لیں۔ میری ہڈیاں پیس ڈالیں......"

شہاب الدین مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کچھ نہ کہہ سکا۔ ماہ الملک بھاگ کر آگے بڑھی۔ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے شانے پر سر رکھتے ہوئے دھاروں دھار روتے ہوئے کہنے لگی۔

"بھائی! خدا کے لئے ایسے الفاظ نہ کہو۔ نہیں تو آپ کی بہن مر جائے گی۔ اگر آپ کو اپنی بہن، اپنی ماں، اپنے دادا، اپنی دادی، اپنے بھائیوں اور دیگر عزیز و اقارب کی ضرورت ہے تو ایسی باتیں نہ کریں۔"

اس کے ساتھ ہی ماہ الملک سسکیاں اور ہچکیاں لیتے ہوئے شہاب الدین کے شانے پر سر رکھ کر رونے لگی تھی۔

اس موقع پر امین خان، شہاب الدین کی ماں قرہ خاتون کے پاس آیا اور بڑی شفقت سے اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"قرہ خاتون میری بیٹی! علی مردان کے مرنے سے جو چرکا تجھے لگا ہے اس کے دکھ، اس کے صدمے سے میں آگاہ ہوں۔ یہ بھی تو سوچو، دشمن نے میرے بیٹے مار کر میرے بازو کاٹ دیئے ہیں۔ کیا مجھے دکھ، صدمہ اور تکلیف نہ ہوئی ہو گی؟ میری بچی، دیکھ! شہاب الدین کی حالت کیا ہو رہی ہے۔ جس وقت وہ یہاں سے گیا تھا، بچپنے میں تھا۔ اب جوانی کی حدود میں داخل ہو کر آیا ہے۔ کیسا خوبصورت اور دراز قد جوان بنا ہے۔۔ اس کو روتے ہوئے دیکھ کر یاد رکھنا، میں اس کی حالت برداشت نہیں کر سکتا۔ دیکھ ماہ الملک خود بھی رو رہی ہے اور اسے بھی رلا رہی ہے۔ تُو خود آگے بڑھ کر شہاب

Marfat.com

الدین کو تسلی اور تشفی دے۔ تُو اس کی ماں ہے۔ تیرا کہنا نہ اس نے کبھی پہلے ٹالا تھا اور نہ اب ٹالے گا۔"

امین خان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی قرہ خاتون نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ آنسو اس نے پونچھے۔ آنکھیں اس نے صاف کر لیں۔ آہستہ آہستہ اپنے بیٹے شہاب الدین کی طرف بڑھی تھی۔ امین خان کی یہ گفتگو قریب ہی کھڑی گوہر آراء اور اس کی چھوٹی بہن راجکماری پاربتی دیوی نے سن لی تھی لہٰذا وہ دونوں بہنیں بھی ایک دوسرے سے گفتگو کرنے کے بعد شہاب الدین اور ماہ الملک کی طرف بڑھی تھیں۔ دونوں کے قریب جا کر قرہ خاتون رکی، بڑے صبر، بڑے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے پہلے دونوں کو علیحدہ کیا پھر شہاب الدین کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اس کا سر، اس کی پیشانی، اس کے گال چومے پھر گہری محبت سے کہنے لگی۔

"بیٹے صبر کر۔ اب رونا نہیں۔ یہ سمجھنا یہ تیری ماں کا حکم ہے۔"

اتنی دیر تک گوہر آراء اور راج کماری پاربتی بھی قریب آ گئی تھیں اور انہوں نے ماہ الملک کو سنبھال لیا تھا۔ دونوں نے ماہ الملک کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ اپنے آنچل کے پلو سے قرہ خاتون نے پہلے شہاب الدین کی آنکھیں خشک کیں پھر پہلی سی محبت میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"اگر تُو سنبھلے گا تو دیکھ تیری بہن ماہ الملک بھی سنبھل جائے گی۔ تیری حالت دیکھتے ہوئے اس کی اپنی حالت نا قابل برداشت ہو رہی ہے۔ دیکھ میرے بچے! یہ جو دونوں بچیاں ماہ الملک کو سنبھال رہی ہیں ان میں بڑی جودھ پور کے راجہ اور مرحوم بادشاہ فرخ سیر کی بیوہ ہے اور دوسری اس کی چھوٹی بہن راجکماری پاربتی دیوی ہے۔ یہ بے چاری اپنے باپ کے ساتھ آج ہی تیرے دادا کو وزیر بننے پر مبارک باد دینے کے لئے آئی تھیں۔ بنارس کا راجہ منس رام، اس کی رانی گورسیہ دیوی اور راجکماری اروما دیوی بھی آئے ہوئے ہیں۔ منس رام بھی یہیں ہے۔ جودھ پور کا راجہ اجیت سنگھ بھی آیا ہوا ہے۔ بیٹے! اب تُو سنبھل، تیری یہ حالت تیرے دادا کے لئے نا قابل برداشت ہے۔ اس لئے میرے بیٹے اب رونا نہیں ہے۔"

سمرہ کی لاش کے پاس اس کا باپ منس رام ستون کی طرح چپ، اُداس اور افسردہ کھڑا تھا جبکہ اس کی پتنی گورسیہ اور راجکماری اروما دیوی دونوں سمرہ کی لاش سے لپٹ کر

Marfat.com

رو رہی تھیں۔ کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا پھر ہاتھ کے اشارے سے امین خان نے جودھپور کے راجہ اجیت سنگھ، بنارس کے راجہ منس رام کے علاوہ شہاب الدین کے بڑے بھائی شرف الدین اور فیروز مرزا کے دونوں بیٹوں عباد الدین اور قاورد خان کو اپنے پاس بلایا۔ فیروز مرزا پہلے ہی اس کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ پھر ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے محمد امین خان کہنے لگا۔

''عزیزو! سب مل کر لاشوں کو زنان خانے کی طرف لے جاؤ اور مردانے میں دریاں بچھا دو۔ اس لئے کہ تھوڑی دیر تک لوگ افسوس کے لئے آنا شروع ہو جائیں گے۔''

امین خان کے کہنے پر شرف الدین، عباد الدین، قاورد خان فوراً حرکت میں آئے۔ لاشوں کی چارپائیاں اٹھانے کے لئے جب فیروز مرزا، راجہ منس رام اور راجہ اجیت سنگھ بھی آگے بڑھے تب فوراً لپک کر شہاب الدین نے فیروز مرزا کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بڑے ابا! آپ دادا کے پاس ہی کھڑے رہیں۔ یہ کام ہم خود کر لیں گے۔''
اس کے بعد وہ جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ اور بنارس کے راجہ منس رام کے سامنے آن کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

''آپ دادا کے پاس رہیں۔ دادا نے جو کام کہا ہے یہ آپ لوگوں کا نہیں، ہمارے کرنے کا ہے۔''

پھر شہاب الدین اس جگہ آیا جہاں اس کا بڑا بھائی شرف الدین اور چچا زاد اور خالہ زاد عباد الدین اور قاورد خان کھڑے ہوئے تھے۔ شہاب الدین اور شرف الدین نے پہلے سمرہ کی کھاٹ اٹھائی اور اسے اندر لے گئے۔ عباد الدین اور قاورد خان اپنے چچا علی مردان کی لاش اندر لے جا رہے تھے۔ شہاب الدین اور شرف الدین واپس لوٹے اور ناصر خسرو کی لاش بھی اٹھا کر زنان خانے میں لے گئے تھے۔

اس کے بعد شہاب الدین اپنی دادی مہر النساء کے پاس آیا۔ مہر النساء اسے اپنے قریب دیکھ کر کچھ دیر تک اپنے ہونٹ کاٹ کر اس کی طرف دیکھتی رہی پھر بازو پھیلا دیئے۔ پہلے جی بھر کر اسے پیار کیا، اپنے ساتھ کچھ دیر لپٹائے رکھا پھر شہاب الدین اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

Marfat.com

"دادی اماں! آپ ساری عورتوں کو لے کر زنان خانے کی طرف چلی جائیں۔ لاشیں ہم نے وہیں رکھ دی ہیں۔"

شہاب الدین کے کہنے پر مہر النساء حرکت میں آئی۔ ساری عورتوں کو اپنے ساتھ زنان خانے کی طرف لے گئی تھی جبکہ آس پاس کے گھروں اور حویلیوں کے لوگ افسوس کے لئے امین خان کی حویلی میں جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔

اسی روز انتہائی غمزدہ اور دکھ بھرے ماحول میں مرنے والے تینوں کو دفن کر دیا گیا تھا۔

✿ ...... ✿

Marfat.com

•••

بڑا بادشاہ گر حسن علی ایک روز اپنے ذاتی کمرے میں اکیلا بیٹھا گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ کمرے میں مالیاتی امور میں اس کا نائب رتن چند داخل ہوا۔ وہ بڑا تیز، بڑا چالاک اور بڑا ہوشیار انسان تھا۔ اس کی آمد پر حسن علی چونکا۔ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ رتن چند قدم آگے بڑھا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ حسن علی بھی بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر بڑے پُر فریب اور مکارانہ انداز میں رتن چند حسن علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''حسن علی! اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

حسن علی نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''کہو، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ کیا پہلے میں نے کبھی تمہاری بات، تمہارے کسی مشورے کو محسوس کیا ہے؟''

حسن علی کی اس گفتگو سے رتن چند کو حوصلہ ہوا تھا۔ پھر کہنے لگا۔

''حسن علی! جس معاملے کا میں ذکر کرنے لگا ہوں پہلے بھی ایسا ہی معاملہ ہوا تھا لیکن میں برداشت کر گیا تھا۔ چپ رہا تھا۔ اس سے پہلے ایک موقع پر جب آپ کے چھوٹے بھائی حسین علی کو مالِ غنیمت ملا تھا تو اس مالِ غنیمت سے بھی وہ آپ کا حصہ کھا گیا تھا۔ اب جس وقت وہ آگرہ پر حملہ آور ہوا تھا تو وہاں سے اسے مالِ غنیمت کی صورت میں اس قدر دولت ہاتھ لگی جس کا کوئی شمار نہیں ہے۔ کیا مالِ غنیمت کے اس ڈھیر میں سے حسین علی نے کچھ آپ کو بھی دیا ہے؟''

رتن چند کے ان الفاظ کے جواب میں حسن علی کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ چہرے

Marfat.com

پر غصے کے تاثرات بھی نمودار ہو گئے تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے رتن چند کسی حد تک پریشان ہو گیا تھا۔ پھر جلد ہی اس کی یہ پریشانی جاتی رہی۔ اس لئے کہ حسن علی اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"رتن چند! تمہاری آمد سے پہلے میں بھی اسی موضوع پر سوچ رہا تھا۔ پہلی بار جب میرے چھوٹے بھائی حسین علی کے ہاتھ مالِ غنیمت لگا تھا تو کچھ دیر تک تو میں انتظار کرتا رہا کہ شاید وہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں کسی وقت مجھ سے گفتگو کرے۔ لیکن افسوس اس نے اس موضوع پر کبھی ایک لفظ بھی نہ کہا۔ اس وقت کا مالِ غنیمت وہ سب کا سب خود ہضم کر گیا۔ اب جو آگرہ پر حملے کے دوران اس کے ہاتھ مالِ غنیمت لگا وہ پہلے مالِ غنیمت کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ رتن چند! اس معاملے کی طرف صرف تم نے ہی مجھے اشارہ نہیں دیا، اس سے پہلے اور بہت سے لوگ مجھے یہ اشارہ کر چکے ہیں کہ آگرہ سے جو مالِ غنیمت حاصل ہوا ہے وہ لا انتہا قسم کا ہے۔ تمہاری آمد سے پہلے میں اسی موضوع سے متعلق سوچ رہا تھا کہ مجھے حسین علی سے اس سلسلے میں کس طرح گفتگو کرنی چاہئے؟"

جواب میں رتن چند کچھ دیر تک غور سے حسن علی کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

"حسین علی تھوڑی دیر تک آپ کے پاس ہی آئے گا۔ اس لئے کہ میں اس کے پاس سے اٹھ کر آپ کی طرف آیا ہوں۔ وہ بھی آپ کی طرف آنے کی تیاری کر رہا ہے۔ میں اب جاتا ہوں۔ اس لئے کہ اس کی آمد تک میرا یہاں رہنا مناسب نہیں ہے۔ لیکن جاتے جاتے ایک بات ضرور کہوں کہ جونہی حسین علی آپ کے پاس آئے، فی الفور مالِ غنیمت کی تقسیم سے متعلق گفتگو نہ کیجئے گا۔ اس طرح اسے شک و شبہ ہو جائے گا کہ کسی نے اس سلسلے میں آپ کو بہکایا ہے۔ پہلے سلطنت کے امور سے متعلق اس سے گفتگو کی جائے اور پھر بات سے بات نکال کر مالِ غنیمت کی تقسیم کا بھی ذکر لایا جائے۔ اس طرح معاملہ درست اور احسن طریقے سے نمٹ جائے گا۔"

رتن چند کے ان الفاظ پر حسن علی مسکرایا اور کہنے لگا۔

"اب تم جاؤ...... جیسا تم نے کہا ہے ویسا ہی ہو گا۔"

رتن چند اپنی اس کارگزاری پر مطمئن اور خوش ہو گیا تھا اور ایک طرح سے خوشی کا اظہار کرتا، بغلیں بجاتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

Marfat.com

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس کمرے میں چھوٹا بادشاہ گر حسین علی داخل ہوا۔ جس طرح رتن چند کی آمد پر حسن علی نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا تھا ایسا ہی اس نے حسین علی کا بھی کیا۔ پھر دونوں بھائی آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ گفتگو کا آغاز چھوٹے بھائی حسین علی نے کیا اور حسن علی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"بھائی! میں ایک انتہائی اہم موضوع پر آپ سے گفتگو کرنے کے لئے آیا ہوں اور یہ موضوع ایک طرح سے کئی جہتوں پر محیط ہے۔"

حسن علی نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

"کہو، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں تمہاری ہر بات غور سے سنوں گا۔"

اس پر حسین علی نے گلا صاف کیا، کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

"پہلی بات جو ہماری توقع کے خلاف ہوئی ہے وہ یہ کہ محمد شاہ نے محمد امین خان کو وزیر بنا لیا ہے۔ ایسا اسے ہرگز نہیں کرنا چاہئے تھا۔ آپ بھی اس سلسلے میں چپ ہیں۔ فرخ سیر، رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ کے دور میں آپ نے کبھی ایسی چپ اختیار نہیں کی تھی۔ میں آپ کی طرف سے کسی ردِ عمل کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ کو اس سلسلے میں محمد شاہ سے بات کرنی چاہئے اور اسے اس بات پر آمادہ کرنا چاہئے کہ محمد امین خان کو وزارت کے عہدے سے ہٹا دے۔

دوسرا موضوع جس پر میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہمارے آدمیوں نے محمد امین خان کو خوب چرکا لگایا ہے۔ ہم نے اپنے جو آدمی قندھار سے آنے والوں کا خاتمہ کرنے کے لئے روانہ کئے تھے انہیں کامیابی ہوئی ہے۔ امین خان کے دو بیٹوں علی مردان اور ناصر خسرو کا کام تمام کر دیا گیا ہے اور امین خان سے ہماری عداوت کی سب سے بڑی وجہ بنارس کے راجہ منس رام کی بیٹی سمرہ تھی۔ وہ بھی ماری جا چکی ہے۔ اب مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ قندھار سے آنے والے چار تھے۔ صرف تین کا خاتمہ ہوا۔ علی مردان کا چھوٹا بیٹا لاشوں کو لے کر دہلی پہنچ چکا ہے۔ اب وہ ہمارے خلاف کسی انتقامی کارروائی کی ابتداء بھی کر سکتے ہیں۔

تیسرا موضوع جو میں زیر بحث لانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ دکن کی طرف امین خان کا بھتیجا نظام الملک طاقت اور قوت پکڑتا جا رہا ہے اور وہ کسی بھی وقت ہمارے لئے ایک بہت بڑا خطرہ بن کر نمودار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وقت ضائع کئے بغیر ہمیں اس کا تدارک کرنا

Marfat.com

ہوگا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد حسین علی جب خاموش ہوا تب حسن علی اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"جہاں تک امین خان کے وزیر مقرر کیے جانے کا تعلق ہے تو محمد شاہ کے اس فیصلے سے میں بھی اختلاف رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ ہمارے دشمنوں میں امین خان کا نام سرِفہرست ہے۔ لہٰذا ہمارا ایک دشمن کیسے مملکت کا وزیر ہوسکتا ہے اور وہ بھی ہمارے ہوتے ہوئے۔

دوسرا موضوع کوئی اتنی اہمیت نہیں رکھتا۔ تم کہتے ہو کہ علی مردان، ناصر خسرو اور ناصر خسرو کی بیوی کے مرنے کے بعد وہ ہمارے خلاف انتقامی کارروائی کر سکتے ہیں۔ کیا انتقامی کارروائی کریں گے؟ سلطنت کے سارے لشکری، ساری طاقت اور قوت ہماری مٹھی میں ہے۔ اس وقت بھی محمد امین خان نام کا وزیر ہے۔ کوئی انتقامی کارروائی کرنے کے وہ قابل ہی نہیں ہے۔

تمہارا تیسرا موضوع نظام الملک کے متعلق ہے۔ نظام الملک دور افتادہ دکن میں بیٹھا ہوا ہے وہاں وہ کتنی بھی طاقت اور قوت جمع کر لے، کامیاب ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ دکن ہی میں ہمارے دو نامور سالار صفدر علی اور عالم علی دو بڑے بڑے لشکروں کے ساتھ مقیم ہیں۔ نظام الملک اگر دکن میں طاقت اور قوت پکڑ بھی لیتا ہے تو اس طاقت اور قوت کے ساتھ وہ حرکت میں آتے ہوئے دہلی کی طرف نہیں آ سکتا۔ اس لئے کہ راستے میں صفدر علی اور عالم علی پڑتے ہیں اور وہ دونوں مل کر نظام الملک کا خاتمہ کر کے رکھ دیں گے۔ اگر نظام الملک زیادہ پھیل گیا تو ہم ایران کے بادشاہ حسین شاہ سے بھی مدد لے سکتے ہیں۔ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہاری آمد سے پہلے مجھ تک یہ خبر پہنچ چکی ہے کہ ہم نے جو اپنے آدمی محمد امین خان کے بیٹوں، اس کی بہو اور پوتے کا خاتمہ کرنے کے لئے بھیجے تھے وہ کامیاب رہے ہیں۔ لیکن یہ کامیابی میرے بھائی بڑی مہنگی ہے۔ ہمارے سات آدمی گئے تھے جن میں سے پانچ مارے جا چکے ہیں۔ صرف صفدر علی کا بھائی منصور علی اور عالم علی کا بھائی سلطان علی اپنی جانیں بچا سکے ہیں۔ سنا ہے دونوں صفدر علی اور عالم علی کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ یہ کامیابی کوئی کامیابی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر امین خان کے تین آدمی مرے ہیں تو ہمارے

Marfat.com

پانچ اس ٹکراؤ میں کام آگئے ہیں......"

حسن علی مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے حسین علی بول پڑا۔

"حسن علی میرے بھائی! میں تمہارے ان الفاظ سے اتفاق نہیں کرتا۔ اس ٹکراؤ میں ہمیں شاندار فتح حاصل ہوئی ہے۔ ہمارا دشمن محمد امین خان ہے۔ اس ٹکراؤ میں اس کے دو بیٹے اور ایک بہو ماری گئی ہے۔ یہ بتاؤ کہ ہمارا کیا نقصان ہوا ہے؟ ہمارے جو پانچ آدمی مارے گئے ہیں وہ کون سا ہمارے عزیز و اقارب، رشتہ دار تھے۔ عام آدمی تھے۔ بس ہمارے محافظ دستوں کا ایک حصہ تھے۔ ان کا کام ہی ہماری حفاظت کرنا ہے۔ اور یوں وہ ہماری حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے ہیں۔ لہٰذا ہم گھاٹے میں نہیں، فائدے میں ہیں۔ ہاں اگر صفدر علی کا بھائی منصور علی اور عالم علی کا بھائی سلطان علی اس ٹکراؤ میں کام آجاتے تو پھر ہم سمجھتے کہ ہمارا نقصان ہوا ہے۔ اس لئے کہ یہ ہمارے عزیز اور رشتہ دار ہیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد حسین علی جب رکا تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے حسن علی کہنے لگا۔

"حسین علی! تم نے صرف تین موضوع پر گفتگو کی ہے۔ جبکہ موضوع چار تھے جن پر گفتگو ہونی چاہئے تھی۔"

حسین علی نے اس موقع پر چونکنے کے انداز میں حسن علی کی طرف دیکھا پھر اس کی تجسس بھری آواز سنائی دی۔

"چوتھا موضوع کون سا ہے؟ اگر کوئی ہے تو آپ اس موضوع پر گفتگو کی ابتداء کر دیں۔"

غصہ بھرے انداز میں حسن علی نے حسین علی کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

"وہ تو میں کروں گا ہی حسین علی! بات دراصل یہ ہے کہ آگرہ پر حملہ آور ہونے سے پہلے بھی تمہارے ہاتھ مالِ غنیمت کی صورت میں بہت کچھ لگا تھا لیکن وہ سارا مالِ غنیمت تم نے اپنے پاس رکھ لیا۔ کسی ایک موقع پر بھی تم نے مجھے نہیں بتایا کہ اتنا مالِ غنیمت تمہارے ہاتھ لگا اور اس میں سے تمہارا حصہ کتنا ہے اور میرا حصہ کتنا ہونا چاہئے تھا۔ لیکن میں بولا نہیں۔ خاموش رہا۔ اب جبکہ تم آگرہ پر حملہ آور ہوئے تو اس حملے کے دوران بے شمار دولت تمہارے ہاتھ لگی۔ کیا اس سے متعلق بھی تم نے مجھے کوئی

Marfat.com

خبر کی؟ جو کچھ تمہیں وہاں سے ملا سب کچھ ہی تم نے اپنے پاس رکھ لیا۔ کیا تمہارے اس رویے سے ہم دونوں بھائیوں کے درمیان غلط فہمیاں اور شکوک وشبہات جنم نہ لیں گے؟"

حسن علی کے خاموش ہونے پر حسین علی شکوؤں بھری آواز میں کہنے لگا۔

"تو اس کا مطلب ہے آپ مجھ سے حساب لینے لگے ہیں۔"

حسین علی کے ان الفاظ کے جواب میں بڑے کھردرے لہجے میں حسن علی کہنے لگا۔

"حساب لینا چاہئے۔ اور آپس کا حساب صاف بھی ہونا چاہئے۔ یاد رکھنا مال کے سلسلے میں جب دلوں میں غلط فہمیاں اور شبہات جنم لیتے ہیں تو یہ شبہات آہستہ آہستہ پھیلتے چلے جاتے ہیں اور پھر ایک دن عداوت اور دشمنی کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اور میں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں بھائیوں کے درمیان ایسی عداوت اور دشمنی کی دیوار کھڑی ہو جائے۔"

حسین علی نے اپنے بڑے بھائی حسن علی کی اس گفتگو کو خاصا ناپسند کیا تھا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے اثرات نمودار ہوئے تھے۔ قریب تھا کہ دونوں بھائی آپس میں الجھ جاتے، ہاتھا پائی پر بھی اتر آتے کہ عین اسی لمحہ مکر وفریب کا ماہر رتن چند پھر لوٹ آیا۔ اسے دیکھتے ہوئے دونوں بھائی خاموش ہو گئے۔ حسین علی نے اس موقع پر ہاتھ کے اشارے سے رتن چند کو ذرا دور ہی روکا، پھر دھیمے لہجے میں حسن علی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"مالِ غنیمت میں سے آپ کا حصہ آپ کو مل جائے گا۔"

اس کے بعد وہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

مؤرخین اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ محمد شاہ کی تخت نشینی کے بعد گو بادشاہ گروں کی گرفت حکومت پر بدستور قائم رہی لیکن دونوں بھائیوں کے درمیان مالِ غنیمت کی تقسیم پر تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جو مالِ غنیمت آگرہ سے حاصل ہوا تھا اس پر دونوں بھائیوں میں اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے اور مؤرخین زور دے کر یہ بھی لکھتے ہیں کہ آخر کار چھوٹے بادشاہ گر حسین علی نے بڑے بادشاہ گر حسن علی کو بیس لاکھ روپے کی رقم مالِ غنیمت میں اس کے حصے کے طور پر ادا کر دی تھی۔ اس واقعے کے بعد دونوں بھائیوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے۔ حسن علی نے تمام نظم ونسق رتن چند کے

Marfat.com

ہاتھ میں دے دیا تھا۔ اب وہ حسین علی پر کم ہی اعتبار کرنے لگا تھا۔ رتن چند نہ صرف بدعنوان شخص تھا بلکہ وہ مسلمانوں کے مذہبی امور میں مداخلت بھی کر رہا تھا جس کی وجہ سے عوام حکومت کے علاوہ بادشاہ گروں سے بھی بددل ہونا شروع ہو گئے تھے۔

✵

شہاب الدین کو قندھار سے دہلی آئے ایک مہینے سے اوپر ہو چکا تھا۔ بنارس کا راجہ منس رام اپنی پتنی کے ساتھ بنارس جا چکا تھا تاہم ماہ الملک نے راج کماری اروما دیوی کو اپنے پاس روک لیا تھا جبکہ جودھ پور کا راجہ اجیت سنگھ بھی واپس جا چکا تھا۔ جبکہ اس کی پتنی بشن کماری اور راج کماری پاربتی دیوی نے امین خان کے ساتھ والی حویلی میں گوہر آراء کے ساتھ قیام کر لیا ہوا تھا۔

شہاب الدین ایک روز اپنے کمرے سے نکل کر اس کمرے کی طرف گیا جو ماہ الملک کا تھا۔ شاید وہ نظام الملک سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ جب وہ اس کمرے کے دروازے پر گیا تو ٹھٹھک کر رک گیا۔ اس لئے کہ اس کمرے میں اس وقت ماہ الملک کے ساتھ گوہر آراء، راجکماری پاربتی دیوی اور راجکماری اروما دیوی بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ شہاب الدین ان سب کو کمرے میں دیکھ کر ٹھٹکا، پلٹ کر واپس جانا چاہتا تھا کہ ایک دم ماہ الملک نے اسے آواز دے کر روک لیا۔

"بھائی! جانا نہیں۔ ذرا میری بات سنو۔"

شہاب الدین دروازے سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ ماہ الملک اپنی نشست سے اٹھ کر دروازے کی طرف آتے ہوئے اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"بھائی! یہ کیا حرکت ہے؟ جوان لڑکیوں کی طرح شرماتے ہوئے دروازے سے پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے ہو۔ ذرا کمرے کے اندر آؤ۔ کچھ لوگوں کو آپ سے بڑے گلے اور شکوے ہیں۔"

یہ کہتے کہتے ماہ الملک دروازے پر آ گئی تھی۔ شہاب الدین اس کے قریب آیا اور سرگوشی کے انداز میں کہنے لگا۔

"ماہ الملک میری بہن! کس قسم کی باتیں کرتی ہو؟ وہ جو تمہارے پاس لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں وہ کیا سوچیں گی؟ میں تو تم سے بڑے ابا سے متعلق پوچھنے آیا تھا، وہ کہاں ہیں۔ اس لئے کہ میں ان سے ایک انتہائی اہم مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اب تم

Marfat.com

اندر آ جاؤ۔ ان لڑکیوں کے پاس جا کر بیٹھو۔ میں دیکھتا ہوں بڑے ابا کہاں ہیں۔"
ماہ الملک نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا تھا پھر بڑی اپنائیت میں کہنے لگی۔
"بھائی! یوں تو میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔ جو لڑکیاں اندر بیٹھی ہوئی ہیں وہ اپنی ہیں، پرائی نہیں۔ انہی کو تو آپ سے گلے اور شکوے ہیں اور انہی کے سامنے تو میں نے آپ کو لے کر جانا ہے۔"
شہاب الدین بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔
"کیا پاگل پن کی باتیں کرتی ہو؟ میں ان لڑکیوں کے پاس جا کر کیا کروں گا؟ اور پھر یہ بھی سوچو کہ کیا ان کی موجودگی میں اس کمرے میں......"
یہاں تک کہتے کہتے شہاب الدین کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اسی وقت کمرے کے اندر سے گوہر آراء کی آواز سنائی دی تھی۔
"شہاب الدین میرے بھائی! اندر آؤ۔ مجھے آپ سے ایک انتہائی ضروری کام ہے۔ یوں جانو، ماہ الملک میرے کہنے پر ہی آپ کو اندر لانا چاہتی ہے۔"
گوہر آراء کے ان الفاظ کے جواب میں شہاب الدین کی حالت عجیب سی ہو گئی تھی۔ پھر خفگی کے انداز میں ماہ الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
"ایک تو تم میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔ میرا بازو تو چھوڑو۔ میرے آگے چلو۔ اب کیونکہ گوہر آراء نے آواز دے کر بلا لیا ہے تو مجھے کمرے میں جانا ہی ہو گا۔"
ماہ الملک مسکرائی۔ اس کے آگے آگے ہو لی۔ پیچھے پیچھے شہاب الدین بھی کمرے میں داخل ہوا تھا۔
ماہ الملک تو جس نشست سے اٹھ کر دروازے کی طرف گئی تھی، وہیں جا کر بیٹھ گئی تھی جبکہ شہاب الدین سمٹا سمٹا اور سہا سہا سا گوہر آراء کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔
"آپ کو مجھ سے کوئی کام ہو تو کہیں۔"
اس کی اس حرکت، اس کے اس انداز اور اس کی اس حالت پر گوہر آراء تو مسکرائی ہی تھی لیکن پاربتی کا قہقہہ نکل گیا تھا۔ دوسری طرف راج کماری اروما دیوی بھی کھل کر ہنس رہی تھی۔
پاربتی کے اس بھرپور قہقہے کے جواب میں شہاب الدین نے گوہر آراء کی بجائے

Marfat.com

اس کی طرف دیکھا پھر دھیمے سے لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”کیا میرے لباس پر کہیں لکھا ہوا ہے کہ مجھے دیکھتے ہی بھرپور قہقہہ لگانا چاہئے؟“

ان الفاظ پر پاربتی اور زیادہ کھل کر ہنس دی تھی۔ پھر سنبھلی اور شہاب الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”آپ اس قدر سمٹے سمٹے، سہمے سہمے، کھچے کھچے سے کیوں کھڑے ہیں؟ آپ کی اس حالت کو دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی تھی۔ آپ پہلے بیٹھیں، پھر سنیں، گوہر آراء آپ سے کیا کہتی ہے۔“

اس موقع پر گوہر آراء بھی بول پڑی اور اپنے سامنے خالی نشست کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”بھائی! آپ یہاں بیٹھیں پھر میری بات سنیں۔“

شہاب الدین نے ایک لمبا سانس لیا پھر اس نشست پر ہو بیٹھا۔ گوہر آراء نے اسے مخاطب کیا۔

”ہم دونوں بہنوں کا تعارف تو آپ سے ہے لیکن ہمیں سب سے بڑا گلہ اور شکوہ یہ ہے کہ کم از کم ایک مہینے سے زائد ہو گیا ہے کہ میں اور میری چھوٹی بہن دونوں ہر روز یہاں آتی ہیں۔ اس مہینے سے زائد عرصے کے دوران بھی آپ ہم دونوں بہنوں سے ملے، کبھی ہم دونوں کا احوال پوچھا، کبھی ہم سے یہ بھی کہا کہ کسی چیز کی ضرورت ہمیں ہو تو آپ لا دیں۔ جبکہ آپ جانتے ہیں کہ ساتھ والی حویلی میں میری چھوٹی بہن راجکماری پاربتی اور ہماری ماتا بشن کماری رہتی ہیں۔ چلو اس کو چھوڑو، کبھی آپ یہاں سے نکل کر ہماری حویلی میں آئے اور تینوں کا احوال پوچھا؟“

یہاں تک کہنے کے بعد گوہر آراء رکی، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ”بھائی! آپ کی اطلاع کے لئے میں یہ بھی کہہ دوں کہ اس دوران ماہ الملک تقریباً ہر روز ہماری طرف گئی۔ ہفتے میں تین چار بار بڑے ابا فیروز مرزا بھی جاتے رہے۔ اس کے علاوہ آپ کے بڑے بھائی شرف الدین اور آپ کے بڑے ابا کے دونوں بیٹے عباد الدین، قادر خان بھی گاہے گاہے ہماری طرف جاتے رہے۔ ہماری احوال پرسی کرتے رہے۔ یہیں تک نہیں، آپ کی امی قرہ خاتون، آپ کی خالہ تقدیس خانم یہاں تک کہ بوڑھی دادی مہر النساء تک روز ہمارے ہاں جاتے رہے اور

Marfat.com

روز ہم شام کے وقت دونوں بہنیں یہاں آتی رہیں۔ لیکن اگر کوئی نہیں گیا تو میرے بھائی وہ تم ہو۔ اگر یہاں ہماری آمد کے بعد کسی نے ہم سے گفتگو نہیں کی، کسی نے......"

گوہر آراء یہیں تک کہنے پائی تھی کہ بیچ میں انتہائی انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہاب الدین بول اٹھا۔

"آپ کو اس قدر طویل گفتگو کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اگر اس سلسلے میں مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو میں آپ دونوں بہنوں کے علاوہ آپ کی ماتا سے بھی معذرت خواہ ہوں۔ آپ دونوں سے تو یہیں بیٹھے بیٹھے معذرت کر لیتا ہوں۔ ماتا سے آپ کی حویلی میں جا کر کرلوں گا۔ اب بولیں مزید آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

شہاب الدین کے ان الفاظ پر گوہر آراء خوش ہو گئی تھی۔ پاربتی بھی بڑے خوش کن انداز میں ہلکے ہلکے تبسم کے ساتھ اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اس موقع پر ماہ الملک نے پھر شہاب الدین کو مخاطب کیا، ساتھ ہی اس نے اروما دیوی کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ اس لڑکی کو جانتے ہیں کون ہے؟"

شہاب الدین نے شکایت بھرے انداز میں ماہ الملک کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

"میں اتنا بھی انجان نہیں ہوں کہ اروما دیوی کو نہ پہچان سکوں۔ جب میں چھوٹا تھا، قندھار نہیں گیا تھا تو یہ اپنی بڑی بہن سمرہ کے ساتھ کئی بار ہمارے ہاں آئیں اور ہمارے ہاں رہتی رہی ہیں۔ ٹھیک ہے اس وقت میں بھی بچہ تھا، یہ بھی بچی تھی لیکن چہرے کے نقش و نگار میں کوئی اتنا بڑا طوفان تو برپا نہیں ہو جاتا، اتنی بڑی تبدیلی تو رونما نہیں ہو جاتی کہ میں پہچان ہی نہ سکوں۔

اس موقع پر اروما دیوی نے شہاب الدین کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔

"بھائی! آپ کی بڑی مہربانی ہے کہ آپ نے مجھے یاد رکھا اور مجھے پہچانا۔"

اروما دیوی کے ان الفاظ کا جواب شہاب الدین دینا ہی چاہتا تھا کہ اسی لمحہ اس کی ماں قرہ خاتون غصے کی حالت میں اس کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ قریب آ کر وہ انتہائی خفگی سے شہاب الدین کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ شہاب الدین اپنی ماں کی یہ حالت دیکھتے ہوئے بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا پھر اپنی ماں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"امی! قسم خداوند کی، میں اپنی خوشی اور اپنی مرضی سے ان لڑکیوں کے بیچ میں آ کر

Marfat.com

نہیں بیٹھا۔ میں تو بڑے ابا کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ ماہ الملک کے کمرے کے سامنے اس لئے آیا کہ ماہ الملک سے پوچھوں کہ بڑے ابا کہاں ہیں اور ماہ الملک کھینچ کر مجھے اندر لانا چاہتی تھی، میں نہیں آ رہا تھا۔ گوہر آپا نے مجھے اندر بلایا تو میں اندر آیا۔ جب انہوں نے بیٹھنے کے لئے کہا تو میں بیٹھ گیا۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

شہاب الدین کے ان الفاظ پر قرہ خاتون کا غصہ جاتا رہا تھا۔ چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہو گیا تھا، پھر کہنے لگی۔

"بیٹے! میں نے تمہارے یہاں بیٹھنے پر تو کوئی اعتراض نہیں کیا۔ یہ ساری بچیاں اپنی ہیں بلکہ تمہیں تو ان کی حویلی میں جا کر ان کی احوال پرسی کرنی چاہئے۔ ان کے پاس بیٹھنا چاہئے۔ مجھے تو ایک اور ہی معاملے میں تم پر غصہ اور اعتراض ہے۔"

شہاب الدین نے سکھ کا ایک لمبا سانس لیا پھر کہنے لگا۔

"اب دوسرا کون سا موضوع اٹھ کھڑا ہوا ہے جسے آپ میرے خلاف غصے کا بہانہ بنانا چاہتی ہیں؟"

قرہ خاتون نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔

"ابھی ابھی مجھے قاورد نے بتایا ہے کہ تم نے اس کے ساتھ صلاح مشورہ کیا ہے اور دونوں نے مل کر یہ طے کیا ہے کہ تم دونوں آج یہاں سے دکن کی طرف کوچ کرو گے اور قاورد نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ تم بڑے ابا کو ڈھونڈتے پھر رہے ہو تاکہ پہلے ان سے اجازت لے کر انہیں اس بات پر آمادہ کر لو کہ تمہیں دکن جانے کی اجازت دے دی جائے اور انہیں آمادہ کرنے کے بعد التجا کرو کہ وہ مجھے اور تمہارے دادا کو تمہارے جانے پر آمادہ کر لیں۔"

تھوڑی دیر پہلے بھولی بھالی باتیں کرنے والا شہاب الدین سنجیدہ ہو گیا تھا۔ چہرے پر نت، آنکھوں میں انتقام کی جھلک اتر آئی تھی۔ پھر اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اماں! میرے باپ، میرے چچا، میری چچی کو قتل کرنے والوں میں سے پانچ ہمارے ہاتھوں مارے گئے۔ دو دکن کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ کیا میں انہیں یونہی دندناتا چھوڑ دوں؟ اماں! وہ تو دکن کی طرف گئے ہیں۔ قسم خداوند قدوس کی وہ کسی تہہ خانے یا زمین کی پاتال میں بھی اترنے کی کوشش کرتے تو میں اپنے باپ، چچا اور چچی کا

Marfat.com

انتقام لینے کے لئے وہاں بھی ان کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوتا۔ اماں! میں آپ کی منت کرتا ہوں۔ اگر آپ کہتی ہیں تو میں آپ کے پاؤں پڑ جاتا ہوں۔ اس معاملے میں مجھے روکئے گا نہیں۔“

پھر ایک دم شہاب الدین کو نہ جانے کیا ہوا، آگے بڑھا، زمین پر اپنے آپ کو گراتے ہوئے اپنی ماں قرہ خاتون کے دونوں پاؤں پکڑ لئے پھر بڑے کرب خیز انداز میں کہنے لگا۔

”اماں! آپ کے قدموں میں میری جنت ہے۔ میں آپ کو ناراض، آپ کو خفا نہیں کرسکتا۔ آپ کو ناراض رکھتے ہوئے میں یہاں سے کوچ بھی نہیں کرسکتا نہ کروں گا۔ اماں! میں آپ کی منت کرتا ہوں۔ اگر آپ کہتی ہیں تو آپ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیتا ہوں کہ مجھے دکن کی طرف جانے سے روکیے گا نہیں۔ میں قاتلوں کو کسی صورت معاف نہیں کروں گا۔ اماں! یہ جو تین افراد کے قاتل ہیں، ابھی تو مجھے اپنے بھائی مجتبیٰ خان کے قاتلوں کو تلاش کرنا ہے اور انہیں بھی ان کے انجام تک پہنچانا ہے۔ آپ ابھی سے مجھ پر پہرے اور پابندیاں لگانے لگی ہیں۔“

شہاب الدین کی اس گفتگو پر قرہ خاتون پگھل کر رہ گئی تھی۔ آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ نیچے جھک کر اس نے شہاب الدین کو اٹھایا، گلے لگایا، اس کی پیشانی چومی پھر کہنے لگی۔

”اچھا، تُو اپنے کمرے کی طرف جا۔ اس سلسلے میں تیرے بڑے ابا اور دادا سے بات کی جائے گی۔ پھر دیکھتے ہیں وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ اب تُو جا۔“

اپنی ماں کے ان الفاظ پر شہاب الدین کسی قدر مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ قرہ خاتون آگے بڑھ کر وہیں ہو بیٹھی جہاں تھوڑی دیر پہلے شہاب الدین بیٹھا ہوا تھا پھر ماہ الملک، گوہر آراء، پاربتی اور اروما کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”اس لڑکے کے ذہن میں نہ جانے کیا جنون سوار ہو گیا ہے۔ اس نے مجھے عجیب سی الجھن میں ڈال دیا ہے۔ اگر روکتی ہوں تو اس کی دل شکنی ہوتی ہے اور مجھے اس کی دل شکنی بھی پسند نہیں۔ اس لئے کہ یہ وہ بیٹا ہے جس کا کہا میں نے کبھی ٹالا نہیں۔ اور ساتھ ہی اس نے بھی کبھی میری بات ماننے سے انکار نہیں کیا۔ اب اس نے مجھے عجیب

Marfat.com

سے مخمصے میں ڈال کر رکھ دیا ہے۔ یہ دکن کی طرف جانا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں قاورد خان بھی اس کا ساتھ دینا چاہتا ہے۔ اب ان دو بچوں کو میں کیسے اس طرح تنہا جانے کی اجازت دے دوں۔ کوئی ایسا طریقہ بھی نظر نہیں آتا جس کے ذریعے اسے روک سکوں۔''

قرہ خاتون جب خاموش ہوئی تب گوہر آراء بول اٹھی۔

''خالہ! آپ کی آمد سے پہلے میں اس سے یہی پوچھنے لگی تھی کہ وہ بڑے ابا کو کیوں تلاش کرتا پھر رہا ہے لیکن آپ آ گئیں۔ لہٰذا موضوع بدل گیا۔ اب پتہ چل گیا ہے کہ وہ بڑے ابا کو کیوں تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔ اس سلسلے میں، میں بھی شہاب الدین سے بات کروں گی۔ وہ بڑا محبت کرنے والا اور بات ماننے والا ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں اسے سمجھاؤں گی۔''

اس موقع پر ماہ الملک کو نجانے کیا سوجھی، اپنا منہ قرہ خاتون کے کان کے قریب لے گئی، پھر کہنے لگی۔

''خالہ اچھا ہوا آپ یہاں آ گئیں۔ میں خود ہی ایک موضوع پر آپ سے بات کرنے والی تھی۔ اس سے پہلے آپ جانتی ہیں کہ میں نے بات کی تھی کہ شہاب الدین کے لئے پاربتی کو مانگنا چاہئے۔ شہاب الدین کے لئے ہمیں دنیا بھر میں پاربتی سے زیادہ خوبصورت اور حسین لڑکی نہیں ملے گی۔ آج میں نے ایک اور فیصلہ بھی کیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ غلط ہی ہو لیکن اس میں میرے خیال میں بہتری ہی ہے۔ خالہ! اگر ہم گوہر آراء کو اپنے بھائی عباد الدین کے لئے مانگ لیں تو کیسا رہے گا؟ اس طرح دونوں خاندان بلکہ تین خاندان آپس میں مربوط ہو کر رہ جائیں گے۔''

ماہ الملک کے ان الفاظ پر قرہ خاتون خوش ہو گئی تھی پھر کہنے لگی۔

''ماہ الملک میری بچی! اس سلسلے میں مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن پہلے تمہاری ماں، تمہارے باپ اور دادا سے اس موضوع پر گفتگو کرنی چاہئے۔ اگر وہ راضی ہو جائیں تو میں سمجھتی ہوں یہ بہت اچھا فیصلہ ہو گا۔''

ماہ الملک پھر قرہ خاتون کے کان میں کہنے لگی۔

''خالہ! اس سلسلے میں پہلے گوہر آراء سے بات تو کر لینی چاہئے۔ اگر گوہر آراء ہی راضی نہ ہوئی تو پھر بات کو آگے بڑھانے سے کیا فائدہ؟''

Marfat.com

قرہ خاتون پھر دھیمے سے لہجے میں مسکراتے ہوئے بول اٹھی۔
"یہ بھی تم ٹھیک کہتی ہو۔ بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ انکار ہو جائے گا۔"
قرہ خاتون کے ان الفاظ کے ساتھ ہی گوہر آراء ان دونوں کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔
"دونوں خالہ بھانجی آپس ہی میں باتیں کرتی رہیں گی یا ہمیں بھی بتائیں گی کہ بات کس موضوع پر ہو رہی ہے۔"
قرہ خاتون نے ماہ الملک کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔
"اب بتاؤ کیا بات ہوئی ہے؟"
ماہ الملک نے قرہ خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔
"خالہ! یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے اس موضوع پر میں گفتگو کروں۔ آپ خود ہی اس کی ابتداء کریں پھر دیکھیں نتیجہ کیا آتا ہے۔"
قرہ خاتون نے پہلے ایک گہری نگاہ باری باری گوہر آراء، راجکماری پاربتی، راجکماری اروما پر ڈالی پھر کہنے لگی۔
"گوہر آراء میری بیٹی! بات یہ ہے کہ قرہ خاتون تم تینوں سے متعلق اپنی ایک خواہش کا اظہار کر رہی تھی اور اس خواہش کا اظہار اس سے پہلے بھی ایک بار یہ کر چکی ہے۔ اب اس کی تفصیل میں تمہیں بتاتی ہوں۔ پہلے ایک موقع پر اس نے مجھے اور اپنی ماں سے کہا تھا کہ راجکماری پاربتی کو شہاب الدین کے لئے مانگ لیا جائے اور راجکماری اروما کا رشتہ قاورد خان کے لئے مانگا جائے۔ اس سلسلے میں اس کی ماں نے بھی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔ اب پتہ نہیں اروما اور پاربتی اس کے لئے تیار ہوتی ہیں کہ نہیں۔ آج جو اس نے نیا فیصلہ دیا ہے بیٹی! وہ تمہارے متعلق ہے۔ ماہ الملک چاہتی ہے کہ تمہارا رشتہ میری بہن تقدیس خانم کے بیٹے اور ماہ الملک کے بڑے بھائی عباد الدین کے ساتھ کر دیا جائے۔ یہی وہ گفتگو ہے جو بڑی رازداری کے ساتھ ماہ الملک مجھ سے کر رہی تھی۔ اب کیونکہ بات تم تینوں سے متعلق ہے لہٰذا تم تینوں اپنے اپنے فیصلے سے مجھے آگاہ کر دو تاکہ اسی انداز میں بات کو آگے بڑھایا جائے۔"
اس انکشاف پر گوہر آراء ہی نہیں، پاربتی اور اروما بھی خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔

Marfat.com

پھر گوہر آراء بول اٹھی۔

''خالہ! خدا جھوٹ نہ بلوائے، میں قسمیہ آپ سے کہتی ہوں کہ میں خود اپنے دل میں یہ ٹھان چکی تھی کہ پاربتی کی شادی شہاب الدین سے کراؤں گی۔ اس لئے کہ شہاب الدین مجھے پسند ہے۔ لیک موقع پر اس موضوع پر میں نے پاربتی سے بھی بات کی تھی اور اس نے خوشنودی کا اظہار کیا تھا بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس فیصلے پر ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ میں آپ لوگوں سے یہ بھی کہوں کہ اندر ہی اندر پاربتی، شہاب الدین کو پسند کرتی ہے لیکن اس کا اظہار اس نے آج تک اپنی زبان سے کیا ہے نہ اپنی آنکھوں سے نہ اپنی حرکات سے۔ جہاں تک میرے ماتا پتا کا تعلق ہے تو ان سے متعلق آپ بالکل بے فکر رہیں۔ میں انہیں اس رشتے پر رضامند کرلوں گی۔ بلکہ وہ اس رشتے پر خود اپنی خوشی کا اظہار کریں گے۔ میں آپ کو ضمانت دیتی ہوں کہ میری طرف سے آج سے آپ پاربتی کو شہاب الدین کی امانت سمجھ سکتے ہیں۔''

گوہر آراء رکی، کچھ سوچا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے تو ارادہ کیا ہوا تھا کہ میں دوسری شادی نہیں کروں گی۔ نجانے دوسرا شوہر کیسا ملے، مجھے کہاں رکھے، میرے ساتھ کیا سلوک کرے۔ اگر آپ عباد الدین کے لئے مجھے مانگتی ہیں تو اس کے لئے میں تیار ہوں۔ اس لئے کہ وہ میرا دیکھا بھالا ہے۔ اس کے مزاج سے میں واقف ہوں اور پھر مجھے اور میری چھوٹی بہن کو ایک ہی حویلی مین رہنے کا موقع ملے گا۔ میں سمجھتی ہوں اس سے بڑھ کر میری اور میری چھوٹی بہن کی خوش قسمتی ہو ہی نہیں سکتی۔ اب دو موضوع تو ختم ہوئے۔ تیسرا موضوع اروما کا رہ جاتا ہے۔ یہ خود بتائے گی کہ اس کے کیا خیالات ہیں۔''

اس موقع پر ماہ الملک بول اٹھی۔

''اروما کو اب مجھ پر چھوڑ دیں۔ اس کا تو میں کان پکڑ کر بنارس سے یہاں دہلی لے آؤں گی۔''

اروما کی گردن جھک چکی تھی تاہم وہ مسکرا رہی تھی۔ خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے قرہ خاتون کہنے لگی۔

''اروما کے ساتھ بھی ہمارا گھر کا معاملہ ہے۔ اس کے ماتا پتا قاورد کے لئے انکار نہیں کریں گے۔''

Marfat.com

جواب میں گوہر آراء کچھ کہنا چاہتی تھی کہ رک گئی۔ اس لئے کہ اس کمرے کے دروازے پر گوہر آراء اور راجکماری پاربتی کی ماتا بشن کماری نمودار ہوئی تھی۔ دروازے پر کھڑے ہی کھڑے گوہر آراء کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''گوہر آراء! تم دونوں بہنوں نے آج گھر نہیں جانا؟ کیا رات یہیں بسر کرنے کا ارادہ ہے؟ دیکھو سورج غروب ہونے کے نزدیک پہنچ گیا ہے اور کھانے پکانے کا بھی کچھ کرنا ہے۔''

اتنی دیر تک ماہ الملک اپنی جگہ سے اٹھ کر بشن کماری کی طرف گئی، اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لائی پھر کہنے لگی۔

''آپ بیٹھیں، آج آپ کے ہاں کھانا نہیں پکے گا۔ کھانا آپ سب لوگ یہیں کھائیں گے اس کے بعد اپنی حویلی میں جائیں گے۔ ویسے بھی آپ بڑے اچھے موقع پر پہنچی ہیں۔ ہم ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کر رہے تھے اور اس گفتگو میں آپ کا شریک ہونا بڑا لازم تھا۔''

پھر ماہ الملک نے اپنی خالہ قرہ خاتون کی طرف دیکھا۔

''خالہ! تھوڑی دیر پہلے جس موضوع پر گفتگو ہوئی اس موضوع کی تفصیل گوہر آراء اور پاربتی کی ماتا سے بھی کہیں۔''

جواب میں قرہ خاتون نے اثبات میں گردن ہلائی پھر ساری تفصیل اس نے بشن کماری سے کہہ دی۔

ساری تفصیل جاننے کے بعد کچھ دیر تک بشن کماری مسکراتی رہی پھر کہنے لگی۔

''ان دونوں رشتوں پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ اگر ایسا ہوتا ہے تو اس میں تو ہماری خوشی اور ہماری خوشنودی ہے۔ میں اور میرے شوہر تو اپنے آپ کو خوش قسمت خیال کریں گے کہ گوہر آراء اور میری بیٹی راج کماری پاربتی دونوں محمد امین خان کے گھر آئیں۔ اور پھر شہاب الدین جیسے داماد تو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں۔''

قرہ خاتون نے آگے بڑھ کر بشن کماری کو گلے لگا لیا۔ کہنے لگی۔

''میری بہن! ایسی گفتگو کر کے آپ نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اب آپ چاروں یہیں بیٹھیں۔ میں اور ماہ الملک کھانا تیار کرتی ہیں پھر سب اکٹھے بیٹھ کر کھاتے ہیں۔''

Marfat.com

قرہ خاتون کے ان الفاظ کے ساتھ ہی اچھلنے کے انداز میں راج کماری پاربتی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی پھر قرہ خاتون کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”آپ اور ماہ الملک مطبخ کی طرف کیوں جائیں گی۔ آپ، ماتا، گوہر آپا تینوں یہاں بیٹھیں۔ مطبخ کا جس قدر کام ہے، میں اور ماہ الملک اور اروما کر سکتی ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی اروما بھی کھڑی ہو گئی تھی۔ پھر تینوں وہاں سے اٹھ کر مطبخ کی طرف چلی گئی تھیں۔

❁ ...... ❁

Marfat.com

●●●

ادھر شہاب الدین جب ماہ الملک کے کمرے سے نکل کر دیوان خانے کی طرف گیا تو دیوان خانے کے قریب عباد الدین کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے شہاب الدین کو بلایا۔ شہاب الدین اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور استفہامیہ سے انداز میں پوچھا۔

"کیا بات ہے بھائی ...... خیریت تو ہے؟"

عباد الدین دھیمے سے لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ابا اور دادا دونوں اس وقت دیوان خانے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ شرف الدین بھی وہیں ہے۔ قادر د اور تم دونوں بھائیوں نے دکن جانے کا صلاح مشورہ کیا تھا، اس کی تفصیل قادرد نے دادا اور ابا کو بتا دی ہے۔ اس بناء پر دونوں تمہیں بلا رہے ہیں۔"

شہاب الدین نے کچھ سوچا پھر منت کرنے کے انداز میں عباد الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"بھائی میرا ایک کام کرو۔ دیوان خانے کے دروازے پر جاؤ اور بڑے ابا کو ساتھ والے کمرے میں بلاؤ۔ میں وہیں ان کا انتظار کرتا ہوں۔ پہلے مجھے ان سے کچھ کہنا ہے، اس کے بعد میں دادا کے پاس جاؤں گا۔"

عباد الدین نے گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

"وہ تمہیں دیوان خانے میں بلا رہے ہیں اور تم ابا کو یہاں بلانا چاہتے ہو؟"

شہاب الدین نے عباد الدین کی طرف دیکھا پھر شکوہ کرنے کے انداز میں کہنے لگا۔ "آپ کس قسم کے بڑے بھائی ہیں۔ بڑے بھائی تو چھوٹوں کے لئے بڑے رحم دل ہوتے ہیں۔ آپ میری بات ہی نہیں مان رہے۔"

Marfat.com

عبادالدین مسکرا دیا کہنے لگا۔

''اچھا تو ساتھ والے کمرے میں جائیں ابا کو وہیں بلاتا ہوں۔''

عبادالدین دیوان خانے کے دروازے کی طرف کھڑا ہوا، ہاتھ کے اشارے سے اپنے باپ فیروز مرزا کو باہر بلایا۔ اس پر فیروز مرزا اپنے باپ امین خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابا! میں تھوڑی دیر تک آیا۔ عبادالدین بلا رہا ہے۔ شاید کوئی ضروری کام ہے۔''

اس کے ساتھ ہی فیروز مرزا دیوان خانے سے باہر نکلا۔ عبادالدین اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''شہاب الدین ساتھ والے کمرے میں بیٹھا ہوا ہے۔ وہ آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے میرے خیال میں آپ سے بات کرنے کے بعد وہ پھر دادا کے پاس دیوان خانے میں جائے گا۔''

فیروز مرزا نے جواب میں کچھ نہ کہا بس مسکراتے ہوئے ساتھ والے کمرے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی شہاب الدین اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ مسکراتے ہوئے فیروز مرزا آگے بڑھا۔ شہاب الدین کے قریب بیٹھ گیا۔ اپنا بازو اس کے شانے پر رکھا پھر بڑی شفقت سے کہنے لگا۔

''میرے بیٹے نے کیوں مجھے علیحدگی میں بلایا ہے؟ دیکھو، ابا تمہیں دیوان خانے میں بلا رہے ہیں اس لئے کہ قاورد نے مجھ پر اور ابا پر انکشاف کر دیا ہے کہ تم اور قاورد خان دونوں دکن جانا چاہتے ہو۔ کیوں جانا چاہتے ہو، ابا بھی تم سے یہی سوال کریں گے لہٰذا میں بھی تم سے یہی پوچھتا ہوں۔''

شہاب الدین کچھ دیر خاموش رہا پھر بڑی عاجزی سے فیروز مرزا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''بڑے ابا! میرے باپ، میرے چچا، میری چچی کو قتل کرنے والے دو قاتل دکن کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ میں جانتا ہوں وہ کہاں قیام کریں گے۔ اس کے باوجود آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ میں اور قاورد خان دکن کیوں جانا چاہتے ہیں۔ بڑے ابا! جو بات میں آپ سے کہہ سکتا ہوں، وہ دادا سے نہیں کہہ سکتا۔ دادا اگر مجھ سے ناراض ہوئے تو ان کی ناراضگی میرے لئے ناقابل برداشت ہو گی۔ اب ابا اور بڑے ابا

Marfat.com

دونوں ہی آپ ہیں۔ اس لئے جو بات میں آپ سے کہہ سکتا ہوں وہ دادا سے نہیں کہہ سکتا۔ اور میں صاف کہے دیتا ہوں کہ اگر مجھے اور قاور د خان کو دکن جانے کی اجازت نہ دی گئی تو قاور د خان کا میں کچھ نہیں کہتا لیکن میں خود ہی چوری چھپے دکن کی طرف بھاگ جاؤں گا اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا۔ اور ساتھ یہ بھی کہے دیتا ہوں کہ اپنے خاندان کے دشمنوں کا صفایا بھی کرتا چلا جاؤں گا۔ کسی کو زندہ نہیں رہنے دوں گا۔ بس اب یہی میری زندگی کا مقصد ہے۔ میں نے آپ کو علیحدہ اس لئے بلایا ہے کہ میں آپ کی منت کرتا ہوں کہ آپ دادا سے میری سفارش کیجئے کہ وہ مجھے اور قاور د خان دونوں کو دکن جانے کی اجازت دے دیں۔ اگر وہ قاور د خان کو روکنا چاہیں تو کم از کم مجھے دکن جانے دیں۔ میں نے دشمنوں کا تعاقب کرنے اور انہیں ٹھکانے لگانے کے لئے جو منصوبہ اپنے ذہن میں بنا رکھا ہے، ہر صورت میں اس کی تکمیل کروں گا۔"

فیروز مرزا نے بڑے پیارے انداز میں شہاب الدین کو اپنے ساتھ لپٹا لیا، اس کی پیشانی چومی پھر کہنے لگا۔

"میرے بچے! تمہیں اس طرح مجھے علیحدگی میں بلا کر یہ گفتگو نہیں کرنی چاہئے تھی۔ تمہارے دادا ابا تمہیں کتنا چاہتے ہیں، شاید تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔ وہ تمہیں اپنے خاندان کا گوہرِ آبدار سمجھتے ہیں۔ اب تم اٹھو اور ساتھ والے کمرے میں چلو۔ قاور د خان نے مجھے اور ابا کو بتا دیا ہے کہ تم دونوں دکن جانا چاہتے ہو۔ اور کیوں جانا چاہتے ہو اس کی بھی تفصیل کہہ دی ہے۔ بیٹے! تم بڑے ابا کے سامنے تو جاؤ۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں ابا تمہارا کوئی کہا ٹالیں گے نہیں۔"

شہاب الدین کسی قدر خوش اور مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر فیروز مرزا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"بڑے ابا! پہلے آپ دیوان خانے کی طرف جائیں۔ اس کے بعد میں آتا ہوں۔"

مطمئن ہو کر فیروز مرزا نشست سے اٹھا اور دیوان خانے میں چلا گیا تھا۔ عباد الدین بھی اس کے ساتھ دیوان خانے میں داخل ہو کر ایک نشست پر بیٹھ گیا تھا۔ اسی لمحہ صحن کی طرف سے شہاب الدین کا بڑا بھائی شرف الدین بھی نمودار ہوا اور وہ بھی دیوان خانے میں عباد الدین کے پاس جا بیٹھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد شہاب الدین دیوان خانے میں داخل ہوا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا

Marfat.com

اپنے دادا کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

امین خان نے محبت بھری مسکراہٹ میں شہاب الدین کی طرف دیکھا پھر اس کی نرم آواز سنائی دی۔ ''بچے! تُو اس طرح میرے سامنے کیوں کھڑا ہو گیا ہے؟ جس طرح قاورد خان میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے اس طرح تُو بھی میرے سامنے بیٹھ تاکہ میں گفتگو کا آغاز کروں۔''

جواب میں شہاب الدین حرکت میں آیا اور ہاتھ باندھ کر وہیں کھڑا رہا۔ اس کے بعد دھیمے سے لہجے میں کہنے لگا۔

''دادا حضور! جس موضوع پر آپ گفتگو کرنا چاہتے ہیں، میں جانتا ہوں اس کی پوری تفصیل قاورد خان آپ سے کہہ چکا ہے۔ اس وقت تک اسی حالت میں آپ کے سامنے کھڑا رہوں گا جب تک آپ مجھے دکن جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ دادا ابو! کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے دو بیٹوں کے قاتل دندناتے پھریں اور کوئی ان سے باز پرس کرنے والا نہ ہو؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بہو کے قاتل دکن چلے جائیں اور اپنی بہادری اور جرأت مندی کی ڈینگیں مارتے رہیں۔ لاف و گزاف بکتے رہیں اور ہم ان کی باتیں سن سن کر ڈرے ڈرے سے، سہمے سہمے سے اپنے کمروں کے اندر دبک جائیں؟

دادا ابو! ہم اب بچے نہیں، جوان ہیں۔ ایک دفعہ آپ مجھے جانے کی تو اجازت دیں۔ میرے جانے کے کچھ عرصہ بعد اگر آپ نے اچھی خبریں نہ سنیں تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں آپ مجھے گھر میں داخل نہ ہونے دیجئے گا۔ نکال دیجئے گا۔ اس لئے کہ میں خود سمجھوں گا کہ میں اس قابل نہیں کہ امین خان جیسے عظیم ترک کے خاندان اور حویلی میں قیام کروں۔''

شہاب الدین کی اس گفتگو سے لگتا تھا امین خان بے حد متاثر ہوا تھا۔ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا، آگے بڑھ کر اس نے شہاب الدین کو گلے لگایا، اس کی پیشانی، اس کے گال چومے پھر بڑی محبت سے کہنے لگا۔

''شہاب الدین میرے بچے! قندھار سے لوٹنے کے بعد تُو زیادہ ہی ہوشیار اور چالاک ہو گیا ہے۔ تُو جانتا ہے تیرا دادا تجھ سے کس قدر پیار اور محبت کرتا ہے۔ تُو اسی لئے میرے سامنے آن کھڑا ہوا کہ تیرے اس طرح مجرمانہ انداز میں کھڑا ہونے سے

Marfat.com

تیرا دادا پگھل کر رہ جائے گا اور تیری ہر بات ماننے پر تیار ہو جائے گا۔ سو میرے بچے! میں تیری بات مانتا ہوں۔ میں تم دونوں کو دکن جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ پر بیٹھو، میں اس موضوع پر تم دونوں سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں روکوں گا نہیں، بخوشی دکن جانے کی اجازت دوں گا۔ پھر وہاں جا کر تم نے جو کرنا ہے اس سے متعلق میری کچھ ہدایات بھی تو سنو۔"

امین خان کے ان الفاظ پر شہاب الدین ایسا خوش ہوا کہ چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ پھر آگے بڑھا، اپنے دونوں بازو پھیلا کر امین خان کو اس نے اپنے بازو میں لے کر لپٹا لیا تھا۔ پھر چہکتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

"دادا! آپ نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔"

پھر سہارا دے کر شہاب الدین نے امین خان کو اس کی نشست پر بٹھایا، تیزی سے پلٹا۔ سامنے قاوردخان کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"دادا ابو! اب کہیں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ میں اور قاوردخان غور سے سنیں گے۔"

کچھ دیر خاموش رہ کر محمد امین خان نے کچھ سوچا پھر ہونٹوں پر زبان پھیری اور کہنے لگا۔"میں تم دونوں کو دکن جانے کی اجازت تو دے چکا ہوں لیکن میرے بچو! یہاں سے روانہ ہونے کے بعد دکن میں سیدھے میرے بھتیجے نظام الملک کے پاس جانا۔ ان دنوں نظام الملک کا بیٹا غازی الملک اور تم دونوں کا ماموں حیدر بیگ بھی وہیں قیام کئے ہوئے ہیں۔ ان سے اپنا مدعا بیان کرنا۔ اس کے بعد میرے بچو! جو کام کرنا ان تینوں کے صلاح مشورے سے کرنا۔ اگر اس کام کے سلسلے میں تم دونوں نظام الملک کے پاس نہ گئے، ان کے مشوروں پر عمل نہ کیا تو میں یہ جانوں گا کہ تم دونوں کی نگاہوں میں تمہارے دادا امین خان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور یہ......"

یہاں تک کہتے کہتے امین خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے احتجاجاً شہاب الدین بول اٹھا تھا۔

"دادا! اس سے آگے کچھ نہ کہئے گا۔ ہم اپنی جانیں ضائع کر سکتے ہیں پر آپ کا کہا ٹال نہیں سکتے۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ میں اور قاوردخان دونوں بھائی یہاں سے روانہ ہو کر سیدھا نظام الملک اور ماموں حیدر بیگ کا رخ کریں گے۔ ابھی تک ان

Marfat.com

لوگوں کو ابا اور چچی کے مرنے کی خبر نہیں ہوئی ہوگی۔ سارے حالات ان سے کہیں گے پھر ان سے مشورہ کرنے کے بعد ہی ہم قاتلوں اور ان کے پشت بانوں کے خلاف حرکت میں آئیں گے۔"

شہاب الدین کی اس گفتگو سے امین خان بھی کسی قدر مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر کہنے لگا۔ "اب تم یہ بتاؤ تم دونوں بھائی کب تک روانہ ہونا چاہتے ہو؟"

بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے شہاب الدین بول اٹھا تھا۔

"دادا ابو! میں اور قاوردخان آج ہی عشاء کے بعد یہاں سے کوچ کرنا پسند کریں گے۔ اس لئے کہ کوچ کے لئے ہم دونوں کی تیاری بالکل مکمل ہے۔ جو سامان ہم نے ساتھ لے کر جانا ہے وہ بھی ہم نے تیار کر دیا ہے۔"

شہاب الدین کے ان الفاظ کے ساتھ ہی امین خان اٹھ کھڑا ہوا اور ان سے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اچھا، تم دونوں بھائی اپنی تیاری کو آخری شکل دو۔ میں تمہاری ماں سے بات کرتا ہوں۔ وہ تم دونوں کے لئے زادِ راہ تیار کر دے اور ساتھ ہی تم دونوں کی ماؤں کو سمجھا بھی دیتا ہوں کہ وہ تمہیں دکن جانے سے نہ روکیں۔"

دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے امین خان نے فیروز مرزا کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ "فیروز مرزا! تم بھی میرے ساتھ آؤ۔"

پھر اس نے شہاب الدین کے بڑے بھائی شرف الدین اور قاوردخان کے بڑے بھائی عباد الدین دونوں کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

"تم اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں کی تیاری میں مدد کرو۔"

اس کے ساتھ ہی امین خان فیروز مرزا کو لے کر دیوان خانے سے نکل گیا تھا۔

دیوان خانے سے نکلنے کے بعد محمد امین خان نے اپنے بیٹے فیروز مرزا کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"فیروز مرزا! میں ماہ الملک کے کمرے کی طرف جاتا ہوں۔ تم قرہ خاتون اور تقدیس خانم دونوں بہنوں کو وہیں لے کر آؤ۔ ماہ الملک کی موجودگی ہی میں ساری گفتگو ہو جائے گی۔"

اس کے ساتھ ہی امین خان آگے بڑھ گیا تھا۔ فیروز مرزا بائیں جانب مڑا تھا۔

Marfat.com

امین خان جب ماہ الملک کے کمرے کے دروازے پر گیا تو اس نے دیکھا کمرے میں اس وقت قرہ خاتون کے علاوہ بشن کماری اور گوہر آراء بیٹھی ہوئی تھیں۔

محمد امین خان کو دیکھتے ہی تینوں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئیں پھر گوہر آراء بڑی عقیدت میں کہنے لگی۔

''دادا ابو! آپ رک کیوں گئے ہیں؟ اندر آئیں ناں......''

امین خان مسکراتے ہوئے آگے بڑھا۔ ایک نشست پر بیٹھ گیا۔ اس وقت کمرے میں فیروز مرزا اور تقدیس خانم بھی داخل ہوئے تھے۔ وہ بھی امین خان کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ پھر امین خان نے شہاب الدین اور قاورد خان کے دکن جانے کی تفصیل کہہ دی تھی۔ ساتھ ہی قرہ خاتون اور تقدیس خانم کو یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ ان دونوں کو دکن جانے سے روکیں نہیں۔

امین خان کے اس فیصلے پر کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ پھر امین خان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

''دونوں بہنیں مل کر دونوں بچوں کا زادِ راہ بھی تیار کر دینا۔''

اس کے ساتھ ہی امین خان اس کمرے سے نکل گیا تھا۔ فیروز مرزا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ دونوں دیوان خانے کی طرف ہو لئے تھے۔

حویلی کے ایک کمرے میں شہاب الدین اور قاورد خان دونوں اپنا سامان درست کر رہے تھے۔ کمرے میں شہاب الدین کا بڑا بھائی شرف الدین اور قاورد خان کا بڑا بھائی عباد الدین داخل ہوئے تھے۔

شرف الدین کو دیکھتے ہی شہاب الدین اس کی طرف لپکا۔ اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے گیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بھائی! میں آج رات رخصت ہو رہا ہوں۔ لیکن رخصت ہونے سے پہلے میں آپ سے ایک خوشخبری کہنا چاہتا ہوں اور وہ خوشخبری آپ کے لئے ہے۔ شاید آپ کو یہ خبر نہیں کہ آپ کا رشتہ ماہ الملک کے ساتھ طے کیا جا رہا ہے۔ بلکہ یوں جانیں طے کر دیا گیا ہے۔ مجھے بھی پہلے خبر نہ تھی۔ تھوڑی دیر پہلے بھائی عباد الدین نے مجھے یہ خبر دی ہے۔ دادا حضور فیصلہ کر چکے ہیں کہ شرف الدین اور ماہ الملک کو ایک کر دیا جائے۔ کہو یہ خوشخبری ہے کہ نہیں؟''

Marfat.com

جواب میں شرف الدین نے ہلکی سی چپت شہاب الدین کے گال پر لگائی پھر کہنے لگا۔ ”گو یہ خبر آج ہی میں نے تھوڑی دیر پہلے سنی ہے۔ لیکن اب تو یہ خبریوں جانو پرانی ہو چکی ہے۔ اسے خوشخبری نہیں کہا جا سکتا۔ بہرحال میں اور عباد الدین اس لئے آئے ہیں کہ تمہاری تیاری میں تمہاری مدد کریں۔“

شرف الدین کے ان الفاظ کے جواب میں شہاب الدین کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اسی وقت اس کمرے میں تقدیس خانم، قرہ خاتون، ماہ الملک، بشن دیوی، گوہر آراء، پاربتی، اروما دیوی داخل ہوئی تھیں۔ سب کمرے میں داخل ہونے کے بعد شہاب الدین اور قادزرد خان کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔ اتفاق سے اس موقع پر ماہ الملک شرف الدین کے قریب کھڑی ہوئی تھی اس لئے کہ اسے کھڑے ہونے کے لئے جگہ ہی وہاں ملی تھی۔ اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے شہاب الدین تھوڑی دیر کے لئے مسکراتا رہا پھر ماہ الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ماہ الملک میری بہن! اب تم بھائی شرف الدین سے ذرا ہٹ کر کھڑی ہوا کرو۔ اور پھر جب تم دونوں کا سامنا ہوا کرے تو کم از کم تمہیں تھوڑا سا شرمانا چاہئے۔ لجانا چاہئے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو چہرے پر شرمگیں تاثرات کا اظہار ہی کر دینا چاہئے۔ اور اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو کم از کم دزدیدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے ہی اپنے دلی جذبات کا اظہار کر دینا چاہئے۔“

شہاب الدین کی اس گفتگو سے سب مسکرا رہے تھے۔ ماہ الملک بھی مسکرا رہی تھی اور کبھی کبھی رخ پھیر کر شرف الدین کی طرف بھی دیکھ لیتی تھی۔ اس موقع پر شہاب الدین بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ اپنا منہ ماہ الملک کے کان کے قریب لے گیا پھر کہنے لگا۔

”میری عزیز بہن! میری باتوں کا برا مت ماننا۔ میں مذاق نہیں کر رہا۔ یہ حقیقت ہے۔ تمہارا رشتہ بھائی شرف الدین سے طے ہو رہا ہے۔“

اس موقع پر ماہ الملک نے شہاب الدین کا کان پکڑ لیا پھر اپنا منہ وہ بھی شہاب الدین کے کان کے قریب لے گئی اور مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

”شہاب الدین میرے پیارے بھائی! مجھے بھی خبر ہے کہ میرا رشتہ طے ہو نہیں رہا بلکہ طے ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی میں تم پر یہ بھی انکشاف کروں کہ تمہارا رشتہ راجکماری

Marfat.com

پاربتی سے اور قاورد خان کا راجکماری اروما دیوی سے یوں جانو طے ہو چکا ہے۔ اب بتاؤ میرے رشتے والی خوشخبری اچھی ہے کہ تم دونوں کے رشتے کی خوشخبری تمہیں اچھی لگی ہے؟''

جواب میں شہاب الدین نے پہلے اپنا کان چھڑایا پھر کندھے اچکاتے ہوئے کہنے لگا۔ ''میری بہن! ہم جیسوں کو کوئی راجکماری کہاں گھاس ڈالتی ہے۔ بہرحال اگر ان دونوں راجکماریوں کی خبر میرے اور قاورد خان کے ساتھ بن رہی ہے تو پھر یہ خبر ٹھیک اور مناسب ہی ہوگی۔''

شہاب الدین پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے دونوں نے اپنا سامان تیار کرلیا تھا۔ اس وقت تک قرہ خاتون اور تقدیس خانم دونوں انہیں بڑے غور سے دیکھ رہی تیں۔ جب وہ اپنے سامان سے فارغ ہوئے تب قرہ خاتون چند قدم آگے بڑھی۔ اس موقع پر وہ شہاب الدین اور قاورد خان دونوں کو کچھ کہہ کر مخاطب کرنا چاہتی تھی کہ شہاب الدین آگے بڑھا، اپنے دونوں ہاتھ اپنی ماں کے سامنے جوڑ دیئے پھر کہنے لگا۔

''اماں! ہماری رخصتی کے موضوع پر اب کوئی گفتگو نہ کرنا ...... میری آپ سے منت ہے۔''

قرہ خاتون کچھ کہتے کہتے بالکل خاموش ہوگئی تھی۔ پھر سنبھلی اور کہنے لگی۔

''اچھا بیٹے! تم دونوں کو کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو کہو۔ تمہارا زادِ راہ تیار ہے۔ کیا تم دونوں اپنے گھوڑوں کو تیار کر چکے ہو؟''

شہاب الدین کہنے لگا۔ ''میں اور قاورد دونوں اصطبل کی طرف جاتے ہیں۔ گھوڑوں کو تیار کر کے صحن میں لاتے ہیں۔ اس کے بعد رخصت ہوتے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی شہاب الدین اور قاورد دونوں وہاں سے نکل گئے تھے۔

اصطبل میں جا کر جلدی جلدی انہوں نے اپنے گھوڑے تیار کئے پھر گھوڑوں کو پکڑ کر وہ حویلی کے صدر دروازے کے قریب صحن میں لے آئے تھے۔ اتنی دیر تک عباد الدین اور شرف الدین ان کا سامان لے کر آئے تھے۔ سارا سامان اور فالتو خرجینیں دونوں گھوڑوں کی زینوں سے باندھ دی گئی تھیں امین خان اور فیروز مرزا کے علاوہ گھر کے سارے افراد انہیں رخصت کرنے کے لئے صحن میں جمع ہو گئے تھے۔

پھر دونوں نے گہری ہوتی رات میں ہاتھ ہلاتے ہوئے سب کو الوداع کہا۔ حویلی

Marfat.com

سے نکلے، گھوڑوں پر سوار ہوئے اور پھر وہ رخصت ہو گئے تھے۔

❁

شہاب الدین اور قاورد خان ایک روز نظام الملک کی حویلی پر دستک دے رہے تھے۔ جب دروازہ کھلا تو دونوں نے دیکھا دروازہ نظام الملک کے بیٹے غازی الملک نے کھولا تھا۔ دونوں کو دیکھتے ہی وہ بے پناہ خوشی اور مسرت کا اظہار کرنے لگا تھا۔ شہاب الدین اور قاورد نے بھی اپنے گھوڑوں کی باگیں چھوڑ دیں۔ باری باری پُر جوش انداز میں اس سے ملے۔ اتنی دیر تک حویلی کے اندر سے خود نظام الملک، اس کا بیٹا معین الملک اور شہاب الدین اور قاورد خان کا ماموں حیدر بیگ نکل آئے تھے۔

سب باری باری شہاب الدین اور قاورد سے گلے ملے۔ اس موقع پر حیدر بیگ نے ان دونوں کو مخاطب کیا۔

''تم دونوں حویلی کے سکونتی حصے کی طرف جاؤ۔ میں تم دونوں کے گھوڑوں کو اصطبل میں باندھتا ہوں۔''

اس موقع پر شہاب الدین نے حیدر بیگ کو روک لیا اور کہنے لگا۔ ''ماموں! آپ ہم دونوں کے گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے کر جائیں یہ ہمارے لئے......''

حیدر بیگ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا پھر بڑی محبت سے کہنے لگا۔

''چھوٹے میں جانتا ہوں اب تُو جوان ہو چکا ہے لیکن بہر حال میں تیرا ماموں ہوں۔ ایسی باتیں نہیں کرتے۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر عمل کرو۔ تم حویلی کے سکونتی حصے کی طرف جاؤ۔

حیدر بیگ کو بھی یہاں تک کہتے کہتے خاموش ہو جانا پڑا تھا اس لئے کہ حویلی کے کچھ خادم بھاگتے ہوئے وہاں آ گئے تھے پھر نظام الملک کے کہنے پر وہ دونوں گھوڑوں کو اصطبل کی صرف لے گئے تھے جبکہ شہاب الدین اور قاورد کو وہ حویلی کے سکونتی حصے کی طرف لے جا رہے تھے۔

پہلے شہاب الدین اور قاورد دونوں نظام الدین کے کہنے پر زنان خانے میں جا کر سب سے ملے۔ اس کے بعد سب دیوان خانے میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔

حویلی کے جو خدام گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے گئے تھے، گھوڑوں کے ساتھ بندھا ہوا سامان بھی وہ حویلی کے سکونتی حصے میں لے آئے تھے۔ دیوان خانے میں

Marfat.com

بیٹھنے کے بعد نظام الملک نے کچھ دیر ان دونوں کی طرف دیکھا پھر جستجو بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''تم دونوں کے چہروں کے تاثرات بتاتے ہیں کہ تم دونوں بغیر کسی وجہ اور علت کے یہاں نہیں آئے۔''

جواب میں شہاب الدین نے قندھار سے دہلی واپس آتے ہوئے جس حادثے میں اس کا باپ، چچا اور چچی مارے گئے تھے اس کی تفصیل سب سے کہہ دی تھی۔

یہ تفصیل جان کر نظام الملک کا چہرہ غضب ناک ہو گیا تھا۔ معین الملک، غازی الملک اور حیدر بیگ بے پناہ غصے کا اظہار کر رہے تھے۔ سب سے پہلے سب نے مل کر دعا مانگی پھر اس کے بعد حیدر بیگ نے نظام الملک کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''ان دونوں بادشاہ گروں کے حوصلے اب حد سے بڑھ گئے ہیں۔ ان کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔ ان کا بندوبست لگتا ہے مجھے ہی کرنا ہو گا۔''

حیدر بیگ جب خاموش ہوا تب شہاب الدین بول اٹھا۔

''ماموں! میرا اور قاورد خان کا آپ لوگوں کی طرف آنے کا مقصد صرف اس واقعے کی اطلاع دینا نہیں ہے۔ ہم دونوں بھائیوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ ہم چار افراد اور ان کے گماشتوں کے خلاف ضرور حرکت میں آئیں گے۔ ایک تو صفدر علی، دوسرا عالم علی اور اس کے علاوہ ان دونوں کے بھائی منصور علی اور سلطان علی ہیں۔ جب تک ہم ان چاروں کا خاتمہ نہیں کریں گے، ہم سمجھیں گے کہ ہمیں زندہ رہنے اور جینے کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔''

شہاب الدین جب خاموش ہوا تب نظام الملک نے کچھ دیر تک بڑی شفقت سے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''میرے بچو! میں تم دونوں کے جذبوں کی قدر کرتا ہوں۔ پہلے مجھے میرے چچا امین خان کی گفتگو سے آگاہ کرو جو اس نے تمہیں رخصت کرتے وقت کی ہو گی۔''

نظام الملک کے اس استفسار پر شہاب الدین نے اپنے دادا کی ساری گفتگو تفصیل کے ساتھ کہہ دی تھی۔ اس کے ساتھ نظام الملک خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں یہی توقع کر رہا تھا کہ میرا چچا محمد امین خان تم سے ایسے ہی الفاظ کہے گا کہ میرے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرنا۔ اب میں تم دونوں سے بھی تاکیداً یہ کہتا ہوں

Marfat.com

کہ یہاں قیام کے دوران میرے مشورے کے بغیر کوئی قدم مت اٹھانا۔ میرے عزیز بچو! صفدر علی اور عالم علی کے خلاف قدم اٹھانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ وہ دونوں انہی علاقوں میں قیام کئے ہوئے ہیں، دو مختلف مقامات پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور دونوں کے پاس بہت بڑے بڑے لشکر بھی ہیں۔ لہٰذا تم دونوں انفرادی طور پر کوئی کارروائی نہیں کرو گے۔ تاہم میں تم دونوں کو یہ یقین ضرور دلاتا ہوں کہ عنقریب وہ دن آئے گا کہ ہم صفدر علی، عالم علی اور ان کے دونوں بھائیوں کے علاوہ ان کے ان گماشتوں کے خلاف بھی حرکت میں آئیں گے جنہوں نے مجتبیٰ خان کو قتل کیا تھا۔ یہ ہمارے ہاتھوں بچ نہ پائیں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد نظام الملک رکا، کچھ سوچا پھر اپنی بات وہ آگے بڑھا رہا تھا۔ "میرے بچو! ان بادشاہ گروں کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں۔ حکومت انہی کے ہاتھ میں ہے۔ حکومت کے سارے وسائل ان کے پاس ہیں۔ لہٰذا ہمیں بہت سوچ سمجھ کر ان کے خلاف حرکت میں آنا پڑے گا۔ یہ مت خیال کرنا کہ میں ان کے خلاف حرکت میں نہیں آؤں گا۔ میں ان کے خلاف ایسا حرکت میں آؤں گا کہ ان قاتلوں کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملے گا اور انہیں ایسی کڑی اور عبرت ناک سزا دوں گا جو ان کی نسلیں بھی یاد کر کے کانپ اٹھیں گی۔ لیکن کسی طریقے، کسی سلیقے کے ساتھ فی الحال تم دونوں بھائی مطمئن ہو کر یہاں قیام کرو۔ جب میں دیکھوں گا کہ اب حالات ہمارے لئے سازگار ہیں کہ ہم خم ٹھونک کر نکلیں تو پھر تم دونوں ہمارے ساتھ ہو گے۔ اور پھر دیکھنا ہم ان کے خلاف کیسے حرکت میں آتے ہیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد نظام الملک نے اپنے بیٹے غازی الملک کی طرف دیکھا، اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"غازی الملک! دونوں بھائیوں کو ساتھ لے جاؤ۔ پہلے ان دونوں کے کھانے کا اہتمام کرو پھر انہیں آرام کرنے دو۔ میں رات کو ان کے ساتھ گفتگو کروں گا۔"

نظام الملک کے کہنے پر غازی الملک اٹھا اور شہاب الدین اور قادر دونوں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

❋

ادھر قندھار میں خلجی سردار میرویس کا بیٹا محمود خان پھر ایران پر ضرب لگانے کے

Marfat.com

لئے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے چکا تھا۔ اس سے پہلے جو اس نے ایران پر یلغار کی تھی اور پسپا ہونا پڑا تھا اس سے اس نے بڑا سبق سیکھا تھا۔ اب وہ اپنی پوری تیاریوں، طاقت اور قوت میں اضافہ کر کے ایران پر ضرب لگانا چاہتا تھا۔ اور جب اس نے دیکھا کہ اس کی تیاریاں اپنی تکمیل کو پہنچ گئی ہیں تو اس نے ایران پر حملہ آور ہونے کے لئے قندھار سے کوچ کیا۔

محمود کے پاس اس وقت بیس سے پچیس ہزار کا ایک لشکر تھا۔ قندھار سے نکل کر اس نے پہلے کی طرح سیستان کا رخ کیا۔ بڑے پُرجوش اور جوشیلے انداز میں اس بار میرویس کا بیٹا محمود سیستان پر حملہ آور ہوا۔ یہاں ایرانیوں کا جو دفاعی لشکر تھا اس کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور سیستان پر اس نے قبضہ کر لیا تھا۔

سیستان میں محمود نے چند روز تک قیام کر کے اپنے لشکریوں کو چند روز ستانے کا موقع فراہم کیا۔ جنگ کے دوران مالِ غنیمت سے اسے جو کچھ حاصل ہوا تھا وہ اس نے اپنے لشکریوں میں تقسیم کر دیا جس کی بناء پر لشکریوں کے حوصلے مزید بلند ہو گئے تھے۔ سیستان کو فتح کرنے کے بعد قندھار کے والی محمود خان نے اب ایران کے مرکزی شہر اصفہان کا رخ کیا تھا۔

دوسری طرف ایران کے بادشاہ سلطان حسین کو جب خبر ہوئی کہ محمود خان پھر ایران پر حملہ آور ہوا ہے اور یہ کہ سیستان کو اس نے فتح کر کے تہہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے اور اب وہ اصفہان کی طرف پیش قدمی کئے ہوئے ہے تو اس نے اپنے سرکردہ لوگوں کا ایک وفد تیار کیا۔ اس وفد کو سفیروں کی صورت میں اس نے محمود کی طرف روانہ کیا اور اسے یہ پیشکش کی کہ وہ تیس ہزار پونڈ کا نذرانہ لے کر واپس قندھار کی طرف چلا جائے اور اصفہان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ ترک کر دے۔

محمود خان نے اس موقع پر ایران کے شہنشاہ سلطان حسین کی اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔ اس پیشکش سے اس نے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ ایران کے صفوی خاندان کے حکمران اب کمزور ہو چکے ہیں اور ان میں اتنی ہمت اور طاقت نہیں کہ وہ اس کا مقابلہ کر سکیں لہٰذا اس نے ہر صورت میں ایران کو فتح کر کے اس پر قبضہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔

سیستان سے اصفہان کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے محمود خان اصفہان سے گیارہ

Marfat.com

میل کے فاصلے پر گلنا آباد کے مقام پر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر گیا تھا۔

جب محمود کے اصفہان کے اس قدر قریب پہنچنے کی خبر اصفہان میں پہنچی تو اصفہان کے اندر ایک ہلچل برپا ہوگئی تھی۔ ایران کا بادشاہ سلطان حسین اور اس کے سارے امرائے سلطنت فکر مند ہو گئے تھے کہ اگر محمود خان نے حملہ آور ہو کر ایرانی حکمرانوں کا تختہ الٹ دیا تو ان کا کیا بنے گا۔ اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے ایران کے صفوی حکمران سلطان حسین نے اپنے سارے امراء اور سالاروں کی مجلسِ مشاورت طلب کر لی تھی۔

اس مجلسِ مشاورت کے دوران اکثر سالاروں اور امراء کی یہ رائے تھی کہ فی الحال دفاعی تدابیر اختیار کرنا مناسب ہوگا اور شہر سے باہر نکل کر محمود کا مقابلہ کرنا کسی طرح بھی سود مند نہیں۔ اگر شہر سے باہر محمود کے ہاتھوں ایرانی لشکر کو شکست ہو گئی تو ایرانی لشکر کہیں بھی اپنے پاؤں جما نہیں سکے گا۔

لیکن ایرانی لشکر کے سپہ سالار نے ان سب کے خلاف رائے دی۔ اس نے صفوی حکمران سلطان حسین کو مشورہ دیا کہ ہمیں شہر کے اندر محصور ہو کر اپنا دفاع کرنے کی بجائے شہر سے باہر نکل کر حملہ آوروں کا مقابلہ کرنا چاہئے اور انہیں اپنی سلطنت اور علاقوں سے مار بھگانا چاہئے۔ ایران کے شہنشاہ سلطان حسین نے اپنے اس سالار کی رائے سے اتفاق کیا۔ انسے پچاس ہزار کا ایک جرار لشکر مہیا کیا جس میں لگ بھگ چوبیس توپیں بھی شامل تھیں۔ اس طرح ایرانیوں کا سپہ سالار پچاس ہزار کا لشکر لے کر محمود خان کا مقابلہ کرنے کے لئے اصفہان سے نکلا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس موقع پر ایرانی لشکر اس شان و شوکت سے روانہ ہوا کہ سوار لباسِ فاخرہ میں ملبوس تھے۔ گھوڑوں کی لگامیں سونے کی تھیں۔ راحت و آرام کے تمام اسباب انہیں مہیا کئے گئے تھے جبکہ ان کے مقابلے میں محمود خان بڑا سادہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کے سارے لشکری بھی سادہ لباس میں تھے اور ایرانیوں کی نسبت ان کے گھوڑے بھی لاغر تھے۔

اصفہان سے گیارہ میل دور ایرانیوں کا لشکر محمود خان کے لشکریوں کے مقابل آیا۔ گو ایرانی لشکر کی تعداد محمود خان کے لشکر سے دوگنی تھی لیکن ان کے حوصلے کمزور جبکہ ان کے مقابلے میں محمود خان کے حوصلے اور ولولے جوان تھے۔

Marfat.com

دونوں لشکر ایک دوسرے پر ہر شے کی شیرازہ بندی، کھول دینے والی صحرائے صموم کی ویرانیوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔ ہر کوئی اپنے مدِ مقابل پر حوصلہ شکن برق کی طرح ٹوٹتے ہوئے بختِ سیاہ دوسرے کا مقدر بنانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ میدان کے اندر ظلم و عداوت، جنگ اور نفرت ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہوگئی تھی۔ بڑے بڑے شہسوار شوریدہ اور پراگندہ ہونا شروع ہو گئے تھے۔ قضا کی نادیدہ مخفی قوتیں چاروں طرف حکایاتِ خون چکاں رقم کرنے لگی تھیں۔

اس جنگ میں ایران کے آتش پرستوں نے کھل کر محمود اور اس کے لشکریوں کا ساتھ دیا تھا۔ اس لئے کہ ایران کے آتش پرست ایران کے عالم نما ملاؤں کے ظلم و جبر سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اس بناء پر انہوں نے کھل کر حملہ آور محمود کا ساتھ دیا تھا۔

حیرت کی بات کہ ایرانیوں کا لشکر پچاس ہزار کے لگ بھگ تھا اور وہ جنگ کے ہر کیل کانٹے سے پوری طرح مسلح تھے۔ دوسری طرف ان کے مقابلے میں محمود کا لشکر صرف پچیس ہزار کے لگ بھگ تھا اور اس کے پاس ایرانیوں کی نسبت سامانِ جنگ بھی کم تر تھا۔ اس کے باوجود گلنا آباد کی اس خون ریز جنگ میں محمود نے پچاس ہزار ایرانی لشکر کو بدترین شکست دی۔ ایرانی لشکر میدانِ جنگ میں اپنی دو ہزار لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ افراتفری کے عالم میں کچھ لشکری بھاگتے ہوئے بھی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس طرح ایران کے صفوی حکمرانوں کی شکست نے ثابت کر دیا کہ اہلِ ایران اب اپنے ملک کی مدافعت نہیں کر سکتے۔

گلنا آباد کی فتح کے بعد محمود اور اس کے لشکریوں کے حوصلے مزید بڑھ گئے تھے۔ پچاس ہزار ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد ان کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کرلیا گیا۔ اس قبضے کی وجہ سے محمود اور اس کے لشکریوں کے ہاتھ بہت کچھ لگا۔ ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد محمود نے جلفا شہر کا رخ کیا۔ یہ شہر ارمنی عیسائیوں کا تھا۔ انہوں نے شہر سے باہر نکل کر محمود اور اس کے لشکریوں کا مقابلہ کیا لیکن محمود نے ان پر ایسے زوردار حملے کئے کہ غیر مسلم ارمنیوں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اپنے کئے کی معافی مانگی۔ ساتھ ہی انہوں نے محمود کو ایک لاکھ چالیس ہزار پونڈ کی خطیر رقم بطور تاوانِ جنگ بھی ادا کی۔ اس طرح محمود کو آئندہ کے لئے اپنی جنگی اخراجات پورے کرنے کے لئے کافی رقم مل گئی تھی۔

Marfat.com

ان فتوحات سے محمود اور اس کے لشکریوں کا حوصلہ مزید بڑھ چکا تھا۔ اب محمود نے اپنے لشکریوں کے ساتھ اصفہان کا رخ کیا اور اصفہان کے نواح میں زندرود کے پلوں کے سامنے اس نے اپنے لشکر کا پڑاؤ کر لیا تھا۔ جہاں محمود نے پڑاؤ کیا تھا وہاں سے اصفہان میں صفوی بادشاہوں کے عالیشان محلات اور باغات صاف دکھائی دینے لگے تھے۔ اب محمود کے لئے شہر کی طرف پیش قدمی کرنے میں صرف ایک پُل حائل تھا۔ محمود نے اس پُل پر سے گزرنے کی کوشش کی لیکن پُل کی دوسری ایرانی لشکر کا سالار احمد آغا ایک کافی بڑے لشکر کے ساتھ مقیم تھا لہٰذا محمود کو وہ پُل پار کرنے کے لئے کافی جدوجہد کرنی پڑی۔ دونوں لشکر آپس میں ٹکرائے۔ اس ٹکراؤ کے بعد طرفین میں پھر صلح کی گفتگو ہوئی۔ اس صلح کی گفتگو کے نتیجے میں محمود نے ایران کے بادشاہ کو مندرجہ ذیل دو شرائط پیش کیں۔

اول قندھار، خراسان اور کرمان کے علاقوں میں محمود کی خود مختار حکومت تسلیم کر لی جائے۔ دوئم ایک لاکھ پونڈ بطور تاوان ادا کیے جائیں۔

صفوی تاجدار سلطان حسین کے حوصلے اگرچہ پست ہو چکے تھے۔ لیکن یہ شرطیں اس کے لئے قابل قبول نہ تھیں۔ چنانچہ اس نے محمود خان کی ان شرائط کو مسترد کر دیا۔ محمود نے اصفہان پر براہِ راست حملہ کرنے کا ارادہ کچھ دیر کے لئے ملتوی کر دیا اور آس پاس کے علاقوں میں لوٹ مار کرتے ہوئے اپنے لئے رسد اور ضروریات کا سامان فراہم کرنے کی طرف توجہ مبذول کی تھی۔

لوٹ مار کرنے کے بعد محمود نے پھر اسی پُل پر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا جہاں چند دن پہلے وہ پڑاؤ کر چکا تھا۔ اس بار وہ پورے جوش و خروش سے یلغار کرتے ہوئے پُل کے دوسری طرف ایرانیوں کے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ ایرانی لشکر کو بدترین شکست دے کر اس نے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ آگے بڑھا اور دارالحکومت اصفہان کو اس نے اپنے محاصرے میں لے لیا۔

محاصرے نے جب طول پکڑا تو اسی عرصے میں آس پاس کے دیہات تباہ ہو چکے تھے۔ سرسبز باغوں میں خاک اٹھ رہی تھی۔ شہر میں رسد ختم ہو چکی تھی جس سے سخت قحط پڑ گیا تھا۔ گھوڑوں اور خچروں تک کا گوشت کھانے کے لئے اہل شہر کو میسر نہ تھا۔ درختوں کے پتے کچھ عرصہ کھا کر گزارا کرتے رہے۔ اب وہ بھی ناپید تھے۔ بھوک سے

Marfat.com

مرنے والوں کے جنازے پر جنازے نکلنے لگے تھے۔ گلی کوچوں میں شور بر پا تھا۔ محمود کا خیال تھا کہ گلنا آباد کی طرح یہاں بھی اسے با آسانی فتح حاصل ہو جائے گی۔ لیکن ایک تو محاصرہ طول پکڑ گیا تھا دوسرے اچانک ایک طرف سے ایک ایرانی لشکر نکلا۔ محمود کے لشکر کے ایک حصے پر حملہ آور ہوا۔ محمود کے کئی لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس حملے میں محمود کا ایک چچا اور اس کے دو بیٹے بھی ہلاک کر دیئے گئے تھے۔

تاہم ان ساری مشکلات کے باوجود محمود نے اصفہان کا محاصرہ جاری رکھا۔ اسی دوران سیستان کے حکمران محمود سیستانی کو دارالحکومت کے گھر جانے کا علم ہوا تو وہ دس ہزار کا ایک لشکر لے کر صفوی بادشاہ سلطان حسین کی مدد کے لئے پہنچ گیا۔ اب قندھار کے محمود خان نے سیستانی کے محمود کو مقابلے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اس گفتگو کے دوران محمود سیستانی نے رقم لے کر ایران کے شہنشاہ کی مدد کرنے سے ہاتھ روک لیا۔ اس طرح محمود خان کو پھر اصفہان کا محاصرہ سختی سے کرنے کا موقع مل گیا۔

دوسری طرف اصفہان میں قحط شدت اختیار کر گیا تھا۔ اہل شہر اپنے بادشاہ سلطان حسین کو جنگ پر آمادہ کرتے تھے۔ ہر طرف چیخ و پکار کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ اس پر سلطان حسین نے محمود کی پیش کردہ شرائط پر صلح کرنے کی پیشکش کی لیکن محمود نے کہلا بھیجا کہ اب وقت گزر چکا ہے، حالات بدل گئے ہیں۔ اب غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کے سوا اور کوئی صورت باقی نہیں ہے۔

ایران کے بادشاہ سلطان حسین کے لئے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ صفوی تاج اپنے حریف کی نظر کر دے۔ آخر بصد حسرت وہ تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا۔ ماتمی لباس پہن کر اپنے امراء کے ساتھ اصفہان شہر سے باہر نکلا اور محمود کے لشکر میں پہنچ کر محمود سے جا ملا اور اسے بطور فرزند خطاب کرتے ہوئے صفوی تاج اس کے سر پر رکھ کر حکومت اس کے سپرد کر دی۔ اس طرح محمود فاتحانہ انداز میں ایران کے دارالحکومت اصفہان میں داخل ہوا۔ اس طرح سات ماہ کا محاصرہ ختم ہو گیا۔ یہ حادثہ 1522ء کو پیش آیا۔

اصفہان ایران کا ایک قدیم شہر تھا۔ صفوی خاندان کا دارالحکومت تھا۔ اسے بابل کے عظیم حکمران بخت نصر نے ان یہودیوں کو بسانے کے لئے آباد کیا تھا جنہیں وہ اسرائیل پر حملہ آور ہو کر انہیں قیدی بنا کر لایا تھا۔

Marfat.com

مسلمانوں نے اسے حضرت عمرؓ کے دور میں فتح کیا تھا۔ یہ مسجدوں کا شہر کہلاتا تھا۔ اردگرد بھی مضبوط فصیل تھی جس میں چار دروازے اور ایک سو مینار ہوا کرتے تھے۔ شہر کے قرب و جوار میں چاندی، تانبے، جست اور سرمے کی کانیں تھیں۔ 913ء میں یہ شہر ساسانیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ اس کے بعد غزنویوں کی مملکت میں شامل ہوا۔ منگولوں کے حملے کے دوران خوارزم شاہ سلطان جلال الدین کے زیر کمان اس شہر کی دیواروں تلے ایک بہت بڑی جنگ لڑی گئی۔ بعد میں یہ شہر منگولوں کی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔

اس کے بعد تیمور نے اس شہر پر حملہ آور ہو کر یہاں 70 ہزار شہریوں کا قتل عام کیا۔ اس کے بعد کئی حکمرانوں نے یہاں کے باشندوں کو قتل کیا۔ صفوی خاندان کے دورِ حکومت میں اس شہر کو حکومت کا مرکز بننے کا شرف حاصل ہوا۔ صفوی حکمران عباس اول نے اپنے عہد میں اس شہر کو خوبصورت بنایا۔ اس نے دریائے زندرود پر تین خوبصورت پُل تعمیر کروائے۔ نیز ایک عالیشان مسجد بھی تعمیر کروائی۔ اور اب صفوی خاندان کے آخری حکمران سلطان سے اصفہان شہر محمود خان نے چھین لیا تھا اور ایک فاتح کی حیثیت سے اپنے لشکر کے ساتھ وہ اصفہان میں داخل ہوا تھا۔

محمود خان کے ہاتھوں عظیم صفوی خاندان کا اختتام نہایت ندامت خیز طور پر ہوا۔ یہ وہی صفوی تھے جنہوں نے منگولوں کی حکومت کو ختم کر کے ایک عظیم عہد کی بنیاد رکھی تھی۔ اس عہد کی بنیاد رکھنے والا اسماعیل صفوی ایک عظیم بادشاہ تھا جس نے پوری قوم کو ایک مرکز پر مجتمع کیا۔ اس خاندان کا دوسرا عظیم بادشاہ عباس اعظم تھا جس نے نہ صرف ایران کی حکومت کو مستحکم کیا بلکہ غیر ممالک میں بھی اپنا نام بلند کیا۔ لیکن بقول مؤرخین یہ صفوی حکمران کشور کشا نہ تھے۔ انہوں نے قدیم ایرانی سلطنت کی وسعتوں پر نظر نہیں رکھی نہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کی۔

ایران کی مغربی سرحد پر صوبہ آذر بائی جان اور بعض دوسرے علاقے ترکوں کے تسلط میں تھے۔ صفوی حکمرانوں کی تمنا تو تھی کہ ان علاقوں کو واپس لیں لیکن عثمانی ترکوں پر حملہ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ دنیا کی مانی ہوئی طاقت تھے اور بڑی سے بڑی قوت کو بھی پسپا کرنے اور شکست دینے کے قابل تھے۔

ازبکوں کے خلاف تاہم ان صفوی حکمرانوں نے ضرور اقدامات کئے لیکن اس خیال

Marfat.com

سے نہیں کہ وہ وسط ایشیا پر مستقل قبضہ جمائیں بلکہ صرف اس لئے کہ ان کی تاخت و تاراج سے خراسان کو بچایا جائے۔ جنوب میں قندھار انہوں نے مغلیہ سلطنت کے حوالے کر دیا تھا۔ اس لئے صفوی بادشاہوں کا شمار ان کے پیش روہخامنشیوں اور ساسانی بادشاہوں کی صف میں نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ صرف اپنی سرحدوں کو محفوظ کرنے پر مطمئن تھے۔ بہر حال قندھار کے حاکم محمود خان کے ہاتھوں صفوی خاندان کا دورِ حکومت اپنے انجام کو پہنچا۔

محمود خان نے اصفہان پر غیر معمولی فتح پانے کے بعد چاہا کہ عوام کی ہر ممکن طریقے سے دلجوئی کرے۔ چنانچہ اس نے امن و سکون بحال کرنے کے لئے پوری کوشش کی۔ ایک دیانت دار افغان کو اس نے قاضی بالقضا کا منصب دیا۔ امورِ مملکت میں افغانوں کے ساتھ ایرانیوں کو بھی شریک کیا تا کہ ایرانی دانشوروں سے استفادہ حاصل کیا جائے۔ غیر مسلموں سے بھی اس نے فیاضانہ سلوک کیا۔ شروع شروع میں اس کے رویے سے امید بندھی تھی کہ ایران پھر سکون اور خوشحالی کی نعمت سے ہمکنار ہو جائے گا لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایران کے حالات خراب ہونا شروع ہو گئے۔ اس لئے کہ ایران میں افغانوں کا پائیدار حکومت قائم کرنا آسان نہ تھا۔ محمود کو متعدد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اُسے خبر ملی کہ تین لاکھ پونڈ کا جو خزانہ اس نے لشکر بھرتی کرنے کے لئے قندھار بھیجا تھا، ایک سیستانی سردار نے راستے میں لوٹ لیا ہے۔ ایرانیوں نے اس کی حکومت کو دل سے قبول نہیں کیا تھا اس لئے وہ انتقام لینے کے لئے در پردہ کوششیں کر رہے تھے۔

ادھر ترک اور روس ایران کی پریشان حالی کی وجہ سے اس فکر میں تھے کہ اپنی سرحدوں سے ملتے ہوئے علاقوں پر قبضہ کر لیں۔ چنانچہ روس کے حکمران پیٹر اعظم نے پیادہ اور سوار لشکر داغستان کے علاقے میں بھیج دیئے۔ ظاہر تو یہ کیا کہ یہ لشکر حسین شاہ کے بیٹے طہماسپ کو مدد دینے کے لئے گیا ہے جس نے مازندان کے شہر فرح آباد میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا۔

لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔ روسیوں نے داغستانی فوج کو شکست دے کر دربند پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسی سال روسیوں نے رشت اور باکو شہروں پر بھی قبضہ کر لیا۔ ادھر اہلِ قزوین افغان لشکریوں پر حملہ آور ہونا شروع ہو گئے اور دو ہزار افغانوں کو تہہ تیغ

Marfat.com

کر دیا۔ محمود خان کے چچا کا بیٹا اشرف جو محمود خان کے خلاف اپنے دل میں کینہ رکھتا تھا اس لئے کہ محمود نے اس کے باپ امیر عبداللہ کو قتل کیا تھا، ایران سے نکل کر قندھار چلا گیا اور وہاں وہ بھی محمود خان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گیا۔

محمود خان نے فی الحال اپنے چچا زاد بھائی اشرف کو نظر انداز کر دیا اس لئے کہ قزوین شہر میں ایک بہت بڑی بغاوت اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے محمود خان کو برافروختہ کر دیا تھا اور اصفہان پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کی کوششوں میں لگ گیا تھا۔ اسے خطرہ ہو گیا تھا کہ مبادہ اہلِ اصفہان بھی شورش برپا نہ کر دیں۔ اس نے خوف و ہراس پیدا کرنے کے لئے اصفہان کے کچھ سرکردہ لوگوں کو بلایا جن سے اسے بغاوت کی بو آتی تھی اور ان میں سے کچھ کا اس نے خاتمہ کرا دیا۔ اس کے بعد اصفہان میں امن قائم کرنے کے لئے اور بغاوتوں پر قابو پانے کے لئے اس نے حکم جاری کر دیا کہ ہر اس ایرانی کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے جو حسین شاہ کی ملازمت سے وابستہ ہے۔

یہ قتل عام پندرہ دن تک جاری رہا۔ اب وہ مطمئن ہو گیا تھا کہ اس کی حکومت کے خلاف آواز اٹھانے والا کوئی نہیں رہے گا اور ایرانیوں کو ایسا کرنے کا حوصلہ بھی نہ ہو سکے گا۔ اصفہان سے فارغ ہو کر اس نے جلفا کے آرمینیوں کی طرف رجوع کیا اور ان سے تاوان وصول کرنے پر اکتفا کیا۔ اسی عرصے میں اس نے ولندیزیوں اور انگریزوں کی طرف بھی توجہ دی جو تجارت کے بہانے مختلف علاقوں اور بندرگاہوں پر قبضہ کرنے کے لئے نکلے ہوئے تھے۔ محمود خان ایسے ولندیزیوں اور انگریزوں پر حملہ آور ہوا۔ ان سے سخت سلوک کیا اور جبراً ان سے دولت نکلوا لی۔

شیراز شہر میں بھی حالات کچھ ابتر دکھائی دیئے۔ اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے محمود نے اپنے ایک سالار کو شیراز کی طرف روانہ کیا۔ محمود خان کے اس سالار نے شیراز پر قبضہ کر لیا اور وہاں جس قدر باغی عناصر تھے، ان سب کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔

اب ایران کے دیگر شہروں میں بھی محمود خان کے خلاف شورش کے علاوہ سازشوں کی بساط بچھنے لگی تھی۔ اس بناء پر ایک لشکر کو ہزد شہر پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ اس لئے کہ وہاں بھی مخالفین کا گروہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ہزد کے نواح میں باغیوں اور شورش پسندوں کے ساتھ محمود کے لشکر کا مقابلہ ہوا۔ اس مقابلے کے دوران محمود خان کے کافی

Marfat.com

لشکری جنگ میں کام آ گئے جس کی وجہ سے محمود کے لشکری دل برداشتہ ہو گئے اور اس کے اپنے لشکر میں شورش کے آثار نظر آنے لگے۔ کچھ لوگ علی الاعلان محمود کے خلاف چہ میگوئیاں کرنے لگے اور کچھ سالاروں نے محمود خان سے یہ مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ وہ اپنے چچا کے بھائی اشرف کو قندھار سے ایران بلا لے۔ جب یہ مطالبہ زور پکڑ گیا تو آخر کار مجبور ہو کر محمود نے اشرف کو قندھار سے ایران بلا لیا۔

کچھ سالاروں کے دباؤ ڈالنے پر محمود خان نے اپنے چچا زاد اشرف کو قندھار سے ایران تو بلا لیا لیکن محمود خان نے اشرف کے باپ میر عبداللہ کو قتل کیا تھا اس لئے اشرف در پردہ محمود سے نفرت کرتا تھا۔ محمود خود بھی اس سے خوفزدہ تھا۔ اور پھر محمود، اشرف کو امراء کے مطالبے پر بلانے پر مجبور ہوا تھا اس لئے وہ سخت پیچ و تاب میں تھا۔

پھر لوگوں کی توجہ اشرف کی طرف بڑھتی گئی جس سے محمود اور بھی زیادہ بے چین رہنے لگا۔ اس اضطراب اور سراسیمگی کی کیفیت کو ہلکا کرنے کے لئے اس نے چودہ دن تک گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ غذا کم کر دی اور اکثر وقت ریاضت میں گزارنے لگا لیکن اس سے اس کی وحشت میں اور زیادہ اضافہ ہوا۔

اس دوران ایک اور بڑا حادثہ نمودار ہوا۔ محمود کو خبر ملی کہ ایران کے سابق بادشاہ سلطان حسین کا بیٹا صفی مرزا اصفہان سے بھاگ نکلا ہے۔ یہ خبر سن کر محمود بڑا برہم اور سیخ پا ہوا۔ ذہنی طور پر وہ پہلے ہی بکھرا ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے شاہی خاندان کے افراد کو بے دریغ قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

چنانچہ اکتیس افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ صرف سابق بادشاہ بدنصیب حسین شاہ کو لواحقین کے خون پر آنسو بہانے کے لئے زندہ چھوڑ دیا گیا۔ حالات جب مزید خراب ہونے لگے تب محمود خان کے اضطراب اور اس کی سراسیمگی میں اور اضافہ ہونے لگا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے امراء نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ بیمار رہنے لگا ہے لہٰذا وہ اپنے چچا زاد بھائی اشرف کو اپنا جانشین بنا دے۔

محمود مجبور تھا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ لیکن اس کے چند ہی ہفتوں بعد محمود انتقال کر گیا اور اس کی جگہ اشرف جو اس کا چچا زاد بھائی تھا حکمران ہوا۔ اور کہا جاتا ہے کہ اشرف نے اسے مروا ڈالا تھا۔

✿ ...... ✿

Marfat.com

●●●

دہلی کے قصرِ شاہی میں ایک روز اورنگ زیب عالمگیر کے بیٹے معظم علی کی بیوہ اور محمود شاہ کی دادی مہر پرور، محمد شاہ کی رضاعی بہن رحیم النساء کے ساتھ بیٹھی کسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھی کہ اس کمرے کے دروازے پر محمد شاہ نمودار ہوا۔ اسے دیکھتے ہی مہر پرور کھل سی اٹھی تھی۔ مسکرائی، ایک نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''میرے بیٹے! یہاں میرے پاس آ کر بیٹھو۔''

مہر پرور اور رحیم النساء دونوں نے دیکھا محمد شاہ بکھرا بکھرا، پریشان اور فکرمند تھا۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ چہرے پر پریشانیوں اور تفکرات کے آثار نمایاں تھے۔ آہستہ آہستہ، تھکی تھکی چال چلتا ہوا وہ اپنی دادی مہر پرور کے پہلو میں آ کر بیٹھ گیا۔ مہر پرور کچھ دیر تک بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر فکرگیر آواز میں اسے مخاطب کیا۔

''محمد شاہ میرے بیٹے! کیا ہوا؟ اس سے پہلے تو میں نے کبھی تمہاری حالت ایسی نہیں دیکھی۔ تم جب بھی میرے پاس آئے، مسکراتے ہوئے آئے۔ آج کیا معاملہ ہوا ہے؟ کیا بادشاہ گروں کی طرف سے تمہارے لئے بھی خطرات امڈ آئے ہیں؟ اور وہ تمہارا بھی خاتمہ کرنے کے درپے ہیں؟ بیٹے! اگر ایسی کوئی بات ہے تو پھر کوئی کارروائی کرنے سے قبل محمد امین خان سے مشورہ کرنا۔ اس وقت بادشاہ گروں سے اگر تمہیں کوئی محفوظ رکھ سکتا ہے تو صرف وہ دو آدمی ہیں ایک محمد امین خان اور دوسرا اس کا بھتیجا نظام الملک۔ نظام الملک تو چلو اس وقت دکن میں ہے لیکن میں نے سنا ہے وہاں اس نے اپنی طاقت اور قوت میں خوب اضافہ کر لیا ہے۔ لیکن اب اگر تمہیں کسی معاملے میں دونوں بادشاہ گروں سے خطرہ ہے تو بیٹے! اس خطرے کو ٹالنے کے لئے محمد امین خان

Marfat.com

سے مشورہ کرو۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو کہو، میں محمد امین خان کو یہیں اپنے پاس بلا لیتی ہوں اور......"

یہاں تک کہتے کہتے مہر پرور کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے محمد شاہ بول اٹھا تھا۔

"دادی اماں! ایسی کوئی بات نہیں۔ میں محمد امین خان سے متعلق ہی بری خبر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔"

محمد شاہ کے ان الفاظ پر مہر پرور چونکی تھی۔ تجسس بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی تھی کچھ کہنا چاہتی تھی کہ محمد شاہ پھر بول اٹھا۔

"دادی اماں! میں وہ خبر سنانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ یوں جانیں کچھ لوگ میری پشت خالی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دہلی میں میرا ایک ہی پشت بان ہے جس پر میں بد سے بدترین حالات میں بھی اعتماد اور بھروسہ کر سکتا ہوں۔ لیکن اسے ہی مجھ سے چھیننے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اماں! آپ کے اندازے کافی حد تک درست ہیں۔ آج دونوں بادشاہ گر میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے ایک طرح سے تنبیہہ آمیز انداز میں مجھے دھمکی دے دی ہے کہ میں امین خان کو وزارت کے عہدے سے علیحدہ کر دوں اور ہندوستان کا جو بھی وزیر بنایا جائے گا وہ ان دونوں کی مرضی سے مقرر کیا جائے گا۔ اماں! اگر میں ایسا کرتا ہوں تو پھر میں مکمل طور پر ان دونوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جاؤں گا۔ وہ جب چاہیں گے میرا خاتمہ کر دیں گے۔ اس لئے کہ میری حالت ان دونوں کے سامنے اس بے بس پرندے کی سی ہو گی جسے شکاری نے پوری طرح اپنے جال میں پھنسا لیا ہو۔ اماں! میں اپنے اوپر ایسی حالت طاری نہیں ہونے دینا چاہتا۔ اماں! میں محمد امین خان کو اس عہدے، اس منصب سے کیسے علیحدہ کر دوں؟ جب وہ دربار میں میرے پاس آتا ہے تو اس کی موجودگی میں بادشاہ گروں کو ہمت اور جرأت نہیں ہوتی کہ کسی بھی موضوع پر مخالفانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے میرے ساتھ گفتگو کریں۔ ایک تو امین خان کا ذاتی اور شخصی رعب بھی ایسا ہے کہ بہت کم لوگ اس کے خلاف بولنے کی جرأت کرتے ہیں۔ اور پھر جب وہ بے باکانہ اور دلیرانہ انداز میں گفتگو کرتا ہے تو جو لوگ سازشوں اور شورشوں کے رسیا ہیں وہ ماند اور برف ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اماں! اب بتاؤ میں کیا کروں؟ دونوں بادشاہ گر چاہتے ہیں کہ میں محمد امین

Marfat.com

خان کو علیحدہ کر دوں۔ محمد امین خان کو علیحدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے دونوں ہاتھ کاٹ کر ان کے ہاتھوں میں دے دوں اور وہ جدھر اور جس طرف چاہیں مجھے گھسیٹتے پھریں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد محمد شاہ خاموش ہو گیا۔ رحیم النساء کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ گہری سوچوں میں کھو گئی تھی۔ مہر پرور بھی کچھ سوچ رہی تھی۔ آخر مہر پرور نے ایک گہری نگاہ محمد شاہ پر ڈالی پھر ہلکے ہلکے تبسم میں کہنے لگی۔

"بچے! فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری دادی کا تمہارے لئے مشورہ یہ ہے کہ ان بادشاہ گروں کے سامنے کبھی مت جھکنا۔ اس سے پہلے انہوں نے میرے خاندان کے بہت سے افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ ان کی موت کو میں نے کیسے برداشت کیا یہ میں ہی جانتی ہوں۔ اب میں اپنے خاندان کے کسی اور فرد کو بادشاہ گروں کا لقمہ نہیں بننے دینا چاہتی۔ میرے بچے! جو کچھ میں کہنے لگی ہوں، غور سے سننا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد پہلا کام تو یہ کرو کہ دونوں بادشاہ گروں سے کچھ دن کی مہلت طلب کرو۔ ان سے کہو اس سلسلے میں مجھے چند دن کی مہلت دو۔ اپنی دادی اور دوسرے سرکردہ لوگوں سے مشورہ کروں گا، اس کے بعد کوئی قدم اٹھاؤں گا جس میں تم دونوں بھائیوں کے اطمینان اور تسلی کا پہلو بھی نکلے گا۔ میرا اندازہ ہے تمہارے ان الفاظ سے بادشاہ گر کسی قدر مطمئن ہو جائیں گے اور انہیں حوصلہ ہو جائے گا کہ تم آخرکار امین خان کو وزارت کے عہدے سے ہٹانے پر رضامند ہو جاؤ گے۔ اس لئے جب تم ان سے کہو گے کہ تم ان سلسلے میں اپنی دادی سے مشورہ کرو گے تو وہ یہی خیال کریں گے کہ دادی کبھی نہیں چاہے گی کہ اس کے پوتے کو نقصان ہو۔ لہٰذا دادی امین خان کو ہٹانے کا مشورہ دے دے گی۔

میرے بچے! اس طرح چند دن تمہیں اپنا آپ سنبھالنے کے لئے مل جائیں گے۔ اور آج ہی تم نے دوسرا کام یہ کرنا ہے کہ تیز رفتار قاصد دکن کی طرف روانہ کر دو اور جس صورتِ حال سے اس وقت تم گزر رہے ہو اس کی اطلاع نظام الملک کو کر دو اور اس کو کہو کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ان بادشاہ گروں پر گرفت کی جائے۔ اس کو پیغام بھجواتے وقت یہ بھی کہنا کہ دہلی کے حالات اچھے نہیں ہیں اور اس موقع پر مہر پرور جسے تم اپنی ماں کہتے ہو تمہیں مدد کے لئے پکارتی ہے۔ محمد شاہ میرے بیٹے! میں تمہیں یقین

Marfat.com

دلاتی ہوں کہ میرا یہ پیغام سنتے ہی نظام الملک آندھی اور طوفان کی طرح اٹھے گا۔ میرا پیغام سن کر اس کے دل و دماغ میں آگ نہ بھڑک اٹھی تو پھر مجھے مہر پرور مت کہنا۔ اور مجھے امید ہے کہ جب دکن سے طوفان کی صورت نظام الملک اٹھے گا تو بڑے بڑے سازشیوں، بڑے بڑے عادی مجرموں، بڑے بڑے دراز دستوں کو اپنے سامنے پتوں کی طرح اُڑاتا ہوا دہلی کا رخ کرے گا۔ میرے بچے! تم ایک بار میرا یہ حربہ آزما کر تو دیکھو۔"

یہاں تک کہنے کے بعد مہر پرور رُکی، کچھ سوچا پھر اچانک رحیم النساء کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"رحیم النساء! فوراً میرے لئے پالکی تیار کراؤ۔ میں اسی وقت امین خان کے ہاں جانا پسند کروں گی۔"

مہر پرور کا یہ حکم سن کر رحیم النساء وہاں سے اٹھی اور باہر نکل گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد مہر پرور نے پھر محمد شاہ کو مخاطب کیا۔

"بیٹے! تُو یہیں رہ، میں اکیلی امین ان کے پاس جاتی ہوں۔ اس موضوع پر اس سے مشورہ کرتی ہوں اور سارے حالات سے اسے آگاہ بھی کرتی ہوں تاکہ میرے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ بھی اپنی طرف سے تیار رہے۔ تمہارا ان کے ہاں جانا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ بادشاہ گر ضرور تم پر نگاہ رکھتے ہوں گے اور انہوں نے اپنے ایسے آدمی مقرر کئے ہوں گے جو تمہاری نقل و حرکت کا جائزہ لیتے رہتے ہوں گے۔ اس لئے میں اکیلی امین خان کے ہاں جاتی ہوں۔"

محمد شاہ نے مہر پرور کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اتنی دیر تک رحیم النساء بھی آ گئی۔ پالکی کے تیار ہونے کی خبر پر محمد شاہ اپنی جگہ سے اٹھا، سہارا دے کر مہر پرور کو اٹھایا۔ دوسری طرف سے رحیم النساء نے بھی مہر پرور کو پکڑ لیا۔ باہر پالکی جما دی گئی تھی۔ دونوں نے سہارا دے کر مہر پرور کو پالکی میں بٹھا دیا اور پھر محمد شاہ کے کہنے پر کہار پالکی کو امین خان کی حویلی کی طرف لے جا رہے تھے۔

مہر پرور کی پالکی جب امین خان کی حویلی میں داخل ہوئی تب حویلی کے اندر اس کی آمد پر خوشی اور مسرت کا ایک کہرام اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اہلِ خانہ کے علاوہ اس وقت حویلی میں گوہر آراء، پاربتی، اروما۔ بشن دیوی بھی قیام کئے ہوئے تھیں۔ پالکی جس وقت حویلی

Marfat.com

میں داخل ہوئی تھی تو سب سے پہلے مہر پرور کے استقبال کے لئے امین خان، فیروز مرزا، عباد الدین اور شرف الدین باہر نکل آئے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے مہر النساء، قرہ خاتون، تقدلیس خانم، ماہ الملک، گوہر آراء، پاربتی، اروما، بشن دیوی غرض کہ ہر کوئی پالکی کی طرف دوڑا تھا۔

تقدلیس خانم اور قرہ خاتون دونوں نے سہارا دے کر مہر پرور کو پالکی سے نکالا۔ سب سے پہلے آگے بڑھ کر امین خان نے سلام کیا۔ اس کے بعد فیروز مرزا، عباد الدین اور شرف الدین نے بھی ایسا ہی کیا۔ مہر پرور مسکراتے ہوئے سب کے سروں پر ہاتھ پھیرتے جا رہی تھی۔ جب اس کی نگاہ گوہر آراء پر پڑی تو بے پناہ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”گوہر آراء! تم بھی یہاں ہو۔ بہرحال قرہ خاتون اور تقدلیس خانم کے پاس تمہارا جی خوب لگے گا۔“

پھر تقدلیس خانم اور قرہ خاتون سہارا دے کر مہر پرور کو اندرونی حصے کی طرف لے جا رہی تھیں یہاں تک کہ مہر پرور کہنے لگی۔

”تم سب پہلے مجھے دیوان خانے کی طرف لے کر چلو۔“

اس پر قرہ خاتون اور تقدلیس خانم دونوں مہر پرور کو دیوان خانے میں لے گئیں۔ دیوان خانے کے دروازے پر جا کر مہر پرور رکی پھر امین خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”امین خان! ساری عورتوں کو زنان خانے کی طرف بھجوا دو۔ ان سے میں بعد میں بات کروں گی۔ پہلے تم لوگ میرے ساتھ دیوان خانے میں آؤ۔“

مہر پرور کے ان الفاظ کے ساتھ ہی امین خان نے قرہ خاتون اور تقدلیس خانم دونوں بہنوں کو اشارہ کیا اور وہ سب عورتوں کو لے کر زنان خانے کی طرف چلی گئی تھیں۔ امین خان، فیروز مرزا، عباد الدین اور شرف الدین مہر پرور کو لے کر دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ ایک نشست پر اسے بٹھا دیا گیا۔ کچھ دیر لمبے لمبے سانس لے کر مہر پرور اپنے اوپر قابو پاتی رہی پھر قصر مین محمد شاہ کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی اس کی تفصیل اس نے امین خان سے کہہ دی تھی۔

دیوان خانے میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر امین خان مہر پرور کو مخاطب کرتے ہوئے

Marfat.com

بڑے دکھ بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"خانم! وہ لوگ جو محرومِ انسانیت پر مظلومی اور مجبوری کی مہریں ثبت کرتے ہیں وہ زیادہ عرصہ اپنی من مانی نہیں کر سکتے اس لئے کہ بہت جلد ان کے خلاف امن کے حامی، شانتی کے پیشوا اور اخلاقی قدروں کے امین نورِ صبح کی ہدایت کے علم اور صداقت کی قندیلیں لے کر اٹھتے ہیں اور ظلم اور استبداد کے علم چاک کرتے چلے جاتے ہیں۔ خانم! وہ لوگ جو راحتوں کے دامن کو اشک آلود جو دلوں کی بستیوں کو ویران کرتے ہیں جن کی غم آمیزی اوروں کے لئے بے زبانی بن جاتی ہے انہیں ایک نہ ایک روز تباہی اور بربادی کے بھنور کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے۔ خانم! یہ دونوں بادشاہ گر بھائی بھی ظلم و ستم اور خود آرائی کی آخری حدوں تک پہنچ چکے ہیں۔ میرے خداوند کو منظور ہوا تو عنقریب کوئی جرأت آموز، کوئی کرشمہ ساز ان کے خلاف اٹھے گا اور عدل و صداقت کو ثبات و دوام عطا کرے گا۔ میں جانتا ہوں یہ لوگ ایک عرصہ سے بغض، رقابت، رشک وحسد کی داستانیں لکھتے رہے ہیں۔ ان کے ہاتھ، ان کے چہرے، ان کے احساسات، ان کے جذبات دوسروں کے خون سے رنگین ہیں۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ تغیرات باطل سے نکل کر خارج کا روپ دھار لے گا اور پھر ایسے لوگوں کے لئے تلخ حقائق کی داستانیں رقم ہوں گی۔"

امین خان یہاں تک کہنے کے بعد رکا، دم لیا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"آپ یہ خیال نہ کیجئے کہ جو کچھ محمد شاہ پر گزر رہا ہے میں اس سے واقف نہیں ہوں، بے بہرہ ہوں۔ میرے حمایتی، میرے طرف دار بھی اپنا کام کر رہے ہیں اور وہ مجھے پل پل کی خبریں پہنچا رہے ہیں۔ آپ کو تو محمد شاہ نے آج بتایا ہے کہ بادشاہ گر چاہتے ہیں کہ مجھے میرے منصب سے سبکدوش کر دیا جائے اس لئے کہ میرا منصب بادشاہ گر اپنے کسی پسندیدہ آدمی کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مجھے بادشاہ گروں کے ان ارادوں کی خبر بہت پہلے ہو چکی ہے اور اس سلسلے میں، میں نے اپنے بھتیجے نظام الملک سے رابطہ بھی قائم کر رکھا ہے۔"

امین خان رکا، کچھ سوچا پھر دوبارہ کہہ رہا تھا۔

"خانم! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب بربادی اور خون ریزی کا یہ کھیل طویل

Marfat.com

نہیں ہو گا۔''

امین خان کو رک جانا پڑا اس لئے کہ دکھ بھرے انداز میں مہر پرور بول اٹھی تھی۔

''امین خان! میں ایسے تماشے اس سے پہلے بہت دیکھ چکی ہوں۔ میں وہ بدقسمت عورت ہوں جس کے سامنے اس کے چار بیٹے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ وہ سیاہ بخت عورت ہوں جس کی آنکھوں کے سامنے اس کے کئی پوتے موت کے گھاٹ اتار کر لحد میں اتار دیئے گئے۔ اب لے دے کر یہ میرے پاس محمد شاہ رہتا ہے۔ اس پر بھی بادشاہ گروں نے نظریں گاڑ دی ہیں۔''

مہر پرور جب رکی تب اسے تسلی دینے کے انداز میں امین خان بول اٹھا۔

''آپ بالکل کوئی فکر نہ کریں۔ اگر دونوں بادشاہ گر یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ بے لگام ہو گئے ہیں، بے نتھے بیل، بے مہار اونٹ کی طرح جس طرف چاہیں تباہی اور بربادی کا رخ پھیرے رہیں تو اب انہیں ایسا نہیں کرنے دیا جائے گا۔ خانم! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں بس چند دن صبر کیجئے۔ پھر دیکھئے ان بادشاہ گروں کے خلاف دکن سے کیا طوفان اٹھتا ہے۔ میں نے صورت حال سے اپنے بھتیجے کو آگاہ کر دیا ہے اور میرا اس سے مکمل رابطہ بھی ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔ عنقریب خداوند نے چاہا تو آپ کو اچھی خبریں سننے کو ملیں گی۔

خانم! جہاں تک محمد شاہ کا تعلق ہے تو میں نے اپنی طرف سے اس کی حفاظت کا بندوبست خوب کر رکھا ہے۔ اس کے جو محافظ دستے ہیں ان کے علاوہ بھی اس کے اردگرد میرے آدمی رہتے ہیں جو اس کی سلامتی، اس کی حفاظت کو یقینی بناتے ہیں۔ آپ محمد شاہ سے متعلق بھی بالکل بے فکر ہو جائیں۔ میں جانتا ہوں ان دنوں حالات بے حد ابتر اور خراب ہیں۔ لیکن یہ ابتری چند روزہ ہے۔ خداوند نے چاہا تو بہت جلد میں اچھے دنوں کی خبر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔''

امین خان رکا۔ تب دکھ بھرے انداز میں مہر پرور کہنے لگی۔

''ان ظالموں نے مجھے تو دکھ ہی دیئے ہیں۔ لیکن تمہارے دو بیٹوں اور ایک بہو کو بھی تم سے محروم کر دیا۔ عداوت پرستی کے لئے کسی کے خلاف ایسا جبر، ایسا ظلم کرنا ناقابل برداشت ہے اور میں تو سمجھتی ہوں اس سے پہلے تمہارے پوتے مجتبیٰ پر بھی انہوں نے ہاتھ ڈالا تھا۔''

Marfat.com

جواب میں امین خان نے ایک لمبا سانس لیا اور کہنے لگا۔
"خانم! یہ لوگ میرے گھر کے چار افراد کے قاتل ہیں۔ عنقریب انہیں اپنے ان سیاہ اعمال کا حساب دینا ہو گا۔ اب تک میں خاموش رہا ہوں لیکن خاموشی کبھی کبھی آہوں بھرا طوفان بن کر بھی اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ جو بڑے بڑے ستم گروں کو اپنے سامنے بہا کر لے جاتی ہے۔ یہی حال انشاء اللہ ان بادشاہ گروں کا بھی ہو گا۔"
امین خان کے خاموش ہونے پر مہر پرور نے اِدھر اُدھر دیکھا، پھر کہنے لگی۔
"مجھے تمہارے گھر کے سارے افراد یہاں بیٹھے دکھائی نہیں دے رہے۔ فیروز مرزا کے ساتھ یہ جو لڑکے بیٹھے ہوئے ہیں ان میں سے ایک تو فیروز مرزا کا ہے۔ اس کا نام میرے خیال میں عباد الدین ہے اور دوسرا علی مردان کا شرف الدین ہے۔ علی مردان کا ایک چھوٹا بڑا خوبصورت بچہ ہے جو قندھار سے آیا ہے۔ وہ کہاں ہے؟ اور عباد الدین کا بھی ایک چھوٹا بھائی ہے، قاورد خان وہ بھی اس وقت یہاں نہیں ہے۔"
جواب میں امین خان کہنے لگا۔
"خانم! وہ دونوں کچھ زیادہ جذباتی ہو گئے تھے اور ان بادشاہ گروں کے کچھ عزیزوں سے انتقام لینے کے لئے دکن نظام الملک کی طرف چلے گئے ہیں۔ اس لئے کہ میرے عزیز و اقارب کے جو قاتل ہیں ان میں سے اکثر دکن ہی میں قیام کئے ہوئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ عنقریب دکن سے مجھے اچھی خبریں سننے کو ملیں گی۔"
لحہ بھر کے لئے مہر پرور مسکرائی پھر کہنے لگی۔
"امین خان! جہاں میں تمہارے گھر میں کچھ مردوں کو غائب دیکھتی ہوں وہیں تمہارے گھر میں کچھ زائد عورتیں بھی دیکھتی ہوں۔ تمہارے گھر میں چار ہی عورتیں تھیں مہر النساء تقدیس خانم، قرہ خاتون اور خوبصورت بچی ماہ الملک۔ جو نئی ہیں ان میں سے ایک تو گوہر آراء ہے اسے میں پہچانتی ہوں۔ باقی تین کو میں نہیں جان سکی۔ ذرا ان سب کو یہاں بلاؤ تا کہ میں دیکھوں کہ وہ کون ہیں۔"
اس موقع پر امین خان نے شرف الدین کو ساری عورتوں کو بلانے کے لئے کہا۔ شرف الدین اپنی جگہ سے اٹھ کر دیوان خانے سے نکلا۔ جب وہ زنان خانے کی طرف گیا تو اسے سامنے ماہ الملک دکھائی دی۔ ماہ الملک کا کیونکہ شرف الدین کے ساتھ رشتہ طے ہو چکا تھا لہٰذا وہ اس سے کچھ کچھ شرمانے بھی لگی تھی۔ شرف الدین کو دیکھتے ہی وہ

Marfat.com

فوراً زنان خانے کی دوسری سمت بھاگنے لگی تھی کہ شرف الدین نے اسے آواز دے کر روکا

شرف الدین کے اس طرح پکارنے پر ماہ الملک رک گئی۔ شرف الدین اس کے قریب آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ماہ الملک! ساری عورتوں کو دیوان خانے میں لے کر آؤ۔ اس لئے کہ مہر پرور سب سے ملنا چاہتی ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی شرف الدین پلٹا جبکہ ماہ الملک اس کمرے میں داخل ہوئی تھی جس کمرے میں سب عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔

شرف الدین دوبارہ اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ساری عورتیں دیوان خانے میں داخل ہوئیں اور نشستوں پر بیٹھ گئیں۔ مہر پرور کچھ دیر تک بڑے غور سے سب کا جائزہ لیتی رہی پھر کہنے لگی۔

"امین خان! عورتوں میں تین ایسی ہیں جو میرے لئے نا آشنا اور اجنبی ہیں۔ کیا ان سے میرا تعارف نہ کراؤ گے؟"

امین خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

"خانم! جو خوبصورت بچی گوہر آراء کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے یہ پاربتی ہے۔ گوہر آراء کی چھوٹی بہن۔ اور جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کی راج کماری ہے۔ اس کے آگے اجیت سنگھ کی پتنی بشن دیوی ہے اور اس کے بعد بنارس کے راجہ منس رام کی بیٹی اروما دیوی ہے۔"

پھر ہاتھ کے اشارے سے تینوں کو مہر پرور نے قریب بلایا۔ تینوں اپنی جگہ پر اٹھیں۔ مہر پرور کے سامنے جا کر جھکیں، اسے تعظیم دی۔ پھر مہر پرور نے خوش کن انداز میں سب کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر وہ تینوں اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئی تھیں۔ امین خان نے اس موقع پر پھر مہر پرور کو مخاطب کیا۔

"خانم! ہم نے ایک فیصلہ بھی کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ ہمارے اس فیصلے سے اتفاق کریں گی۔"

مہر پرور نے غور سے امین کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

"امین تمہاری حیثیت میرے ہاں بھائیوں کی سی ہے۔ کہو کیا معاملہ ہے؟"

Marfat.com

امین خان کچھ دیر دھیمے دھیمے مسکراتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''خانم! گوہر آراء اب ہماری ساتھ والی حویلی میں قیام کر چکی ہے۔ آپ کی بڑی مہربانی کہ آپ نے اسے یہ حویلی عنایت کی۔ خانم! گوہر آراء کا رشتہ میں نے فیروز مرزا کے بیٹے عباد الدین کے ساتھ طے کر دیا ہے۔ حالات کچھ ٹھیک ہو جائیں تو میں ان کی شادی کا اہتمام کروں گا۔ اس موقع پر ایک نہیں کئی شادیوں کا اہتمام کیا جائے گا خانم! گوہر آراء کے ساتھ جو راجکماری پاربتی بیٹھی ہوئی ہے جو گوہر آراء کی چھوٹی بہن ہے اس کا رشتہ ہم نے علی مردان کے چھوٹے بیٹے شہاب الدین کے ساتھ کر دیا ہے۔ گوہر آراء اور پاربتی کی ماتا بشن دیوی کی مہربانی کہ اس نے اس رشتے کے لئے ہامی بھر لی ہے۔ اب سمجھیں کہ یہ رشتہ پکا ہے، کسی مناسب موقع پر اس شادی کا بھی اہتمام کر دیا جائے گا۔ خانم آگے بنارس کے راجہ منس رام کی بیٹی اروما دیوی بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کا رشتہ فیروز مرزا کے چھوٹے بیٹے قاورد خان کے ساتھ ہم نے طے کر دیا ہے۔''

مہر پرور نے ہاتھ کے اشارے سے پاربتی اور اروما دونوں کو اپنے پاس بلایا۔ دونوں مسکراتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھیں۔ مہر پرور کے قریب آئیں۔ مہر پرور نے دونوں کو اپنے دائیں بائیں بٹھایا، پھر بڑے پیارے انداز میں راجکماری اروما کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بیٹا! میں سمجھتی ہوں کہ یہ تیری خوش قسمتی ہے کہ تو امین خان کے گھر آ رہی ہے۔ بیٹی! یہ وہ گھرانہ ہے جس کے ہماری سلطنت پر بڑے احسانات ہیں اور میں امید اور توقع رکھتی ہوں کہ تو یہاں بڑی خوش اور پرسکون رہے گی۔ اور پھر قاورد خان کو میں ذاتی طور پر جانتی ہوں۔ بہت اچھا بچہ ہے۔ یہ بچے ہمارے ہاتھوں کے پلے ہوئے ہیں تمہیں لعل و گوہر سمجھ کر اپنے پاس رکھیں گے۔''

اس کے بعد مہر پرور دائیں جانب مڑی۔ اپنا بازو اس نے پاربتی دیوی کی کمر میں ڈالا، اسے اپنے ساتھ لپٹایا پھر اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے گئی اور بڑی محبت اور شفقت سے کہنے لگی۔

''سب سے پہلے تو میں تمہیں یہ کہوں تو چونکہ گوہر آراء کی چھوٹی بہن ہے اس لئے مجھے بے حد عزیز ہے۔ بچی! اس موقع پر میں فخریہ انداز میں تجھ سے یہ بھی کہنا پسند کروں گی کہ تو میرے اندازے کے مطابق دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہے جو امین

Marfat.com

خان کے گھر میں آ رہی ہے۔ بے شک تُو جودھ پور کی راجکماری ہے پر امین خان جیسا گھرانہ میری بچی! تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔ اور پھر شہاب الدین انتہا درجہ خوبصورت ہے، دراز قد ہے، جرأت مند ہے۔ ایسے نوجوان ڈھونڈے سے نہیں ملتے بیٹی۔ میں تم سے جھوٹ نہیں کہوں گی۔ بچپن میں، میں نے شہاب الدین کو اس وقت دیکھا تھا جب وہ پٹنہ سے یہاں دہلی آیا تھا، اس کے بعد قندھار چلا گیا۔ جب یہ قندھار سے لوٹا تو اس وقت میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی کہ چھوٹا سا بچہ اس قدر خوبصورت اور توانا جوان ہو گیا ہے۔ میں اکثر سوچا کرتی تھی کہ کاش میرے خاندان میں کوئی لڑکی اس کے جوڑ کی ہوتی تو میں اسے اس سے بیاہ دیتی۔ اب تیری کیونکہ اس سے سگائی کر دی گئی ہے لہٰذا میں تمہیں اس خوش قسمتی پر مبارک باد دیتی ہوں۔“

پاربتی نے دھیمے سے لہجے میں مہر پرور کا شکریہ ادا کیا، ممنونیت سے اس کی طرف دیکھنے لگی پھر مہر پرور امین خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”امین خان! میں اب جاؤں گی۔ جس موضوع پر میں نے گفتگو کی ہے اس کا خیال رکھنا اور جو تبدیلی تم لانا چاہتے ہو میں بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کروں گی۔“

اس کے ساتھ ہی مہر پرور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے اٹھتے ہی سب لوگ کھڑے ہو گئے تھے۔ پالکی تک سب اس کے ساتھ گئے پھر مہر پرور وہاں سے چلی گئی تھی۔

❁

چھوٹا بادشاہ گر حسین علی ایک روز اپنی رہائش گاہ میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ بڑا بادشاہ گر حسن علی اس کمرے میں داخل ہوا۔ اپنے بڑے بھائی کی تعظیم کے لئے حسین علی اٹھ کھڑا ہوا۔ حسن علی آگے بڑھ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر اس کمرے میں خاموشی رہی، پھر حسین علی بڑے غور سے بڑے بادشاہ گر حسن علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے بھائی! تم محمد شاہ کی طرف گئے ہوئے تھے۔ جس کام کے لئے گئے تھے اس کا کیا بنا؟“

بڑے بادشاہ گر نے ایک بھرپور نظر حسین علی پر ڈالی پھر کہنے لگا۔

”میں محمد شاہ سے تفصیلی گفتگو کر کے آ رہا ہوں۔ وہ میرے ساتھ بڑا اچھا پیش آیا ہے۔ میری تعظیم اس نے ایسے کی جیسے تم مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھ کر کرتے ہو۔ حسین علی!

Marfat.com

امین خان کو وزارت کے منصب سے علیحدہ کرنے کے لئے تم کچھ زیادہ ہی جلد بازی سے کام لے رہے ہو۔ یہ معاملہ اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ محمد شاہ کے پاس جانے سے پہلے میرے اور تمہارے درمیان گفتگو ہوئی تھی اس میں بھی میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ اپنا کام ایسی صفائی ستھرائی اور خاموشی سے کرنا چاہئے کہ کام بھی ہو جائے اور کسی کو ہم پر شک کرنے کا موقع بھی نہ ملے۔ جو گفتگو اس وقت میری محمد شاہ سے ہوئی ہے اس کے مطابق محمد شاہ نے مجھ سے ایک مہینے کی مہلت مانگی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس دوران وہ مختلف لوگوں کا جائزہ لے گا اور کسی ایسے شخص کو وزارت کے منصب پر مقرر کرے گا جو محمد شاہ اور ہم دونوں بھائیوں کے لئے قابل قبول ہو۔ یہ جواب کیونکہ مناسب تھا اس لئے میں خاموش ہو گیا ہوں۔''

بڑا بادشاہ گر جب خاموش ہوا تب ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے چھوٹا بادشاہ گر بول اٹھا۔

''اور اگر ایک مہینے کی مہلت حاصل کرنے کے بعد بھی محمد شاہ نے امین خان کو وزارت کے منصب سے علیحدہ نہ کیا تو پھر......؟''

بڑا بادشاہ گر حسن علی تاؤ کھا گیا۔ غصیلی آواز میں کہنے لگا۔

''محمد شاہ کی کیا مجال کہ وہ ایک مہینے کے اندر اندر امین خان کو سبکدوش نہ کردے۔ اگر مجھے اس بات کی بھنک بھی پڑ گئی کہ وہ ہمارے کہنے کو ٹالنے کا ارادہ رکھتا ہے تو پھر محمد شاہ وہیں پہنچ جائے گا جہاں اس سے پہلے فرخ سیر اور اس کے بہت سے عزیز و اقارب پہنچ چکے ہیں۔ میرے بھائی! یہ میرے اور تمہارے درمیان طے شدہ معاملہ ہے کہ امین خان وزارت کے منصب پر نہیں رہے گا اور نہ ہی ہم اسے اس منصب پر برداشت کریں گے۔ لیکن اس معاملے کو ذرا طریقے سے نمٹانا پڑے گا۔ امین خان کی بھی کوئی طاقت اور قوت ہے۔''

حسن علی کو کہتے کہتے رک جانا پڑا اس لئے کہ خدشات کا اظہار کرتے ہوئے حسین علی بول اٹھا۔

''اگر اس ایک ماہ کے دوران امین خان نے اپنی طاقت اور قوت کو استعمال کرتے ہوئے الٹا ہمیں اپنے سامنے بے بس کر دیا اور ہمیں ہمارے منصبوں سے معزول کر کے ہمیں زندان میں ڈال دیا تو پھر آپ کا ردِ عمل کیا ہو گا؟''

Marfat.com

بڑے بادشاہ گر کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، پھر کہنے لگا۔

"محمد شاہ اور امین خان کی ایسی تیسی۔ ان دونوں کی کیا جرأت ہے کہ اس طرح ہمارے خلاف حرکت میں آئیں اور ہمیں زندان کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیں۔ زندان کی سلاخون کے پیچھے تو جب تم چاہو میں انہیں ڈال سکتا ہوں۔ لیکن میں معاملے کو ذرا تم سے مختلف طریقے سے نمٹانا چاہتا ہوں۔"

حسن علی جب خاموش ہوا تب حسین علی پھر بول اٹھا۔

"اور یہ جو چند دن پہلے محمد شاہ کی دادی مہر پرور پالکی میں بیٹھ کر امین خان کی حویلی میں گئی تھی اس کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ کس مقصد کے تحت وہاں گئی تھی۔"

حسن علی کے چہرے پر پھر طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور کہنے لگا۔

"حسین علی! تم کس قسم کی گفتگو کرتے ہو؟ ایک بوڑھی عورت جو اس وقت موت کے انتظار میں ہے، قبر کے کنارے بیٹھی ہوئی ہے وہ اگر سو بار بھی پالکی میں بیٹھ کر امین خان کی طرف چلی جائے تو وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہے؟ اور پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ ان لوگوں کے امین خان کے خاندان کے ساتھ پرانے تعلقات ہیں اور ان کا آپس میں پہلے سے ملنا جلنا ہے۔ وہ بوڑھی عورت گئی ہو گی امین خان کی عورتوں سے ملنے کے لئے۔ اگر وہ ملکی سیاست میں اس قدر متحرک اور سرگرم ہوتی تو اس کے جیتے جی اس کے چار بیٹے اس کی آنکھوں کے سامنے ہلاک کیوں کر دیئے جاتے۔ اس کے کئی پوتے اپنی جانوں سے کیوں ہاتھ دھو بیٹھتے؟ لہٰذا تم اس بوڑھی عورت کی طرف سے کوئی خطرہ محسوس نہ کرو۔ وہ بالکل ہمارے لئے کسی خطرے کا باعث نہیں بن سکتی۔"

حسن علی جب خاموش ہوا تب اس کمرے میں خاموشی رہی پھر اس کے بعد حسین علی پھر بول اٹھا۔

"بھائی! اگر میرا بس چلے تو میں اس امین خان کو ایک دن کے لئے بھی وزارت کے منصب پر نہ رہنے دوں۔ بھائی! آپ اس بات کو تو تسلیم کریں گے کہ محمد شاہ نے امین خان کو وزارت کے منصب پر اپنی دادی مہر پرور کے کہنے پر مقرر کیا تھا۔"

جواب میں حسن علی نے گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا، کہنے لگا۔

"حسین علی! جلد بازی سے کام نہ لو۔ جلد بازی میں عموماً انسان ٹھوکر کھاتا ہے، گرتا ہے اور نقصان اٹھاتا ہے۔ یہ امین خان ملکی سیاست میں نیا تو نہیں ہے۔ اس کا خاندان

Marfat.com

قدیم مغلیہ سلطنت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز آتا رہا ہے۔ فرخ سیر نے بھی اسے اس منصب پر مقرر کیا تھا۔ پھر جب ہم نے فرخ سیر کو دھمکی دی تو اس نے اس منصب سے ہٹا کر اسے مالوہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ اور جب ہم نے مزید فرخ سیر کو دھمکی دی تو اس نے امین خان کو مالوہ کی حاکمیت سے بھی محروم کر دیا۔ جس طرح فرخ سیر کو ہم نے اپنے سامنے بے بس کیا تھا حسین علی! ایسے ہی یہ محمد شاہ بھی ہمارے اشاروں پر ناچے گا۔ نہیں ناچے گا تو پھر دہلی کے قصر کی بجائے شہرِ خموشاں کے قصر میں جائے گا جہاں سے کبھی کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔

تم فکر نہ کرو حسین علی! ایک مہینہ کچھ زیادہ مدت نہیں۔ پلک جھپکتے میں گزر جائے گی۔ ایک مہینے کے بعد دو کاموں میں سے ایک ضرور ہو گا یا تو امین خان وزارت کے منصب سے علیحدہ کر دیا جائے گا اور اگر ایسا نہیں ہو گا تو پھر اس سے دوگنا کام ہو جائے گا۔ نہ محمد شاہ مغل شہنشاہ رہے گا اور نہ امین خان وزارت کے منصب پر رہے گا۔ دونوں ہی منوں مٹی تلے دفن ہو کر رہ جائیں گے۔ کسی کو اعتراض کرنے کی جرأت اور جسارت نہ ہو گی۔"

اس کے ساتھ ہی حسن علی اٹھ کھڑا ہوا اور حسین علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔
"اب تم میرے ساتھ چلو۔ دونوں رتن چند کی طرف چلتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ کچھ مالیاتی امور نمٹانے ہیں۔"

حسن علی کے کہنے پر حسین علی اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر دونوں اس کمرے سے نکل گئے تھے۔

✵ ...... ✵

Marfat.com

●●●

نظام الملک کی حویلی میں ایک روز خود نظام الملک، اس کا بیٹا معین الملک، دوسرا بیٹا غازی الملک، حیدر بیگ، شہاب الدین اور قاور دخان بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ گھر کا ایک خادم دیوان خانے کے دروازے پر نمودار ہوا اور نظام الملک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"مالک! دہلی سے ایک شخص آیا ہے۔ وہ آپ کے لئے کوئی ضروری پیغام رکھتا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں اسے یہیں لے آؤں؟"

ان الفاظ پر سب چونک سے گئے تھے۔ نظام الملک بے چین سا ہو گیا تھا۔ کہنے لگا۔ "اسے فوراً یہیں دیوان خانے میں لے آؤ۔"

وہ خادم وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک شخص کو اپنے ساتھ لایا۔ جب وہ اس کمرے میں داخل ہوا تو سب نے پُر جوش انداز میں اس سے مصافحہ کیا۔ نظام الملک نے اسے اپنے قریب بٹھا لیا۔ لمحہ بھر کے لئے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا، کچھ کہنا چاہتا تھا کہ آنے والا اس سے پہلے ہی بول اٹھا۔

"مجھے محترم امین خان نے آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔ دونوں بادشاہ گر بھائی اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ امین خان اور محمد شاہ کے خلاف حرکت میں آچکے ہیں۔ بادشاہ گروں نے محمد شاہ پر دباؤ ڈالا تھا کہ وہ فی الفور امین خان کو وزارت کے منصب سے علیحدہ کر دے۔ محمد شاہ ایسا نہیں چاہتا۔ اس لئے اس سلسلے میں اس نے اپنی دادی سے مشورہ کیا۔ دادی نے یہ مشورہ دیا کہ اس سلسلے میں بادشاہ گروں سے کچھ مہلت مانگو۔ ساتھ ہی اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے محمد شاہ کی دادی مہر پرور، امین خان کے پاس گئی اور پورے حالات سے اسے آگاہ کیا۔ امین خان نے مہر پرور کو تسلی دی کہ

Marfat.com

حالات خراب نہیں ہوں گے، بہتری ہی ہو گی۔ اب محترم امین خان نے مجھے آپ کی طرف روانہ کیا ہے کہ اگر آپ کے پاس اتنی طاقت اور قوت ہو کہ دہلی کی طرف کوچ کر کے حالات کو سنبھالا دے سکیں تو پھر دہلی کی طرف کوچ کرنے میں تاخیر سے کام نہ لیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو بادشاہ گروں کے ہاتھوں محمد شاہ اور خود محترم امین خان کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

یہ الفاظ سن کر شہاب الدین اور قادرد خان کا چہرہ غصے میں سرخ ہو گیا تھا۔ اس موقع پر شہاب الدین برداشت نہ کر سکا، قاصد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اگر ان بادشاہ گروں نے میرے دادا کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو قسم خداوند قدوس کی میں ان دونوں کو وہاں پہنچاؤں گا جہاں سے ان کی کسی کو خیر وخبر بھی دریافت نہ ہو گی۔ میں انہیں ایسی ذلت کی موت ماروں گا کہ یہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت خیزی کا سامان بن جائیں گے۔ اگر میرے دادا کو ان کے ہاتھوں ذرا سا بھی نقصان ہوا تو پھر......"

شہاب الدین یہیں تک کہنے پایا تھا کہ نظام الملک نے تڑپ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، اسے خاموش کرایا پھر کہنے لگا۔

"شہاب الدین! میں تیرے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔ پر میرے بچے یہ بھی تو سوچ امین خان اگر تیرا دادا ہے تو میرا چچا ہے۔ اگر اسے کسی نے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو قسم اللہ پاک کی میں وہ انقلاب، وہ طوفان کھڑا کروں گا جس کے سامنے یہ بادشاہ گر تنکوں کی طرح اُڑتے دکھائی دیں گے۔ اگر انہوں نے میرے چچا کو ہٹانے کے لئے محمد شاہ کو ایک مہینے کی مہلت دی ہے تو اس ایک مہینے کے اندر میں ان بادشاہ گروں کو دن کے وقت تارے دکھا دوں گا۔"

پھر نظام الملک یعنی قمر الدین نے آنے والے قاصد کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کیا۔ "تُو تھکا ہارا ہو گا، اس بناء پر......"

نظام الملک اپنی بات پوری نہ کر سکا اس لئے کہ قاصد بول پڑا اور کہنے لگا۔

"معاف کیجئے گا، میں آپ کی بات کاٹ رہا ہوں۔ میں بالکل تھکا ہارا نہیں ہوں۔ میں یہاں قیام نہیں کروں گا اس لئے کہ محترم امین خان نے مجھے واپس آ کر صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے لئے کہا تھا۔ میں ایک منزل پیچھے آرام کر چکا ہوں۔ جو پیغام

Marfat.com

آپ مجھے دیں گے وہ پیغام میں آج ہی لے کر واپسی کا سفر کرلوں گا۔"

نظام الملک مسکرایا اور کہنے لگا۔

"لیکن اس طرح تم ہمیں تو میزبانی کا موقع نہ دو گے۔ دیکھو تمہیں......"

قاصد پھر بول اٹھا۔

"آپ بے فکر رہیں۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔آپ صرف جو پیغام محترم امین خان کو دینا چاہتے ہیں وہ کہیں۔ اس پیغام کو لے کر میں آندھی اور طوفان کی طرح واپس جانا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ دہلی کے حالات اب دن بدن بادشاہ گروں کی وجہ سے مخدوش ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں کسی کی نہ جان محفوظ ہے اور نہ کسی کی آبروعزت کو تحفظ حاصل ہے۔"

قاصد کے ان الفاظ پر نظام الملک کے چہرے پر غصے کے آثار اور پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئی تھیں، کہنے لگا۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر واپس جا کر میرے چچا سے کہنا کہ عنقریب بادشاہ گروں کی توجہ محمد شاہ اور میرے چچا امین خان سے ہٹ کر دکن کی طرف ہو جائے گی۔ انہوں نے جو محمد شاہ اور میرے چچا امین خان کو ایک مہینے کی مہلت دے رکھی ہے وہ اس مہلت کو بالکل ہی بھول بیٹھیں گے اور دوسروں کی جان لینے کی بجائے خود ان دونوں کو اپنی جانوں کے لالے پڑ جائیں گے۔ دکن میں جو ان کے بے شمار اہل خانہ بیٹھے ہوئے ہیں انہیں ان کے تحفظ اور ان کی حفاظت کی فکر لاحق ہو جائے گی۔"

نظام الملک کے ان الفاظ کے ساتھ ہی قاصد مسکرایا، اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"محترم نظام الملک! میں رکوں گا نہیں۔ خداوند قدوس کی قسم جو ردِ عمل میں نے اپنے من میں ٹھان رکھا تھا اس کا اظہار آپ نے کر دیا ہے۔ اب میں مطمئن ہو گیا ہوں اور جو پیغام آپ دے رہے ہیں یہ پیغام سن کر امین خان اور محمد شاہ بھی یقیناً مطمئن اور بے فکر ہو جائیں گے۔ اب مجھے اجازت دیں، میں رخصت ہوں گا۔ میں یہاں قیام نہیں کروں گا۔ اسی میں ہم سب کی بہتری ہے اور میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ مجھے روکئے گا نہیں۔"

نظام الملک مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ سب قاصد کو رخصت کرنے کے لئے

Marfat.com

دروازے تک آئے۔ جب قاصد چلا گیا تب حویلی کے دروازے پر کھڑے ہی کھڑے نظام الملک اپنے بیٹے معین الملک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''معین الملک میرے بیٹے! تم ذرا میرے ساتھ آؤ۔ دونوں باپ بیٹا مستقر کی طرف جاتے ہیں۔ میرے بچے اب ہم سب کے امتحان کا وقت آ گیا ہے۔ مستقر میں جا کر لشکر کی تیاری کا حکم دیتے ہیں۔ میرے بچے! جس مقصد کے لئے میں نے یہ لشکر تیار کیا تھا اب وہ وقت ہمارے سروں پر آن پہنچا ہے اور اس لشکر سے ہم خوب کام لیں گے۔''

نظام الملک کے ان الفاظ کے جواب میں اس کا بیٹا معین الملک تھوڑی دیر تک مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ یاد رہے یہ وہی معین الملک ہے جو بعد میں پنجاب کا حاکم بھی مقرر کیا گیا اور یہ وہی معین الملک ہے جسے تاریخ کے اوراق میں میر منوں کا بھی نام دیا گیا۔ وہی میر منوں جس نے مان پور کی ہولناک جنگ میں احمد شاہ ابدالی جیسے نایاب سپہ سالار کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا اور تاریخ کے اوراق میں اسی معین الملک یعنی میر منوں کو مان پور کا سورما تسلیم کیا گیا تھا۔

بہر حال اپنے باپ کے ان الفاظ کے جواب میں معین الملک یعنی میر منوں مسکرایا پھر کہنے لگا۔

''اے میرے باپ! میں تو اس وقت کا آپ سے بھی زیادہ بے چینی اور بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس لشکر کو حرکت میں لانے کا موقع آیا ہے جو ہم نے تیار کر رکھا ہے۔ اب دنیا دیکھے گی کہ ان بادشاہ گروں کے خلاف نظام الملک اور اس کے بیٹے اور عزیز و اقارب کیسے حرکت میں آتے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی نظام الملک نے شہاب الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ کہنا چاہا لیکن شہاب الدین بول اٹھا۔

''آپ صرف میرے بھائی میر منوں کو نہیں لے جا سکتے، ہم سب بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔ اس لئے کہ ہم حویلی میں بیٹھ کر کیا کریں گے؟ اس کے علاوہ جو لشکر یہاں سے کوچ کرے گا اس میں، میں نہیں جانتا آپ کے علاوہ کون کون شامل ہوں گے لیکن میں اور قادر دتو اس میں ضرور شامل ہوں گے۔''

شہاب الدین کے ان الفاظ پر نظام الملک نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

Marfat.com

"اچھا، پہلے تو سب میرے ساتھ آؤ۔ سب مستقر میں چلتے ہیں۔ لیکن یہاں بھی تو کسی کو رہنا ہے۔"

پھر چند لمحوں کی سوچ بچار کے بعد نظام الملک خود ہی اپنے بیٹے غازی الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"غازی الملک میرے بچے! میں اور باقی سب آنے والی شب کو لشکر کے ساتھ کوچ کر جائیں گے۔ بیٹے! تم یہیں رہو، یہاں کے حالات پر گہری نظر رکھو۔ گھر کے حالات کو میری غیر موجودگی میں تم سنبھالے رہو گے۔ اب جواب میں کوئی پس و پیش نہ کرنا۔ میرے ساتھ جانے پر اصرار نہ کرنا بیٹے اسی میں ہم سب کی بہتری ہے۔"

نظام الملک کے ان الفاظ پر غازی الملک نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ پھر سب حویلی سے نکل کر مستقر کی طرف چلے گئے تھے۔

✿

نظام الملک نے آخر کار اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا۔ شمال کا رخ کرتے ہوئے اس نے بڑی برق رفتاری سے پیش قدمی شروع کی۔ دریائے نربدا کو عبور کرنے کے بعد سب سے پہلے اس نے خان دیش کا رخ کیا۔ یہ سارا علاقہ چھوٹے بادشاہ گر حسین علی کی عملداری خیال کیا جاتا تھا اس لئے کہ ماضی میں اسے ان سارے علاقوں کا حاکم مقرر کیا گیا تھا لیکن دہلی کی سازشوں میں شرکت کرنے کے لئے اس کا قیام دہلی میں ضروری تھا لہٰذا حسین علی نے اپنی طرف سے ان علاقوں کا حاکم اپنے ایک عزیز اور رشتہ دار کو بنا رکھا تھا اور وہ اس سارے علاقے کی دیکھ بھال کرتا تھا اور سارے حالات کی خبریں دہلی میں حسین علی تک پہنچاتا رہتا تھا۔

اس کے علاوہ حسین علی نے اپنے اس علاقے میں دو بڑے بڑے لشکر حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ ایک لشکر برہان پور میں تھا جس کی کمانداری صفدر علی کے ہاتھ میں تھی اور دوسرا لشکر برار کے علاقے میں تھا جسے بالا پور بھی کہتے ہیں اور بالا پور میں جو لشکر تھا اس کی کمانداری عالم علی کے ہاتھ میں تھی۔ اور یہ دونوں بادشاہ گروں کے عزیز و اقارب اور رشتہ دار تھے۔

اسکے علاوہ برہان پور میں دونوں بادشاہ گروں کی ماں نے بھی قیام کیا ہوا تھا۔ وہ خود بھی ان علاقوں کی سیاست اور ان علاقوں کے تحفظ میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا

Marfat.com

کرتی تھی۔

اس طرح گویا بادشاہ گروں نے اپنے خاندان کے زیادہ تر افراد کو دکن ہی میں مقیم کیا ہوا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک وہ دہلی میں بادشاہ گر کی حیثیت سے ہیں کوئی انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اگر کبھی حالات دہلی میں ان کے خلاف ہو بھی گئے تو وہ وہاں سے اٹھ کر دکن جائیں گے۔ دکن میں کیونکہ ان کے پاس اچھی خاصی عسکری طاقت اور قوت ہو گی لہٰذا کوئی بھی دشمن دکن میں داخل ہو کر انہیں انتقامی کارروائیوں کا نشانہ نہ بنا سکے گا۔ اسی بناء پر بالا پور اور برہان پور میں انہوں نے دو بڑے بڑے لشکر رکھے ہوئے تھے۔ ان دو بڑے لشکروں کے علاوہ ایک خاصا بڑا لشکر خان دیش میں تھا اور خان دیش کے قلعے میں بادشاہ گروں نے اپنے ایک عزیز رشتہ دار کو حاکم مقرر کر رکھا تھا جو جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا تھا۔ اور اس کے تحت ان علاقوں کی حفاظت کے لئے اس کے پاس خاصی بڑی عسکری قوت بھی تھی۔

نظام الملک نے دریائے نربدا کو عبور کرنے کے بعد پہلے خان دیش ہی کا رخ کیا تھا۔ خان دیش میں جو بادشاہ گروں کا حاکم اور کماندار تھا اسے جب خبر ہوئی کہ نظام الملک ایک لشکر لے کر خان دیش پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے تب اس نے ایک قاصد کو پیغام دے کر نظام الملک کی طرف روانہ کیا۔ نظام الملک ابھی خان دیش سے کئی میل دور تھا کہ خان دیش کے حاکم کا قاصد اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت نظام الملک ایک جگہ اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ جب نظام الملک کو بتایا کہ خان دیش کے حاکم کی طرف سے ایک قاصد اس کی طرف آیا ہے تو اس نے قاصد کو لانے کے لئے کہا۔ قاصد کو جب اس کے سامنے پیش کیا گیا تو نظام الملک نے بڑی نرمی سے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

”پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں کس نے میری طرف روانہ کیا ہے؟“

قاصد نے غور سے نظام الملک کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”سب سے پہلے تو میں آپ سے یہ گزارش کروں گا کہ جو پیغام میں آپ کے لئے لایا ہوں اگر اس میں کوئی بات آپ کے مزاج کے خلاف ہو تو مجھے معاف رکھئے گا۔ اس لئے کہ اس پیغام میں میرا کوئی ذاتی حصہ نہیں ہے۔ میں تو فقط ایک قاصد اور پیغام رساں ہوں۔ خان دیش کے حکمران نے جو پیغام میرے ذمے لگایا ہے میں اسے آپ

Marfat.com

تک پہنچاؤں گا ساتھ ہی آپ سے یہ گزارش کروں گا کہ اس پیغام میں کوئی ناگوار بات ہوتو آپ میرے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کیجئے گا۔ اگر میں یہ پیام آپ کے پاس لانے سے انکار کر دیتا تو خان دیش کا حاکم یقیناً میری گردن کاٹ دیتا۔ اس بناء پر اپنی جان کو محفوظ رکھنے کے لئے میں اس کا یہ پیغام آپ تک لانے کے لئے بے بس اور مجبور تھا۔"

قاصد کے ان الفاظ پر نظام الملک مسکرایا اور کہنے لگا۔

"دیکھو، تمہیں پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کب کہا کہ تم اپنی ذمہ داری پر میرے پاس کوئی پیغام لے کر آئے ہو۔ تم نے جو بات کہنی ہے وہ خان دیش کے حاکم کی ہی ہوگی۔ اگر اس پیغام میں جو تم لے کر آئے ہو کوئی کڑوی اور ناپسندیدہ بات بھی ہوئی تو اس کی سزا خان دیش کے حاکم کو ملے گی۔ تم سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ بس جو پیغام تمہیں خان دیش کے حاکم نے دیا ہے وہ سناؤ تاکہ میں جانوں وہ کیا کہتا ہے۔"

قاصد نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر سہمے سہمے سے انداز میں کہنے لگا۔

"پہلے تو خان دیش کے حاکم نے آپ کے خلاف انتہائی برے اور بے ہودہ اور ناقابل برداشت الفاظ استعمال کئے تھے جنہیں میں اپنی زبان پر لانے کی جرأت اور جسارت نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد اس نے آپ کے نام یہ پیغام دیا کہ جس طرح آپ نے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے نربدا کو عبور کر کے خان دیش کا رخ کیا ہے اسی طرح خاموشی سے کان لپیٹ کر دریائے نربدا سے دوسری طرف چلے جائیں اور جو علاقے اس سے پہلے آپ کی عملداری کے لئے چھوڑے گئے تھے وہیں جا کر قیام کر لیں اور ان علاقوں کی آمدن کھاتے رہیں۔ خان دیش کے حاکم نے یہ تنبیہ بھی کی تھی کہ اگر آپ اپنے لشکر کے ساتھ اس کا کہا مانتے ہوئے دریائے نربدا کے اس پار نہ گئے تب وہ خان دیش سے اپنے لشکر کے ساتھ نکلے گا اور پھر آپ کے لشکر پر حملہ آور ہو کر بہت سوں کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ بہت سوں کا تعاقب کرتے ہوئے انہیں دریائے نربدا میں ڈوب مرنے پر مجبور کر دے گا۔ لہٰذا اس نے مزید کہا کہ بہتری اسی میں ہے کہ اپنے لشکریوں کو نہ کٹواؤ اور نہ ہی ان میں سے بہت سوں کے دریائے نربدا میں ڈوب مرنے کا باعث بنو۔"

Marfat.com

اس کے بعد قاصد رکا، دم لیا، دوبارہ نظام الملک کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
''محترم قمر الدین! خان دیش کے حاکم نے آپ کے لئے مزید کہا تھا کہ اپنے علاقوں سے نکل کر دریائے نربدا کو عور کر کے اس وہم، اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ خان دیش پر حملہ آور ہونے کے بعد تم حسین علی اور حسن علی پر قابو پانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ اس وقت دریائے نربدا کے اس طرف ایسے لشکر مقیم ہیں جو دریائے نربدا تو ایک طرف، جنوب کے سمندر تک تمہارا اس وقت تک تعاقب کریں گے جب تک تمہارا خاتمہ نہیں کر دیا جاتا۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ اس وقت صرف وہ لشکر جو خان دیش میں قیام کئے ہوئے ہے وہی تم سے نمٹنے کے لئے کافی ہے اور وہ تمہیں دریائے نربدا کے اس طرف ٹکنے نہیں دے گا۔ اس کے علاوہ حسین علی کے وہ لشکر جنہوں نے اس وقت صفدر علی اور عالم علی کی سرکردگی میں برہان پور اور بالا پور میں قیام کیا ہوا ہے انہیں جب تمہاری اس جرأت اور جسارت کی خبر ہو گی تو جن علاقوں میں تم نے اس وقت قیام کر رکھا ہے اور جو تمہاری عملداری میں ہے، تمہیں وہ اس سے بھی محروم کر دیں گے۔ لہٰذا تمہاری بہتری اس میں ہے کہ گردن خم کرتے ہوئے واپس دریائے نربدا کے اس پار چلے جاؤ۔''

یہاں تک کہنے کے بعد قاصد جب خاموش ہوا تب نظام الملک مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہی پیغام ہے یا کچھ اور بھی ہے؟''

جواب میں وہ قاصد پھر کپکپاتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

''جو پیغام مجھے دیا گیا تھا وہ میں نے آپ سے کہہ دیا ہے۔ اب مزید میرے پاس کچھ نہیں ہے۔''

نظام الملک نے قاصد کی طرف دیکھا پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''جو پیغام تم لے کر آئے ہو اس کا میں تمہیں جواب نہیں دوں گا۔ اس لئے کہ تم تو صرف قاصد ہو۔ تمہارا کام پیغام پہنچا دینا ہے۔ جو پیغام تم لے کر آئے ہو اس کا جواب بھی میں تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ اگر تم میرے لشکر میں قیام کرنا چاہتے ہو تو تمہارے طعام اور قیام کا بہترین اہتمام کیا جائے گا۔ میں آج رات کے وقت یہاں سے کوچ کروں گا اور جو پیغام تم لے کر آئے ہو اس کا جواب میں خان دین کے حاکم کو

Marfat.com

اپنے سامنے پیش کر کے دوں گا اور پھر اس سے جواب طلبی کروں گا کہ جو پیغام تم نے مجھے دیا تھا وہ کس برتے، کس جرأت اور جسارت کی بناء پر دیا تھا۔"

نظام الملک کے خاموش ہونے پر قاصد بیچارہ سہمے سہمے انداز میں کہنے لگا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں یہاں سے رخصت ہو جاؤں محترم نظام الملک! میں واپس خان دیش جاؤں گا۔ آپ کے اطوار مجھے بتاتے ہیں کہ آپ خان دیش پر قبضہ کئے بغیر نہیں رہیں گے۔ اگر آنے والے دنوں میں خان دیش پر آپ کا قبضہ ہو جائے تو میں پہلے ہی آپ سے امان طلب کرتا ہوں۔ کیا آپ مجھے اور میرے اہلِ خانہ کو امان دیتے ہیں؟"

قاصد کے ان الفاظ پر نظام الملک مسکرایا اور کہنے لگا۔

"تمہاری زبان مبارک ہو۔ میں جب خان دیش پر قابض ہوں گا تو یاد رکھنا صرف تمہیں اور تمہارے اہل خانہ ہی کو نہیں، خان دیش کے سب رہائشیوں کو امان دوں گا۔ سزا صرف انہیں ملے گی جو بادشاہ گروں کا ساتھ دیتے ہوئے ان کی حمایت میں ہمارے ساتھ جنگ آزما ہونے کی کوشش کریں گے۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

اس کے ساتھ ہی وہ قاصد وہاں سے ہٹا اور وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔

آنے والی شب کو نظام الملک نے بھی اپنے لشکر کے ساتھ ایک بار پھر خان دیش کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ خان دیش میں جو بادشاہ گروں کی طرف سے حاکم تھا اس نے بھی چاروں طرف اپنے مخبر پھیلا رکھے تھے اور جب ان مخبروں نے اسے اطلاع دی کہ نظام الملک اپنے لشکر کے ساتھ خان دیش کے نواح میں پہنچنے والا ہے تب خان دیش کا حاکم اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے نکلا اور شہر سے باہر کھلے میدانوں میں اس نے نظام الملک کی راہ روکنے کے لئے پڑاؤ کیا تھا۔

نظام الملک اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچا اور خان دیش کے لشکر کے سامنے اس نے پڑاؤ کر لیا تھا۔ اگلے روز دونوں لشکروں نے ایک دوسرے سے ٹکرانے کے لئے اپنی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی دونوں لشکروں میں طبل اور دوسرے آلاتِ موسیقی لشکریوں کا جوش و جذبہ بڑھانے کے لئے بجانا شروع کر دیئے گئے تھے۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ دونوں لشکر سلگتے دھاروں کی روانگی، وحشتوں کے رقص کی

Marfat.com

طرح ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئے تھے۔ ہر کوئی آسمان پر کمند ڈالتے ہوئے تیز تند ہواؤں کے طمانچوں کی طرح ایک دوسرے پر وارد ہونے لگا تھا۔ میدانِ جنگ نگاہِ خورشید کی طرح تپ گیا تھا۔ نظر نظر میں شعلے شرارے اور نفس نفس میں سلگاہٹیں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

خان دلیش کے حاکم کے لشکر کی تعداد کیونکہ زیادہ تھی لہٰذا اسے اپنی طرف سے پورا اعتماد اور بھروسہ تھا کہ خان دلیش کے نواح میں نظام الملک کو شکست دے کر مار بھگائے گا۔ لیکن شاید قدرت کچھ اور ہی فیصلے کر چکی تھی۔ اس لئے کہ وقت کی آنکھ نے دیکھا، تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد نظام الملک نے خان دلیش کے لشکر پر چھانا شروع کر دیا تھا۔ دراصل نظام الملک نے اپنے لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ اپنے پاس رکھا، دوسرا حصہ اپنے بیٹے میر منوں کی کمانداری میں دیا تھا۔ تیسرا حصہ حیدر بیگ کے پاس تھا۔ چوتھا شہاب الدین اور پانچواں قادر خان کی سرکردگی میں تھا اور ان سارے کمانداروں نے اپنے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ایک طرح سے خان دلیش کے لشکر کا گھیراؤ کر لیا تھا اور اب وہ تین اطراف سے حملہ آور ہوتے ہوئے خان دلیش کے لشکر کو بری طرح کاٹنے لگے تھے۔

خان دلیش کے حاکم نے جب محسوس کیا کہ جس طرح تین اطراف سے اس کے لشکر کا قتل عام شروع ہو چکا ہے اور نظام الملک کے لشکری بڑی تیزی سے اس پر چھاتے جا رہے ہیں اگر ایسا ہی سماں مزید کچھ دیر جاری رہا تو اس کے لشکر کا کام تمام ہو کر رہ جائے گا۔ لہٰذا اس نے اپنے لشکر میں پسپائی کا اعلان کر دیا اور بھاگ کر خان دلیش کے قلعے میں محصور ہونا چاہا۔

لیکن لگتا تھا کہ نظام الملک اور اس کے ساتھی سالاروں نے اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے پہلے سے ہی لائحہ عمل تیار کر رکھا تھا۔ جونہی خان دلیش کا لشکر پسپا ہوا اور اس نے چاہا کہ بھاگ کر خان دلیش میں محصور ہو جائے، نظام الملک بھی اپنے لشکر کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ جونہی خان دلیش کا لشکر شہر میں داخل ہوا، نظام الملک بھی ان کے پیچھے پیچھے شہر میں داخل ہو گیا۔ شہر کے اندر تھوڑی دیر کے لئے ٹکراؤ ہوا اور خان دلیش کے جن لشکریوں نے راہ روکنے کی کوشش کی، نظام الملک کے لشکریوں نے انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔ جو باقی بچے وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور اپنے اپنے

Marfat.com

گھروں میں جا کر دبک گئے۔ خان دیش کے حاکم کو زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔ خان دیش کے لوگ سہم گئے تھے۔ ڈر گئے تھے۔ انہیں یہ اندیشہ تھا کہ خان دیش کیونکہ بادشاہ گروں کا گڑھ اور مرکز خیال کیا جاتا تھا لہٰذا لوگوں کا خدشہ اور خوف اپنی جگہ درست تھا کہ کہیں خان دیش کو فتح کرنے اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد نظام الملک خان دیش میں لوگوں کے قتل عام کا حکم بھی نہ دے دے۔

لیکن نظام الملک نے جلد ہی لوگوں کے خدشات کو رفع کر دیا تھا۔ اس لئے کہ خان دیش میں جن مسلح جوانوں نے مزاحمت کی تھی، نظام الملک نے پہلے ان کا خاتمہ کیا۔ اس کے بعد وہ مسلح جوان جو مزاحمت ترک کر کے اپنے گھروں میں دبک گئے تھے ان سے بھی کوئی تعرض نہ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد نظام الملک نے شہر کے اندر منادی کرا دی تھی کہ خان دیش کے ہر فرد کی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی اور کسی کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ ساتھ ہی اپنے لشکر کے اندر یہ بھی اعلان کرا دیا تھا کہ جو لشکری خان دیش کے اندر کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا یا کہیں بھی لوٹ مار کی واردات میں ملوث پایا گیا تو اسے سخت ترین سزا دی جائے گی۔

اس طرح فاتح کی حیثیت سے نظام الملک، خان دیش میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس کے سامنے خان دیش کے حاکم کو جو ایک طرح سے وہاں چھوٹے بادشاہ گر کا نائب تھا، پیش کیا گیا۔

جب وہ نظام الملک کے سامنے گیا تو کچھ دیر تک نظام الملک اسے بڑے غور سے دیکھتا رہا۔ نظام الملک کے اس طرح دیکھنے سے وہ خوف اور ڈر کے مارے پسینہ پسینہ ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے نظام الملک مسکرایا، پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تُو نے میری طرف اپنے ایک قاصد کے ذریعے جو دھمکی آمیز پیغام بھجوایا تھا کیا تجھے اپنے اس پیغام کا مضمون یاد ہے یا وہ تُو نے کسی اور سے لکھوا کر میری طرف روانہ کر دیا تھا؟''

نظام الملک کے ان الفاظ پر وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا تھا۔ جب اس نے کوئی جواب نہ دیا تب نظام الملک بڑے دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔

''دیکھ، میں خان دیش فتح کر چکا ہوں۔ اس موقع پر اگر میں چاہتا تو تیرے اس

Marfat.com

پیغام کا جواب عملی صورت میں دے سکتا تھا اور وہ یہ ہو سکتا تھا کہ میں اپنی تلوار نکالتا اور تجھ پر برساتے ہوئے یہ کہتا کہ یہ تیرے اس دھمکی آمیز خط کا جواب ہے۔ لیکن تُو نے اگر میرے متعلق برا سوچا تھا تو میں تیرے متعلق برا نہیں سوچوں گا۔ اس لئے کہ شریف آدمی کا شیوہ یہ ہے کہ جب گدھا اسے لات مارتا ہے تو وہ جواب میں گدھے کو لات نہیں مارتا، اپنے آپ کو بچانے کے لئے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ میں تیرے قتل کا حکم نہیں دوں گا۔ میں تجھے زندان میں ڈالے جانے کا حکم دیتا ہوں۔ اس لئے کہ خان دیش میں حاکم کی حیثیت سے تُو نے بہت سے لوگوں پر مظالم کئے تھے اور تیرا زندان میں ڈالا جانا تیرے ان سیاہ اعمال کی سزا ہوگی۔"

اس کے ساتھ ہی نظام الملک کے کہنے پر اسے وہاں سے ہٹا لیا گیا تھا۔

خان دیش پر قبضہ مضبوط اور مستحکم کرنے کے بعد نظام الملک نے وہاں اپنا ایک حاکم مقرر کیا۔ اتنی دیر تک اس کے لشکر نے بھی ستا لیا تھا۔ جنگ کے دوران جو زخمی ہوئے تھے وہ بھی اپنے زخموں سے نجات پا چکے تھے۔ اب نظام الملک اپنے لشکر کے ساتھ پھر حرکت میں آیا اور خان دیش سے اس نے برہان پور کا رخ کیا تھا۔ برہان پور میں اس وقت بادشاہ گروں کی سب سے بڑی طاقت اور قوت تھی۔ برہان پور میں بادشاہ گروں کی ماں نے قیام کیا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بادشاہ گروں کا ایک قریبی عزیز اور رشتہ دار صفدر علی تھا جسے وہ اپنی طاقت اور قوت کا سپہ سالار تصور کرتے تھے اس نے بھی ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ برہان پور میں قیام کیا ہوا تھا۔

خان دیش کی فتح اور اس کے ہاتھ سے نکل جانے کی خبر برہان پور میں صفدر علی کو بھی ہو چکی تھی لیکن اس نے اس حادثے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اس لئے کہ ابھی بادشاہ گروں کے دو بڑے لشکر نظام الملک کی راہ روکنے کے لئے تیار تھے۔ ایک برہان پور میں خود صفدر علی کی سرکردگی میں اور دوسرا بالا پور یعنی برار میں عالم علی کی کمانداری میں تھا۔

نظام الملک نے سب سے پہلے بادشاہ گروں کے سپہ سالار صفدر علی پر ضرب لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔ نظام الملک بڑا دانا، بڑا دانشور اور جنگ کا وسیع تجربہ رکھنے والا شخص تھا۔ اسے خبر تھی کہ برہان پور بادشاہ گروں کی طاقت اور قوت کا مرکز اور گڑھ ہے۔ وہاں حملہ آور ہونا کسی بھی صورت خطرے سے خالی نہیں تھا۔ لیکن نظام الملک یہ بھی ٹھانے

Marfat.com

ہوئے تھا کہ اگر اس نے برہان پور کے نواح میں بادشاہ گروں کے سپر سالار صفدر علی کو شکست دے دی تو بادشاہ گروں کی کسی بھی طاقت اور قوت کو اپنے سامنے جمنے نہیں دے گا۔ انہی خیالات کے تحت نظام الملک نے بڑی برق رفتاری سے برہان پور کا رخ کیا تھا۔

دوسری طرف برہان پور مین صفدر علی کو بھی نظام الملک کے خان دیش سے برہان پور کا رخ کرنے کی خبر مل چکی تھی۔ صفدر علی تو صفدر علی، بادشاہ گروں کی ماں بھی برہان پور میں نظام الملک کا مقابلہ کرنے کے لئے لشکریوں کے اندر ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کرنے لگی تھی۔

جس طرح خان دیش کے حاکم نے خان دیش شہر سے باہر نکل کر نظام الملک کا مقابلہ کیا تھا اور ناکام رہا تھا، وہی طریقہ اب صفدر علی نے برہان پور میں اپنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنی پوری عسکری طاقت اور قوت کے ساتھ وہ برہان پور سے چند میل باہر نکلا اور نظام الملک کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی پہلے اس نے وہاں پڑاؤ کر کے اپنے لشکر کو پوری طرح کیل کانٹے سے لیس کر کے رکھ دیا تھا۔

نظام الملک بلا کسی خوف و خطر بڑی تیزی سے ان میدانوں میں داخل ہوا جہاں صفدر علی نے پڑاؤ کر رکھا تھا اور عین صفدر علی کے سامنے آ کر اس نے پڑاؤ کیا تھا۔ دیکھنے والوں کی آنکھ نے دیکھا کہ صفدر علی کے لشکر کے مقابلے میں جو لشکر نظام الملک کے پاس تھا اس کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ اس لئے کہ عددی لحاظ سے نظام الملک کا لشکر بہت زیادہ کم تھا۔

ایک دن اور ایک رات دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ کئے رہے۔ اس کے بعد دونوں نے ایک دوسرے سے ٹکرانے کے لئے صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔

نظام الملک جس وقت اپنے لشکر کی تقسیم کا کام سرانجام دے رہا تھا اس وقت اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا شہاب الدین، نظام الملک کے پاس آیا۔ اسے مخاطب کر کے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ نظام الملک نے خود ہی مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”میرا بیٹا جو اپنے حصے کے لشکر کی طرف سے اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا ہے تو

Marfat.com

اس کا مطلب ہے کچھ چاہتا ہے۔''
اس موقع پر نظام الملک کا بیٹا میر منوں بھی اس کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ کچھ دیگر سالار بھی وہاں تھے۔ شہاب الدین مسکراتے ہوئے نظام الملک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''آپ مجھ پر ایک مہربانی کیجئے۔ جس لشکر کی کمانداری آپ نے مجھے سونپی ہوئی ہے وہ کمانداری آپ مجھ سے واپس لے لیں۔ وہاں کسی اور کو کماندار مقرر کر دیں جبکہ میں آپ کے ساتھ وسطی حصے میں کام کرنا پسند کروں گا۔''

اس موقع پر نظام الملک اور اس کا بیٹا میر منوں بڑے غور سے اور مسکراتے ہوئے شہاب الدین کی طرف دیکھ رہے تھے۔ نظا الملک سے پہلے ہی اس کے بیٹے میر منوں نے پوچھ لیا۔ ''بھائی اس کی وجہ؟''

شہاب الدین نے میر منوں کی طرف دیکھتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔
''بھائی! آپ دیکھتے ہیں بادشاہ گروں کا سپہ سالار صفدر علی اپنے لشکر کے وسطی حصے میں ہے۔ میں وسطی حصے میں رہتے ہوئے اس کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ صفدر علی، اس کا بھائی عالم علی اور اس کا بھائی براہِ راست میرے باپ، میرے چچا، میری چچی کے قاتل ہیں اور انہی کے کچھ آدمیوں نے ہمارے بھائی مجتبیٰ خان کو بھی قتل کروایا تھا۔ لہٰذا میرے خداوند کو منظور ہوا تو میں اس صفدر علی کو اس جنگ کے دوران زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کروں گا اور اسے ایسی کڑی سزا دوں گا کہ جو اس کے دوسرے لواحقین کے لئے عبرت ثابت ہو گی۔ بادشاہ گر اب تک جو خونی کھیل کھیلتے رہے ہیں، جو قتل و غارت گری کا تماشا انہوں نے جگہ جگہ لگا رکھا ہے، اس تماشے اور بربادی کے اس رقص کا ایک مرکزی کردار یہ صفدر علی بھی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری خواہش کو ٹھکرائیں گے نہیں۔''

میر منوں جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ نظام الملک شفقت بھرے انداز میں شہاب الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
''میرے بیٹے! تیری خواہش نظام الملک کی سر آنکھوں پر۔ تم میرے ساتھ کام کرو گے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ جنگ کے دوران تم صفدر علی کو زندہ کیسے گرفتار کرو گے؟ اس کے اردگرد اس کے محافظ دستے ہوں گے جنہوں نے اسے اپنی پناہ اور حفاظت میں لے رکھا ہوگا۔ اس تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں ہو گا۔''

Marfat.com

شہاب الدین نے اس موقع پر اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ لٹکتی ہوئی کمند کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگا۔ ”آپ ذرا جنگ کی ابتداء ہونے دیں، پھر دیکھئے گا کہ میں اس صفدر علی کا کیا حشر نشر کرتا ہوں۔“

نظام الملک نے جواب میں کچھ سوچا پھر کوئی فیصلہ کرتے ہوئے اپنے بیٹے میر منوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹے! تم اور شہاب الدین دونوں ہی میرے ساتھ لشکر کے وسطی حصے میں رہو گے۔ لیکن لشکر پہلے کی طرح چار حصوں میں بٹ کر اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرے گا۔ بیٹے! شہاب الدین کے حصے کے لشکر پر کسی اور کو کماندار مقرر کر دو۔“

اس کے ساتھ ہی میر منوں وہاں سے ہٹ گیا تھا اور شہاب الدین کے حصے کے لشکر پر ایک دوسرا سالار مقرر کر کے دوبارہ وہ اپنے لشکر کے وسطی حصے کے سامنے نظام الملک اور شہاب الدین کے پاس اپنے گھوڑے کو روک کر کھڑا ہوا تھا۔

حملہ آور ہونے کی ابتدا صفدر علی نے کی تھی۔ صفدر علی اپنی طاقت اور قوت کے گھمنڈ اور اپنی عددی فوقیت کے تکبر میں پھنسا ہوا تھا لہٰذا حملے کی ابتداء کرتے ہوئے وہ فضا کے تلاطم اور موت کی کھولتی تمازت کی طرح نظام الملک کے لشکر پر ٹوٹ پڑا تھا۔

نظام الملک نے بھی پہلے صفدر علی کے جان لیوا حملے کو روکا پھر اس کے بعد اس نے بھی جارحیت اختیار کرتے ہوئے صدیوں کے رشتوں کو کاٹتی عذاب بھری آندھیوں کی طرح حملہ آور ہونا شروع کر دیا تھا۔

برہان پور کے نواح میں دونوں لشکر بری طرح ایک دوسرے سے ٹکرا گئے تھے۔ ہر کوئی ایک دوسرے کو خستہ اور شکستہ کرنے کی فکر میں لگ گیا تھا۔ برہان پور کے نواح کی سوکھی دھرتی خون سے سیراب ہونا شروع ہو گئی تھی۔ روحوں کی ریشمی ڈوریاں میدانِ جنگ کے اندر بڑی تیزی سے کٹنا شروع ہو گئی تھیں۔

صفدر علی کا خیال تھا کہ نظام الملک کے پاس اس کی نسبت بہت چھوٹا سا لشکر ہے لہٰذا نظام الملک زیادہ دیر تک اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکے گا، بھاگ کھڑا ہو گا اور وہ تعاقب کر کے ان کا خوب قتلِ عام کرے گا۔ لیکن جب نظام الملک نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے صفدر علی کے اگلے لشکر کی کئی صفوں کا صفایا کر دیا تب صفدر علی اپنے گھمنڈ، اپنے تکبر کے جال سے باہر نکل کر ایک طرح سے فکر اور یاس کا شکار ہونا شروع

Marfat.com

ہو گیا تھا۔

صفدر علی کیونکہ اپنے لشکر کے وسطی حصے میں تھا اور وسطی حصے میں بھی وہ اگلی صفوں میں نہیں گیا تھا بلکہ اگلی چند صفیں چھوڑ کر پیچھے تھا۔ وہ عملی طور پر جنگ میں حصہ نہیں لے رہا تھا۔ اپنے لشکریوں کو زوردار انداز میں حملہ آور ہونے کے لئے ابھار رہا تھا۔ دوسری طرف نظام الملک، میر منوں اور شہاب الدین نے بھی وسطی حصے پر زور ڈالتے ہوئے صفدر علی کے لشکر کی کئی صفوں کو کاٹتے ہوئے اپنے اور صفدر علی کے درمیان فاصلے کو بڑی تیزی سے کم کرنا شروع کر دیا تھا۔ جبکہ دوسری طرف قاوردخان، شہاب الدین کا ماموں حیدر بیگ اور چوتھے حصے کا سالار بھی صفدر علی کے لشکر پر جان لیوا حملوں کی ابتداء کر چکے تھے۔

جنگ کے دوران شہاب الدین نے جان لیا تھا کہ صفدر علی کون ہے۔ اس لئے کہ وہ چیختے چلاتے ہوئے اپنے لشکریوں کو ہدایات دے رہا تھا اور اس کے اردگرد اس کے حفاظتی دستے بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ سرگرمِ عمل تھے۔ اس موقع پر شہاب الدین نے کچھ لشکریوں کے ساتھ صفدر علی کا رخ کیا تھا اور جو لشکری اس کی راہ روکنے کے لئے اس کے سامنے آئے، انہیں بڑی تیزی سے وہ کاٹنے لگا تھا۔

میر منوں نے جب یہ حالت دیکھی کہ شہاب الدین اپنے کام کی ابتداء کرنے کے لئے صفدر علی سے قریب تر ہونا چاہتا ہے تب اس نے اپنے کچھ دستوں کے ساتھ اس کام میں شہاب الدین کی مدد کرنا شروع کر دی تھی۔

دوسری طرف اپنے لشکریوں کو جنگ کے لئے ابھارتے ہوئے صفدر علی نے بھی جان لیا تھا کہ نظام الملک اور اس کے سالار اس کے لشکر کے وسطی حصے کی اگلی کئی صفوں کو کاٹنے کے بعد اس سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس موقع پر اپنے حفاظتی دستوں کو حرکت میں لاتے ہوئے جب اس نے پیچھے ہٹنا چاہا تو عین اسی موقع پر شہاب الدین اس کے کافی قریب ہو چکا تھا۔ پھر وقت کی آنکھ نے دیکھا، بجلی کے کوندے کی طرح شہاب الدین حرکت میں آیا، اپنے گھوڑے سے بندھی ہوئی مضبوط رسّی کی کمند لہرا کر اس نے پھینکی۔ پہلی ہی بار اس کی کمند صفدر علی کے گلے میں جا پڑی اور پھر شہاب الدین نے بڑی تیزی سے اپنے گھوڑے کو موڑا اور واپس ہو لیا۔

صفدر علی کے حفاظتی دستوں نے اپنی طرف سے بڑی کوشش کی کہ بھاگ کر کمند کی

Marfat.com

رسّی کو کاٹ دیں اور صفدر علی کو بچالیں لیکن شہاب الدین نے اس تیزی کے ساتھ گھوڑے کو بھگایا تھا کہ وہ ایسا نہ کرسکے۔ شہاب الدین، صفدر علی کو گھسیٹتا ہوا اپنے لشکر کے اندر لے گیا تھا۔ اب صفدر علی کے حفاظتی دستے بھی بے بس تھے۔ آگے بڑھتے بڑھتے وہ رک گئے تھے اس لئے کہ ان کے سامنے اب نظام الملک اور اس کا بیٹا میر منوں موت کا کھیل، کھیل رہے تھے۔ جو بھی ان کے سامنے آتا تھا، عالمِ بالا کو سدھارتا چلا جاتا تھا۔

صفدر علی کو کافی پیچھے لے جا کر شہاب الدین نے اپنے دو لشکریوں کو اس پر مقرر کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ صفدر علی کے ہاتھ پشت پر اور پاؤں باندھ دیں۔ اس کے ساتھ ہی اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا دوبارہ نظام الملک اور میر منوں کے ساتھ دشمن سے ٹکرانے لگا تھا۔

ادھر جب صفدر علی اپنے گھوڑے سے گر گیا اور اس کا گھوڑا میدانِ جنگ میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگا، ساتھ ہی ایک زبان سے دوسری زبان تک یہ خبر پھیلنا شروع ہوئی کہ نظام الملک کے کسی لشکری نے صفدر علی کو گرفتار کرلیا ہے اور صفدر علی اس وقت دشمن کے پڑاؤ میں پہنچ چکا ہے تو اس خبر نے صفدر علی کے لشکریوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ گو اب بھی وہ نظام الملک کے لشکر پر عددی فوقیت رکھتے تھے لیکن جی چھوڑتے چلے گئے تھے۔ اگلی صفوں کے لشکری حملہ آور ہونے سے کترانے لگے تھے۔ صرف دفاع تک محدود ہو گئے تھے۔

اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے نظام الملک نے اپنے دیگر سالاروں کو حکم دیا کہ صفدر علی کے لشکری اب میدانِ جنگ سے بھاگنے کی کوشش کریں گے لہٰذا ان کے اطراف میں پھیل کر ایک طرح سے ان کا گھیراؤ کرتے چلے جائیں۔ اور اگر یہ خان دیش کے لشکر کی طرح میدانِ جنگ سے بھاگ کر اور شکست اٹھا کر برہان پور کے اندر محصور ہونا چاہیں تو ان کی اس کوشش کو ناکام بنا دیا جائے اور ان کے پیچھے ہی پیچھے شہر میں داخل ہو کر اپنی کامیابی اور اپنی فوزمندی کو یقینی بنایا جائے۔

نظام الملک اور اس کے سالاروں نے صفدر علی کے لشکر کو مکمل طور پر اپنے سامنے زیر کرنے کے لئے وہی طریقہ استعمال کیا جو انہوں نے خان دیش میں کیا تھا۔ نظام الملک نے جب دیکھا کہ صفدر علی کے گرفتار ہو جانے کے بعد اس کے لشکر میں ایک

Marfat.com

طرح کی افراتفری، بدنظمی اور کھلبلی مچی ہوئی ہے تب اس نے نہ صرف اپنے حملوں میں تیزی پیدا کر دی بلکہ ایک طرح سے صفدر علی کے لشکر کا گھیراؤ شروع کر دیا تھا۔ سامنے کی طرف سے وہ خود شہاب الدین اور میر منوں کے ساتھ رہا۔ دائیں جانب سے حیدر بیگ اور نیا سالار صفدر علی کے پہلو پر ٹوٹ پڑے تھے جبکہ بائیں ہاتھ سے قادر د خان نے صفدر علی کے لشکر کے دوسرے پہلو پر ضربیں لگانا شروع کر دی تھیں۔

صفدر علی کے گرفتار ہو جانے کے بعد اس کے لشکری پہلے ہی بھیڑ بکریوں کی طرح اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ اب جو تین طرف سے ان پر جان لیوا حملے شروع ہوئے تو شکست اٹھا کر وہ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن ان کا بھاگنا ان کے لئے کوئی زیادہ سودمند ثابت نہ ہوا۔ اس لئے کہ میدانِ جنگ سے فرار اختیار کرتے ہوئے وہ برہان پور شہر میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے جو ان کی پشت پر تھا جبکہ ان کے پیچھے پیچھے نظام الملک بھی اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا تھا۔ تاہم اپنے پڑاؤ کی حفاظت پر اس نے جو چند دستے مقرر کر کئے تھے، وہ باہر ہی رہے۔

شہر کے اندر تھوڑی دیر کے لئے گھمسان کا رن پڑا تھا۔ اس دوران نظام الملک اور اس کے سالاروں نے صفدر علی کے لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ باقی شہر کے دوسرے دروازوں سے اپنی جانیں بچا کر بھاگ نکلے۔

برہان پور میں کیونکہ بادشاہ گروں کی ماں نے بھی قیام کیا ہوا تھا۔ جس وقت نظام الملک، برہان پور کی طرف بڑھ رہا تھا، اس وقت اس خاتون نے بڑے جوش و جذبے کے ساتھ اپنے لشکریوں کے حوصلے بڑھائے تھے اور انہیں نظام الملک کے خلاف کامیابی اور کامرانی کی امیدیں بھی دلائی تھیں۔ لیکن جب فاتح کی حیثیت سے نظام الملک برہان پور میں داخل ہوا اور بادشاہ گروں کے لشکر کا مکمل طور پر صفایا کر دیا گیا تب بادشاہ گروں کی ماں نے ایک قاصد نظام الملک کی طرف روانہ کیا۔

یہ قاصد اس وقت نظام الملک کی خدمت میں پیش ہوا جس وقت نظام الملک اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ نظام الملک کو جب بتایا گیا کہ بادشاہ گروں کی ماں نے برہان پور میں قیام کر رکھا ہے اور اس نے ایک قاصد نظام الملک کی طرف بھجوایا ہے تب نظام الملک نے اس قاصد سے ملنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ وہ قاصد جب نظام الملک کے سامنے آیا تو اس نے نظام الملک کو انتہائی قیمتی اور نایاب قسم کے تحائف پیش

Marfat.com

کیئے۔

نظام الملک نے ان سارے تحائف کو جو اسے پیش کیئے گئے تھے کچھ دیر تک بڑے غور سے دیکھا، پھر بادشاہ گروں کی ماں کی طرف سے آنے والے قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہیں میری طرف حسن علی اور حسین علی کی ماں نے بھیجا ہے۔ پہلے یہ کہو کہ جو تحائف تم نے پیش کیئے ہیں یہ کس مقصد کے لئے ہیں اور بادشاہ گروں کی ماں کی طرف سے تم میرے لئے کیا پیغام لے کر آئے ہو؟''

جواب میں وہ قاصد سہمے سہمے انداز میں کہنے لگا۔

''محترم قمر الدین! یہ تحائف حسن علی اور حسین علی کی والدہ محترمہ نے آپ کے لئے بھجوائے ہیں۔ تحائف کے عوض وہ یہ امید رکھتی ہیں کہ آپ ان کی اور ان کے اہلِ خانہ اور عزیز و اقارب کی جان و آبرو کے تحفظ کی ضمانت دیں گے۔''

لمحہ بھر کے لئے نظام الملک نے طنزیہ سے انداز میں آنے والے قاصد کی طرف دیکھا پھر ایک بے زاری بھری نگاہ تحائف پر ڈالی پھر قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر اس خاتون کو اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی آبرو اور جان کے تحفظ کی ضرورت تھی تو اسے رشوت کے طور پر اس قدر قیمتی اور نایاب تحائف پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ برہان پور اتنا بڑا شہر ہے۔ کیا برہان پور کا ہر شہری ایسے ہی تحائف پیش کر کے مجھ سے اپنی جان اور مال کے تحفظ کا آرزو مند ہوگا؟ یہ تحائف واپس لے جاؤ اور اس خاتون کو واپس کرتے ہوئے کہنا کہ شہر کے اندر کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں بادشاہ گر بھائیوں نے قتل، خون ریزی کی وہ ہولی کھیلی ہے جس کے لئے وہ کسی طور پر معاف کرنے کے قابل نہیں ہیں، اپنا راستہ صاف کرنے کے لئے انہوں نے ایسے ایسے لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا جو اس ملک کے لئے بڑے اہم اور کارآمد تھے۔ واپس جا کر بادشاہ گروں کی ماں سے کہنا، خاتون ان تحائف کے بغیر ہی تمہیں، تمہارے اہلِ خانہ، تمہارے لواحقین اور تمہارے عزیز و اقارب کی جان و مال کا تحفظ دیا جاتا ہے۔ کوئی تم لوگوں کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھے گا۔''

اس کے ساتھ ہی ہاتھ کے اشارے سے نظام الملک نے ایک سالار کو اپنے قریب

Marfat.com

بلایا، اس کے کان میں سرگوشی کی جسے سن کر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ نظام الملک پھر بادشاہ گروں کی ماں کے قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"واپس جا کر میری طرف سے خاتون کو کہنا کہ تم لوگوں کو ایسے کام کرنے کی پرانی عادت ہے۔ کبھی تم لوگوں کو بھاری تحائف رشوت کے طور پر دے کر انہیں اپنے سامنے زیر کر لیتے ہو اور جو ایسے تحائف کو قبول کرنے سے انکار کر کے تمہارا مطیع اور فرمانبردار بننے کی حامی نہیں بھرتا تم اس کی گردن کاٹنے میں لمحوں کی بھی تاخیر نہیں کرتے۔ لیکن میں تم جیسے گھناؤنے اور ناپسندیدہ افعال کا مرتکب نہیں ہوں گا......"

یہاں تک کہتے کہتے نظام الملک کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ وہ سالار جس سے اس نے سرگوشی کی تھی، لوٹ آیا اور اس کے ہاتھ میں پھلوں سے بھرا ہوا ایک ٹوکرا تھا۔ ہاتھ کے اشارے سے نظام الملک نے پھلوں سے بھرا ہوا وہ ٹوکرا بادشاہ گروں کی ماں کے قاصد کے سامنے رکھنے کے لئے کہا اور اس سالار نے وہ ٹوکرا وہاں رکھ دیا۔ نظام الملک نے پھر اس قاصد کو مخاطب کیا۔

"بادشاہ گروں کی ماں کی طرف سے تم جو تحائف لے کر آئے ہو، وہ بھی واپس لے جاؤ۔ پھلوں کا یہ ٹوکرا اٹھاؤ اور اسے میری طرف سے امن اور خیر سگالی کے طور پر بادشاہ گروں کی ماں کو پیش کرو۔ اسے کہنا، ہم لوگ امن اور آشتی کے خواہش مند ہیں۔ قتل و غارت گری اور شکست و ریخت کے متمنی نہیں ہیں۔ اب تم جاؤ۔ یہ پھل اٹھاؤ اور بادشاہ گروں کی ماں سے کہنا وہ اور اس کے لواحقین اور سب رشتے دار محفوظ ہیں۔"

بادشاہ گروں کی ماں کا وہ قاصد شرمندہ سا ہو گیا تھا۔ پہلے اس نے سارے تحائف سمیٹے، پھر پھلوں کا ٹوکرا اٹھا کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

مؤرخین تفصیل کے ساتھ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ بادشاہ گروں کی ماں نے رشوت کے طور پر نظام الملک کی خدمت میں بہت سے تحائف پیش کئے تھے تاکہ اسے جان اور مال کا تحفظ ملے۔ ساتھ ہی مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ نظام الملک نے نہ صرف تحائف واپس کر دیئے بلکہ بادشاہ گروں کی ماں کی طرف پھل بھی روانہ کئے۔

بادشاہ گروں کی ماں کا قاصد جب چلا گیا تب شہاب الدین، نظام الملک کے قریب آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں صفدر علی کو یہاں منگواؤں۔ اس لئے کہ جن لشکریوں

Marfat.com

کے حوالے میں نے اسے کیا تھا وہ اسے لے کر شہر میں داخل ہو چکے ہیں۔ ساتھ ہی پڑاؤ کے محافظ بھی پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹتے ہوئے شہر میں داخل ہو چکے ہیں۔"

شہاب الدین جب خاموش ہوا تب محبت اور شفقت بھرے انداز میں نظام الملک کہنے لگا۔ "بیٹے! اسے یہیں ہم سب کے سامنے بلاؤ۔ گفتگو بھی تم ہی اس سے کرو۔ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں۔"

نظام الملک کے ان الفاظ پر شہاب الدین خوش ہو گیا تھا۔ اپنے کچھ ساتھیوں کو اس نے صفدر علی کو لانے کے لئے کہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد صفدر علی کو وہاں لایا گیا۔ اس وقت وہاں نظام الملک کے ساتھ اس کا بیٹا میر منوں، شہاب الدین، قادر خان، دونوں کا ماموں حیدر بیگ اور کچھ دیگر سالار کھڑے ہوئے تھے۔ صفدر علی کو جب اس کے سامنے لا کر پیش کیا گیا تو صفدر علی کی حالت عجیب تھی۔ گردن اس کی جھکی ہوئی تھی۔ کسی کی طرف بھی دیکھ نہ رہا تھا نہ کسی سے نگاہیں ملانے کی جرأت اور جسارت کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ جو سالار اسے لے کر آئے تھے، شہاب الدین نے انہیں مخاطب کیا۔

"اس کے ہاتھ کھول دو۔"

ایک لشکری حرکت میں آیا۔ صفدر علی کے ہاتھ اس نے کھول دیئے تھے۔ پھر صفدر علی گردن جھکائے جھکائے اپنے ہاتھوں کو سہلاتا رہا۔ یہاں تک کہ شہاب الدین نے اسے مخاطب کیا۔

"صفدر علی! جس وقت تم گھناؤنے فعل کیا کرتے تھے، قتل و غارت گری کے ارادے سے احکام جاری کیا کرتے تھے کیا اس وقت بھی تم اپنی گردن کو اسی طرح جھکا کر رکھتے تھے؟ اپنی گردن اوپر کرو اور ہم سب کی طرف دیکھو۔ ایسا نہیں کرو گے تو بڑی کڑی سزا سے گزرو گے۔"

صفدر علی سہم گیا تھا۔ گردن سیدھی کر کے سامنے دیکھنے لگا۔ شہاب الدین نے پھر اسے مخاطب کیا۔

"یہ جو تمہارے سامنے کھڑے ہیں، یہ مالوہ کے سابق حاکم قمر الدین نظام الملک ہیں۔ ان کے دائیں جانب ان کا بیٹا میر معین الدین اور اس کے ساتھ میرا ماموں حیدر بیگ کھڑا ہے۔ میرا نام شہاب الدین ہے۔ میرے ساتھ میرے بڑے ابا کا بیٹا قادرد

Marfat.com

خان ہے۔ ہم دونوں فیروز مرزا اور علی مردان کے بیٹے اور ہندوستان کے وزیر امیر خان کے پوتے ہیں۔

صفدر علی! میں تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میرے سوالوں کا جواب نہیں دو گے تب بھی، اگر غلط جواب دو گے تب بھی بڑی بری حالت سے گزرو گے۔ اگر میرے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دو گے تو ٹھیک رہو گے۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو یاد رکھنا جس طرح مرکھنے اونٹ کو موٹی رسّی کی نکیل ڈال کر اسے اپنا مطیع اور فرمانبردار بنایا جاتا ہے اسی طرح میں بھی تمہیں مطیع اور فرمانبردار بنائے جانے والی ایسی نکیل ڈالوں گا کہ تم چیخ چلاّ اٹھو گے۔ تم معافی مانگو گے تو معافی نہیں ملے گی۔ پہلے یہ بتاؤ تمہارا اور عالم علی کا بھائی اور سلطان علی کہاں ہیں؟ ...... یہ میرا پہلا سوال ہے۔ جواب سوچ سمجھ کر دینا۔''

صفدر علی نے عجیب سی مسکنت سے شہاب الدین کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ انہوں نے نہ میرے پاس قیام کیا ہوا ہے نہ عالم علی کے پاس پالا پور میں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ یہاں آئے تھے لیکن چند ماہ قیام کرنے کے بعد وہ واپس دہلی جا چکے ہیں۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اگر یہ غلط ثابت ہو تو میں قابل گردن زنی ہوں گا۔''

''ہمارے بھائی مجتبیٰ خان کے قاتل کون تھے اور یہ سارا کھیل کس کے ایما پر کھیلا گیا تھا؟ کیا اس کھیل میں وہ تین ہندو بھی ملوث تھے جن کے نام لئے گئے تھے؟''

صفدر علی نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

''اس قتل کے محرک حسن علی اور حسین علی تھے۔ یہ کام بھی انہوں نے منصور علی اور سلطان علی کے ذمے لگایا تھا اور انہوں نے ان تین ہندوؤں کو بھاری رقم دے کر مجتبیٰ خان کا خاتمہ کرایا تھا۔ اس لئے کہ مجتبیٰ خان کی ان تین ہندوؤں سے رقابت چل رہی تھی جس کی بناء پر اس کام میں ان تینوں کو ملوث کیا گیا تھا۔

صفدر علی سے یہ جواب سن کر نظام الملک کا بیٹا میر منوں تاؤ کھا گیا تھا۔ چند قدم آگے بڑھا اور پھر اس کا ہاتھ اٹھا اور الٹے ہاتھ کا اس نے ایک ایسا زوردار طمانچہ صفدر علی کے منہ پر دے مارا تھا کہ صفدر علی بل کھاتا ہوا زمین پر گر گیا تھا۔

میر منوں نے اس موقع پر دہاڑتی ہوئی آواز میں اسے مخاطب کر کے کہا۔

Marfat.com

''تمہارا دم خم یہ ہے کہ ایک طمانچہ کھا کر ہی زمین پر گر گئے ہو۔ اور اس دم خم کے بل بوتے پر تم لوگ کیوں ایسے گھناؤنے افعال کے مرتکب ہوتے ہو جو انسانیت کے لئے باعثِ تذلیل بن جاتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد میر منوں رکا، پھر شہاب الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''شہاب الدین میرے بھائی! تم اس سے مزید کچھ پوچھنا چاہتے ہو؟''

شہاب الدین نے نفی میں گردن ہلائی پھر کہنے لگا۔

''بھائی! جو کچھ میں جاننا چاہتا تھا وہ میں جان چکا ہوں۔ اب میری طرف سے یہ فارغ ہے۔''

اس موقع پر میر منوں نے ہاتھ کے اشارے سے کچھ لوگوں کو بلایا، انہیں کچھ سمجھایا۔ جس کے جواب میں وہ صفدر علی کو پکڑ کر ایک طرف لے گئے تھے اور اس کی گردن مار دی گئی تھی۔

نظام الملک نے اپنے لشکر کے ساتھ چند روز تک برہان پور میں قیام کیا، وہاں کا نظم و نسق اپنے طور طریقے پر چلانا شروع کیا۔ وہاں بھی اس نے اپنی طرف سے ایک حاکم مقرر کیا اس کے بعد اس نے بڑی تیزی کے ساتھ بالا پور یعنی برار کے علاقے کا رخ کیا تھا جہاں بادشاہ گروں کا ایک اور رشتہ دار عالم علی ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ مقیم تھا۔ برہان پور اور خان دیش کی طرح عالم علی نے بھی وہی حماقت کی۔ شہر سے باہر نکل کر اس نے نظام الملک کا مقابلہ کیا۔ نظام الملک نے اسے بھی بدترین شکست دی۔ اس جنگ کے دوران عالم علی مارا گیا۔ اس کے ساتھ جو اس کا لشکر تھا اس کی اکثریت کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس طرح نظام الملک نے خان دیش، برہان پور اور بالا پور کو فتح کر کے ان پر اپنا قبضہ مضبوط کر کے ایک طرح سے دکن میں اپنی عملداری کو استحکام بخشنا شروع کر دیا تھا۔ دوسری طرف برہان پور میں مقیم بادشاہ گروں کی ماں نے تیز رفتار قاصد دہلی میں اپنے دونوں بیٹوں حسن علی اور حسین علی کی طرف روانہ کر دیئے تاکہ ان کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا جائے جو نظام الملک کی وجہ سے دکن میں پیش آئی تھی۔

❀......❀

Marfat.com

•••

بڑا بادشاہ گر حسن علی ایک روز اپنی رہائش گاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ چھوٹا بادشاہ گر حسین علی اس کے پاس آیا۔ اس وقت حسن علی گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے حسین علی اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی، پھر حسین علی بڑے بادشاہ گر حسن علی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بھائی! میں آپ کے پاس ایک اچھی تجویز لے کر آیا ہوں۔''

بڑے بادشاہ گر نے چھوٹے بادشاہ گر کی طرف غور سے دیکھا پھر پوچھا۔

''کیسی تجویز؟''

حسین علی کہنے لگا۔

''بھائی! میں امین خان کو زیادہ عرصہ وزیر کے منصب پر برداشت نہیں کر سکتا۔ امین خان ہمارے بدترین دشمنوں میں سرِفہرست ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ جو شخص ہمارا بدترین دشمن ہو وہ ہمارے ہی دورِ حکومت میں مملکت کا وزیر بنا رہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد شاہ ہمارے ماتحت نہیں بلکہ ہم دونوں بھائی محمد شاہ اور امین خان کے ماتحت ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس امین خان کا خفیہ ہاتھوں کے ذریعے فوراً خاتمہ کر دیا جائے اور ہندوستان کا وزیر بنانے کے لئے میں نے ایک شخص کا انتخاب بھی کر لیا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ وزیر کے منصب پر فائز ہونے کے بعد وہی کچھ کرے گا جو ہم چاہیں گے۔''

حسن علی نے استفہامیہ سے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

''تم نے کس شخص کا انتخاب کر لیا ہے؟''

حسین علی کہنے لگا۔

Marfat.com

"بھائی! میری خواہش ہے کہ چند دنوں کے اندر اندر امین خان کا خاتمہ کر کے عنایت اللہ خان کشمیری کو وزیر کا منصب عطا کر دیا جائے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، وہ وہی کچھ کرے گا جو ہم چاہیں گے۔"

حسین علی جب خاموش ہوا تو اس بار حسن علی انتہائی برہمی اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"حسین علی! اپنی جان کی خیر مناؤ۔ حالات ہمارے خلاف پلٹا کھا رہے ہیں۔ تمہیں امین خان کو راستے سے ہٹانے کی پڑی ہے، کچھ لوگ ہم دونوں کو راہ سے ہٹانے کی ابتداء کر چکے ہیں۔ اگر تم تھوڑی دیر نہ آتے تو میں خود تمہارے پاس آتا۔ تمہاری آمد سے تھوڑی دیر پہلے دکن کی طرف سے ایک قاصد آیا ہے، وہاں ایک خونی انقلاب اور تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔ حسین علی! نظام الملک دکن میں بظاہر گوشہ گیری اختیار کئے ہوئے تھا لیکن گوشہ گیری کے بھیس میں اس نے اپنی طاقت اور قوت میں خوب اضافہ کر لیا تھا اور جب اس نے اندازہ لگایا کہ اب اس کی عسکری طاقت مستحکم ہو گئی ہے تب وہ حرکت میں آیا۔ اس نے خان دیش میں جو ہمارا لشکر تھا اسے موت کے گھاٹ اتارا، پھر برہان پور کی طرف گیا۔ وہاں صفدر علی سے ٹکرایا۔ اس لشکر کا بھی خاتمہ کر کے صفدر علی کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر اس نے بالا پور کا رخ کیا۔ بالا پور کے شہر اور گرد و نواح میں ہمارے جس قدر حمایتی تھے وہ نظام الملک کے ساتھ جنگ میں کام آ چکے ہیں اور وہاں ہمارا سالار عالم علی بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ اب دکن کا علاقہ ہماری ملکیت نہیں رہا بلکہ وہاں اب نظام الملک حکومت کر رہا ہے۔ اس نے ہمارے سارے شہروں پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہماری ساری قوت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اور اگر ہم نے اس کا کوئی سدِ باب نہ کیا تو یاد رکھنا نظام الملک ایسی طاقت اور قوت پکڑے گا کہ کوئی بھی اسے دہلی میں داخل ہونے سے روک نہ سکے گا۔

حسین علی! یہ بات اپنے ذہن میں بٹھا کر رکھو نظام الملک، امین خان کا بھتیجا ہے۔ اگر اس موقع پر ہم نے امین خان کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کی تو نظام الملک ہمیں وہاں پہنچائے گا جہاں سے ہماری ہوا بھی نہیں آئے گی۔ میں چاہتا ہوں نظام الملک کے ساتھ ہمارا ٹکراؤ نہ ہو اس لئے میرا اپنا اندازہ ہے کہ وہ اب ایسی طاقت اور قوت پکڑ چکا ہے جسے زیر کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ میں چاہتا ہوں اس کے ساتھ

Marfat.com

مصالحت کا کوئی راستہ نکالا جائے جس کے تحت وہ دکن ہی میں رہے، ادھر نہ آئے اور ہم محمد شاہ کو اپنے اشاروں پر نچاتے ہوئے پہلے کی طرح من مانی کرتے رہیں۔''

حسن علی کے اس انکشاف پر حسین علی دنگ رہ گیا تھا۔ چہرے پر پریشانیاں، آنکھوں میں حیرت کی لہریں رقص کرنے لگی تھیں۔ بوکھلائی ہوئی سی آواز میں کہنے لگا۔

''بھائی! اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

حسن علی تفکرات بھری آواز میں کہنے لگا۔ ''تمہاری آمد سے پہلے میں اسی موضوع کے متعلق سوچ رہا تھا۔ پھر نظام الملک سے نمٹنے کے متعلق میں نے ابھی کوئی لائحہ عمل طے نہیں کیا۔ میں چاہتا ہوں چند روز بعد اپنے سارے ساتھیوں، اپنے سارے حمایتیوں کا ایک اجلاس طلب کر لیا جائے، اس کے بعد فیصلہ کیا جائے کہ نظام الملک سے کیسے نمٹنا چاہئے۔''

حسین علی نے حسن علی کی اس تجویز سے اتفاق کیا پھر دونوں بھائی اس کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

✿

فیروز مرزا، تقدیس خانم، قرہ خاتون، ماہ الملک، عباد الدین اور شرف الدین سب اپنے دیوان خانے میں بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ دیوان خانے میں بشن دیوی، گوہر آراء اور پاربتی تینوں ماں بیٹیاں داخل ہوئی تھیں۔ تینوں کے چہرے بتاتے تھے کہ وہ بے حد خوش اور مطمئن تھیں۔ آگے بڑھ کر تینوں خالی نشستوں پر بیٹھ گئیں۔ اس موقع پر گفتگو کا آغاز بشن دیوی نے کیا۔ باری باری قرہ خاتون اور تقدیس خانم دونوں بہنوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں آج آپ سب لوگوں کے لئے ایک اچھی خبر لے کر آئی ہوں۔ جسے خوشخبری بھی کہہ سکتے ہیں۔''

قبل اس کے کہ بشن دیوی کے ان الفاظ کا کوئی جواب دیتا عین اسی لمحے دیوان خانے کے دروازے پر محمد امین خان نمودار ہوا تھا اور وہ بھی مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں نے اپنی بہن بشن دیوی کے الفاظ سن لئے ہیں۔ اگر یہ ہمارے لئے کوئی اچھی خبر لے کر آئی ہے تو میں بھی آج آپ سب لوگوں کے لئے ایک بہت ہی اچھی خبر لے کر آیا ہوں۔''

Marfat.com

سارے افراد پہلے ہی بشن دیوی کے الفاظ سے خوش ہو رہے تھے۔ اب محمد امین خان کے ان الفاظ نے ان کی خوشیوں اور مسرتوں میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ امین خان آگے بڑھا اور اپنے بیٹے فیروز مرزا کے پاس ہو بیٹھا تھا۔ اس موقع پر مہر النساء شاید اپنے کمرے میں تھی۔ وہ بھی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دیوان خانے میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ پھر اپنے شوہر امین خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں نے آپ کی آواز سن لی ہے۔ آپ کسی خوشخبری کی بات کر رہے تھے۔ کہیں، کیسی خوشخبری ہے؟''

جواب میں امین خان مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ''ایک اچھی خبر ہماری بہن بشن دیوی بھی لے کر آئی ہے۔ پہلے ہم اس کی خبر سنیں گے اس کے بعد میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ کہوں گا۔''

جواب میں بشن دیوی مسکرائی اور کہنے لگی۔

''جو اچھی خبر میں لے کر آئی ہوں وہ یہ ہے کہ جس وقت ماہ الملک قرہ خاتون اور تقدیس خانم نے گوہر آراء کے لئے عباد الدین اور میری بیٹی پاربتی کے لئے شہاب الدین کا رشتہ طے کیا تھا میں نے اپنی طرف سے اسی وقت ہاں کہہ دی تھی۔ اس لئے کہ یہ آخری فیصلہ تھا۔ تاہم اس روز میں نے اپنا ایک قاصد اپنے شوہر کی طرف جودھ پور کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ اسے اس صورتِ حال سے آگاہ کیا تھا۔ اب وہ قاصد واپس آیا ہے اور میرے شوہر اجیت سنگھ نے ان دونوں رشتوں پر اپنی خوشی اور رضامندی کا اظہار کیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد بشن دیوی رکی، پھر کہنے لگی۔

''اگر میرا شوہر اجیت سنگھ ان رشتوں کے لئے راضی نہ بھی ہوتا تب بھی یہ رشتے ہوتے اور ہماری طرف سے پکے تھے۔ اجیت سنگھ بے شک میرا پتی ہے لیکن اس کے کاموں، اس کے ارادوں اور عزائم میں پختگی نہیں ہے۔ اگر کوئی فیصلہ کرتا ہے تو اس فیصلے کو بدل دینے میں دیر بھی نہیں لگاتا۔ پھر یہ بھی نہیں سوچتا کہ جو قدم وہ اٹھانے لگا ہے اس میں اس کی اور اس کے اہل خانہ کی بھلائی، بہتری بھی ہے کہ نہیں۔

آج میں آپ لوگوں پر یہ بھی انکشاف کروں کہ میری بیٹی گوہر آراء اپنے پتا کو پسند نہیں کرتی۔ اسی بناء پر اس نے اپنے شوہر فرخ سیر کے مارے جانے کے بعد جودھ پور

Marfat.com

کا رخ نہیں کیا، یہیں رہائش اختیار کر لی۔ اس کا خیال ہے کہ فرخ سیر کے قتل میں میرا شوہر اجیت سنگھ برابر کا شریک ہے۔ جہاں تک میری بیٹی پاربتی کا تعلق ہے تو یہ بھی اب جودھ پور نہیں رہنا چاہتی۔ اس کے بھی خیالات اپنے باپ سے متعلق اپنی بہن گوہر آراء جیسے ہیں۔ اسی بناء پر جودھ پور واپس نہیں جانا چاہتی اور میں آپ پر انکشاف کروں کہ ان دونوں بہنوں کی شادیاں یہیں دہلی میں ہوں گی ان کی شادی میں میرا پتی شرکت کرے یا نہ کرے لیکن یہ شادیاں یہیں ہوں گی اور ضرور ہوں گی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد بشن دیوی جب خاموش ہوئی تو اس کے ان الفاظ کے جواب میں امین خان کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی اس کی بیوی مہر النساء بول اٹھی۔ "بشن دیوی، میری بیٹی! ایسی باتیں کر کے تُو نے ہمارا دل خوش کر دیا ہے۔"

پھر مہر النساء نے اپنے پوتے عباد الدین کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی۔

"عباد الدین! آج سے گوہر آراء تمہاری امانت ہے۔ تم دونوں اکٹھے اٹھ بیٹھ سکتے ہو، اپنے مستقبل کے متعلق گفتگو کر سکتے ہو۔ اور پھر میں اس موقع پر تم سے یہ بھی کہوں گی کہ تم گوہر آراء کی ضروریات کا بھی خیال رکھو۔ گاہے گاہے ان کے پاس حویلی جاؤ۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے پہنچاؤ۔"

اس موقع پر جہاں عباد الدین کی گردن جھکی ہوئی تھی، وہاں گوہر آراء کی بھی گردن جھکی ہوئی تھی۔ وہ بری طرح شرما رہی تھی۔ یہاں تک کہنے کے بعد مہر النساء کچھ دیر تک پُرشوق انداز میں راج کماری پاربتی کی طرف دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

"پاربتی، میری بیٹی! تُو سب سے زیادہ خوش قسمت ہے کہ تجھے شہاب الدین جیون ساتھی کے طور پر مل رہا ہے۔ میری بچی! وہ اس خاندان، اس حویلی کا ایک گوہر ہے اور میرا دل کہتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا مستقبل بھی گوہر ہی کی طرح چمکے گا۔ بیٹی! وہ اس وقت یہاں نہیں ہے، ورنہ میں اسے بھی تیرے سامنے کہتی کہ وہ تیرے ساتھ اٹھ بیٹھ سکتا ہے۔ تیری ضروریات کا خیال رکھ سکتا ہے۔"

مہر النساء کے ان الفاظ پر سارے ہی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ امین خان بول اٹھا۔ "اگر آپ لوگوں کی گفتگو ختم ہو چکی ہو تو پھر میں آپ سب لوگوں کے لئے اس سے بھی اچھی خبر کہوں؟"

امین خان کے ان الفاظ پر سب چونکنے اور جستجو بھرے انداز میں اس کی طرف

Marfat.com

دیکھنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ امین خان بول اٹھا۔

"جو اچھی خبر میں آپ لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ دکن میں میرا بھتیجا نظام الملک حرکت میں آ چکا ہے۔ شہاب الدین اور قاورد خان اس کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ اس کے بازو کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ نظام الملک، میر منوں، حیدر بیگ، شہاب الدین اور قاورد خان ایک لشکر کے ساتھ آندھی اور طوفان کی طرح حرکت میں آئے اور چھوٹے بادشاہ گر حسین علی کے علاقوں پر حملہ آور ہوئے۔ حسین علی ان علاقوں کا حاکم ہے لیکن اپنی طرف سے نائب مقرر کر کے سازشوں کے مرکبات تیار کرنے کے لئے دہلی میں اس نے قیام کر رکھا ہے۔ اب جو خبریں میرے پاس پہنچی ہیں ان کے مطابق نظام الملک نے برہان پور، خان دیش اور بالا پور پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہاں بادشاہ گروں کے تین بڑے بڑے سالار تھے، ان تینوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے اور اب میرے خداوند نے چاہا تو نظام الملک عنقریب اپنے لشکر کے ساتھ دہلی کا رخ کرے گا۔ پھر میں دیکھوں گا کہ ان بادشاہ گروں کی بادشاہ گری کب تک چلتی ہے اور یہ کب تک قتل و غارت گری، خون ریزی اور خونخواری کا کھیل کھیلتے ہیں۔

امین خان یہاں تک کہتے کہتے رک گیا۔ اس دوران سارے آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے بے پناہ خوشی اور مسرت کا اظہار کر رہے تھے یہاں تک کہ کمرے میں امین خان کی آواز پھر سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"پاربتی میری بیٹی! جو گفتگو میں نے کی ہے اس میں سب سے زیادہ تمہاری خوشی پنہاں ہے بیٹی! اب ہمارے ہاں تو شہاب الدین کی امانت ہے۔ برہان پور کے نواح میں جو بادشاہ گروں کے سپہ سالار صفدر علی اوز نظام الملک کے درمیان ٹکراؤ ہوا اس ٹکراؤ کے دوران شہاب الدین نے بہترین کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اس نے کمند پھینک کر صفدر علی کو زندہ گرفتار کر لیا تھا اور اسے گھسیٹتا ہوا اپنے لشکر کے پچھلے حصے میں لے گیا تھا۔ اسے وہاں اپنے کچھ لشکریوں کے حوالے کر کے اس نے پھر جنگ میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ بعد میں اس نے صفدر علی سے اپنے بھائی مجتبیٰ خان، اپنے باپ، چچا اور چچی کے قاتلوں سے متعلق بھی دریافت کیا اور اس سے بہت کچھ جاننے کے بعد اس کی گردن مار دی۔

اس موقع پر پاربتی دیوی کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ ہلکے ہلکے مسکرا رہی تھی۔ اس کی یہ

Marfat.com

حالت دیکھتے ہوئے اس کی بڑی بہن گوہر آراء اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے گئی، پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم نے یہ کیا حالت بنا لی ہے؟ سر جھکا کر کیوں بیٹھی ہو؟ دادا نے جو شہاب الدین سے متعلق اس کی دلیری اور جرأت مندی کے الفاظ کہے ہیں کیا وہ تیری خوشی کا باعث نہیں بنے؟ میرا خیال ہے کہ تُو اوپر سے اپنے ہونٹوں کو ملائے بیٹھی ہے اور اندر ہی اندر تیرے دل میں خوشی کے پٹاخے پھوٹ رہے ہوں گے۔"

اس جملے پر پاربتی کھل کر ہنس دی تھی، پھر دھیمے سے لہجے میں گوہر آراء کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"دیدی! شہاب الدین کو میرا جیون ساتھی چن لیا گیا ہے۔ اس کے کارنامے سن کر میں نہیں خوش ہوں گی تو اس موقع پر اور کسے خوشی ہو سکتی ہے؟"

جواب میں گوہر آراء نے اسے گلے لگا کر اس کا گال چوم لیا پھر کہنے لگی۔ "تُو نے یہ الفاظ ادا کر کے میرا دل خوش کر دیا ہے۔"

اس موقع پر گوہر آراء کو کچھ خیال گزرا، پھر اپنے قریب ہی بیٹھی ہوئی ماہ الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "آج اروما دیوی کہاں چلی گئی ہے؟"

ماہ الملک اپنا منہ گوہر آراء کے قریب لے گئی، پھر کہنے لگی۔

"وہ طہارت خانے میں نہا رہی ہے۔ میرے خیال میں اب آنے ہی والی ہو گی۔"

قبل اس کے کہ گوہر آراء جواب میں کچھ کہتی، امین خان بول اٹھا۔ ماہ الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"ماہ الملک! اب اٹھو، کھانے کا اہتمام کرو۔ سب کے لئے کھانا تیار کرو۔ بشن دیوی، گوہر آراء، پاربتی اپنی حویلی میں کھانا نہیں کھائیں گی۔ آج یہیں ہمارے ساتھ ہی بیٹھ کر کھانا کھائیں گی۔ آج ہمارے لئے بڑی خوشی کا دن ہے۔ اروما کہاں ہے؟ اسے بھی ساتھ لے لو اور کھانا تیار کرو۔"

ماہ الملک سے پہلے ہی پاربتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، پھر ماہ الملک کا ہاتھ اس نے پکڑا اور کہنے لگی۔

"ماہ الملک! آؤ مطبخ کی طرف چلتے ہیں۔ اروما کو بھی لے لیتے ہیں۔"

پھر پاربتی مسکراتے ہوئے گوہر آراء کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

Marfat.com

"دیدی! آپ یہیں بیٹھی رہیں۔ آپ کی وہاں ضرورت نہیں ہے۔"

گوہر آراء مسکرا کر رہ گئی تھی جبکہ پاربتی اور ماہ الملک دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے دیوان خانے سے نکل کر مطبخ کی طرف چل دی تھیں۔

✿

محمود خان کی موت پر ایران کے اندر بدامنی پھیلنا شروع ہوگئی تھی اور ایران کی بدامنی سے دو طاقتوں نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ ایک عثمانی ترک، دوسرے روسی۔

روسیوں نے ایران میں قدم جمانے شروع کئے جبکہ عثمانی ترک ایران کے شہر شروان کی طرف بڑھے اس لئے کہ مسلکی اختلافات کی بنیاد پر ایرانی حکمرانوں نے شروان کے لوگوں کا قتل عام کیا تھا۔ اسی بناء پر عثمانی ترک شروان کو اپنی حفاظت میں لینا چاہتے تھے۔ ترکوں کا لشکر بڑی تیزی سے شروان کی طرف بڑھا۔ ایرانیوں نے مزاحمت کی اور شکست کھائی اور شروان پر ترکوں کا قبضہ ہوگیا۔ اور وہاں ترکوں نے اپنا حاکم مقرر کر دیا۔ دوسری طرف روسیوں نے اپنے دستے بحر خزر کے علاقوں میں داخل کرنا شروع کر دیئے تھے۔ اسی دوران ترکوں نے بھی پیش قدمی کی اور گرجستان میں داخل ہو گئے۔ اس طرح ترک اور روسی ایک دوسرے کے آمنے سامنے آنا شروع ہو گئے تھے۔ ممکن تھا کہ دونوں میں ٹکراؤ ہو جاتا لیکن دونوں قوتوں نے آپس میں معاہدہ کرلیا۔

ہوا یوں کہ روس اور ترکی کی حکومتوں کے درمیان مذاکرات ہوئے جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ بحرہ خزار کے تمام ساحلی علاقے روس اپنے تصرف میں لے لے اور ایران اور ترکی کی نئی سرحد کے علاقے یعنی تبریز، ہمدان، کرمان اور اردبیل پر ترکوں کا حق تسلیم کر لیا جائے۔ دونوں قوتوں میں یہ بھی طے پایا کہ ایران کے سابق بادشاہ شاہ حسین کا بیٹا طہماسپ اگر اس تقسیم کو قبول کر لے تو اسے ایران کا تاج و تخت حاصل کرنے میں مدد دی جائے ورنہ کسی اور مناسب حق دار کے لئے کوشش کی جائے۔

ترکوں اور روسیوں کے مابین تو یہ معاہدہ ہو گیا اور اس معاہدے کی رو سے روس کے مجوزہ علاقے تو پہلے ہی ان کے تسلط میں تھے، اب ترکوں نے تقسیم کے مطابق جو حصے ان کے لئے مختص کئے تھے ان پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ پہلے ترکی لشکر نے ہمدان کا

Marfat.com

رخ کیا جسے ترکوں نے مختصر سے عرصے میں کسی مزاحمت کے بغیر فتح کر لیا۔ اس کے بعد ترکوں کا لشکر آگے بڑھا اور کئی علاقوں کو فتح کرتا ہوا تبریز جا پہنچا۔ تبریز میں ایرانیوں نے سخت مزاحمت کی لیکن نقصان اٹھایا۔ ترکوں نے تبریز فتح کر لیا اور وہاں جس قدر ایرانی تھے ان کے ساتھ یہ معاہدہ ہوا کہ وہ مع ساز و سامان اور عزیز و اقارب تبریز سے صحیح سلامت نکل جائیں۔ اس طرح تبریز شہر پر بھی ترکوں کا قبضہ ہو گیا۔

اب محمود خان جو مارا جا چکا تھا، اس کی جگہ اشرف اصفہان میں حکمران تھا اور اس کی حکومت اب اصفہان، شیراز اور جنوبی ایران کے کچھ علاقوں تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ محمود کی طرح پورے ایران میں اس کی حکومت نہ تھی اور اس لشکر پر اشرف پورا بھروسہ کر سکتا تھا وہ اسے ایران سے میسر نہیں آ سکتا تھا اس لئے کہ ایرانی تو محمود اور اشرف دونوں کے خلاف تھے۔ اشرف کو اپنی طاقت اور قوت بڑھانے کے لئے اگر کوئی لشکر مل سکتا تھا تو وہ اسے قندھار سے میسر آ سکتا تھا۔ لیکن اب اس کے لئے ایسا بھی ممکن نہیں تھا۔ اس لئے کہ قندھار میں اس وقت محمود کا بھائی حسین حکمران تھا۔ کیونکہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ محمود کی موت کا ذمہ دار اشرف ہے لہٰذا محمود خان کا بھائی جو قندھار کا حاکم تھا وہ کسی بھی صورت اشرف سے تعاون کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے کہ اب اشرف کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اس لشکر کو منظم کرے جو اس کے پاس ہے اور جن علاقوں کی حکومت اس کے پاس رہ گئی ہے وہاں استحکام پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اپنی اس قوت کے ساتھ صرف دفاعی تدابیر پر اکتفا کرتا رہے۔

اشرف کے لئے اب یہ بھی ایک بہت بڑی پریشانی تھی کہ ایران کے سابق بادشاہ شاہ حسین کے بیٹے طہماسپ نے ایران کے کچھ علاقوں پر بادشاہت کا اعلان کیا ہوا تھا۔ اس وقت وہ خود مازندان کے شہر فرخ آباد میں مقیم تھا۔ اس کی حیثیت اگرچہ محض نمائشی ہی تھی لیکن اسے قاچار قبیلے کے طاقتور سردار فتح علی خان کی حمایت حاصل ہو گئی تھی۔ اس کی حمایت سے آخر طہماسپ نے اپنے لئے ایک لشکر تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔

یہ صورتِ حال اشرف کے لئے انتہائی خطرناک تھی۔ ایک طرح سے تین قوتیں اس کے سر پر منڈلا رہی تھیں۔ ایک روس، دوسرے ترک اور تیسری قوت ایران کے سابق بادشاہ کے بیٹے طہماسپ کے روپ میں تھی۔ ان خطرات سے نجات حاصل کرنے کے لئے اشرف نے یہ فیصلہ کیا کہ ترکوں کے ساتھ امن اور سلامتی کا معاہدہ کر لینا چاہئے۔

Marfat.com

اس مقصد کے لئے اس نے اپنے کچھ سرکردہ لوگوں کو سفیر بنا کر ترکوں کی طرف روانہ کیا لیکن اسے اپنے اس مقصد میں ناکامی ہوئی۔

اب ترکوں نے ایران کے اندر مزید ترک تاز کرنا شروع کی۔ ترکوں کا ایک سالار احمد پاشا بڑی برق رفتاری سے لشکر کے ساتھ آگے بڑھا۔ پہلے اس نے مراغہ اور قزوین شہروں پر حملہ آور ہو کر ان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے اصفہان کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اصفہان اشرف کی حکومت کا مرکزی شہر تھا لہٰذا جب اسے خبر ہوئی کہ مراغہ اور قزوین کو فتح کرنے کے بعد ترکوں کا سپہ سالار احمد پاشا بڑی برق رفتاری سے اصفہان کا رخ کئے ہوئے ہے تو وہ ترکوں کو واپس بھیجنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ پہلے اس نے ترکوں کی طرف سفارت بھیجی تھی جو ناکام ہو گئی تھی۔ اب اس نے ایک دوسرا حربہ استعمال کیا۔

اس نے ترکوں کے مسلک کے چند چوٹی کے علماء کی خدمات حاصل کیں۔ انہیں ترکوں کے سالار احمد پاشا کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ احمد پاشا کو ترغیب دیں کہ اصفہان پر حملہ آور ہونے کی بجائے وہ واپس چلے جائیں اور جو علاقے وہ اب تک فتح کر چکے ہیں ان پر ہی اکتفا کریں۔ علماء کا وہ وفد کامیاب ہوا اور ترکوں کے ساتھ ایک معاہدہ طے پا گیا۔ یہ معاہدہ اشرف کی امیدوں سے کہیں بڑھ کر اس کے لئے فائدہ مند ثابت ہوا۔

اس معاہدے کے تحت اشرف نے ترکوں کے سلطان کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا۔ جواب میں ترکوں کے سلطان نے خیر سگالی کے طور پر اشرف کی حکومت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اب تک جو ایران کے علاقے ترکوں نے فتح کئے تھے وہ بھی اشرف کے حوالے کر دیئے۔ اس طرح ترکوں سے الحاق کرنے کی وجہ سے ایران میں اشرف کی حالت کافی حد تک بہتر اور مستحکم ہو گئی تھی۔

ترکوں کے ساتھ سود مند معاہدہ کرنے کے بعد اشرف کو یقین تھا کہ اب وہ ایران کے اندر امن و امان سے حکومت کرتا رہے گا اور اگر موقع ملا تو اپنی سلطنت کو وسعت بھی بخشتا رہے گا۔ لیکن اچانک حالات نے کروٹ لی۔ اس لئے کہ ایران کے اندر ایک اور طاقت اور قوت حرکت میں آ رہی تھی اور یہ نادر شاہ تھا۔

نادر شاہ جس کا شمار ایران کے عظیم بادشاہوں میں ہوتا ہے، خراسان کے ایک قصبے

Marfat.com

ابیورد میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی۔ اس کا نام نادر علی تھا۔ اس کا باپ امام قلی تھا جو ایک معمولی اور کمزور قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک طاقتور قبیلے افشار سے الحاق کر لیا تھا اسی بناء پر نادر شاہ کو نادر شاہ افشار بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بنیادی طور پر ترک تھا۔

نادر شاہ کے باپ امام قلی نے بھیڑ بکریاں پال رکھی تھیں اور انہی سے وہ پوستیں بنا کر بیچا کرتا تھا۔ گرمیوں کے موسم میں امام قلی اپنے گاؤں میں رہتا اور سردیوں میں نسبتاً کم سرد میدانوں کی طرف منتقل ہو جاتا۔

ایک مرتبہ یہی امام قلی اپنی بیوی اور قبیلے کے دیگر لوگوں کے ہمراہ ایک کوہستانی سلسلے سے گزرتا ہوا اپنے گاؤں کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں محمد آباد کے قریب جس وقت اس نے پڑاؤ کر رکھا تھا اس کے خیمے میں اس کا بیٹا پیدا ہوا جس کا نام نادر قلی رکھا گیا۔ یہی نادر قلی بعد میں نادر شاہ افشار کے نام سے ایران کا حکمران ہوا تھا۔

نادر قلی کا بچپن ریوڑ چرانے میں گزرا۔ باپ کی وفات پر وہ گدھے اور اونٹ پر ایندھن لاد کر بھی بیچا کرتا تھا۔ جب وہ اٹھارہ سال کا ہوا تو اچانک ان کے علاقوں پر ازبکوں نے حملہ کر دیا اور کچھ چھاپہ مار ازبک نادر علی اور اس کی والدہ کو اسیر کر کے اسے خوارزم کی طرف لے گئے۔

وہاں ازبکوں نے دونوں ماں بیٹے کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ چار سال تک انہوں نے غلامی کی زندگی بسر کی اور نادر قلی کی والدہ اسی غلامی کی حالت میں وفات پا گئی۔ اس کے بعد نادر قلی وہاں سے کسی نہ کسی طرح بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور جوں توں کر کے وہ اپنے آبائی گاؤں پہنچا۔ وہاں اس وقت ایک شخص بابا علی بیگ افشار حاکم تھا اور اس کے دربار میں نادر قلی کو ملازمت مل گئی۔ اس طرح اسے ترقی کے پہلے زینے پر قدم رکھنے کا موقع مل گیا تھا۔

انہی دنوں محمود سیستانی مشہد کا حاکم تھا اور نادر قلی کا آبائی قصبہ اور اس کے اردگرد کے علاقوں کے علاوہ وہاں کا حاکم بابا علی بیگ بھی محمود سیستانی کے ماتحت تھا۔ یہ وہی محمود سیستانی تھا جس نے اصفہان پر حملہ آور ہونے والے محمود خان سے ایک معاہدہ کر لیا تھا۔

محمود خان سے معاہدہ کرنے کے بعد یہ محمود سیستانی مشہد کا خود مختار حاکم بن بیٹھا

Marfat.com

تھا۔ سوار اور پیادہ لشکر منظم کر کے اپنی طاقت اور قوت کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لئے توپ خانہ بھی مہیا کر لیا تھا۔

نادر قلی کے آبائی قصبے کا حاکم بابا علی بیگ اس وقت محمود سیستانی کے ماتحت تھا۔ ایک مرتبہ بابا علی بیگ کی عدم موجودگی میں محمود سیستانی کا ایک وفد ابیورد پہنچا اور بابا علی بیگ کے خاندان سے ناروا سلوک کیا۔ نادر قلی اپنے آقا کے گھرانے کی بے حرمتی گوارا نہ کر سکا اور محمود سیستانی کے اس کارندے پر حملہ آور ہو کر اسے ہلاک کر دیا۔

یہ ایک بہت بڑا جرم تھا اور خطرہ تھا کہ محمود سیستانی انتقام لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہو گا۔ ادھر جب بابا علی بیگ واپس آیا تو اسے صورتِ حال کا پتہ چلا تو اسے سخت اضطراب ہوا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے نادر قلی نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بابا علی بیگ کو مخاطب کر کے کہا۔

''آپ محمود سیستانی کی طرف سے کسی خدشے اور خطرے کو محسوس کرتے ہوئے فکرمند نہ ہوں۔ میں خود مشہد محمود سیستانی کے پاس جاتا ہوں اور اس کے کارندے کو قتل کر کے جو جرم میں نے کیا ہے اس کی جوابدہی بھی میں خود ہی کروں گا۔''

چنانچہ بابا علی بیگ سے یہ کہنے کے بعد نادر قلی اپنے آبائی قصبے سے مشہد کی طرف روانہ ہو گیا اور محمود سیستانی کے دربار میں حاضر ہو کر اس کارندے کو قتل کرنے کا اعتراف کیا اور کہا۔

''ایک وفادار ملازم کی حیثیت سے میرا یہ فرض تھا کہ کارندے کی گستاخی کی سزا اسے دیتا لہٰذا میں نے اسے سزا دی اور اسے قتل کر دیا اور اپنے قصود کا میں خود ذمہ دار ہوں۔ اس میں بابا علی بیگ کا کوئی تعلق ہے نہ کوئی قصور ہے۔''

محمود سیستانی کے دربار میں جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نادر قلی نے جب اس سے کہا کہ وہ اپنے قصور کا خود ذمہ دار ہے تو محمود سیستانی، نادر قلی کی جرأت اور فرض شناسی کا بیان سن کر بڑا خوش ہوا۔ اس نے نہ صرف اس کی خطا سے درگزر کیا بلکہ اسے خلعت دے کر سرفراز کیا اور اسے واپس اس کے قصبے کی طرف بھیج دیا۔ جب وہ واپس اپنے قصبے کے حاکم بابا علی بیگ کے پاس پہنچا تو بابا علی بیگ نے اپنی بیٹی کو نادر قلی کے عقد میں دے دیا۔ اب نادر قلی ترقی کرنے لگا تھا۔ کچھ ہی عرصے بعد اس علاقے کا حاکم بابا علی بیگ وفات پا گیا تو اس کی جگہ اس علاقے پر نادر علی کو حاکم تسلیم کر لیا گیا۔

Marfat.com

اب یہی نادر قلی بڑی تیزی سے ترقی کی نازل طے کرنے لگا تھا۔

❁

بالا پور میں ایک روز نظام الملک، اس کا بیٹا میر منوں، شہاب الدین، قاورد خان اور دونوں کا ماموں حیدر بیگ سب اکٹھے بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک شہاب الدین نے نظام الملک کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

''اگر آپ برا نہ مانیں اور اجازت دیں تو میں اور قاورد خان دونوں اب دہلی کا رخ کرنا چاہتے ہیں۔''

شہاب الدین کے ان الفاظ پر نظام الملک نے چونکنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''لگتا ہے میرے بیٹے کا دل یہاں نہیں لگ رہا۔ دہلی بہت یاد آ رہا ہے۔ اور پھر تمہارے اور قاورد خان دونوں کی دلچسپی کا بھی وہاں کافی سامان ہے اس لئے کہ تم دونوں کی نسبت دو راجکماریوں سے طے ہو چکی ہے اور ان دونوں راجکماریوں نے دہلی میں قیام کیا ہوا ہے۔ اس بناء پر میرے خیال میں تم دونوں دہلی جانے کے لئے بے تاب اور بے چین دکھائی دیتے ہو۔''

یہ بات نظام الملک نے مسکراتے ہوئے کہی تھی۔ جواب میں شہاب الدین کہنے لگا۔ ''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ٹھیک ہے، میرا اور قاورد خان کا ان سے رشتہ طے ہو چکا ہے لیکن آپ یہ بھی تو سوچیں کہ خان دیش، برہان پور اور بالا پور پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں بادشاہ گروں کی جو طاقت اور قوت تھی اسے تو ہم نے مسل کر رکھ دیا ہے۔ آپ کے سامنے صفدر علی نے اقرار کیا تھا کہ اس کا اور عالم علی کا بھائی دہلی جا چکے ہیں اور ان کے ساتھ وہ تین ہند و قاتل بھی ہیں جنہوں نے ہمارے بھائی مجتبیٰ خان کو قتل کیا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اور قاورد خان دہلی جائیں اور وہاں جا کر قاتلوں کو تلاش کریں اور ان کا کام تمام کرنے کی کوشش کریں۔''

شہاب الدین جب خاموش ہوا تب نظام الملک بڑی شفقت سے کہنے لگا۔

''شہاب الدین! تم ابھی بالک اور بچے ہو۔ زندگی کے تلخ حقائق سے تمہارا سامنا نہیں پڑا۔ دہلی جا کر تم ان قاتلوں سے کیسے انتقام لے سکتے ہو اور کیسے ان سے نمٹ سکتے ہو؟ دہلی میں دونوں بادشاہ گر مقیم ہیں۔ دہلی کی ساری قوت ان کے ہاتھ میں

Marfat.com

ہے۔ وہ تو تمہارے دادا امین خان کی زندگی کے درپے ہیں۔ انہیں خطرہ اور خدشہ اس بات کا ہے کہ اگر انہوں نے امین خان کے خلاف حرکت میں آنے کی کوشش کی تو کہیں میں ادھر سے یورش کرتے ہوئے ان کے لئے خطرے کا باعث نہ بن جاؤں۔ اسی بناء پر وہ خاموش اور چپ ہیں۔

میرے بچے! اگر تُو نے قاورد خان کے ساتھ دہلی جا کر قاتلوں سے انتقام لینے کی کوشش کی تو اپنے آپ کو تم دونوں خطرات میں ڈال دو گے۔ اب تک دونوں بادشاہ گروں تک یہ بات پہنچ چکی ہو گی کہ میں نے خان دلیش، برہان پور اور بالا پور پر قبضہ کر لیا ہے اور ان کے دو بہترین سپہ سالار یعنی صفدر علی اور عالم علی دونوں کو عالمِ بالا کی طرف بھجوا دیا ہے تو تم کیا خیال کرتے ہو کہ وہ ہماری طرف سے مطمئن ہوں گے اور ہمارے خلاف انتقامی کارروائیاں کرنے کی سوچ و بچار میں نہ ڈوبے ہوں گے؟ لہٰذا ان حالات میں، میں تم دونوں کو دہلی جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ میرے پاس ہی قیام کرو۔ بس چند دن کی بات ہے۔ اس کے بعد میں اپنے لشکر کے ساتھ یہاں سے نکلوں گا اور دہلی کا رخ کروں گا۔ پھر دیکھوں گا کہ ان دونوں بادشاہ گروں کی بادشاہت دہلی میں مزید کتنا عرصہ چلتی ہے۔ میرے بچو! یہ سب کچھ میں تمہاری سلامتی کے لئے کر رہا ہوں۔ اس سے پہلے میں نے جو اپنا قاصد اپنے چچا امین خان کی طرف بھجوایا تھا اس قاصد کے ہاتھ میں نے پیغام بھجوایا تھا کہ فی الحال خاموشی سے دن گزارتے رہیں۔ عباد الدین اور شرف الدین کو بھی زیادہ باہر نہ نکلنے دیں۔ احتیاط برتیں۔ میرے دہلی پہنچنے تک کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے دونوں بادشاہ گر برافروختہ ہو کر کوئی غلط قدم اٹھانے پر تیار ہو جائیں۔ اس بناء پر تم دونوں فی الحال دہلی نہیں جا سکتے۔ اس لئے کہ......"

یہاں تک کہتے کہتے نظام الملک کو رک جانا پڑا۔ اسی لمحے ایک شخص اس کمرے کے دروازے پر نمودار ہوا تھا جس کمرے میں وہ سب لوگ بیٹھے تھے۔ اور آنے والا نظام الملک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"دہلی سے ایک قاصد آیا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔"

یہ الفاظ سن کر نظام الملک چونکا تھا۔ پھر آنے والے اس شخص کو کہنے لگا۔

"جو قاصد یہاں آیا ہے اسے یہیں میرے پاس بھیج دو۔"

Marfat.com

وہ شخص وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نوجوان کو اپنے ساتھ لے کر آیا۔ آنے والا وہ نوجوان جب کمرے میں داخل ہوا تو نظام الملک کے علاوہ سب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس سے پُرجوش مصافحہ کیا۔ پھر نظام الملک نے اسے اپنے سامنے بٹھایا اور اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

''مجھے بتایا گیا ہے کہ تم دہلی سے آئے ہو اور پیغام لے کر آئے ہو۔ یہ کہو کہ کس کی طرف سے آئے ہو اور پیغام کس کا ہے؟''

آنے والے اس قاصد نے اس موقع پر بڑے غور سے نظام الملک کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''مجھے حسن علی اور حسین علی دنوں بھائیوں نے آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔''

قاصد شاید مزید کچھ کہتا کہ نظام الملک نے پھر اسے مخاطب کیا۔

''یہ کہو کیا پیغام لائے ہو؟''

نظام الملک کا اُکھڑا اُکھڑا لہجہ دیکھتے ہوئے قاصد نے نظام الملک کو ایک طرح سے اپنی گفتگو سے مرعوب کرنے کی کوشش کی، لہٰذا وہ کہنے لگا۔

''آپ جانتے ہیں دونوں بادشاہ گر اس وقت سلطنت دہلی کے مالک ہیں۔ اصل حکمرانی، اصل بادشاہت ان دونوں کے ہاتھ میں ہے۔ جبکہ محمد شاہ صرف عوام کے سامنے ایک مہرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ مہرہ بھی موم کا جس کا منہ بادشاہ گر جدھر چاہیں موڑ دیں۔

قاصد رکا، پھر پہلے سے بھی زیادہ اکھڑ لہجے میں کہنے لگا۔ ''نظام الملک! تم صرف مالوہ کے حاکم تھے۔ مالوہ کی حاکمیت تک ہی محدود رہتے تو بات شاید نہ بڑھتی۔ مالوہ سے نکل کر تم دکن کی طرف آ گئے۔ یہاں خفیہ طور پر اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرتے رہے اور اب نربدہ کے اس پار کے علاقوں پر حملہ آور ہوئے ہو۔ یہ بھی جانتے ہو کہ یہ علاقہ حقیقی طور پر حسین علی کا علاقہ ہے۔ تم نے خان دیش، برہان پور اور بالا پور کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یہاں حسین علی کے جو سپہ سالار اور عسکری تھے انہیں موت کے گھاٹ اتارا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ حسین علی اور اس کا بڑا بھائی حسن علی تمہاری اس حرکت کو برداشت کریں گے؟''

قاصد جب خاموش ہوا تو کسی قدر غصے کا اظہار کرتے ہوئے نظام الملک کہنے لگا۔

Marfat.com

''یہ تم مجھے جو مالوہ کا حاکم ہونے کا طعنہ دے رہے ہو تو ذرا اپنے بادشاہ گروں کی طرف بھی دیکھو۔ اپنے خود کے گریبان میں بھی دیکھو۔ یہ بادشاہ گر صرف میرٹھ اور سہارنپور کے درمیان آباد تھے۔ ان دونوں بھائیوں کو اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں چار ہزار کے لشکر کا سالار بنایا گیا تھا اور یہ بہت اچھا منصب تھا۔ اور جانتے ہو انہوں نے کیا حرکتیں کیں۔ اورنگ زیب کے دور میں تو یہ خاموش رہے۔ اس لئے کہ یہ اس کے مزاج سے واقف تھے۔ اگر غلط روش اختیار کرتے تو وہ انہیں کچل کر رکھ دیتا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد اس کا بیٹا حکمران ہوا تو انہوں نے پَر پُرزے نکالنے شروع کئے۔ ایسے کام کرنے شروع کئے جو ناپسندیدہ تھے۔ اس بناء پر اورنگ زیب عالمگیر کے بیٹے بہادر شاہ نے ان دونوں کو معتوب کرتے ہوئے انہیں ان کے منصب سے ہٹا دیا۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ بہادر شاہ ان دونوں کا ہم مسلک تھا۔ اس کے باوجود بھی ان دونوں کے کاموں کی وجہ سے اس نے انہیں پسند نہ کیا اور ان کے مناصب سے محروم کر دیا۔ یہ تو دعائیں دیں بعد میں فرخ سیر کے باپ عظیم الشان کو جب اسے بہار اور بنگال کا حاکم مقرر کیا گیا تو اس نے ان دونوں کو پناہ دی اور الٰہ آباد اور بہار میں ان دونوں بھائیوں کو اپنا نائب مقرر کر دیا۔

اور پھر ذرا ان دونوں کی راست بازی، امانت داری اور دیانت داری کا بھی اندازہ لگانا کہ عظیم الشان ان کا بہترین محسن تھا جس نے انہیں ان کا چھینا ہوا منصب دلایا اور اسی عظیم الشان کے بیٹے فرخ سیر کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کیا تمہارے کاغذوں میں یہی دیانت داری اور یہی خلوص، وفاداری ہے؟''

اس کے بعد نظام الملک رکا، پھر اس قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کچھ لوگ جن میں تم بھی شامل ہو اور تمہارے لواحقین اور عزیز واقارب بھی شامل ہیں، اورنگ زیب عالمگیر کو اس بناء پر پسند نہیں کرتے ہو کہ وہ شریعت کا سختی سے پابندی کرنے والا تھا۔ میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ اورنگ زیب ولی تھا۔ اس لئے کہ اس نے ایک موقع پر بادشاہ گروں سے متعلق کہا تھا کہ ان لوگوں کی عزت اور حرمت ضرور کرنا مگر انہیں سیاست اور مسلک داری میں ہرگز داخل نہ کرنا مبادہ کہ ان کی سیادت کا امتیاز اور ادھر سلطنت کا انضباط قائم رکھنا دشوار ہو جائے۔ اور تم دیکھتے ہو اورنگ زیب کی اولاد نے اس نصیحت کی پرواہ نہ کی۔ اور یہ بھی سن لینا کہ اورنگ زیب عالمگیر کی

Marfat.com

اس پیشگوئی کے نتیجے میں ان بادشاہ گروں اور سلاطینِ مغلیہ دونوں کے حق میں حالات تباہ کن ثابت ہوں گے۔ میں اورنگ زیب عالمگیر کے اس فرمان کو اورنگ زیب کا کشف و کرامت ہی نہیں بلکہ اس کی بصیرت کا کمال خیال کرتا ہوں۔ تم مجھے کہتے ہو کہ میں مالوہ سے ادھر دکن کے علاقوں میں چلا آیا اور حسین علی کے علاقوں پر حملہ آور ہو گیا۔ تم حسن علی اور حسین علی کی طرف نہیں دیکھتے، وہ بہار کے حاکم نہیں تھے بلکہ ان علاقوں کے نائب حاکم تھے۔ میں تو حاکم تھا، وہ نائب تھے۔ میرے حاکم ہونے کے باوجود تمہیں اعتراض ہے کہ میں دکن میں کیوں آیا۔ اور پھر کیوں حسین علی کے علاقوں پر قابض ہو گیا۔ تمہیں اس بات پر اعتراض نہیں کہ وہ نائب ہونے کے باوجود حرکت میں آئے۔ مغل سلطنت کے ان گنت افراد کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتارا۔ جس کو چاہتے خون میں نہلاتے۔ جس کو چاہتے تختِ طاؤس پر بٹھا دیتے۔ نائب بادشاہ گر بن سکتے ہیں تو جو مکمل حاکم تھا وہ نربدہ کے ان علاقوں پر حملہ آور نہیں ہو سکتا؟ یہی تمہارا انصاف ہے؟''

نظام الملک کی اس گفتگو سے قاصد خجل اور شرمندہ سا ہو گیا تھا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر کہنے لگا۔

''اگر دونوں بادشاہ گر بھائیوں نے بادشاہت اور حکومت پر قبضہ کیا ہے تو یہ ان کی جرأت مندی، ان کی دلیری اور ان کی مہارت اور عقل مندی کا ثبوت ہے۔''

نظام الملک کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، پھر کہنے لگا۔

''بھلے مانس! تُو قاصد ہے۔ قاصد کی حدود میں رہ کر ہی گفتگو کر۔ وہ اپنی حدود سے نکل کر بادشاہ گر بن جائیں تو وہ عقل مند کہلائیں۔ میں دریائے نربدہ کو پار کر کے ان علاقوں پر قابض ہوں تو میں بیوقوف کہلاؤں، یہی تم کہنا چاہتے ہو۔ دیکھو تم قاصد ہو، میں چاہوں تو تمہاری گردن کاٹ سکتا ہوں۔ لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ تم نے بہرحال میرا جواب لے کر اپنے بادشاہ گروں کے پاس جانا ہے۔ اب مزید کہو میرے ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے ردِعمل پر وہ مجھے کیا دھمکی دیتے ہیں؟''

قاصد پہلے کی نسبت کچھ دھیما پڑ گیا، خوف زدہ بھی ہو گیا تھا اس لئے کہ نظام الملک کے اطوار بدلتے جا رہے تھے۔ کہنے لگا۔

''حسن علی اور حسین علی دونوں بھائیوں نے آپ کی طرف یہ پیغام دیا ہے کہ اگر

Marfat.com

آپ اپنی عسکری طاقت اور قوت میں اضافہ نہ کریں اور جہاں تک بڑھ آئے ہیں اس سے آگے پیش قدمی نہ کریں تو وہ آپ کو پورے دکن کا والی تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ آپ اپنی اس طاقت کو جو آپ نے جمع کر لی ہے اس سے دہلی کے معاملات میں دخل انداز نہیں ہوں گے۔"

اس موقع پر نظام الملک نے اس قاصد کو مخاطب کر کے کچھ کہنا چاہا تھا کہ اس سے پہلے ہی اس کا بیٹا میر منوں بول اٹھا تھا۔

"سن آنے والے قاصد! کیا دہلی شہر میں آگ بھڑک رہی ہے کہ اگر ہم وہاں داخل ہوں گے تو جل جائیں گے، بھسم ہو جائیں گے؟ دہلی میں اگر تم لوگ رہ سکتے ہو تو وہاں ہمارا داخلہ کیوں ممنوع ہے؟ دہلی میں اگر بادشاہ گر اپنی من مانی کر سکتے ہیں تو ہم بھی حق رکھتے ہیں کہ ان من مانیوں میں ان کے حصہ دار بنیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد میر منوں رکا پھر پہلے کی نسبت زیادہ غضب ناکی اور غصیلی آواز میں قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"سن اے قاصد! واپس جا کر دونوں بادشاہ گروں سے کہنا کہ بادشاہت تمہاری جاگیر نہیں ہے۔ اگر راست بازی سے کام کرو گے تو تمہارا ساتھ دیں گے۔ بددیانتی کی راہ اختیار کرو گے تو پھر تمہاری راہ میں ایسے کانٹے، ایسے خار آئیں گے جن سے ان کا دامن ہی نہیں جسم کی جلد بھی الجھ کر رہ جائے گی۔ میرا نام معین الملک ہے۔ میں محترم نظام الملک کا بیٹا ہوں۔ لوگ عموماً مجھے میر منوں کہتے ہیں۔ واپس جا کر اپنے بادشاہ گروں سے کہنا کہ میر منوں دھمکی آمیز انداز میں کہتا تھا کہ اگر دہلی میں ہمارے باپ کے چچا اور موجودہ وزیر امین خان کو کوئی نقصان پہنچایا، بادشاہ گروں نے اسے اس کے منصب سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی یا اس کے اہل خانہ میں سے پہلے کی طرح ان میں سے کسی فرد کو نقصان پہنچایا تو پھر دونوں بادشاہ گر ہمارے دہلی آنے سے پہلے پہلے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی قبریں کھود رکھیں۔"

قاصد چونک سا پڑا تھا۔ نظام الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ کے بیٹے نے بڑی سخت زبان استعمال کی ہے۔ کیا آپ اس کے جذبات کی حمایت کرتے ہیں؟"

نظام الملک بولا اور کہنے لگا۔ "میرے بیٹے نے میری ہی زبان بولی ہے۔"

Marfat.com

نظام الملک جب خاموش ہوا تو کھولتے ہوئے لہجے میں اس بار حیدر بیگ بول اٹھا۔ ''سن قاصد! واپس جا کر بادشاہ گروں کو یہ بھی پیغام دینا کہ میں حیدر بیگ شہاب الدین اور قادر خان کا ماموں ہوں۔ اگر ان دونوں نے ہمارے ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد ان علاقوں پر لشکر کشی کرنے کی کوشش کی یا کسی دوسری انتقامی کارروائی کا مظاہرہ کیا تو میں پہلا شخص ہوں گا جو اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر بادشاہ گروں کو موت کے گھاٹ اتاروں گا۔''

میر منوں اور حیدر بیگ کی اس گفتگو سے وہ قاصد ایک طرح سے الجھ کر رہ گیا۔ عجیب سی پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''نظام الملک! آخر میں یہاں سے واپس جانے کے بعد آپ کا کیا پیغام ان تک پہنچاؤں؟''

نظام الملک نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔ ''میری طرف سے سب سے پہلے تو انہیں یہ کہنا کہ انہوں نے مجھے جو پیشکش کی ہے اگر میں ان کا مطیع اور فرمانبردار بن کر رہوں، دہلی کا رخ نہ روں تو وہ مجھے دکن کا حاکم تسلیم کرتے ہیں۔ میں اس پیشکش کو مسترد کرتا ہوں۔ میری طرف سے دوسری بات ان سے یہ جا کر کہنا کہ میں دہلی کا رخ کروں گا، وہ بھی دہلی میں ہی رہیں۔ اگر وہ لشکر کے ذریعے ٹکرا کر فیصلہ کرنا چاہیں گے تو وہ بھی مجھے منظور ہوگا۔ اگر وہ گفت و شنید کرنا چاہیں گے تو چند معززین کو ایک جگہ بٹھا دیا جائے گا۔ میں اور وہ دونوں بھائی بھی مجرموں کی طرح ان معززین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ سب کے کرتوت اور جرائم ان لوگوں کے حوالے کر دیئے جائیں گے اور جو بھی سزا وہ لوگ تجویز کریں اسے تسلیم کرنا ہوگا۔ بس اس کے علاوہ ان دونوں بھائیوں کے لئے میرے پاس کوئی پیغام نہیں۔ اب نہ ہی میں تم سے مزید گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ تم جا سکتے ہو۔''

قاصد مایوسانہ سے انداز میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور واپس چلا گیا تھا۔

✲

وہی قاصد جو نظا الملک کی طرف گیا تھا ایک روز حسین علی اور حسن علی دونوں بھائیوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت دونوں بھائی اکٹھے بیٹھے کسی انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ گفتگو بھی رازدارانہ انداز میں ہو رہی تھی۔ قاصد جب ان

Marfat.com

کے سامنے آیا تو انہوں نے اس موضوع پر گفتگو بند کر دی۔ قاصد کو دیکھ کر دونوں بے پناہ خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے قریب بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب وہ ان کے سامنے بیٹھ گیا تب بڑا بھائی حسن علی اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز! اب بتا، تُو دکن سے ہمارے لئے نظام الملک کا کیا پیغام لایا ہے؟ کیا اس نے ہماری اس پیشکش کو قبول کر لیا ہے کہ وہ دکن کا حاکم رہے گا اور دہلی کی طرف نہیں آئے گا نہ دہلی کے معاملے میں دخل اندازی کرے گا۔''

جواب میں اس قاصد نے گلا صاف کیا۔ اس کے بعد جس قدر اس کی گفتگو نظام الملک، میر منوں اور حیدر بیگ کے ساتھ ہوئی تھی وہ اس نے تفصیل کے ساتھ کہہ دی تھی۔

قاصد جب اپنی بات ختم کر چکا تب کچھ دیر سوچنے کے بعد حسن علی اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اب تم جاؤ...... جا کر آرام کرو۔ ہمیں اگر تمہاری ضرورت ہوئی تو تمہیں طلب کر لیں گے۔'' اس کے ساتھ ہی وہ قاصد وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک دونوں بھائی چپ چپ، خاموش سے بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ اس خاموشی کو چھوٹے بھائی حسین علی نے توڑا اور حسن علی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بھائی! جو پیغام نظام الملک نے ہمارے لئے بھجوایا ہے وہ ہمارے لئے قطعی طور پر ناقابل برداشت ہے۔ اس کے علاوہ میر منوں نے جو پیغام بھیجا ہے کیا وہ ہم لوگوں کے شایانِ شان ہے؟ اور پھر میر منوں تو ایک طرف، ذرا حیدر بیگ کو دیکھو، وہ ہمارے قتل کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ اس وقت میرے ذہن میں ایک ہی بات آئی ہے کہ ابھی، اسی وقت اٹھیں اور اپنے مسلح جوانوں کو ساتھ لے کر قصر کا رخ کریں۔ اس لئے کہ اس وقت امین خان قصر میں محمد شاہ کے پاس ہے۔ پہلے تو کوشش کریں گے کہ امین خان کو قتل کر دیں اور اس کی جگہ عنایت اللہ خان کاشمیری کو وزیر بنا دیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں وہ شخص ہمارے اشاروں پر چلے گا اور اگر امین خان کو قتل کرنے کے سلسلے میں محمد شاہ کوئی مزاحمت کرے تو اسے بھی راستے سے ہٹا دینا چاہئے۔''

حسین علی جب خاموش ہوا تو حسن علی نے کھا جانے والے انداز میں اس کی طرف

Marfat.com

دیکھا پھر آگ کی طرح بھڑکتے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔

''تم پاگل ہو گئے ہو...... سٹھیا گئے ہو...... کیا امین خان کے مرنے سے وہ آگ بجھ جائے گی جو دکن میں ہمارے خلاف بھڑک اٹھی ہے؟ تمہارے فیصلے ہمیشہ پاگل پن پر مشتمل ہوتے ہیں۔ دیکھو، نظام الملک ایک طاقت اور قوت پکڑ چکا ہے۔ اگر تم امین خان کو قتل کروا دو گے تو امین خان نظام الملک کا چچا ہے۔ کیا بھتیجا اپنے چچا کا انتقام لینے کے لئے دہلی پر چڑھ نہیں دوڑے گا؟ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ نظام الملک کا بیٹا میر منوں کمال کا انسان ہے۔ ہمارے پاس تیغ زنی، شمشیر بازی میں کوئی بھی شخص میر منوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ذرا اپنے حمایتیوں اور اپنے ساتھیوں پر نگاہ دوڑاؤ، کیا تیغ زنی میں کوئی میر منوں کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ میر منوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ نوجوان ہے جو بھڑکتی ہوئی آگ میں بھی کود پڑنے کی جرأت رکھتا ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے کسی طریقے، کسی سلیقے کے ساتھ نمٹنا ہوگا۔

میرے بھائی! ان حالات سے نمٹنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ فی الحال ہم محمد شاہ اور امین خان دونوں سے تعلقات اچھے رکھیں۔ ان کے سامنے بچھتے رہیں، انہیں شک نہ ہونے دیں کہ ان دونوں کے خلاف ہماری نفرت، ہمارا کرودھ، انتقامی جذبہ اپنے عروج کو پہنچ چکا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں نظام الملک کو روکنا ہوگا کہ وہ دکن سے نکل کر دہلی کا رخ نہ کرے اور یہ کام ہمیں بہت جلد کرنا ہوگا۔

حسین علی! اگر ہم نے جوابی قدم اٹھانے میں تاخیر سے کام لیا تو یاد رکھنا، نظام الملک دہلی کی طرف پیش قدمی شروع کر دے گا اور اگر وہ دہلی کی طرف آتا ہے اور دہلی کے نواح میں اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ جاتا ہے تو جانتے ہو اس کے کیسے بھیانک نتائج سامنے آئیں گے؟''

حسین علی غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیا بھیانک نتائج سامنے آئیں گے؟ کیا وہ کوئی درندہ ہے جو ہمیں چیر پھاڑ کھائے گا اور ہم اس کے سامنے بالکل بے بس ہو کر پڑے رہیں گے؟ اگر وہ لشکر لے کر آتا ہے تو کیا ہمارے پاس لشکر نہیں ہے؟ کیا ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے؟ اور مقابلہ بھی ایسا کریں گے کہ اس کو بھاگنے کا راستہ تک دکھائی نہیں دے گا۔''

حسن علی پھر بڑی بے زاری سے کہنے لگا۔

Marfat.com

''پھر وہی پاگل پن کے فیصلے۔ پہلے معاملے کی تہہ تک سوچو۔ نظام الملک اگر دہلی پہنچ جاتا ہے تو جو نتائج ہمارے سامنے آئیں گے ان پر غور کرو۔ حسین علی! نظام الملک اگر بغیر کسی روک ٹوک کے دہلی پہنچ جاتا ہے تو اس کے دو بھیانک نتائج ہمارے سامنے آئیں گے۔ اگر ہم اس کی راہ نہیں روکتے اور وہ دہلی پہنچ جاتا ہے تو لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ ہم بزدل اور کمزور ہیں۔ ہم نے نظام الملک کی اس وقت راہ نہیں روکی جس وقت وہ دکن سے دہلی کی طرف روانہ ہوا تھا۔

دوسری بڑی تباہی جو ہمارے سروں پر اُمڈ آئے گی، وہ یہ ہے کہ اگر نظام الملک اپنے لشکر کے ساتھ دہلی پہنچ جاتا ہے تو بہت سے لوگ ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس وقت بہت سی قوتیں ہمارے مظالم، ہماری سختی، ہماری قتل و غارت گری کی وجہ سے ہمارے سامنے دبی ہوئی ہیں۔ کوئی ہمارے خلاف بغاوت نہیں کرتا۔ سرکشی کا اظہار نہیں کرتا۔ ہر کوئی ہم سے خوف زدہ ہو کر ہماری اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرتا ہے۔ لیکن نظام الملک اگر دہلی بغیر مزاحمت کے پہنچ گیا تو میں پہلے سے تمہیں بتاتا ہوں کہ بہت سے لوگ جو ہم سے تنگ اور نالاں ہیں وہ فوراً نظام الملک کا ساتھ دینے پر تیار ہو جائیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو اسی وقت میری اور تمہاری اور ہمارے لواحقین اور عزیز و اقارب کی بدبختی کی ابتداء ہو جائے گی۔ حسین علی! نظام الملک اور میر منوں کی وجہ سے یہاں حالات ابتر اور خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور ان حالات پر گہری نگاہ رکھتے ہوئے صورتِ حال کو اپنے حق میں رکھنا ہوگا۔

تم جانتے ہو برہان پور میں صفدر علی کی کمانداری میں ہمارا بہت بڑا لشکر تھا۔ اس لشکر جیسا مزید ایک لشکر بالا پور میں عالم خان کے پاس تھا۔ اور پھر خان دیش میں بھی ہماری اچھی خاصی طاقت اور قوت تھی۔ اگر نظام الملک نے خان دیش، برہان پور، بالا پور پر حملہ آور ہو کر قبضہ کر لیا تو اس کا مطلب ہے اس کی طاقت اور قوت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ امین خان کے دو پوتے شہاب الدین اور قادر د خان بھی وہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ پہلے قاصد کے ذریعے ہمیں خبر ملی تھی کہ شہاب الدین نے صفدر علی کو زندہ پکڑ لیا تھا اور صفدر علی سے انہوں نے یہ جان لیا تھا کہ صفدر علی اور عالم علی کے بھائیوں کے علاوہ وہ تین ہندو جن کے ذریعے ہم نے مجتبیٰ خان کا خاتمہ کروایا تھا انہوں نے دہلی میں قیام کیا ہوا ہے۔

Marfat.com

حسین علی! میرے پاس سے تم اٹھ کر جاؤ تو سب سے پہلا کام یہ کرنا کہ ان پانچوں کو میری طرف سے حکم جاری کرو کہ وہ فی الفور دہلی سے نکل کر جودھ پور چلے جائیں۔ پہلے وہاں گمنام حیثیت میں کسی سرائے میں قیام کرلیں اور اگر وہاں ان کے لئے خطرہ ہوا تو میں جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ سے کہہ کر ان کے تحفظ کا سامان کر لوں گا۔ اس لئے کہ اجیت سنگھ کم از کم ہمارے ساتھ ہے اور ہمارا ساتھی رہے گا۔''

حسن علی کے خاموش ہونے پر احتجاجی سے انداز میں حسین علی کہنے لگا۔

''بھائی! کم از کم میں تمہارے اس فیصلے کو معقول خیال نہیں کرتا۔ اگر ہم صفدر علی اور عالم علی کے بھائیوں اور تین ہندوؤں کو جودھ پور کی طرف روانہ کرتے ہیں تو کیا وہ وہاں محفوظ رہیں گے؟ شاید آپ کے ذہن سے یہ بات نکل چکی ہے کہ جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کی بڑی بیٹی جو کبھی فرخ سیر کی بیوی تھی اور اب بیوہ ہے، گوہر آراء کے نام سے وہ دہلی ہی میں قیام کئے ہوئے ہے اور وہ بھی امین خان کے ہمسائے میں ہے۔ اس کے علاوہ شہر کے اندر یہ خبریں گشت کر چکی ہیں کہ گوہر آراء کا رشتہ امین خان کے پوتے عباد الدین سے اور گوہر آراء کی چھوٹی بہن راجکماری پاربتی دیوی کا رشتہ امین خان کے دوسرے پوتے شہاب الدین کے ساتھ طے ہو چکا ہے اور یہ رشتہ پکا ہو چکا ہے اس لئے کہ اس رشتے کی توثیق ہو چکی ہے۔ اجیت سنگھ کے علاوہ اس کی پتنی بشن دیوی نے بھی اس فیصلے کو آخری قرار دے دیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد حسین علی جب خاموش ہوا تب حسن علی ۔نے طنزیہ سے انداز میں اس کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''تم نے بات ادھوری کی ہے۔ ابھی بنارس کا راجہ منس رام رہتا ہے۔ اس کی راجکماری کی شادی امین خان کے پوتے قادر خان کے ساتھ طے ہو چکی ہے اس طرح بظاہر یہی دکھائی دیتا ہے کہ ان رشتوں کی وجہ سے بنارس اور جودھ پور کے دونوں راجے امین خان کی طرف داری کریں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہو گا۔ میں عنقریب اجیت سنگھ سے رابطہ قائم کرنے والا ہوں۔ اس کے بعد تم دیکھو گے اجیت سنگھ اپنی دونوں بیٹیوں گوہر آراء اور راجکماری پاربتی کے امین خان کے پوتوں کے ساتھ رشتوں کو ختم کر دے گا اور ایسا ہی بنارس کا راجہ منس رام بھی کرے گا۔ لہٰذا اگر ہمارے پانچ آدمی جودھ پور جاتے ہیں اور گمنامی کی زندگی بسر کرتے ہوئے ان کے لئے خطرات اٹھتے

Marfat.com

ہیں تو اجیت سنگھ ہر صورت میں انہیں ہمارے کہنے پر تحفظ فراہم کرے گا۔"

حسن علی کے خاموش ہونے پر حسین علی نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔ "بھائی! میرے پاس ایک تجویز ہے۔ اگر آپ اسے بھی میرا پاگل پن نہ کہیں تو کہوں؟"

حسن علی مسکرا دیا۔

"کہو، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ اور اگر اچھی تجویز ہوئی تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن اس سے پہلے میری ایک بات سن لو۔ اب تک تو ہم ضمنی معاملات پر گفتگو کرتے رہے ہیں، اب نظام الملک کی طرف آتے ہیں۔ نظام الملک کافی طاقت اور قوت پکڑ چکا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اسے دہلی سے دور روکنا ہوگا۔ اسے دہلی نہیں پہنچنا ہوگا۔ اگر وہ دہلی پہنچ گیا تو پھر یہ سمجھنا تیری میری خیر نہیں ہے۔ اب اسے دور روکنے کے لئے تم خود ایک خاصا بڑا لشکر لے کر دکن کی طرف روانہ ہو گے۔ پہلے صلح صفائی سے کام لیتے ہوئے کوشش کرو گے کہ نظام الملک دہلی کی طرف پیش قدمی نہ کرے۔ دکن میں مقیم ہونے پر آمادہ ہو جائے۔ اگر وہ اپنی آمادگی ظاہر کر دے تو اس کے نام دکن کی حکومت کا پروانہ لکھ کر دے دینا۔ اس طرح نظام الملک کے یہاں نہ آنے کی وجہ سے ہم اپنی من مانی کارروائیاں جاری رکھ سکتے ہیں۔ اگر نظام الملک یہاں پہنچ گیا تو اس کا اور ہمارا ٹکراؤ شروع ہو گیا تو یاد رکھنا نظام الملک تو نظام الملک، اس کے بیٹوں میں سے میر منوں اور یہ امین خان کے پوتے تو ایک طوفان کھڑا کر دیں گے۔ لہٰذا دو ایک روز تک تم ایک جرار لشکر تیار کر کے دکن کی طرف روانہ ہو جاؤ۔"

حسن علی رکا، کچھ سوچا، پھر حسین علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "حسین علی! جو میں نے کہنا تھا وہ کہہ دیا۔ اب جو تم تجویز پیش کرنا چاہتے ہو، کہو۔"

حسین علی ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں بول اٹھا۔ "آپ نے میری آدھی تدبیر تو خود ہی بیان کر دی ہے کہ مجھے ایک لشکر لے کر دکن کی طرف روانہ ہو جانا چاہئے۔ اور جو تجویز میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو لشکر میرے ساتھ دکن روانہ ہوگا اس میں محمد شاہ کو شامل رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ دکن جانے والے لشکر کو جب یہ احساس ہوگا کہ ان کے اندر مغل شہنشاہ بذاتِ خود موجود ہے تو ان کے حوصلے، ولولے اپنے عروج پر پہنچ جائیں گے اور مجھے امید ہے ایسی صورت میں ہماری فتح اور کامیابی یقینی ہو جائے گی۔ پر بھائی! اس میں مجھے ایک قباحت بھی دکھائی دیتی ہے۔ کہیں میرے اور محمد شاہ کے

Marfat.com

جانے کے بعد امین خان آپ کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کر بیٹھے۔“
جواب میں طنزیہ سے انداز میں حسن علی نے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔
”کیا مہمل قسم کی باتیں کر رہے ہو؟ امین خان کے پاس کون سی عسکری طاقت ہے جسے حرکت میں لا کر وہ میرے خلاف کوئی معرکہ سر کرنے کی کوشش کرے گا؟ یہاں جو تھوڑے بہت بھی محافظ ہوں گے وہ میری گرفت میں ہوں گے۔ اس کے علاوہ جب تک تم اور محمد شاہ اس مہم سے فاتح کی حیثیت سے لوٹ کر نہیں آتے اس وقت تک میں امین خان سے اچھے تعلقات استوار رکھوں گا۔ کسی بات میں اس کی مخالفت نہیں کروں گا۔ جو بھی وہ فیصلہ کرے گا اس کے لئے میرا جواب ہاں ہوا کرے گا۔ اس طرح امین خان کوئی نیا مسئلہ کھڑا کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔
جہاں تک محمد شاہ کا تعلق ہے تو میں ابھی تمہارے پاس سے اٹھ کر محمد شاہ کی طرف جاتا ہوں اور اسے اس بات پر آمادہ کرتا ہوں کہ نظام الملک کا مقابلہ کرنے کے لئے میرا بھائی حسین علی ایک لشکر لے کر دکن کا رخ کرنا چاہتا ہے اور اس لشکر میں تم بھی شامل ہو گے۔ تم جانتے ہو محمد شاہ میری بات ٹال نہیں سکے گا۔ ٹالے گا تو اس کی روح ٹل کر رہ جائے گی۔“
اس کے ساتھ ہی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے حسن علی فیصلہ کن انداز میں کہنے لگا۔
”اب تم لشکر کی تیاری کے لئے مستقر کی طرف چلے جاؤ۔ میں سیدھا قصر کا رخ کرتا ہوں اور اس سلسلے میں محمد شاہ سے بات کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں ایک دو روز تک تم لشکر لے کر دکن کی طرف روانہ ہو جاؤ۔“
دونوں بھائی وہاں سے نکلنے لگے تھے کہ ان کا ایک آدمی بھاگا بھاگا آیا۔ اسے اس طرح بھاگتے دیکھ کر دونوں پریشان ہو گئے تھے۔ جب وہ قریب آیا تو حسن علی نے ڈانٹنے کے انداز میں اسے مخاطب کیا۔
”کیوں بھاگ رہے ہو؟ کیا ہوا؟ کوئی زلزلہ آ گیا ہے یا کوئی طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے؟“
آنے والا اپنی سانس درست کر کے کہنے لگا۔ ”میں آپ دونوں بھائیوں کے لئے ایک انتہائی اہم خبر لے کر آیا ہوں۔ شہر کے ہر دروازے پر جو ہمارے کچھ مخبر ہر وقت کام کرتے رہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ گزشتہ شب شہر پناہ کے پھاٹک بند ہونے سے

Marfat.com

پہلے کچھ مسلح آدمی شہر میں داخل ہوئے تھے۔ بظاہر وہ سوداگروں کے بھیس میں تھے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ سوداگر نہیں، کچھ اور تھے۔ اس لئے کہ جب انہیں شہر میں تلاش کیا گیا تو ان کا کہیں پتہ نہ چلا۔ وہ کہیں روپوش ہو چکے ہیں۔''

اس موقع پر حسین علی نے حسن علی کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔''یہ کیا نئی مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی ہے؟''

حسین علی کے اس سوال کے جواب میں حسن علی نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

''اس میں پریشان اور فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ گنتی کے چند آدمی ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ جہاں تک میرا اندازہ ہے اگر وہ سوداگر نہیں، مسلح ہیں تو پھر انہیں نظام الملک اور میر منوں نے بھیجا ہوگا۔ ایسا انہوں نے امین خان کی حفاظت اور سلامتی کے لئے کیا ہوگا۔ یہ لوگ شہر کے اندر کہیں روپوش ہو گئے ہوں گے۔ ان سے ہمیں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرنا چاہئے۔ وہ امین خان کی حفاظت کا فرض تو ادا کر سکتے ہیں، ہمارے لئے نقصان کا باعث نہیں بن سکتے۔ حسین علی! تم جاؤ، اپنے کام کی ابتدا کرو۔ میں قصر کی طرف جاتا ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی دونوں بھائی وہاں سے ہٹ گئے تھے۔

✽ ...... ✽

Marfat.com

●●●

قصر کے زنان خانے میں مہر پرور کے پاس رحیم النساء، محمد شاہ اور مملکت کا وزیر امین خان بیٹھے کسی اہم موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ قصر کا ایک خواجہ سرا بھاگا بھاگا آیا اور محمد شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"مالک! آپ سے ملاقات کرنے کے لئے حسن علی آ رہا ہے۔"

حسن علی کا نام سن کر محمد شاہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس موقع پر امین خان اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"محمد شاہ میرے بیٹے! حسن علی سے قصر کے دیوان خانے میں جا کر ملاقات کر لو۔ میں یہیں اپنی بہن مہر پرور کے پاس بیٹھتا ہوں۔ پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے پہلے میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے پاس کچھ مسلح جوان میرے بھتیجے نظام الملک کی طرف سے پہنچ چکے ہیں۔ وہ میری حویلی میں میرے اور میرے اہل خانہ کی اور قصر میں تمہاری، مہر پرور، رحیم النساء اور تمہارے لواحقین کی حفاظت کا انتظام خوب انجام دیں گے۔ بلا جھجک دیوان خانے کی طرف جاؤ۔ اس سے گفتگو کرو پھر واپس آ کر مجھے بتاؤ کہ وہ کیا کہتا ہے۔"

محمد شاہ، زنان خانے کے اس کمرے سے باہر نکلا اور خواجہ سرا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "حسن علی کو قصر کے دیوان خانے کی طرف لاؤ۔ میں خود بھی اسی طرف جا رہا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی وہ خواجہ سرا وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

محمد شاہ قصر کے دیوان خانے میں جا کر بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دیوان خانے کے دروازے پر حسن علی نمودار ہوا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر محمد شاہ نے خوش کن انداز میں اس کا استقبال کیا، اس سے پُر جوش مصافحہ کیا، اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا۔ حسن علی بیٹھ گیا اور

Marfat.com

ساتھ ہی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے عزیز! دکن کے حالات کی آپ کو خبر ہو چکی ہو گی۔''

اس پر فوراً محمد شاہ اس کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہاں ...... مجھے یہ خبریں پہنچ چکی ہیں کہ نظام الملک ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ حرکت میں آ چکا ہے۔ بریاں پور، بالا پور اور خان دیش پر اس نے قبضہ کر لیا ہے جبکہ یہ علاقہ آپ کے چھوٹے بھائی حسین علی کا ہے۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں نظام الملک نے زیادتی کی ہے۔ پتہ چلا ہے کہ وہاں تم لوگوں کے سالار صفدر علی، عالم علی اور خان دیش میں تم لوگوں کا جو سالار تھا سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے ہیں اور وہاں تم دونوں بھائیوں کے جو بڑے بڑے لشکر تھے ان کی اکثریت کو بھی تہہ تیغ کر دیا گیا ہے۔ اگر آپ اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے آئے ہیں تو کہیئں اس کا کیا ردِ عمل ہونا چاہیئے۔''

جواب میں حسن علی نے اس ساری گفتگو سے محمد شاہ کو آگاہ کر دیا تھا جو اس کے چھوٹے بھائی حسین علی نے تھوڑی دیر پہلے ہوئی تھی۔ ساری تفصیل سن کر محمد شاہ گہری سوچوں میں کھو گیا تھا پھر حسن علی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جو لشکر حسین علی لے کر دکن کا رخ کرنا چاہتا ہے کیا اس میں میری شمولیت لازمی اور سود مند ہے؟''

اس موقع پر حسن علی نے گھورنے کے انداز میں محمد شاہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''سود مند بھی ہے اور فائدہ مند بھی۔ محمد شاہ! نظام الملک اب کوئی معمولی شے نہیں رہا۔ وہ خفیہ ہی خفیہ طور پر دریائے نربدا کے آس پاس اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرتا رہا اور ایک دم حرکت میں آیا اور وہ علاقے جو ایک طرح سے میرے چھوٹے بھائی حسین علی کی جاگیر تھے، ان پر وہ قبضہ کر کے بیٹھ گیا ہے۔''

محمد شاہ شاید حسن علی کو تنگ کرنے کے لئے اسے مزید کریدنے کے انداز میں کہنے لگا۔ ''لیکن وہاں تو حسین علی کی اچھی خاصی طاقت اور عسکری قوت تھی۔ اس کو نظام الملک کیسے زیر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں صفدر علی تھا جس کے متعلق حسین علی کا خیال تھا کہ وہ ایک ناقابل تسخیر سالار ہے اور اس کے پاس اچھا خاصا اور بڑا لشکر بھی تھا۔ ویسا ہی ایک لشکر عالم علی کے پاس بھی تھا۔ مزید یہ کہ خان دیش میں بھی حسین علی

Marfat.com

نے خاصا بڑا لشکر رکھا ہوا تھا۔ پھر ان تین بڑے لشکروں کے ہوتے ہوئے نظام الملک وہاں قبضہ کرنے میں کیسے کامیاب ہو گیا؟"

حسن علی کسی قدر بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"اسی بناء پر تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ اس لشکر میں شامل ہوں جو نظام الملک کا مقابلہ کرنے کے لئے جائے گا۔ اس طرح لشکریوں کے حوصلے بلند ہوں گے کہ ان کا بادشاہ ان کے اندر ہے اور وہ اپنی بہترین کارگزاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظام الملک کا مقابلہ کریں گے۔"

حسن علی رکا، کچھ سوچا پھر دوبارہ کہنے لگا۔

"اگر وہ لشکر جو میرا بھائی حسین علی نظام الملک کا مقابلہ کرنے کے لئے لے جا رہا ہے اسے شکست اٹھانا پڑی تو یہ بھی یاد رکھیئے گا، نظام الملک ایسے خونخوار اور جنونی ہاتھی کی صورت اختیار کرے گا جو ہر ایک کو اپنے پاؤں تلے روندتا اور اس کا خاتمہ کرتا چلا جائے گا۔"

محمد شاہ نے کچھ سوچا پھر حسن علی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"فی الحال میں آپ کو کوئی جواب نہیں دوں گا۔ اس موضوع پر میں پہلے اپنی دادی مہر پرور سے مشورہ کروں گا۔ ایسا میں اس لئے کرنا چاہتا ہوں تا کہ مہر پرور کو یہ احساس ہو کہ میں سلطنت کے ہر معاملے میں اس کے مشورے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھاتا ہوں۔ بہرحال آپ کی یہ مرضی ہے کہ مجھے لشکر میں شامل ہونا چاہیئے تو آپ کے سامنے تو میرا فیصلہ یہی ہے کہ میں لشکر میں شامل ہوں گا۔ لیکن دادی اماں سے جا کر یہی کہوں گا کہ میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ آپ کیا کہتی ہیں۔ اگر اس نے لشکر میں شامل ہونے کے لئے کہہ دیا تو معاملہ صاف ہو جائے گا۔ اگر اس نے منع کیا تو میں اسے حالات کا رخ دکھلاتے ہوئے اس بات پر آمادہ کر لوں گا کہ مجھے اس لشکر میں شامل ہونا چاہیئے جو نظام الملک کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہو گا۔ اس طرح دادی بھی خوش ہو گی اور آپ لوگوں کی بات بھی رہ جائے گی۔

یہاں تک کہنے کے بعد محمد شاہ رکا، پھر بڑے غور سے بڑے بادشاہ گر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ جو آپ نے اپنی گفتگو کے دوران بتایا کہ آپ اپنا ایک قاصد جودھ پور کے راجہ

Marfat.com

اجیت سنگھ کی طرف بھجوانا چاہتے ہیں اور اس کی دو بیٹیوں کے جو رشتے امین خان کے ہاں ہوئے ہیں، انہیں ختم کروانا چاہتے ہیں تو کیا اس سے......"

بڑے بادشاہ گر نے محمد شاہ کی بات کاٹ دی۔ کہنے لگا۔

"اس سے حالات بالکل ابتر اور خراب نہیں ہوں گے۔ امین خان کی ہمارے سامنے وقعت اور اوقات بھی کیا ہے۔ اگر نظام الملک اب تک حملہ آور نہ ہو چکا ہوتا اور اس نے حسین علی کے علاقوں پر قبضہ نہ کر لیا ہوتا تو اب تک تو ہم اس امین خان کو وزارت کے منصب سے کسی اندھے کنوئیں میں پھینک چکے ہوتے۔ بہرحال ان رشتوں کے ٹوٹنے سے کوئی ابتری نہیں پھیلے گی۔"

اس کے ساتھ ہی بڑا بادشاہ گر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"میں اب مستقر کی طرف جاتا ہوں اور حسین علی کو خبر کرتا ہوں کہ وہ اپنے کوچ کی تیاریاں کرے۔ محمد شاہ اس کے لشکر میں شامل ہو گا۔"

اس کے ساتھ ہی بڑا بادشاہ گر قصر کے اس کمرے سے نکل کر چلا گیا تھا۔

❋

دیوان خانے سے نکل کر محمد شاہ قصر کے اس کمرے میں داخل ہوا جہاں امین خان، مہر پرور اور رحیم النساء تینوں بیٹھے ہوئے تھے۔ جہاں سے اٹھ کر محمد شاہ گیا تھا اسی نشست پر امین خان کے پاس بیٹھ گیا۔ اس موقع پر امین خان نے مخاطب کرنے میں پہل کی۔

"کیا کہتا ہے؟"

جواب میں بڑے بادشاہ گر کے ساتھ جو محمد شاہ کی گفتگو ہوئی تھی وہ اس نے تفصیل سے کہہ دی تھی۔

محمد شاہ جب خاموش ہوا تب مسکراتے ہوئے امین خان کہنے لگا۔

"محمد شاہ میرے بیٹے! اگر وہ آپ کو لشکر میں شامل کرنا چاہتے ہیں تو ہو جائیں۔ انکار کی صورت میں حالات خراب ہو سکتے ہیں۔ میں آج ہی ایک تیز رفتار قاصد نظام الملک کی طرف بھجواتا ہوں اور اسے تفصیل سے کہتا ہوں کہ حسین علی اس کا لشکر لے کر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے آ رہا ہے۔ اس میں محمد شاہ بھی ہو گا۔ لہٰذا وہ جنگ کے دوران اپنے خصوصی دستوں کے ذریعے محمد شاہ کی حفاظت کا انتظام کرے۔"

Marfat.com

امین خان کے ان الفاظ پر محمد شاہ خوش ہو گیا تھا۔ پھر کسی قدر سنجیدگی میں کہنے لگا۔
''میرے بعد حالات پر نگاہ رکھئے گا۔ بڑا بادشاہ گر یہیں ہو گا۔ یہ سلطنت کے اندر کوئی تبدیلی نہ پیدا کر دے۔ مجھے نظام الملک کی طرف بھیج کر میری جگہ کسی اور کو ہی تخت پر نہ بٹھا دے۔''
بوڑھے امین خان کی چھاتی تن گئی۔ کہنے لگا۔
''محمد شاہ! تمہاری حیثیت میرے ہاں بیٹے کی سی ہے۔ تم لوگوں کے ساتھ بڑے قریبی تعلقات ہیں۔ اگر تمہارے آنے تک میں زندہ رہا تو تمہارے علاوہ کسی اور کو تختِ طاؤس کا مالک نہ بننے دوں گا۔ واپس آ کر تم ہی ہندوستان کے شہنشاہ اور تخت و تاج کے مالک ہو گے۔ یہ میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں۔''
امین خان کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد محمد شاہ پھر کہنے لگا۔
''اب دوسرے موضوع کا کیا ہو گا؟''
''کون سا دوسرا موضوع......؟'' حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے امین خان نے پوچھ لیا تھا۔
''یہ جو بادشاہ گر جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کو کہہ کر آپ کے سامنے طے ہونے والے دو رشتوں کو منقطع کرنا چاہتے ہیں تو......''
یہاں تک کہتے کہتے محمد شاہ کو رک جانا پڑا اس لئے کہ امین خان بول اٹھا۔
''محمد شاہ، میرے بیٹے! اول تو مجھے امید ہے کہ یہ رشتے منقطع نہیں ہوں گے۔ اگر ہو بھی گئے تو کوئی بات نہیں۔ میرے پوتوں کے لئے بڑے بڑے رشتے ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ جس دن یہ رشتے منقطع ہوئے اسی روز میں اپنے پوتوں کے کہیں اور رشتے کر دوں گا۔ میں کچھ ایسا گیا گزرا بھی نہیں ہوں۔''
پھر امین خان اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔
''اب آپ لوگ آرام کریں۔ میں اب جاتا ہوں۔''
امین خان جب کھڑا ہو گیا تب دکھ بھرے انداز میں مہر پرور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ''امین خان میرے بھائی! یہ بادشاہ گر اس قدر اپنی حدود کو پھلانگ کر دور جا چکے ہیں کہ لوگوں کے رشتے بھی اپنی مرضی سے کرانے لگے ہیں۔ امین خان! تم وزیر ہو۔ میں آج تم سے التماس کرتی ہوں کہ ان بادشاہ گروں کا کوئی ایسا بندوبست کرو کہ

Marfat.com

یہ جو خونخواری اور قتل و غارت گری کا کھیل کھیل رہے ہیں اس سے لوگوں کی جان چھوٹ جائے۔"

امین خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

"مہر پرور! میری بہن! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب ان بادشاہ گروں کے دندنانے کے دن تھوڑے ہی رہ گئے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی امین خان، مہر پرور کو سلام کرتا ہوا قصر سے نکل کر چل دیا تھا۔

❁

بشن دیوی اور اس کی دونوں بیٹیاں گوہر آراء اور راجکماری پاربتی اپنی حویلی کے دیوان خانے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ اچانک گوہر آراء کی طرف دیکھتے ہوئے بشن دیوی کہنے لگی۔

"بیٹی! شام ہونے والی ہے۔ میرے خیال میں دونوں بہنیں اٹھو اور کھانا پکانے کا کوئی اہتمام کرو۔"

اپنی ماں کے کہنے پر دونوں بہنیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اسی لمحے حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ بشن دیوی نے گوہر آراء کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

"بیٹی! دیکھو دروازے پر دستک ہوئی ہے۔ اس وقت کون دستک دے سکتا ہے۔"

اس پر بڑی شوخ ادا میں گوہر آراء کی طرف دیکھتے ہوئے پاربتی کہنے لگی۔

"دستک دینے والے یقیناً بھائی عباد الدین ہوں گے۔ میرے خیال میں دیدی کا پتہ کرنے آئے ہوں گے کہ ان کا مزاج کیسا ہے۔ اب تو وہ انہیں دیکھنے کو ترس گئے ہوں گے۔"

پاربتی کے ان الفاظ پر بشن دیوی ہنس دی تھی۔ گوہر آراء نے بھی مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور پھر جواباً کہنے لگی۔

"پاربتی میری بہن! عباد الدین نہیں ہے۔ دستک دینے والا یقیناً شہاب الدین ہے جو یقیناً تم سے یہ پوچھنے آیا ہوگا کہ کیا اس کی زندگی کا ساتھی بننے کے لئے تم نے اپنے دل سے فیصلہ کیا ہے۔"

پاربتی بھی مسکرا دی اور کہنے لگی۔

"جی نہیں ...... یہ فیصلہ تو بہت پہلے کا ہو چکا ہے کہ میں انہیں دل سے قبول کر چکی

Marfat.com

ہوں اور دستک دینے والے وہ نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ وہ تو دکن کی طرف گئے ہیں۔ دستک دینے والے یقیناً بھائی عباد الدین ہی ہوں گے۔''

گوہر آراء مسکراتی ہوئی حویلی کے صدر دروازے کی طرف ہو لی۔ پاربتی بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لی تھی۔

دروازے کے قریب جا کر دھیمی سی آواز میں گوہر آراء نے پوچھا۔ ''کون؟''

''دروازہ کھولو بیٹی! میں امین خان ہوں۔'' باہر سے آواز آئی تھی۔

امین خان کا نام سن کر گوہر آراء اور پاربتی دیوی دونوں خوش ہو گئی تھیں۔ گوہر آراء نے لپک کر دروازہ کھول دیا تھا۔ اتنی دیر تک بشن دیوی بھی دیوان خانے سے نکل کر صحن میں آن کھڑی ہوئی تھی۔

امین خان اندر داخل ہوا، دروازہ بند کر کے گوہر آراء بڑے غور سے اس کی طرف دیکھنے لگی پھر کسی قدر پریشانی اور تجسس ملی آواز میں کہنے لگی۔

''دادا! آپ کا چہرہ بتاتا ہے کہ آپ کسی سنجیدہ موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے آئے ہیں۔ میں آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ کوئی اچھی خبر ہی ہمیں سنایئے گا۔''

امین خان جب آگے بڑھا تو بشن دیوی نے بھی اسے سلام کیا۔ بشن دیوی کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔

''تم تینوں ماں بیٹیاں ذرا دیوان خانے کی طرف آؤ۔''

امین خان دیوان خانے میں داخل ہوا۔ وہ تینوں بھی دیوان خانے میں اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد امین خان نے بڑے بادشاہ گر کی وہ گفتگو جو اس نے محمد شاہ سے کی تھی۔ تفصیل سے کہہ دی۔

امین خان جب خاموش ہوا تب انتہائی غصے اور انتہائی بے زاری سے راجکماری پاربتی دیوی بول اٹھی۔

''دادا! یہ بادشاہ گر کون ہوتے ہیں ہمارے رشتے جوڑنے اور توڑنے والے۔ شہاب الدین کے ساتھ میرا، عباد الدین کے ساتھ میری دیدی گوہر آراء کا رشتہ طے ہو چکا ہے ان دو رشتوں کو بادشاہ گر تو ایک طرف اگر ہمارا باپ بھی توڑنا چاہے تو اس سے بھی نہ ٹوٹ پائیں گے۔ دادا! میری باتوں پر اگر آپ کو اعتبار نہ ہو تو گوہر آراء بھی آپ کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ ماتا بھی آپ کے سامنے ہے۔ دونوں سے پوچھ لیں۔''

Marfat.com

راجکماری کے ان الفاظ سے امین خان خوش ہو گیا تھا۔ پھر وہ سوالیہ سے انداز میں باری باری گوہر آراء اور بشن دیوی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس موقع پر گفتگو کا آغاز پہلے بشن دیوی نے کیا۔ امین خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''محترم امین خان! آپ میرے باپ کی جگہ ہیں۔ یہ رشتے طے ہو چکے ہیں۔ میں آپ سے گزارش کروں کہ رشتے توڑنے والے ٹوٹ سکتے ہیں پر یہ رشتے نہیں ٹوٹ سکتے۔ توڑنے والوں میں اگر میرا شوہر اجیت سنگھ بھی ہوا تو اسے بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ ویسے بھی ہم تینوں ماں بیٹیوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اب جودھ پور نہیں جائیں گے۔ اس لئے کہ اجیت سنگھ کے فیصلے ہمیشہ متلون مزاجی پر ہوتے ہیں۔ وہ آنکھیں بند کر کے فیصلہ کر لیتا ہے۔ اور جب کبھی کوئی غلط فیصلہ کرتا ہے تو پچھتاتا بھی ہے۔ اس بناء پر میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ حالات اِدھر کے اُدھر ہو جائیں، میرا پتی اجیت سنگھ کیسا بھی برہم ہو، کیسا بھی آپ کا مخالف ہو جائے، راجکماری پاربتی شہاب الدین کے لئے، گوہر آراء عباد الدین کے لئے رہے گی۔ یہ ہم تینوں ماں بیٹیوں کا آخری فیصلہ ہے محترم امین خان! پاربتی آپ کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کر چکی ہے۔ گوہر آراء سے آپ پوچھ سکتے ہیں۔''

اس موقع پر گوہر آراء مسکرائی۔ امین خان کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔

''دادا! اس موقع پر میرے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ماتا اور پاربتی نے جو کچھ کہا ہے تو یوں سمجھ لیں یہ میرے دل کی بات ہے۔''

گوہر آراء رُکی پھر اندیشوں بھری آواز میں کہنے لگی۔

''ویسے ہم کوشش کریں گی کہ ہماری شادیوں میں ہمارا باپ بھی شرکت کرے۔ میری شادی تو ایک بار ہو چکی ہے لیکن پاربتی کی شادی وہ یقیناً دھوم دھام سے کرنا چاہے گا۔ دادا! یہ جو لشکر محترم نظام الملک کا مقابلہ کرنے کے لئے حسین علی لے جا رہا ہے اس میں محمد شاہ بھی شامل ہو گا تو لشکر کی روانگی کے بعد یہ بڑا بادشاہ گر کہیں آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ اس لئے کہ اس لشکر میں آپ کے بھی کافی حمایتی اور طرف دار ہیں۔ تو ان ہی کی وجہ سے یہ بادشاہ گر کھل کر آپ کے خلاف کارروائی نہیں کر پا رہے تھے۔''

گوہر آراء جب خاموش ہوئی تو امین خان مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

Marfat.com

''میری بچیو! تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف دو دن پہلے میرے بھتیجے نظام الملک کی طرف سے مسلح جوان دہلی پہنچ چکے ہیں۔ وہ آج کل بڑے خفیہ انداز میں قصر کے علاوہ ہماری اور تم لوگوں کی حویلیوں کی حفاظت کا بھی کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں میری بچیو! تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ لشکر جاتا ہے تو جائے۔ لشکر کے جانے کے بعد اگر اس بڑے بادشاہ گر نے پر پُرزے نکالنے شروع کئے تو اس کی ایسی تیسی کر کے رکھ دیں گے۔''

امین خان جب خاموش ہوا تو بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پاربتی اٹھ کھڑی ہوئی، پھر کہنے لگی۔

''دادا! آپ جائیں گے نہیں۔ یہیں بیٹھیں، میں کھانا تیار کرتی ہوں۔ پھر سب کھانا کھاتے ہیں۔''

پاربتی وہاں سے نکلنے لگی تھی کہ امین خان نے اسے آواز دے کر بلایا۔ پاربتی پلٹی، جس نشست سے وہ اٹھی تھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امین خان کہنے لگا۔

''میری بچی! پہلے اس نشست پر بیٹھو، پھر میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ سنو۔''

پاربتی چپ چاپ بیٹھ گئی۔ امین خان بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''پاربتی میری بیٹی! تمہیں کھانا تیار کرنے کی زحمت اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں ہے اب تم تینوں ماں بیٹی اٹھو، میرے ساتھ چلو۔ وہاں بیٹھ کر سب کے ساتھ باتیں بھی کریں گے اور کھانا بھی سب وہیں کھائیں گے۔''

امین خان کی اس پیشکش پر بشن دیوی، گوہر آراء اور پاربتی تینوں خوش ہو گئی تھیں۔ پھر چاروں حویلی سے نکلے۔ حویلی کو باہر سے قفل لگایا، پھر امین خان کے ساتھ وہ تینوں اس کی حویلی کی طرف ہو لی تھیں۔

✿

حسین علی لشکر لے کر بڑی تیزی اور برق رفتاری سے دکن کی طرف بڑھا۔ محمد شاہ بذاتِ خود لشکریوں کا حوصلہ بڑھانے کی خاطر جوش وخروش کا اظہار کر رہا تھا لیکن محمد شاہ یہ سب کچھ دکھاوے کے لئے کر رہا تھا۔ دوسری طرف امین خان بھی یونہی بیکار نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ جو لشکر لے کر حسین خان دکن کی طرف روانہ ہوا تھا اس میں اکثریت مغلوں کی تھی۔ وہ سب کے سب محمد امین خان کے حامی تھے۔ بادشاہ گروں سے مکمل

Marfat.com

طور پر نالاں تھے۔ حسین علی نے راستے میں اپنے لشکر کے ساتھ ایک جگہ قیام کیا۔ اس قیام کے دوران لشکر میں شہاب الدین اور قاوردخان کا ماموں حیدر بیگ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ داخل ہوا اور حسین علی کے محافظ دستوں کے سالار کو اس نے اطلاع دی کہ وہ مغل لشکری ہیں اور تنخواہوں کے سلسلے میں ایک نالش حسین علی کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔

محافظ دستوں کے سالار نے انہیں اجازت دے دی اور انہیں لے کر حسین علی کے خیمے کی طرف چلا گیا اور انہیں خیمے میں بھیج دیا۔ خیمے میں اس وقت حسین علی اور اس کا ایک بھتیجا تھے۔ حیدر بیگ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اتنی دیر تک حسین علی کے کچھ اور حمایتی بھی خیمے میں آ گئے تھے۔ حسین علی کے سامنے آتے ہی حیدر بیگ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، خنجر نکالا اور حسین علی کو گھونپ دیا۔ حسین علی گر گیا۔ اس موقع پر حسین علی کا بھتیجا حرکت میں آیا، حیدر بیگ پر حملہ آور ہوا اور اس کی گردن کاٹ دی۔ جواب میں خیمے کے اندر جو حیدر علی کے ساتھی تھے انہوں نے بھی جوابی کارروائی کی۔ حسین علی کے بھتیجے کے علاوہ خیمے کے اندر جس قدر حسین علی کے حمایتی گھس آئے تھے سب کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کچھ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ خود محمد امین خان بڑی برق رفتاری سے پیچھے پیچھے سفر کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا تھا اور حسین علی کو اس کی موجودگی میں قتل کیا گیا تھا۔ اب کیونکہ لشکر میں بادشہ گروں کے خلاف سازش ہو چکی تھی سارے لشکری امین خان کے ساتھ مل چکے تھے، لہٰذا حسین علی کے کٹے ہوئے سر کو پہلے محمد شاہ کے خیمے میں پیش کیا گیا، اس کے بعد کٹے ہوئے سر کو بانس پر نصب کر کے لشکر کے اندر پھرایا تھا۔

حسین علی کے قتل کی خبر جب دہلی میں حسن علی کو پہنچی تو اس نے دہلی کے علاوہ دوسرے شہروں میں جو ان کے حمایتی تھے انہیں فی الفور جمع کر لیا اور دہلی میں اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا۔ وہ اپنے بھائی حسین علی کے قتل کا بدلہ لینے پر تلا ہوا تھا۔

اب ہندوستان میں تین بڑی طاقتیں ہو گئی تھیں۔ پہلی قوت نظام الملک جس نے ابھی دریائے نربدہ کے آس پاس ہی اپنے لشکر کے ساتھ قیام کیا ہوا تھا۔ اسے ابھی خبر نہ ہوئی تھی کہ حیدر بیگ نے حسین علی کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اس لئے کہ حیدر بیگ اسے

Marfat.com

بتائے بغیر شمال کی طرف آیا تھا۔ دوسری قوت اب خود محمد شاہ اور امین خان کی تھی۔ اس لئے کہ حسین علی کے مارے جانے کے بعد سارا لشکر دونوں کے ساتھ ہو گیا تھا۔ اور تیسری قوت بڑے بادشاہ گر حسن علی کے پاس دہلی میں جمع ہو چکی تھی۔

کچھ مؤرخین لکھتے ہیں کہ چھوٹے بادشاہ گر حسین علی کا قتل محمد امین خان کے اشارے پر ہوا تھا جسے تاریخ کے اوراق میں اعتماد الدولہ بھی کہا گیا۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ نظام الملک کے دادا خواجہ عابد کا بھتیجا اور بڑا با رسوخ امیر تھا۔ کچھ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس قتل میں صرف محمد امین خان ہی شامل نہ تھا بلکہ اودھ کے حکمران خاندان کا بانی سعادت خان بھی شامل تھا جس کا اصل نام تو محمد امین خان نیشا پوری تھا لیکن تاریخ میں، سعادت خان اور برہان الملک کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

حیدر بیگ کی موت نے دہلی میں اس کے عزیز و اقارب میں بھی سوگ کا سماں برپا کر دیا تھا۔

محمد شاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ چند روز تک وہیں قیام کئے رکھا جہاں چھوٹے بادشاہ گر حسین علی کا خاتمہ کیا گیا تھا۔ اس دوران نظام الملک کے پاس بھی حیدر بیگ کے مارے جانے کی خبر پہنچ گئی تھی۔ اپنے ماموں کی موت کا سن کر شہاب الدین اور قادر خان دونوں اس لشکر میں آ شامل ہوئے تھے جو اس وقت محمد شاہ کے پاس تھا۔ محمد شاہ جانتا تھا کہ اپنے بھائی حسین علی کی موت کا سن کر بڑا بادشاہ گر حسن علی اس کا مقابلہ کرنے کے لئے بہت بڑا لشکر جمع کر لے گا۔ اسی بناء پر چند روز تک وہاں قیام کر کے وہ اپنے سالاروں سے مشورہ کرتا رہا۔ آخر اس نے حسن علی سے ٹکرانے کے لئے دہلی کا رخ کیا۔

اس کی غیر موجودگی میں حسن علی نے بھی ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا تھا۔ ایک شخص خافی خان ان دنوں دہلی میں موجود تھا اور سرکاری دفتروں میں اس کی آمد و رفت تھی۔ اس کا بیان ہے کہ محمد شاہ کے دہلی پہنچنے سے پہلے پہلے بڑے بادشاہ گر حسن علی نے 90 ہزار سواروں پر مشتمل ایک جرار لشکر تیار کر لیا تھا۔

گو حالات حسین علی کے قتل کے بعد حسن علی کے لئے بڑے یاس انگیز تھے لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔ اس لئے کہ اسے بادشاہ گری کی لت پڑ گئی تھی اور یہ لت آسانی سے جانے والی نہ تھی۔ ہارے ہوئے جواری کی طرح جان و مال کی آخری بازی لگانے

Marfat.com

کی ٹھان لی۔ بادشاہت پر قبضہ کرنے کے لئے اس نے نہ صرف 90 ہزار سواروں پر مشتمل لشکر تیار کرلیا بلکہ سابق شہنشاہ بہادر شاہ کا ایک پوتا اس نے تلاش کرلیا۔ نام اس کا ظہیر الدین ابراہیم تھا اور حسن علی نے ظہیر الدین ابرہیم کو اس خطرناک چوسر کی زد بننے پر آمادہ کرلیا۔ حسن علی نے دھونس دھمکی سے کام لیتے ہوئے اسے لباسِ شاہی پہنا کر سلطان ابراہیم کے نام سے دہلی کے تخت طاؤس پر بٹھا دیا۔ خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ سرمایہ پانی کی طرح بہایا۔ جو لوگ ناراض تھے انہیں دولت کی چمک دکھا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ پھر جو لشکر اس نے تیار کیا تھا، اسے لے کر محمد شاہ کی طرف روانہ ہوا۔ اب محمد شاہ کے لشکر میں اس وقت بڑے آزمودہ کار اور تجربہ رکھنے والے سالار تھے۔ دہلی اور متھرا کے درمیان حسن پور کے قریب دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے۔ دونوں لشکروں میں سخت جنگ ہوئی۔ جو لشکر اس وقت محمد شاہ کے پاس تھا اس کی تعداد حسن علی کے لشکر سے کہیں کم تھی اور اسے امید تھی کہ وہ محمد شاہ کو شکست دے کر اس کی گردن کاٹنے میں کامیاب ہو جائے گا اور پھر سلطان ابراہیم کو اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنا کر پہلے کی طرح بادشاہ گری کرتا رہے گا۔

لیکن محمد شاہ بے شک جنگ کا تجربہ نہیں رکھتا تھا لیکن اس کے لشکر میں جو سالار تھے وہ انتہا درجہ کے تربیت یافتہ اور مغل تھے۔ وہ ہر صورت میں مغل شہنشاہ محمد شاہ کا دفاع کرنا چاہتے تھے اور ہر صورت میں حسین علی کے بعد حسن علی کی بھی گردن کاٹنا چاہتے تھے۔

آخر دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ عددی فوقیت رکھنے کے باوجود حسن علی کو بدترین شکست ہوئی۔ اس کے لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بہت سے سالاروں کو گرفتار کیا گیا جو زیادہ تر خستہ اور زخم دار تھے۔ گرفتار ہونے والوں میں خود بادشاہ گر حسن علی اور نیا بادشاہ سلطان ابراہیم بھی تھا۔

دونوں کو محمد شاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ محمد شاہ نے ابراہیم کو جس کا پورا نام ظہیر الدین ابراہیم تھا، معاف کر دیا۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا بڑے بادشاہ گر نے دھونس دھمکی دے کر اسے تختِ طاؤس پر بٹھا دیا تھا اور بڑے بادشاہ گر حسن علی کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ پہلے اسے زندان میں بھیجا گیا، پھر وہاں زہر دے کر اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اس طرح بادشاہ گری کے ساتھ ساتھ اس کی قید اور ذلت کی زندگی کا بھی دور ختم

Marfat.com

ہوا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان بادشاہ گروں نے فقط رسوائی کمائی اور بلاشبہ سلطنت مغلیہ کو نقصان پہنچایا۔ گزشتہ نو سال تک بادشاہ کو دبائے اور اپنا اقتدار بچانے کی جدوجہد کرتے رہے۔ کنبہ برادری کے لوگوں کو خوب بڑھایا چڑھایا مگر حکومت سنبھالنا انہیں نہ آتا تھا۔ اس تمام مدت میں رعایا کی حفاظت کے لئے انہوں نے کوئی کارہائے نمایاں سرانجام نہ دیا۔

اپنے آخری دور میں یہ بادشاہ گر بڑے بدنام ہوئے۔ لوگ انہیں ناپسند کرنے لگے تھے۔ دہلی کے عوام کی یہ حالت تھی کہ وہ ان قاتلوں کو اعلانیہ گالیاں دیتے اور ان کی سواریوں پر پتھراؤ کرتے تھے۔ خود انہیں اور ان کے عزیز و اقارب کا شہر میں اکیلے نکلنا مخدوش ہو گیا تھا۔

بادشاہ گروں سے لوگوں کی نفرت کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ بڑا بادشاہ گر حسن علی مسجد فتح پوری کے سامنے جس محل میں رہتا تھا لوگ تقریباً دو سو برس تک اس حویلی کو نمک حرام وزیر کی حویلی کہہ کر پکارتے رہے۔

بادشاہ گروں کے خاتمے کے بعد اب محمد شاہ مطلق العنان اور ایک آزاد بادشاہ کی حیثیت سے بادشاہت کرنے لگا تھا۔ اس نے فرخ سیر کی بیٹی سے شادی کر لی تھی لہٰذا اب وہ قصر میں سکون کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرنے لگا تھا۔ تاہم ہر معاملے میں اپنی دادی مہر پرور سے مشورہ لیتا تھا۔ لیکن حالات کی بدقسمتی کہ بادشاہ گروں کے خاتمے کے چند ہی روز بعد محمد امین خان بھی اپنی طبعی موت مر گیا اور اس کی جگہ عارضی طور پر عنایت اللہ خان کاشمیری کو وزارت کے منصب پر مقرر کر دیا گیا۔

بادشاہ گروں کے خاتمے کے بعد جودھپور کے راجہ اجیت سنگھ نے بھی پَر پُرزے نکالنا شروع کر دیئے تھے۔ ماضی میں وہ بادشاہ گروں کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا تھا، ان کا ساتھ دیتا رہا تھا لہٰذا ان دونوں کے مارے جانے کے بعد اجیت سنگھ نے محمد شاہ کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی خودمختار ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا۔ جوابی کارروائی کرتے ہوئے محمد شاہ نے اس کی معزولی کے احکامات جاری کر دیئے کیونکہ اس کے ظلم وستم سے مقامی لوگ بے حد تنگ اور نالاں ہو چکے تھے۔

اب اجیت سنگھ انتقام پر اتر آیا تھا۔ اس نے محمد شاہ کو زک پہنچانے کے لئے اجمیر

Marfat.com

پر حملہ کر دیا۔ وہاں جو چھوٹا سا مغلوں کا لشکر تھا وہ مقابلہ نہ کر سکا اور اجیت سنگھ اجمیر پر قابض ہو گیا۔ اجمیر میں اس نے کچھ مساجد کو منہدم کر دیا۔ بڑی سختی کے ساتھ اس نے گائے کی قربانی کی ممانعت کر دی۔ ساتھ ہی مسلمانوں کے لئے اس نے انتہائی سختی کے ساتھ یہ حکم بھی جاری کر دیا کہ مسلمان مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے نہیں جا سکتے۔

✻

ایک روز گوہر آراء اور راجکماری پاربتی دونوں بہنیں اپنی حویلی میں گھر کے کام کاج میں مصروف تھیں کہ حویلی میں ان دونوں کی ماں بشن دیوی داخل ہوئی۔ وہ پریشان اور افسردہ سی تھی۔ گردن اس نے جھکا رکھی تھی۔ دونوں بہنوں نے گھر کا کام چھوڑ دیا اور اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوئیں۔ سب سے پہلے آگے بڑھ کر گوہر آراء نے اپنی ماں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا پھر کہنے لگی۔

''ماتا! کیا بات ہے؟ آپ تو چچا فیروز مرزا کے پاس شہاب الدین اور قادر دخان کے واپس آنے پر دعوت دینے کے لئے گئی تھیں۔ آپ کو کیا ہوا؟ آپ کا چہرہ اترا ہوا کیوں ہے؟ دنیا بھر کی پریشانیاں آپ کے چہرے پر برس رہی ہیں۔''

گوہر آراء کی اس ساری گفتگو کے جواب میں بشن دیوی نے کوئی جواب نہ دیا، سیدھی دیوان خانے میں داخل ہوئی اور ایک نشست پر بیٹھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں میں اس نے اپنا سر تھام لیا تھا۔ اس موقع پر اس کے ایک طرف گوہر آراء اور دوسری طرف راجکماری پاربتی بیٹھ گئی تھیں۔ دونوں نے بشن دیوی کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ اس بار نہایت محبت اور اپنائیت میں پاربتی نے بشن دیوی کو مخاطب کیا۔

''ماتا! ہم دونوں آپ کی بیٹیاں بھی ہیں اور بیٹے بھی۔ کیا کسی نے آپ کی دل آزاری کی ہے؟ کیا فیروز مرزا کے ہاں کسی نے آپ کے مزاج کے خلاف کوئی بات کی ہے اور آپ کی یہ حالت ہو گئی ہے؟''

راجکماری پاربتی کے ان الفاظ پر بشن دیوی نے تڑپ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا پھر کہنے لگی۔

''میری بچی! ایسی باتیں نہ کرو۔ وہ لوگ بڑے بے ضرر ہیں۔ میں نے ان کے ساتھ جو رشتہ قائم کیا ہے اس پر میں زندگی بھر خوشی اور فخر کرتی رہوں گی۔ مجھے تو تمہارے باپ نے اس حالت تک پہنچا دیا ہے۔''

Marfat.com

اس بار خفگی کا اظہار کرتے ہوئے گوہر آراء نے پوچھ لیا۔

''اب پتا جی نے کیا گل کھلا دیا ہے؟''

بشن دیوی اب کسی حد تک اپنے آپ کو سنبھال چکی تھی، کہنے لگی۔

''بیٹی! تیرے باپ نے محمد شاہ کے خلاف علمِ بغاوت کھڑا کر دیا ہے۔ جودھ پور میں اپنی خود مختاری اور آزادی کا اعلان کرتے ہوئے ایک آزاد ریاست کا اعلان کر دیا ہے۔ اس نے جب دیکھا کہ محمد شاہ بڑے بادشاہ گھر سے ٹکرایا ہوا ہے تو اپنے لشکر کو حرکت میں لایا۔ اجمیر پر حملہ آور ہوا۔ وہاں اس نے بہت سی مسجدوں کو منہدم کر دیا۔ اجمیر میں اس نے سختی کے ساتھ حکم جاری کر دیا ہے کہ کوئی مسلمان مسجد میں نہ نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی گائے کی قربانی کر سکتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد بشن دیوی رکی پھر انتہائی دکھ بھرے انداز میں کہنے لگی۔

''میری بچیو! اب تم دیکھو کیا تمہارا باپ ہم سب کو یہاں کے لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار کر کے نہ رکھ دے گا؟''

بشن دیوی جب خاموش ہوئی تب گوہر آراء کچھ سوچتی رہی پھر کہنے لگی۔

''ماتا! آپ کو اس سلسلے میں پریشان اور فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بغاوت جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ نے کی ہے، ہم نے نہیں۔ ہم اسے اپنا باپ ماننے سے انکار کرتی ہیں اور دونوں بہنوں کا یہی فیصلہ ہے کہ آج آپ ہم دونوں بہنوں کے ساتھ عہد کریں کہ آئندہ آپ جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ سے کوئی تعلق واسطہ اور رابطہ نہیں رکھیں گی۔ میں تو پہلے ہی اس سے سارے رشتے منقطع کر چکی ہوں۔ آپ جانتی ہیں میں نے اسے پتا جی بھی کہنا بند کر دیا ہے۔ میں تو اسے اب جودھ پور کا راجہ ہی خیال کرتی ہوں اور یہی خیالات میری چھوٹی بہن راجکماری پاربتی کے بھی ہیں۔ ماتا! جب آپ اس قدر پریشانی اور فکرمندی کی حالت میں گھر آئیں تو یقین جانیں میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ اس لئے کہ آپ فیروز مرزا کے ہاں ان سب کو دعوت دینے کے لئے گئی تھیں۔ مجھے یہ شک گزرا کہ شاید کسی موضوع پر ان کے ساتھ آپ کی تلخ کلامی ہو گئی اور اس تلخ کلامی کی وجہ سے آپ کی یہ حالت ہو گئی ہے۔''

بشن دیوی اب مکمل طور پر اپنے آپ کو سنبھال چکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت جو نمی اتر آئی تھی وہ اس نے صاف کر لی۔ باری باری مسکراتے ہوئے ایک نگاہ

Marfat.com

اس نے گوہر آراء اور پاربتی پر ڈالی پھر کہنے لگی۔

''میں نے خوانخواہ تم دونوں کو پریشان اور فکر مند کر دیا ہے۔ بیٹی! میں شہاب الدین سے ملنا چاہتی تھی اور میرا ارادہ تھا کہ میں اسے پکڑ کر اپنی حویلی میں لاتی۔ میں چاہتی تھی کہ کسی موقع پر شہاب الدین اور پاربتی دونوں علیحدگی میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے اپنے دل کی بات کہیں اور مل کر اپنے مستقبل کے فیصلے کریں۔''

بشن دیوی جب خاموش ہوئی تب شکووں بھری آواز میں گوہر آراء اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''ماتا! میں اور پاربتی بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں کہ آپ شہاب الدین کو اپنے ساتھ لے کر آئیں گی۔ اسے آئے ہوئے دو دن ہو گئے ہیں۔ پہلے تو وہ لشکر ہی میں رہا۔ سنا ہے آج ہی حویلی میں داخل ہوا ہے اور ابھی تک ہماری اس سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔''

گوہر آراء جب خاموش ہوئی تب بشن دیوی کہنے لگی۔

''بیٹی! شہاب الدین اور قادر د خان اس وقت دونوں حویلی میں نہیں ہیں۔ دونوں کو نئے وزیر عنایت اللہ نے اپنے پاس بلایا ہے۔ اب دیکھیں وہ ان دونوں سے کیا کہتا ہے۔''

بشن دیوی کے اس انکشاف پر پاربتی فکر مند ہو گئی تھی۔ گہری سوچوں میں کھوئے ہوئے کہنے لگی۔

''ماتا! دونوں کے لئے کوئی خطرے کی بات تو نہیں؟''

جواب میں بشن دیوی کہنے لگی۔

''بیٹی! گھر کے کسی فرد کو ابھی تک یہ پتہ نہیں چلا کہ نئے وزیر عنایت اللہ نے ان دونوں کو کیوں بلایا ہے۔ اب وہ واپس آئیں تب ہی پتہ چلے کہ ان دونوں کو بلانے کی کیا وجہ ہے۔''

بشن دیوی کے ان الفاظ کے جواب میں گوہر آراء یا پاربتی دونوں میں سے کوئی بولنا ہی چاہتی تھی کہ عین اسی لمحے حویلی میں عباد الدین اور شہاب الدین کا بڑا بھائی شرف الدین داخل ہوئے۔

باہر کھٹکا ہونے کی وجہ سے گوہر آراء دیوان خانے سے باہر نکلی۔ اس کے پیچھے پیچھے

Marfat.com

پاربتی بھی باہر آگئی تھی۔ کمرے میں بیٹھے ہی بیٹھے بشن دیوی نے پوچھ لیا تھا۔
''کون ہے میری بچیو؟''
جواب میں پاربتی مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔
''ماتا! بھائی عباد الدین اور شرف الدین آئے ہیں۔''
اس کے ساتھ ہی گوہر آراء اور پاربتی دونوں کو لے کر دیوان خانے میں داخل ہوئیں۔ پاربتی اور گوہر آراء جہاں سے اٹھی، وہیں بیٹھ گئی جبکہ عماد الدین اور شرف الدین اس کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ پھر گفتگو کا آغاز عباد الدین نے کیا تھا۔
''ہمارے گھر میں ایک مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اگر اسے سلجھایا نہ گیا تو وہ ہمارے لئے مصبت کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ گھر کا ہر شخص شرمسار ہے کہ آج آپ لوگوں نے ہماری دعوت کی تھی لیکن حاالات ایسا رخ اختیار کر گئے ہیں کہ ہمارے ہاں پریشانی ہی پریشانی ہے اور......''
عباد الدین یہیں تک کہنے پایا تھا کہ اسے رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ بشن دیوی، گوہر آراء اور پاربتی بے چاری انتہا درجہ کی پریشان اور فکر مند ہو رہی تھیں۔ اس موقع پر گوہر آراء نے آخر عباد الدین کو مخاطب کیا۔
''کیا مسئلہ اٹھا ہے جو مصیبت کا باعث بن سکتا ہے؟ وزیر عنایت اللہ خان کشمیری نے بھائی شہاب الدین اور قاوردکو بلایا ہوا تھا۔ کیا ان سے کوئی سخت کلامی ہوگئی ہے یا دوسرے امور پر کوئی زیادتی کرنے کے درپے ہے؟''
گوہر آراء جب خاموش ہوئی تب اسی جیسی پریشانی اور فکر مندی میں راجکماری پاربتی عباد الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔
''بھائی! پہلے آپ یہ بتائیں کہ شہاب الدین اور قاوردخان، وزیر سے ملنے کے بعد واپس آگئے ہیں کہ نہیں......؟''
عباد الدین نے سر کے بالوں پر انگلیاں پھیریں اور انتہائی پریشانی کے عالم میں کہنے لگا۔
''وہ دونوں واپس تو آگئے ہیں۔ ان کے واپس آنے ہی پر تو ہمارے لئے مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ آپ کے پتا جی نے جودھ پور میں بغاوت کر دی ہے۔ اپنی خود مختاری اور آزادی کا اعلان کر دیا ہے اور محمد شاہ کو حکمران ماننے سے انکار

Marfat.com

کر دیا ہے۔ محمد شاہ نے آپ کے پتا پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس مقصد کے لئے محمد شاہ نے وزیر عنایت اللہ خان کو حکم دیا تھا کہ ایک لشکر تیار کرو۔ اس لشکر کا سالار شہاب الدین اور قاورد خان کو بناؤ اور انہیں جودھ پور کی طرف روانہ کرو تاکہ وہ آپ کے پتا پر حملہ آور ہو کر انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں لیکن شہاب الدین نے صاف انکار کر دیا کہ وہ اس لشکر کی کمانداری نہیں کرے گا جو اجیت سنگھ پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا جائے گا۔ یہی رُوکھا سوکھا جواب عنایت اللہ کو دے کر شہاب الدین قاورد خان کے ساتھ واپس آ گیا ہے۔ اب اس موقع پر قاورد خان تو نہیں بولا، شہاب الدین نے کیونکہ اس لشکر کی کمانداری سے صاف انکار کر دیا ہے لہٰذا ہمارے لئے مسئلہ اٹھنے کا اندیشہ ہے۔ اس کے گھر واپس آنے کے بعد پیچھے ہی پیچھے وزیر عنایت اللہ خان نے اپنے بیٹے کو ہماری حویلی میں بھیجا۔ وہ ابا سے ملا۔ ماں اور خالہ کی بھی منت کی کہ شہاب الدین سے کہیں کہ وہ اس لشکر کی کمانداری قبول کر لے۔ اس لئے کہ عنایت اللہ نے یہ بھی پیغام بھجوایا ہے کہ محمد شاہ چاہتا ہے کہ لشکر کی کمانداری امین خان کے پوتوں میں سے کوئی کرے۔ اس لئے اس کا خیال ہے کہ ان حالات میں وہ امین خان کے لواحقین پر ہی زیادہ تر اعتماد کر سکتا ہے۔ عنایت اللہ نے یہ پیغام بھی اپنے بیٹے کے ہاتھ بھجوایا تھا کہ اگر اس موقع پر محمد شاہ کو یہ پتہ چل گیا کہ امین خان کے پوتے شہاب الدین نے اجیت سنگھ کی طرف جانے والے لشکر کی کمانداری سے انکار کر دیا ہے تو پھر نجانے اس کے خلاف کیا تادیبی کارروائی کی جائے۔''

عباد الدین جب خاموش ہوا تب بشن دیوی بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''لشکر کی کمانداری قبول نہ کرنے کی شہاب الدین وجہ کیا بتاتا ہے؟''

اس بار عباد الدین کی بجائے شرف الدین بول اٹھا۔

''خالہ! اس کا ایک ہی جواب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا رشتہ پاربتی سے طے ہو چکا ہے۔ اگر میں پاربتی کے باپ کے خلاف لشکر کشی کروں تو کیا یہ میرے لئے باعث شرم نہ ہوگا؟ اور پھر پاربتی میرے متعلق کیا سوچے گی؟ کیا وہ یہ رشتہ قائم رکھے گی؟ اس کا کہنا ہے کہ میں اس رشتے کو ٹوٹتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ دراصل وہ اب پاربتی سے بے پناہ محبت کرنے لگا ہے۔ اس بناء پر وہ نہیں چاہتا کہ اس مسئلے کی وجہ سے پاربتی اس سے

Marfat.com

چھن جائے۔''
شرف الدین کے ان الفاظ کے جواب میں بشن دیوی عجیب سے انداز میں باری باری گوہر آراء اور پاربتی کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اس بار پاربتی کسی قدر خفگی اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی
''پاربتی کھلونا نہیں ہے جسے کوئی شہاب الدین سے چھین کر کسی دوسرے کے ہاتھ میں دے دے گا۔ میرا رشتہ شہاب الدین کے ساتھ طے ہو چکا ہے۔ اسے کوئی دوسرا تو بہت دور کی بات، میرا باپ بھی نہیں توڑ سکتا۔ اگر وہ یہ بھی کہے کہ میں شہاب الدین کو اپنی زندگی کا ساتھی نہ بناؤں تو میں صاف اور اعلانیہ انکار کر دوں۔ شہاب الدین اگر مجھ سے محبت کرتا ہے تو میں بھی اسے چاہتی ہوں۔ اپنی زندگی کا مرکز اپنے جیون کا ارتکاز بنا چکی ہوں۔ لیکن اسے اس لشکر کی کمانداری کرتے ہوئے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ اسے اس لشکر کی کمانداری کرنی چاہئے اور جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کو اس کے کیئے کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔''
اس موقع پر شرف الدین نے عجیب سے انداز میں پاربتی کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔''تم اپنے پتا جی کو پتا کہنے کی بجائے جودھ پور کا راجہ کہہ کر مخاطب کر رہی ہو۔''
پاربتی پھر پہلے جیسے لہجے میں کہنے لگی۔
''ہم تینوں ماں بیٹیوں نے ان سے قطع تعلقی کر لی ہے۔ میں سمجھتی ہوں ان سے اب ہمارا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ شہاب الدین کو ضرور اس لشکر کی کمانداری کرنی چاہئے جو ان پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ بھائی! میں ابھی آپ کے ساتھ جاتی ہوں، خود ان سے بات کرتی ہوں اور پھر میں دیکھتی ہوں وہ کیسے لشکر کی کمانداری کرنے سے انکار کرتے ہیں۔''
راجکماری پاربتی کے یہ الفاظ سن کر عباد الدین اور شرف الدین دونوں مسکرا رہے تھے۔ دونوں نے خوش کن انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر شرف الدین کہنے لگا۔''پاربتی میری بہن! قسم خداوند کی، تُو نے ایسے الفاظ ادا کر کے ہم دونوں کا دل خوش کر دیا ہے۔ تم لوگوں کی طرف مجھے بڑے ابا، خالہ اور امی نے بھیجا ہے۔ ان تینوں کا کہنا تھا کہ اس کام پر اگر شہاب الدین کو کوئی آمادہ کر سکتا ہے۔ تو وہ صرف اور صرف پاربتی ہے۔''

Marfat.com

شرف الدین جب خاموش ہوا تب گوہر آراء کہنے لگی۔
”اگر یہ بات ہے تو پھر ہم تینوں آپ کے ساتھ چلتی ہیں اور پھر دیکھتی ہیں کہ کیسے میرا بھائی شہاب الدین لشکر کی کمانداری سنبھالنے سے انکار کرتا ہے۔ یہ مسئلہ سلجھانے کے بعد پھر واپس آ کر ہم دعوت کا انتظام کر لیں گی۔“
گوہر آراء کے خاموش ہونے پر بڑے پیار اور محبت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے عباد الدین کہنے لگا۔
”گوہر آراء! میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتا۔ امی، خالہ اور ابا نے ہمیں یہ بھی کہلا کر بھیجا ہے کہ آج آپ کے ہاں دعوت کا اہتمام نہیں ہوگا۔ پہلے شہاب الدین والا مسئلہ سلجھایا جائے گا۔ آپ تینوں ہمارے ساتھ چلیں۔ تینوں رات کا کھانا بھی ہمارے ساتھ کھائیں گی اور شب بسری بھی وہیں کریں گی۔“
عباد الدین کے خاموش ہونے پر گوہر آراء بھی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔
”ٹھیک ہے...... جیسا آپ کہتے ہیں ویسا ہی ہوگا۔“
دوسری طرف پاربتی اور بشن دیوی خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ تینوں ماں بیٹی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کچھ کمروں کو انہوں نے مقفل کیا اس کے بعد تینوں ماں بیٹی عباد الدین اور شرف الدین کے ساتھ ہو لی تھیں۔
تینوں جب عباد الدین اور شرف الدین کے ساتھ حویلی میں داخل ہوئیں تو اس وقت حویلی کے دیوان خانے میں فیروز مرزا، قرہ خاتون، تقدیس خانم اور قاوردخان بیٹھے ہوئے تھے۔ پانچوں دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ کیونکہ سب اس وقت پریشان اور فکرمند بیٹھے ہوئے تھے لہٰذا ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے پاربتی کہنے لگی۔
”یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ تو نہیں ہے جس کی وجہ سے آپ لوگوں نے اپنے اوپر افسردگی اور پریشانی طاری کر لی ہے۔“
اس کے ساتھ ہی پانچوں آگے بڑھ کر نشستوں پر جب بیٹھ گئے تب فیروز مرزا دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔
”میری بچی! پریشانی اور فکرمندی کی بات تو ہے۔ میرے خیال میں ساری صورتِ حال سے عباد الدین اور میرے بیٹے شرف الدین نے تم تینوں کو آگاہ کر دیا ہوگا۔ شہاب الدین اپنی بات پر اڑا ہوا ہے کہ وہ اس لشکر کی کمانداری نہیں کرے گا جو

Marfat.com

تمہارے پتا کی سرکوبی کے لئے جائے گا۔ میں نے بھی سمجھایا کہ تم لشکر کے ساتھ جاؤ۔ اس لشکر کشی سے پاربتی سے تمہارا رشتہ نہیں ٹوٹے گا۔ خالہ نے بھی اسے سمجھایا۔ قرہ خاتون نے سمجھانے کی بجائے ذرا ڈانٹ دیا تھا اور اس ڈانٹ کی وجہ سے اب وہ تقریباً روٹھ کر ماہ الملک کے کمرے میں بیٹھا ہوا ہے۔ قرہ خاتون نے زندگی میں کبھی اسے اس طرح ڈانٹا نہیں ہے۔ یہ پہلا موقع تھا لہٰذا اس نے اسے خاصا محسوس کیا ہے۔ اس وقت ماہ الملک اس کے پاس ہے۔ اسے ڈھارس اور تسلی دے رہی ہے۔ میری بچیو! اگر وہ لشکر کی کمانداری کے لئے رضامند ہو جائے تو سارا مسئلہ ہی حل ہو جائے گا۔ وہ لشکر کی کمانداری سے انکار بھی کرتا ہے اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ اور قاور دونوں جودھ پور ضرور جائیں گے۔ اس لئے کہ جن لوگوں نے میرے دو چھوٹے بھائیوں، بھاوج اور بیٹے مجتبیٰ کو قتل کیا تھا انہوں نے دہلی سے نکل کر جودھ پور میں قیام کیا ہوا ہے اور یہ دونوں ان دونوں کا خاتمہ کرنے کے لئے جودھ پور کا رخ کرنا چاہتے ہیں۔''

فیروز مرزا جب خاموش ہوا تب بڑے وثوق سے پاربتی کہنے لگی۔

''بڑے ابا! آپ کو پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شہاب الدین قاتلوں کے تعاقب میں بھی جائے گا اور لشکر کی کمانداری بھی قبول کرے گا۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شہاب الدین کے ساتھ میری نسبت طے ہے۔ وہ میرا منگیتر، میرا منسوب ہے۔ ابھی تک میرا اس سے نہ نکاح ہوا ہے نہ شادی ہوئی ہے۔ ایسے موقع پر لڑکیاں عموماً اپنے منگیتر سے کھل کر گفتگو کرنے سے اجتناب کرتی ہیں لیکن یہ ایسا مسئلہ ہے کہ مجھے ان سے گفتگو کرنی ہو گی۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے ان کے پاس ماہ الملک کے کمرے میں جاؤں؟''

اس موقع پر فیروز مرزا جواب طلب سے انداز میں تقدیس خانم اور قرہ خاتون کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ وہ دونوں صلاح مشورہ کر کے کوئی جواب دینا ہی چاہتی تھیں کہ عین اسی لمحہ فیروز مرزا کی ماں مہر النساء داخل ہوئی تھی۔

آگے بڑھ کر وہ فیروز مرزا کے سامنے بیٹھ گئی، پھر کہنے لگی۔

''فیروز مرزا! شہاب الدین نے ہاں کہی ہے کہ نہیں؟ میں تو نماز پڑھ کر کافی دیر دعا مانگتی رہی ہوں کہ میرا بیٹا اس مہم کی کمانداری کرنے پر رضامند ہو جائے۔''

پھر جب اس نے دیوان خانے میں بشن دیوی، گوہر آراء اور پاربتی کو بیٹھے دیکھا تو

Marfat.com

مسکراتے ہوئے ان کی احوال پرسی کرنے لگی۔ اس موقع پر جو الفاظ پاربتی نے کہے تھے وہ فیروز مرزا نے اپنی ماں مہر النساء سے کہہ دیئے تھے۔

اس موقع پر مہر النساء بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''پاربتی میری بیٹی! تمہیں شہاب الدین سے ملنے کی اجازت ہے۔ تم اس سے کھل کر گفتگو کر سکتی ہو اور تمہارا اور اس کا ایک رشتہ ہے۔ میری بچی! اگر اس کام کے لئے تم اسے تیار کر لو تو میں سمجھوں گی ہمارے ایک بڑے مسئلے کا خاتمہ ہو گیا ہے۔''

پھر مہر النساء نے فیروز مرزا کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

''فیروز مرزا! اگر پاربتی شہاب الدین سے ملتی ہے تو تمہیں کوئی اعتراض ہے؟''

فیروز مرزا نے مسکراتے ہوئے نفی میں گردن ہلا دی تھی۔ مہر النساء نے اس بار تقدیس خانم اور قرہ خاتون کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

''تم دونوں بہنوں کا کیا خیال ہے؟''

تقدیس خانم کہنے لگی۔ ''ہم دونوں بہنوں کا خیال ہے کہ پاربتی کو شہاب الدین سے ضرور ملنا چاہئے اور اسے اس کام پر آمادہ کرنا چاہئے۔''

تقدیس خانم کا یہ جواب سن کر مہر النساء خوش ہو گئی تھی۔ پھر قرہ خاتون کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''قرہ خاتون! تم نے شہاب الدین کو ڈانٹنے میں کچھ زیادہ ہی سخت الفاظ استعمال کر لئے تھے۔ دیکھو، جوان بیٹا ہے۔ اسے اب تم بچوں کی طرح تو نہ ڈانٹا کرو۔ اسے سمجھانے کے لئے پیار اور محبت کی ضرورت ہے۔ تم شاید اسے وہی پٹنہ سے دہلی آیا ہوا بچہ خیال کرتی ہو اور جب چاہتی ہو اس پر چڑھ دوڑتی ہو۔ میری بیٹی! ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ وہ اب سمجھ دار ہے، جوان ہے۔ اگر وہ لشکر کی کمانداری سے انکار کر رہا ہے تو اس کی کوئی وجہ ہے اور وجہ بھی بڑی معقول ہے۔ وہ پاربتی کو نہیں کھونا چاہتا۔ پاربتی، گوہر آراء اور بشن دیوی کے ساتھ اس کا جو رشتہ ہے اسے منقطع ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ بس اس بناء پر وہ انکار کر رہا ہے۔''

مہر النساء جب خاموش ہوئی تب گوہر آراء اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''دادی اماں! ہمارے باپ نے یہ قدم اٹھا کر انتہا درجہ کا احمقانہ رویہ اپنایا ہے۔ وہ پہلے بھی اکثر ایسے فیصلے کیا کرتا تھا۔ دادی اماں! دراصل ہمارے باپ کی پرورش ایسے

Marfat.com

ماحول میں ہوئی ہے جہاں اس قسم کے رویوں کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ اس کے ہاں رشتوں کی بھی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ خلوص اور محبت کا بھی کوئی مقام نہیں ہے۔ مجھے، میری بہن اور ماتا تینوں کو پتہ ہے کہ ہمارے باپ نے غلط قدم اٹھاتے ہوئے بغاوت اور سرکشی کا اظہار کیا ہے اور اگر مغل شہنشاہ اور وزیر عنایت اللہ کاشمیری شہاب الدین کو اس لشکر کی کمانداری سونپنا چاہتے ہیں جو جودھ پور پر حملہ آور ہو گا تو شہاب الدین کو اس لشکر کی کمانداری قبول کرنی چاہئے اور کرنی ہو گی۔ اسی میں ہم تینوں ماں بیٹی کی خوشی اور طمانیت ہے۔''

اس موقع پر راجکماری پاربتی اپنی جگہ سے اٹھی، ایک گہری نگاہ قرہ خاتون پر ڈالی، پھر کہنے لگی۔

''اماں! میں ماہ الملک کے کمرے میں جاؤں؟''

قرہ خاتون نے جب مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی تب راجکماری پاربتی بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دیوان خانے سے نکل گئی تھی۔

راجکماری پاربتی جب ماہ الملک کے کمرے کے دروازے کے پاس پہنچی تو اس نے دیکھا ماہ الملک اور شہاب الدین دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ماہ الملک نے شہاب الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا اور اس کا ہاتھ دوسرے ہاتھ سے تھپتھپا رہی تھی۔ ساتھ ہی اسے کچھ سمجھانے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔

دروازے پر کھڑی ہو کر پاربتی تھوڑی دیر تک دونوں بہن بھائیوں کو اس انداز میں دیکھتے ہوئے خوشی کا اظہار کرتی رہی۔ اتنی دیر تک ان دونوں نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ پھر دونوں مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ پاربتی کمرے میں داخل ہوئی۔ ماہ الملک کے قریب گئی۔ ماہ الملک پُر جوش انداز میں اس سے ملی، پھر کہنے لگی۔

''میری بہن! تم بڑے اچھے وقت پر آئی ہو۔ میں سمجھتی ہوں کہ جو کام میں نہیں کر سکی، جس کام کو گھر والے نہیں نمٹا سکے وہ کام تم بڑی آسانی سے انجام تک پہنچا سکتی ہو۔ جہاں میں بیٹھی ہوئی تھی، تم بیٹھو۔ میں تھوڑی دیر تک آتی ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی ماہ الملک کمرے سے نکل گئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد پاربتی تھوڑی دیر تک عجیب سے انداز میں شہاب الدین کی طرف گھورنے کے انداز میں دیکھتی رہی۔ اس کی اس ادا پر شہاب الدین مسکرایا اور

Marfat.com

کہنے لگا۔ ''میری طرف اس انداز میں کیوں دیکھ رہی ہو؟ کیا مجھ سے کوئی بہت بڑا جرم ہو گیا ہے؟''

پاربتی نے دھیمے مگر پیار بھرے انداز میں شہاب الدین کو مخاطب کیا۔

''کیا آپ پہچانتے ہیں کہ میں کون ہوں؟''

شہاب الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

''سوال بڑا مہمل سا ہے۔ پر میں جواب دینے پر تیار ہوں۔ تم پاربتی ہو...... جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کی بیٹی۔''

جواب میں پاربتی پہلے کی نسبت سنجیدہ ہو گئی تھی۔ پھر کہنے لگی۔

''اگر میرا سوال مہمل تھا تو آپ کا جواب اس سے زیادہ مہمل، ناکافی اور غلط ہے۔''

''کیا مہمل پن ہے اس میں؟'' گھورنے کے انداز میں شہاب الدین نے پاربتی کی طرف دیکھا تھا۔

''اس میں غلط بات یہ ہے کہ میں جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کی بیٹی ہوں نہیں، کبھی تھی۔ لیکن بیٹی ہونے کا وہ دور اب ختم ہو چکا...... کیوں ہو چکا اس کی تفصیل تو میں کبھی بعد میں آپ کے پاس بیٹھ کر بتاؤں گی۔ فی الحال میں آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میں جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کی بیٹی نہیں بلکہ دہلی کی سلطنت کے مرحوم وزیر محمد امین خان کے پوتے محترم علی مراد کے بیٹے اور ایک باوقار خاتون قرہ خاتون کے فرزند محترم شہاب الدین کی منسوبہ، منگیتر اور ہونے والی بیوی ہوں۔ اصل تعارف میرا یہ ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد پاربتی رکی، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔ ''اب جبکہ میں نے اپنا تعارف کروایا ہے تو میرا آپ کے ساتھ ایک رشتہ بھی عیاں ہو گیا ہے۔ آپ اگر اس رشتے کی اہمیت کو سمجھتے ہیں تو میں خیال کرتی ہوں کہ ماں باپ کے بعد یہ رشتہ سب سے زیادہ باوقار اور اہم ہے۔ اس رشتے کو سامنے رکھتے ہوئے میں آپ سے یہ پوچھتی ہوں کہ آپ نے اس لشکر کی کمانداری کرنے سے کیوں انکار کر دیا جس نے جودھ پور پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہونا ہے؟''

پاربتی کے ان الفاظ پر تعجب سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے شہاب الدین کہنے لگا۔

''یہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ میں نے تمہارے باپ اجیت سنگھ پر حملہ آور ہونے

Marfat.com

والے لشکر کی کمانداری سے کیوں انکار کیا؟''

پاربتی نے تیز نگاہوں سے شہاب الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''اس وقت بھول جائیں کہ میں اجیت سنگھ کی بیٹی ہوں۔ اس وقت اپنے ذہن میں یہ بات رکھیں کہ آپ نے جودھ پور کی بغاوت کو ختم کرنے والے لشکر کی کمانداری کرنی ہے اور کسی صورت انکار نہیں کرنا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ جودھ پور والے لشکر کی کمانداری اس لئے قبول نہیں کرنا چاہتے کہ کہیں میرا آپ کا رشتہ نہ منقطع ہو جائے۔ میں آپ پر ایک بات واضح کر دوں، جس وقت ماہ الملک نے میرے اور آپ کے رشتے کی بات نہیں کی تھی، اس سے چند دن پہلے ہی میں نے اپنی دیدی گوہر آراء سے کہہ دیا تھا کہ اگر میرا رشتہ شہاب الدین سے طے کر دیا جائے تو میں سمجھوں گی مجھے دنیا جہان کی نعمتیں مل گئی ہیں اس لئے کہ آپ کے ساتھ رشتہ طے ہونے اور آپ کے ساتھ منگنی ہونے سے پہلے ہی میں آپ کو چاہنے اور آپ سے محبت کرنے لگی تھی۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ مجھے چاہتے ہیں۔ اسی بناء پر آپ لشکر کی کمانداری کرتے ہوئے پس و پیش اور انکار سے کام لے رہے ہیں۔ لیکن آپ نے ہر صورت میں اس لشکر کی کمانداری کرنی ہے۔ اگر آپ نے میرے سمجھانے کے باوجود بھی انکار کیا تو پھر ایک بات یاد رکھنا، میں ابھی اور اسی وقت بڑے ابا فیروز مرزا کے پاس جاؤں گی۔ اماں قرہ خاتون، تقدیس خانم سے بات کروں گی، دادی مہر النساء سے بھی کہوں گی کہ میری اور شہاب الدین کی ابھی اور اسی وقت شادی کر دی جائے اور......''

پاربتی مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے مسکراتے ہوئے شہاب الدین بول اٹھا۔

''بڑی بے چینی اور بے تابی ہو رہی ہے تمہیں شادی کرنے کی۔''

پاربتی بھی مسکرا دی اور کہنے لگی۔

''ہاں ...... مجھے بڑی بے چینی اور بے تابی ہو رہی ہے آپ سے شادی کرنے کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت اگر میں اپنی بات پر زور ڈالوں گی تو آپ غصہ میں مجھے یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں کون ہوتی ہوں آپ پر اس طرح کا دباؤ ڈالنے والی۔ لیکن جب میری آپ سے شادی ہو جائے گی اس کے بعد جب میں آپ پر دباؤ ڈالوں گی اور آپ یہ جملہ ادا کریں گے تو پھر میں کہوں گی محترم شہاب الدین! میں آپ کی بیوی

Marfat.com

ہوں اور میں آپ پر ایسا دباؤ ڈالنے کا حق رکھتی ہوں۔ اب کہیں، آپ کیا کہتے ہیں؟''

پاربتی جب خاموش ہوئی تو شہاب الدین کسی قدر سنجیدہ ہو گیا اور کہنے لگا۔

''پاربتی! اس میں کوئی شک نہیں کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں، تم سے محبت کرتا ہوں۔ لیکن میں نے لشکر کی کمانداری سنبھالنے سے اسی لئے انکار کیا تھا کہ میں تمہارے باپ کے خلاف لشکر کشی نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے خدشہ اور ڈر تھا کہ میں اگر ایسا کروں گا تو کہیں تمہارے اور میرے تعلقات منقطع نہ ہو جائیں اور میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہ لشکر کی کمانداری کے لئے اور بہت سے سالار مل سکتے ہیں لیکن شہاب الدین کو پاربتی سے بہتر زندگی کی ساتھی نہیں مل سکتی۔''

جواب میں پاربتی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا، کہنے لگی۔

''میں تو سمجھتی تھی کہ محبت کے معاملے میں آپ یوں ہی سے ہوں گے۔ لیکن آپ تو اس معاملے میں بڑے پختہ کار لگتے ہیں۔ بڑے اچھے، پیارے اور لچھے دار جملے بول سکتے ہیں۔ بہرحال آخری فیصلہ یہ ہے کہ آپ جودھ پور پر حملہ آور ہونے والے لشکر کی کمانداری سنبھالیں گے۔ اس میں میری ماتا، میری دیدی گوہر کی ناراضگی نہیں بلکہ خوشنودی شامل ہے۔ اور جودھ پور پر حملہ آور ہوتے ہوئے میرے اور آپ کے رشتے پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ رشتہ منقطع نہیں ہوگا بلکہ مزید پختہ ہوگا اس لئے کہ ہم تینوں ماں بیٹیاں جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ سے ایک طرح کی قطع تعلقی کر چکی ہیں۔ اب بولیں، آپ کیا کہتے ہیں؟''

شہاب الدین مسکرایا، پھر کہنے لگا۔

''اب میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ اگر میں اس لشکر کی کمانداری سنبھالتا ہوں اور تمہارے ساتھ میرا رشتہ بھی برقرار رہتا ہے تو پھر میں اس لشکر کا کماندار بننے سے انکار نہیں کروں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد شہاب الدین رکا، تب پاربتی بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں آپ کی انتہا درجہ کی ممنون اور شکر گزار ہوں کہ آپ میری بات ماننے پر تیار ہو گئے ہیں۔ اب میں سمجھتی ہوں کہ آپ میرے ایک اچھے شوہر ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس موقع پر میں آپ سے ایک اور بات بھی کہنا چاہتی ہوں۔''

Marfat.com

''وہ کون سی؟'' شہاب الدین نے گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ یہ کہ بھائی عباد الدین کہہ رہے تھے کہ جن لوگوں نے ابا علی مردان، آپ کے چچا اور چچی کو قتل کیا تھا اس کے علاوہ بھائی مجتبیٰ خان کو قتل کیا تھا وہ قاتل دہلی سے بھاگ کر جودھ پور کی طرف گئے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں ماتا سے کہہ کر اپنے چند جاننے والوں کے پاس جودھ پور میں پیغام بھجواتی ہوں کہ وہ اس سلسلے میں آپ سے تعاون کریں اور قاتلوں کو تلاش کرنے میں مدد کریں۔''

پاربتی کے خاموش ہونے پر شہاب الدین کہنے لگا۔

''پاربتی! اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں جودھ پور والے لشکر کی کمانداری سنبھالنا چاہتا تھا اس لئے کہ کمانداری کے ساتھ ساتھ وہاں میں بڑی آسانی کے ساتھ قاتلوں سے بھی نمٹ سکتا تھا۔ اس لئے کہ میرے پاس لشکر بھی ہوگا۔ لیکن کمانداری سنبھالنے سے جو میں نے انکار کیا وہ تمہاری وجہ سے کیا۔ اب تم چونکہ رضا مند ہو کہ میں کمانداری سنبھالوں اور اس میں تمہاری ماتا اور گوہر آپا کی خوشنودی بھی ہے لہٰذا اب میں کمانداری سنبھالوں گا اور قاتلوں کو میں وہاں خود ہی تلاش کرلوں گا۔ میں جودھ پور میں ان کے پیچھے ایسے آدمی لگاؤں گا کہ جہاں کہیں بھی انہوں نے پناہ لے رکھی ہوگی، انہیں وہاں سے نکال باہر لائیں گے۔ اب بولو، تم کیا کہتی ہو؟''

شہاب الدین کے ان الفاظ پر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پاربتی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ شہاب الدین کا ہاتھ پکڑا، اسے کھینچ کر اٹھایا پھر کہنے لگی۔

''اب آپ میرے ساتھ دیوان خانے میں چلیں تاکہ سب کے سامنے یہ کہا جائے کہ کسی کو پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ محترم شہاب الدین جودھ پور پر حملہ آور ہونے والے لشکر کی کمانداری کریں گے۔''

شہاب الدین نے ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''اچھا چلو۔''

پاربتی چپ چاپ چل دی۔ دونوں دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ اس موقع پر پاربتی سب کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

Marfat.com

''میں آپ لوگوں کے لئے ایک اچھی خبر لے کر آئی ہوں۔ کسی کو پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شہاب الدین اس لشکر کی کمانداری سنبھالیں گے جس نے جودھ پور پر حملہ آور ہونا ہے۔''

پاربتی کے ان الفاظ پر سب لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس موقع پر گوہر آراء اٹھی، شہاب الدین کو کھینچ کر اس نے اپنے پہلو میں بٹھا لیا پھر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''بھائی! تم میری چھوٹی بہن پاربتی کے منگیتر ہو، اس لئے مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو۔ دیکھو تم نے جودھ پور پر حملہ آور ہونے والے لشکر کی کمانداری سنبھالنے سے کیوں انکار کر دیا تھا؟ اور پاربتی کا رشتہ کوئی کھلونے اور کچے دھاگوں جیسا نہیں ہے جو حملہ آور ہونے سے ٹوٹ جائے گا۔ پھر میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ ہمارے پتا جی سے ہمارے کوئی اچھے تعلقات نہیں ہیں۔ تمہیں پتہ ہو گا کہ میرے پہلے شوہر کے قاتلوں میں وہ بھی شامل ہے۔ اس لحاظ سے میں نے تو جودھ پور سے مکمل طور پر قطع تعلقی کر رکھی ہے۔ جہاں تک ماتا اور پاربتی کا تعلق ہے تو یہ بھی میرے ساتھ ہیں۔ ہم نے اب زندگی آپ لوگوں کے پڑوس اور آپ لوگوں کے اندر گزارنی ہے۔ میرے بھائی! میں تمہاری شکر گزار اور ممنون ہوں کہ تم نے پاربتی کی بات مان لی۔''

اس موقع پر پاربتی بھی شہاب الدین کے پہلو میں بیٹھ گئی تھی۔ اب شہاب الدین، گوہر آراء اور پاربتی کے درمیان تھا۔ گوہر آراء نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔

''شہاب الدین! یہاں رہتے ہوئے ہم نے تمہاری، شرف الدین اور قادر د خان کی موجودگی میں کبھی بھائی کی کمی محسوس نہیں کی۔ میں اس لحاظ سے بھی آپ کے خاندان کی شکر گزار ہوں کہ میرا رشتہ بڑے ابا کے بیٹے عباد الدین کے ساتھ طے ہو چکا ہے۔ یہ ہم دونوں بہنوں کی خوش نصیبی ہے کہ ہمیں ایک ہی حویلی میں اکٹھے رہنے کا موقع ملے گا۔ میرے بھائی! آئندہ کبھی یہ سوچنا بھی مت کہ اس طرح کے معمولی واقعات کی بناء پر پاربتی سے تمہارا رشتہ منقطع ہو سکتا ہے۔ میر بھائی! پاربتی تمہارے لئے ہے اور تمہاری ہی رہے گی۔''

پھر گوہر آراء اپنا منہ شہاب الدین کے کان کے قریب لے گئی، کہنے لگی۔

Marfat.com

''میں یہ کہنا بھی پسند کروں گی کہ پاربتی پیدا ہی شہاب الدین کے لئے ہوئی تھی اور میرے خیال میں یہ کہتے ہوئے بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کروں گی کہ شہاب الدین بھی پاربتی کے لئے پیدا ہوا ہے۔''

یہ الفاظ پاربتی نے بھی سن لئے تھے لہٰذا وہ مسکرا رہی تھی۔ یہ الفاظ سن کر شہاب الدین بھی مسکرا دیا تھا۔ اس موقع پر شہاب الدین اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں محترم عنایت اللہ خان کے پاس جاتا ہوں اور انہیں کہتا ہوں کہ میں اس لشکر کی کمانداری سنبھالنے کے لئے تیار ہوں۔''

گوہر آراء نے فوراً اس کا بازو پکڑ کر پھر اسی نشست پر بٹھا لیا اور کہنے لگی۔

''شہاب الدین، میرے بھائی! آپ نہیں جائیں گے۔ آپ اور قاورد خان دونوں گھر پر ہی رہیں گے۔ یہ کام عباد الدین اور شرف الدین دونوں بھائی جا کر کر آئیں گے۔''

گوہر آراء کے ان الفاظ کے ساتھ ہی عباد الدین اور شرف الدین اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر عباد الدین کہنے لگا۔

''میں اور شرف الدین جاتے ہیں اور محترم عنایت اللہ سے کہتے ہیں کہ شہاب الدین اور قاورد خان دونوں اس لشکر کی کمانداری سنبھالنے کے لئے تیار رہیں۔''

عباد الدین اور شرف الدین دونوں جب دیوان خانے کے دروازے کی طرف جانے لگے تب ایک دم پاربتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی، ان کی راہ روک لی، پھر کہنے لگی۔

''بھائی! میں نے انہیں لشکر کی کمانداری پر آمادہ کرنے کے لئے سخت مشقت کی ہے۔ اس بناء پر کیا میں مٹھائی کی حق دار ہوں؟''

پاربتی کے ان الفاظ پر سب خوشی کا اظہار کرنے لگے تھے۔ پھر شرف الدین آگے بڑھا، پاربتی کے سر کو اس نے بوسہ دیا پھر کہنے لگا۔

''میری بہن! میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تُو نے یہ کام کر دکھایا۔ بے فکر رہ، واپسی پر تیرے لئے مٹھائی ضرور آئے گی۔''

جواب میں مسکراتے ہوئے پاربتی کہنے لگی۔ ''آپ دونوں بھائی جائیں، آپ کے آنے تک ہم کھانا تیار کرتے ہیں۔ سب اکٹھے بیٹھ کر کھاتے ہیں۔''

Marfat.com

پاربتی جب رکی تب اس کی ماتا بشن دیوی بول اٹھی۔ پہلے اس نے عباد الدین اور شرف الدین کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

"میرے بچو! تھوڑی دیر رکو۔"

بشن دیوی کے کہنے پر عباد الدین اور شرف الدین دونوں رک گئے تھے۔ سوالیہ سے انداز میں بشن دیوی کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ اس موقع پر بشن دیوی نے باری باری مہر النساء اور فیروز مرزا کی طرف دیکھا پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"اماں مہر النساء اور بھائی فیروز مرزا اب اس حویلی کے آپ دونوں ہی بڑے ہیں۔ اس موقع پر آپ دونوں سے میری ایک گزارش ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ انکار نہیں کریں گی۔"

بشن دیوی جب رکی تب بڑی محبت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مہر النساء کہنے لگی۔ "بشن دیوی، میری بیٹی! کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ ہم تمہارا کہا ٹالیں گے نہیں۔"

مہر النساء کے ان الفاظ پر بشن دیوی خوش ہو گئی تھی۔ کہنے لگی۔

"اماں! دراصل بات یہ ہے کہ جب سے میں اور گوہر آراء اور پاربتی تینوں ماں بیٹیوں نے ساتھ والی حویلی میں رہائش اختیار کی ہے تب سے ہماری دعوتیں آپ کی حویلی میں ہوتی رہی ہیں۔ محترم امین خان نے دعوتوں کے سلسلے میں کبھی ہمیں جوابی کارروائی کرنے کا موقع ہی فراہم نہیں کیا تھا۔ ان کی شفقت، ان کی محبت ہمارے ساتھ ایسی تھی کہ یہاں کے رشتوں کے علاوہ باقی سب رشتوں کو ہم فراموش ہی کر چکی تھیں۔

بات یہ ہے کہ ویسے تو عباد الدین، شرف الدین، قاورد خان، شہاب الدین سب ہی میرے بیٹے ہیں لیکن شہاب الدین اور قاورد کیونکہ دکن گئے ہوئے تھے وہاں سے یہ دونوں جس روز لوٹے تھے میں اور گوہر آراء اور پاربتی نے ارادہ کیا تھا کہ اس روز ان کی دعوت کریں گے۔ پھر ساتھ ہی حیدر بیگ کے مارے جانے کی بھی بری خبر آئی۔ اس بناء پر میں خاموش رہ گئی تھی۔ آج تقدیس خانم، قرہ خاتون اور بھائی فیروز مرزا کی مہربانی ہے کہ حیدر بیگ کی مرگ کے دکھ کے باوجود انہوں نے مجھے آج آپ سب لوگوں کی دعوت کا اہتمام کرنے کی اجازت دے دی۔ ساتھ ہی ساتھ ہماری بدقسمتی کہ میرے پتی کے برے ارادوں کی خبر بھی آ گئی۔ اور پھر شہاب الدین کے لشکر کی

Marfat.com

کمانداری سے انکار نے بھی ہمیں ہلا کر رکھ دیا۔ اب چونکہ شہاب الدین لشکر کی کمانداری کے لئے تیار ہو چکا ہے، میں چاہتی ہوں کہ ہماری حویلی میں آج دعوت کا اہتمام کیا جائے۔ یہاں تو ہر روز رونق ہوتی ہے۔ میں چاہتی ہوں آج رونق وہیں رہے اور شب بسری بھی سب وہیں کریں۔

اماں! بات یہ ہے کہ دعوت کا سارا سامان وہاں موجود ہے۔ عباد الدین اور شرف الدین دونوں بیٹوں کی مہربانی کہ سارا سامان انہوں نے ہمیں بہم پہنچایا۔ اب آپ کی مہربانی ہو گی کہ آپ ہمیں آج وہاں دعوت کرنے اور سب کو وہیں شب بسری کی اجازت دیں۔"

بشن دیوی جب خاموش ہوئی تب خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مہر النساء کہنے لگی۔

"بشن دیوی! تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے بلکہ اس خوشی میں تو میں سب سے آگے تمہاری حویلی کا رخ کروں گی۔"

پھر مہر النساء نے تقدیس خانم اور قرہ خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"میری بچیو! اٹھ جاؤ۔ بشن دیوی کا کہا ٹالا نہیں جا سکتا۔ آج دعوت کا وہیں اہتمام ہو گا اور شب بسری بھی وہیں ہو گی۔ اٹھ جاؤ۔"

جس وقت مہر النساء کے کہنے پر تقدیس خانم اور قرہ خاتون اٹھ رہی تھیں اس وقت تک اروما، پاربتی اور ماہ الملک پھر اپنی جگہوں پر بیٹھ چکی تھیں۔ اس موقع پر پاربتی نے ہلکی سی کہنی شہاب الدین کے ماری اور کہنے لگی۔

"اب جبکہ سب ہماری حویلی کی طرف جانے لگے ہیں تو آپ یہ بہانہ نہ بنانا کہ آپ یہیں بیٹھیں گے۔ آپ میرے ساتھ وہاں چلے چلیں گے۔"

پاربتی نے یہ الفاظ بڑی رازداری اور سرگوشی میں کہے تھے۔ لیکن ساتھ بیٹھی ہوئی گوہر آراء نے سن لئے تھے۔ وہ بھی شہاب الدین کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگی۔

"بھائی شہاب الدین! پاربتی ٹھیک کہتی ہے۔ آپ ہمارے ساتھ وہاں چلیں گے۔ میرے بھائی! آپ سب کے ہوتے ہوئے وہاں رونق رہے گی۔"

اس موقع پر فیروز مرزا نے عباد الدین اور شرف الدین کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"میرے بچو! تم دونوں عنایت اللہ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ شہاب الدین اور

Marfat.com

قاور دلشکر کی کمانداری کے لئے تیار ہیں اور اس کی اطلاع وہ محمد شاہ کو کر سکتا ہے۔ یہ پیغام دے کر تم گوہر آراء کی حویلی کی طرف آ جانا۔"

اس کے ساتھ ہی عباد الدین اور شرف الدین نکل گئے تھے۔ باقی سب لوگ بھی اٹھے۔ حویلی کے کمروں کو مقفل کیا۔ اس کے بعد سب گوہر آراء کی حویلی کا رخ کر رہے تھے۔

❋ ...... ❋

Marfat.com

●●●

شہاب الدین اور قاوردخان نے ایک لشکر کے ساتھ جودھ پور کا رخ کیا تھا۔ جودھ پور کو میواڑ کی ریاست بھی کہہ کر پکارا جاتا تھا اور یہ راجپوتانہ میں شامل تھی اور ہندوستان کی قدیم ترین ریاستوں میں اس کا شمار کیا جا سکتا تھا۔

اس ریاست کی بنیاد قدیم روایات کے مطابق جن کا تاریخی طور پر کوئی ثبوت نہیں ملتا، قنوج کے راجپوتوں نے سلطان شہاب الدین غوری کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد رکھی تھی۔

جودھ پور شہر کی تاریخ کا آغاز 1459ء سے ہوتا ہے۔ یہاں کے راجہ مال دیو نے شہنشاہ ہمایوں کو پناہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ شیر شاہ سوری اور اکبر کے ہاتھوں اسی راجہ کو شکست فاش اٹھانا پڑی اور وہ ان کا باج گزار بن کر رہا۔

اس وقت سے جودھ پور کے حکمران دہلی کے مغل بادشاہوں سے گہرے تعلقات قائم کرتے رہے۔ یہاں کے حکمرانوں نے اکثر اپنی بیٹیوں کی شادیاں مغلیہ خاندان میں کیں اور خود بھی مغل لشکر میں بھرتی ہوتے رہے۔ مہاراجہ جسونت سنگھ جو ان راجپوتوں میں بڑا مشہور ترین راجہ تھا، مغل شہنشاہوں کے ملازموں میں مشہور تھا اور موجودہ راجہ اجیت سنگھ اسی جسونت سنگھ کا بیٹا تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں جب ان راجپوتوں نے مغلیہ سلطنت کے خلاف بغاوت کھڑی کی اور سرکشی اختیار کر لی تب اورنگ زیب عالمگیر ان کے خلاف حرکت میں آیا۔ راجپوتوں کو وہم ہو گیا تھا کہ وہ اتنی طاقت اور قوت رکھتے ہیں کہ مغل سلطنت کو پسپا کر دیں لیکن مغل سلطنت کا حکمران اس وقت مردِ آہن اورنگ زیب عالمگیر تھا۔ وہ ان راجپوتوں سے ٹکرایا اور جودھ پور کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجا کر

Marfat.com

رکھ دی تھی۔ بعد میں کچھ عرصہ تک یہ راجپوت مغلوں کے ساتھ گوریلا جنگ کرتے رہے لیکن ہر بار انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اب جودھ پور کا راجہ اجیت سنگھ تھا اور اس نے اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کرتے ہوئے ایک بار پھر مغل حکمرانوں کے خلاف علمِ بغاوت کھڑا کر دیا تھا۔ اپنی طاقت اور قوت میں بھی اس نے خوب اضافہ کر لیا تھا اس بناء پر اس نے سرکشی اختیار کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

جن دنوں شہاب الدین اور قاورد خان دونوں اپنے لشکر کو لے کر بڑی برق رفتاری سے جودھ پور کا رخ کئے ہوئے تھے اس وقت جودھ پور کا راجہ اجیت سنگھ اجمیر میں قیام کئے ہوئے تھا۔ اس لئے کہ اس نے اجمیر کو فتح کر کے اس پر قبضہ کر رکھا تھا۔

❋

اجیت سنگھ ایک روز اجمیر شہر کا گشت لگانے کے بعد اپنی لشکر گاہ میں داخل ہوا۔ تب اس کے چند سالار اس کے سامنے آئے۔ ان میں سے ایک اجیت سنگھ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جودھ پور کی طرف سے ہمارا ایک مخبر آیا ہے۔ وہ شاید کوئی انتہائی اہم خبر رکھتا ہے۔ ہم نے اسے آپ کے خیمے میں روکا ہے......''

اس سالار کو رک جانا پڑا اس لئے کہ اجیت سنگھ پریشانی اور فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگر جودھ پور سے کوئی مخبر آیا ہے تو وہ کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آیا ہو گا۔ چلو اس سے پتہ کرتے ہیں اس کے پاس کیا خبر ہے۔'' اس کے ساتھ ہی اجیت سنگھ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے خیمے کی طرف ہو لیا تھا۔ اس کے سالار اس کے پیچھے پیچھے تھے۔

وہ سب شامیانہ نما بڑے خیمے میں داخل ہوئے۔ اجیت سنگھ کو دیکھتے ہی وہ مخبر اٹھ کھڑا ہوا۔ اجیت سنگھ نے آگے بڑھ کر پُرجوش انداز میں اس سے مصافحہ کیا اس لئے کہ وہ مخبر شاید اس کا شناسا تھا۔ سب نشستوں پر بیٹھ گئے۔ آخر اجیت سنگھ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''پہلے یہ بتاؤ اگر تم جودھ پور سے آئے ہو تو جو خبر تم لے کر آئے ہو وہ اچھی ہے یا بری؟''

Marfat.com

اجیت سنگھ کے اس سوال پر وہ قاصد شش و پنج میں پڑ گیا تھا پھر اس نے کوئی فیصلہ کیا اور اجیت سنگھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابھی تو میں یہ فیصلہ تو نہیں کر سکا کہ یہ خبر اچھی ہے یا بری۔ تاہم اسے میں بری خبر ہی کہہ سکتا ہوں اور خبر یہ ہے کہ مغلوں کا ایک لشکر جودھ پور پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑی تیزی سے جودھ پور کا رخ کئے ہوئے ہے۔''

اجیت سنگھ یہ خبر سن کر پریشان اور فکر مند ہو گیا تھا۔ قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اپنی خیمہ گاہ کی طرف آتے ہوئے راستے میں جب میرے سالار مجھے ملے اور تمہارے آنے کی خبر دی تب ہی مجھے دھڑکا لگ گیا تھا کہ جودھ پور سے کوئی بری خبر ہی آئی ہو گی۔ اس کا مطلب ہے محمد شاہ نے مجھ پر حملہ آور ہونے کے لئے لشکر روانہ کر دیا ہے۔ لیکن اس لشکر کو میں جودھ پور میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ جودھ پور سے باہر ہی شکست دے کر مار بھگاؤں گا۔ کیا تم لوگوں نے اس لشکر کے متعلق کچھ تفصیل حاصل کرنے کی کوشش کی ہے؟''

جواب میں قاصد نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ کہنے لگا۔

''یقیناً اس لشکر سے متعلق مکمل تفصیل ہمارے پاس ہے۔''

ان الفاظ پر اجیت سنگھ خوش ہو گیا تھا، کہنے لگا۔ ''پہلے یہ بتاؤ کہ جو لشکر اس وقت میرے پاس اجمیر میں ہے، مغلوں کا آنے والا لشکر اس سے بڑا ہے یا چھوٹا؟''

قاصد مسکرایا اور کہنے لگا۔ ''جودھ پور کی طرف آنے والا مغلوں کا لشکر ہمارے اس لشکر سے بہت چھوٹا ہے۔''

اجیت سنگھ مسکرایا، اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگا۔

''چلو بری خبروں میں سے ایک اچھی خبر یہ بھی نکلی کہ محمد شاہ نے جو لشکر ہماری سرکوبی کے لئے روانہ کیا ہے وہ میرے اس لشکر سے بھی چھوٹا ہے جو اس وقت جودھ پور میں ہے۔ یقیناً وہ محمد شاہ کے حملہ آور کو مار بھگانے کی ہمت رکھتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اجیت سنگھ رکا پھر قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اب تم میرے دوسرے سوال کا جواب دو۔ کیا تم لوگوں نے یہ بھی جاننے کی کوشش کی ہے کہ مغلوں کے آنے والے اس لشکر کی کمانداری کون کر رہا ہے؟ اس لئے کہ ایک اچھا کماندار چھوٹے سے لشکر کے ساتھ اپنے سے کئی گنا زیادہ اور بڑے لشکر کو

Marfat.com

بھی شکست دینے کی ہمت اور جرأت باندھ لیتا ہے۔''

اجیت سنگھ کے اس سوال پر قاصد پھر بولا اور کہنے لگا۔

''مالک! محمد شاہ کے اس لشکر کی کمانداری ایک نوجوان شہاب الدین کر رہا ہے جبکہ اس شہاب الدین کا چچا زاد قاور د خان اس کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔''

یہ خبر سن کر اجیت سنگھ پریشان اور فکر مند ہو گیا تھا۔ کچھ دیر گہری سوچوں میں ڈوبا رہا پھر آنے والے قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم فی الحال آرام کر لو۔ شاید کچھ دیر تک تمہیں میرے چند سالاروں کے ساتھ جودھ پور کا رخ کرنا پڑے۔''

اس کے ساتھ ہی اجیت سنگھ نے اپنے ایک سالار کو حکم دیا کہ وہ مخبر کو ساتھ لے جائے اور اس کے طعام اور قیام کا اہتمام کرے۔ اس پر وہ سالار مخبر کو اپنے ساتھ لے کر نکل گیا تھا۔ اب اجیت سنگھ کے خیمے میں اس کے صرف دو سالار رہ گئے تھے۔ کچھ دیر کی مزید سوچ و بچار کے بعد آخر اجیت سنگھ انتہائی فکرمندی اور پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگر کوئی عام لشکر جودھ پور کا رخ کرتا تو میں اس کے سامنے جا کر پکی ہوئی فصل کی طرح اسے کاٹ کر رکھ دیتا۔ لیکن یہاں میں دیکھتا ہوں کہ میرے لئے مسائل اور الجھنیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اجیت سنگھ جب خاموش ہوا تب ان دو سالاروں میں سے ایک بڑی فکر مندی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ بیٹھا۔

''جو کچھ آپ نے کہا ہے اس کا مطلب ہم سمجھے نہیں۔ جودھ پور پر حملہ آور ہونے کے لئے آنے والا مغلوں کا عام سا لشکر ہے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ جو لشکر لے کر اس وقت ہم اجمیر میں بیٹھے ہیں اسے اجمیر کی حفاظت کے لئے یہیں چھوڑ دیا جائے۔ چند محافظ دستوں کے ساتھ آنے والی شب کی تاریکی میں بڑی برق رفتاری کے ساتھ جودھ پور کا رخ کیا جائے اور جودھ پور شہر سے کہیں دور مغلوں کے آنے والے لشکر کی راہ روک کر اس سے ٹکرایا جائے اور اسے واپس دہلی بھاگ جانے پر مجبور کر دیا جائے۔''

وہ سالار جب خاموش ہوا تب اجیت سنگھ انتہائی دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

Marfat.com

''جو میں دیکھتا ہوں وہ بات تم نہیں جانتے۔ جو الفاظ تم نے ادا کئے ہیں، انہیں ادا کرنا انتہا درجہ کا آسان ہے لیکن ان پر عمل کرنا اس وقت میرے لئے انتہا درجہ کا مشکل ہے۔''

''آپ کن مشکلات کا ذکر کر رہے ہیں؟ ہم تو اپنے سامنے کوئی مشکل نہیں دیکھتے۔ جو لشکر اس وقت ہم لے کر اجمیر میں بیٹھے ہوئے ہیں یہ ہمارے اس لشکر سے کافی چھوٹا ہے جو اس وقت جودھ پور کی حفاظت کے لئے مقیم ہے۔ میرے ساتھی نے جو مشورہ دیا ہے میرے خیال میں اس پر ہم عمل کریں تو مغلوں کے آنے والے لشکر کو ہم جودھ پور سے کئی میل دور بھی شکست دے کر بھاگ جانے پر مجبور کر سکتے ہیں بشرطیکہ آنے والی شب کو ہم چند حفاظتی دستوں کے ساتھ اجمیر سے جودھ پور کا رخ کر جائیں۔'' یہ مشورہ دوسرے سالار نے دیا تھا۔

اپنے اس سالار کے ان الفاظ کا اجیت سنگھ نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھا رہا اور اس کے وہ دونوں سالار بڑے غور اور تفکرات بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ اجیت سنگھ نے آہستہ آہستہ اپنی گردن سیدھی کی، ان دونوں سالاروں کی طرف دیکھا پھر دکھ بھری آواز میں کہنے لگا۔

''میرے لئے مشکل اور الجھن یہ اٹھ کھڑی ہوئی ہے کہ مغلوں کا جو لشکر جودھ پور پر حملہ آور ہونے کے لئے آ رہا ہے۔ اس کا جو سالارِ اعلیٰ اور نائب سالار ہے، دونوں سے ہی میری قرابت داری اور رشتہ داری ہے۔''

اجیت سنگھ کے یہ الفاظ سن کر دونوں سالار چونکے تھے۔ پھر ایک تجسس بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''مغلوں کے لشکر کے سالار شہاب الدین اور قاورد خان سے آپ کی کیا رشتہ داری ہے؟ اگر رشتہ داری ہے بھی تو وہ عام سی اور معمولی نوعیت کی ہو گی۔ واقفیت پر مبنی ہو گی۔ ایسے رشتے، ایسے ناطے، ایسے رابطے تو لڑائیوں کے دوران کچے دھاگوں کی طرح توڑ کر رکھ دیئے جاتے ہیں۔ آپ بھی ایسا ہی کر گزریں۔ آخر ہم نے اس لشکر کو جودھ پور کے نواح سے مار بھگانا تو ہے ہی اور اگر اس جنگ میں مغلوں کے لشکر کے علاوہ ان کا سالار اور نائب سالار بھی......''

Marfat.com

وہ سالار یہاں تک کہنے پایا تھا کہ اجیت سنگھ نے تڑپ کر اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا اور کہنے لگا۔

''بس، اس سے آگے کچھ مت کہنا۔ تمہیں شاید ان دونوں کے ساتھ میرے رشتے کی گہرائی کا علم نہیں ہے۔ سنو، مغلوں کے آنے والے لشکر کا سالارِ اعلیٰ جس کا نام شہاب الدین ہے اس کا رشتہ میری چھوٹی راجکماری پاربتی سے طے ہو چکا ہے اور میری پتنی یہ بھی اطلاع کر چکی ہے کہ پاربتی دیوانگی کی حد تک شہاب الدین کو پسند کرتی ہے۔ مغلوں کے لشکر کا جو نائب سالار ہے اس سے بھی میرا ایک رشتہ ہے۔ میری بڑی بیٹی جو کبھی فرخ سیر کی بیوی تھی، بعد میں جو بیوہ ہو گئی اس کا رشتہ اس قاورد خان کے بڑے بھائی عباد الدین کے ساتھ طے ہو چکا ہے۔ اب تم اندازہ لگا لو کہ آنے والے دونوں سالاروں کا رشتہ ان سے میری بیٹیوں کی وجہ سے ہے۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہو کیا ایسے رشتوں کو یوں لمحوں اور کچے دھاگوں کی طرح منقطع کیا جا سکتا ہے؟''

اجیت سنگھ کے ان الفاظ پر وہ دونوں سالار چونک سے اٹھے تھے۔ پھر ایک سالار معذرت طلب انداز میں اجیت سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہم دونوں کو افسوس ہے کہ ہم آپ کی دل شکنی کا باعث بنے۔ ہمیں ان جذباتی رشتوں کا علم نہیں تھا جو آپ کے شہاب الدین اور قاورد خان سے ہیں۔ لیکن اب آپ ہی بتائیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ اس لشکر کا مقابلہ تو ہر صورت میں کرنا ہو گا۔ ورنہ مغلوں کا وہ لشکر اگر جودھ پور میں مقیم ہمارے لشکر کو شکست دینے کے بعد جودھ پور پر قابض ہو گیا تو ہمارے لشکری بد دل ہو جائیں گے۔ مغلوں کے لشکریوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے اور پھر جودھ پور کا نظم و نسق درست کرنے کے بعد وہ اجمیر کا رخ کریں گے۔ مغلوں کے آنے والے دونوں سالار آپ کے عزیز و اقارب میں سے ہیں۔ اگر یہاں بھی انہوں نے فتح پائی تو آپ کو تو وہ کچھ نہیں کہیں گے لیکن آپ کے لشکریوں اور سالاروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیں گے اور ان کے ساتھ جنگ کے دوران جو گرفتار ہو گیا تو میرے خیال میں اسے تو وہ مار مار کر چمڑی ادھیڑ دیں گے۔ اب بولیں آپ کیا کہتے ہیں؟''

اجیت کچھ دیر خاموش رہ کر سوچتا رہا، اس کے بعد اپنے دونوں سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

Marfat.com

''جن خیالات کا تم اظہار کر رہے ہو وہ اپنی جگہ درست ہیں۔ اب حالات سے نمٹنے کے لئے میرے پاس ایک منصوبہ ہے۔ جو لشکر اس وقت اجمیر میں میرے پاس ہے اس کے ساتھ میں خود اجمیر میں رہوں گا جبکہ تم دونوں یہاں سے چند دستوں کے ساتھ جودھ پور کا رخ کرنا۔ جودھ پور پہنچ کر جو لشکر وہاں ہے، اسے اپنی کمانداری میں لے لینا۔ لشکر کے ساتھ جودھ پور سے نکلنا اور جودھ پور کے نواح میں مغلوں کے حملہ آور لشکر کا مقابلہ کرنا۔ لیکن اس لشکر کے ساتھ مقابلے کے دوران ایک بات کی احتیاط رکھنا۔ مغلوں کے لشکر پر حملہ آور ہوتے ہوئے تم دونوں اپنے لشکریوں کے ساتھ جس کو چاہے قتل کرتے پھرو، جس کی چاہے گردن مارو اور جس کو چاہے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روند دو لیکن لشکر کے سالار شہاب الدین اور نائب سالار قاورد خان کو کسی قسم کا کوئی گزند، کسی قسم کی کوئی ضرب نہیں آنی چاہئے۔ میرے خیال میں جب تم حملہ آور ہو کر ان دونوں کو زخمی نہیں کرو گے اور ان کے لشکریوں کا کام تمام کرتے چلے جاؤ گے تو وہ خود ہی شکست اٹھا کر بھاگ جائیں گے۔ اس طرح جب میں ان کے سامنے آ کر ان کا مقابلہ نہیں کروں گا اور وہ تمہارے ہاتھوں شکست اٹھا کر بھاگ جائیں گے تو بعد میں جب میری پتنی اور بیٹیوں سے میرا سامنا ہوگا اور وہ مجھ پر انکشاف کریں گی کہ اس لشکر کی کمانداری شہاب الدین اور قاورد خان کر رہے تھے تو میں تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے صاف انکار کر دوں گا کہ مجھے تو خبر بھی نہ تھی کہ اس لشکر کی کمانداری شہاب الدین اور قاورد خان کر رہے تھے۔ اور ساتھ ہی میں یہ بھی کہہ دوں گا کہ اس کے علاوہ میں اس لشکر کے سامنے آیا ہی نہیں تھا۔ میرے چند سالاروں نے مقابلہ کر کے ان کو مار بھگایا تھا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اجیت سنگھ رکا پھر اپنے دونوں سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ پھر کہہ رہا تھا۔

''تم دونوں یہ بھی جانتے ہو کہ جودھ پور میں منصور علی اور سلطان علی نے قیام کیا ہوا ہے اور یہ دونوں بادشاہ گروں کے عزیز و رشتہ دار ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں کے ساتھ تین اور اہم اشخاص نے بھی جودھ پور میں قیام کیا ہوا ہے۔ وہ برادو، چندا اور دیو راج ہیں۔ ان تینوں نے تو سابق وزیر اور شہاب الدین اور قاورد خان کے بھائی اور محمد امین خان کے پوتے مجتبیٰ خان کو قتل کیا تھا جبکہ منصور علی اور سلطان علی نے شہاب

Marfat.com

الدین کے باپ، اس کے چچا اور چچی کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ میں ان پانچوں کو جودھ پور میں پناہ تو نہیں دینا چاہتا تھا اس لئے کہ محمد امین خان کے خاندان کے ساتھ میرا رشتہ قائم ہو چکا تھا۔ لیکن ان پانچوں کو پناہ دینے کے لئے مجھے بڑے بادشاہ گر حسن علی نے کہا تھا اور ایسا کرتے وقت اس نے مجھے دھمکی بھی دی تھی۔ اب نہ حسن علی رہا ہے نہ حسین علی۔ بادشاہ گزر جاتے رہے۔ اس موقع پر تم یہ احتیاط رکھنا کہ وہ پانچوں کے پانچوں جودھ پور شہر کے اندر ہی رہیں۔ اگر وہ تم سے یہ التماس کریں کہ وہ لشکر میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو انہیں ہرگز لشکر میں شامل نہ کرنا۔ اس لئے کہ لشکر میں شامل ہو کر وہ ضرور شہاب الدین اور قاورد خان کا خاتمہ کرنے کی کوشش کریں گے اور میں ایسا ہرگز پسند نہیں کروں گا۔ بس یوں سمجھنا کہ شہاب الدین اور قاورد خان کی حفاظت ایک طرح سے میری ذمہ داری ہے اور تم دونوں اس ذمہ داری کو خوب نبھاؤ گے۔ اب اٹھو، باہر چلیں تاکہ میں ان دستوں کو تیار ہونے کا حکم دوں جنہوں نے تمہارے ساتھ جودھ پور کی طرف جانا ہے۔''

وہ دونوں سالار اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے ساتھ راجہ اجیت سنگھ بھی کھڑا ہوا تھا۔ پھر تینوں خیمے سے نکل گئے تھے۔

❋

جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کے وہ دونوں سالار بڑی تیزی اور برق رفتاری سے جودھ پور پہنچے تھے۔ جودھ پور میں جو اجیت سنگھ کا ایک بہت بڑا لشکر تھا اس کی کمانداری ان دونوں نے سنبھال لی۔ پھر لشکر لے کر وہ جودھ پور سے نکلے۔ جودھ پور سے کافی دور وہ شہاب الدین اور قاورد خان کے لشکر کی راہ روک کھڑے ہوئے تھے۔

اس طرح جودھ پور سے چند میل کے فاصلے پر دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے اور عداوتوں کے خمار، سلگتی اذیتوں کے جلتے عذاب اور حادثوں کی آندھیوں کی طرح ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تھے۔

جودھ پور کے نواح میں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے میدانِ جنگ میں قدم قدم پر روگ کھڑے ہونے لگے تھے۔ قدرت کے کڑوے قہر اور گرم سرابوں کے فریب چاروں طرف رقص کناں ہو گئے تھے۔

جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کے ان دونوں سالاروں کو شروع ہی سے یہ امید تھی

Marfat.com

کہ وہ چونکہ مغل لشکر کے مقابلے میں اچھی خاصی عددی فوقیت رکھتے ہیں اس بناء پر وہ مغلوں کے لشکر کو جودھ پور کے نواح میں مار بھگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن جنگ جب طول پکڑنے لگی تب جودھ پور کے لشکری پریشانی کا شکار ہونے لگے تھے۔ اور پھر وقت کی آنکھ نے دیکھا، اچانک شہاب الدین اور قاورد خان نے آہستہ آہستہ جنگ کے دوران بڑی تبدیلیاں پیدا کرنی شروع کر دی تھیں۔ پہلے تو وہ دونوں جم کر اجیت سنگھ کے لشکر کا مقابلہ کرتے رہے۔ کچھ دیر تک انہوں نے اجیت سنگھ کے لشکر پر خوفناک حملے کرتے ہوئے اس کے لشکر کی تعداد بھی کافی حد تک کم کی، اس کے بعد شاید پہلے سے طے شدہ لائحہ عمل کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے لشکر کے کچھ دستے دائیں بائیں پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ اس طرح دشمن کا ایک طرح سے انہوں نے گھیراؤ کرنا شروع کر دیا تھا۔ نیم دائرے کی صورت میں جب یہ گھیراؤ اپنی تکمیل کو پہنچا تو دشمن کا تین اطراف سے قتل عام شروع ہو گیا تھا۔

اب اجیت سنگھ کے دونوں سالاروں کی بدقسمتی، انہوں نے تو بڑی جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ کے شروع ہی میں اپنے لشکر کے سامنے رہنا پسند کیا تھا اس لئے کہ انہیں امید تھی کہ وہ اپنے سے بہت کم تعداد رکھنے والے دشمن کو بہت جلد مار بھگائیں گے۔ لیکن اب تو چاروں طرف سے ان کا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ اور پھر جب سامنے کے علاوہ دونوں پہلوؤں سے بھی ان کے لشکر کی صفوں کی تعداد بڑی تیزی سے کم ہونا شروع ہو گئی تو ان کے لشکری آگے بڑھ کر مغلوں کے لشکریوں کی جوابی کارروائی کا جواب دینے کی بجائے پیچھے ہٹ کر اپنی جانیں بچانے کو ترجیح دینے لگے تھے۔

اس صورتِ حال نے اجیت سنگھ کے لشکر کے اندر ایک بدنظمی اور افراتفری کا عالم برپا کر دیا تھا۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے شہاب الدین، قاورد خان اور ان کے دوسرے سالاروں نے اپنے حملوں میں مزید تیزی اور شدت پیدا کر دی تھی اور اس شدت نے راجہ اجیت سنگھ کے لشکر کو پوری طرح جڑوں سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے لشکر کو بدترین شکست ہوئی۔ اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بہت کم اپنی جانیں بچا کر جودھ پور کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔ ایک خاصی بڑی تعداد کو گرفتار کر لیا گیا۔ اجیت سنگھ کے ان دونوں سالاروں کی بدقسمتی کہ گرفتار ہونے والوں

Marfat.com

میں وہ دونوں بھی شامل تھے۔

شہاب الدین اور قاوردخان دونوں کو اطلاع دے دی گئی کہ اجیت سنگھ کے لشکر کے جو دو سالار تھے وہ گرفتار ہو چکے ہیں۔ تاہم انہوں نے پہلے انہیں کوئی اہمیت نہ دی۔ جنگ کے فوراً بعد پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ جنگ میں کام آنے والوں کی تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا، زخمیوں کی دیکھ بھال کی گئی۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہوئے تب دونوں اپنے کچھ سالاروں کے ساتھ ایک جگہ بیٹھ گئے اور اجیت سنگھ کے ان دونوں سالاروں کو لانے کا حکم دیا۔

جب دونوں سالار شہاب الدین اور قاوردخان کے سامنے لائے گئے تو دونوں نے انہیں اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے کہا۔ دونوں سہمے سہمے، ڈرے ڈرے تھے۔ بہرحال بے پناہ خوف کا اظہار کرتے ہوئے وہ ان دونوں کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔

کچھ دیر خاموشی رہی اس لئے کہ شہاب الدین اور قاوردخان دونوں بڑے غور سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ شہاب الدین نے ان دونوں کو مخاطب کیا۔

''پہلے یہ بتاؤ تمہارا اجیت سنگھ اس وقت کہاں ہے؟ کیا وہ تمہارے لشکر میں تھا اور بچ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے؟''

شہاب الدین کے اس سوال کے جواب میں ان سالاروں میں سے ایک کہنے لگا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ اس لشکر کی کمانداری میں اور میرا یہ ساتھی کر رہے تھے۔ اجیت سنگھ بذاتِ خود اس لشکر میں شامل نہیں تھا۔ وہ تو ان دنوں اجمیر میں قیام کئے ہوئے ہے۔ ہم بھی اس کے ساتھ اسی لشکر میں قیام کئے ہوئے تھے۔ وہیں اس کے طلایہ گروں نے خبر دی کہ مغلوں کا ایک لشکر جودھ پور پر حملہ آور ہونے کے لئے کوچ کر رہا ہے۔ لہٰذا اس نے ہم دونوں کو اس لشکر کی کمانداری کرنے کے لئے روانہ کیا جو جودھ پور میں تھا تاکہ اس لشکر کے ذریعے ہم آپ کا مقابلہ کریں۔ ہم نے اجیت سنگھ کے احکامات کی پیروی کی، جودھ پور سے باہر آپ کا مقابلہ کیا۔ آگے ہماری بدقسمتی کہ اس ٹکراؤ کے دوران آپ لوگ فاتح رہے۔ شکست ہمارا مقدر بنی۔''

وہ سالار جب خاموش ہوا تب شہاب الدین نے پھر اسے مخاطب کیا۔

''مغل حکومت سے بغاوت تم دونوں نے نہیں اجیت سنگھ نے کی تھی۔ اجمیر کے اندر مسجدیں تم دونوں نے نہیں اجیت سنگھ نے گرائی تھیں۔ لوگوں پر مظالم بھی اس نے

Marfat.com

کئے تھے۔ اس کے علاوہ اپنی ریاست کی حدود میں اسی نے گائے کی قربانی سے مسلمانوں کو سختی سے منع کر دیا تھا اور پھر حد یہ کہ اس نے سخت احکامات جاری کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے مسجدوں میں نماز ادا کرنے پر بھی پابندی لگا دی تھی۔ مسلمانوں کے خلاف یہ احکامات جاری کرنے کے بعد اجیت سنگھ کو خود ہمارے مقابل آنا چاہئے تھا۔ مقابلہ کر کے ثابت کرتا کہ جو احکامات اس نے جاری کئے ہیں وہ احکامات جاری کرنے اور ان پر عمل کرانے کی وہ جرأت اور ہمت رکھتا ہے۔ اب اگر وہ اجمیر میں بیٹھا ہوا ہے اور وہاں بیٹھ کر خیال کرتا ہے کہ وہ وہاں محفوظ ہے تو یہ اس کی غلط فہمی، اس کی کم عقلی ہے۔ اس کا کیا خیال ہے کہ ایک بار مقابلہ کرنے کے بعد ہم جودھ پور کے نواح ہی سے واپس دہلی بھاگ جائیں گے۔ ہم تمہاری ریاست کے بڑے لشکر کی کمر توڑ چکے ہیں تمہارا کوئی لشکر اب ہمیں جودھ پور میں داخل ہونے سے روک نہیں سکتا۔ ہماری طرف سے تم دونوں کو اجازت ہے کہ اپنا کوئی لشکری، اپنا کوئی مخبر اجمیر کی طرف روانہ کر سکتے ہو اور راجہ اجیت سنگھ کو یہ پیغام بھجوا دو کہ جودھ پور جو اس کی ریاست کا مرکزی شہر ہے اب ہمارے سامنے ہے۔ ہم اس پر قابض ہوں گے۔ اگر وہ جودھ پور کی حفاظت کر سکتا ہے تو کرے اور جودھ پور پر اپنی گرفت کرنے کے بعد ہم اجمیر کا رخ کریں گے اور پھر دیکھیں گے اجمیر میں اجیت سنگھ اپنے آپ کو کیسے محفوظ رکھتا ہے اور جو انتہا درجہ کے نامعقول احکامات اس نے جاری کئے ہیں ان پر وہ کیسے عمل کرانے میں کامیاب ہوتا ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد شہاب الدین رکا، کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

"اجیت سنگھ سے متعلق جو کچھ میں نے تم دونوں سے کہنا تھا کہہ چکا۔ اب اگر میں مزید کچھ کہنا چاہوں گا تو براہِ راست اجیت سنگھ سے ہی کہوں گا۔ اور مجھے امید ہے کہ بہت جلد جب ہمارا اور اس کا سامنا ہو گا تو ہم اس سے اس کے احکامات سے متعلق باز پرس ضرور کریں گے۔ فی الوقت میں تم دونوں سے ایک اور سوال کرنے لگا ہوں اگر تم دونوں نے میرے اس سوال کا جواب نہ دیا تب بھی تم دونوں موت کے گھاٹ اتار دیئے جاؤ گے اور اگر تم دونوں نے میرے اس سوال کا غلط جواب دے کر مجھے ٹالنے اور اس سوال کے اندر جو اشخاص ہوں گے انہیں محفوظ کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا تب بھی میں تم دونوں کی گردنیں کاٹ دوں گا۔ پہلے یہ بات اپنے ذہن میں بٹھا لو، اس

Marfat.com

کے بعد سوچ سمجھ کر میری بات کا جواب دینا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد شہاب الدین تھوڑی دیر خاموش رہا، ان کی طرف بڑے غور سے دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

"میرا سوال یہ ہے کہ دو آدمی جن کے نام منصور علی اور سلطان علی ہیں انہوں نے میرے باپ علی مردان، میرے چچا اور میری چچی کو دریائے چناب کے کنارے قتل کیا تھا۔ ان دو کے علاوہ تین ہندو تھے، ایک کا نام برادو، دوسرے کا نام چندر، تیسرے کا نام دیوراج ہے۔ ان تینوں نے مل کر ہمارے ایک بھائی مجتبیٰ خان کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ یہ پانچ افراد پہلے دکن جا کر پناہ لینے میں کامیاب ہوئے تھے۔ پھر دکن سے بھاگ کر دہلی میں داخل ہوئے۔ پھر ہمیں پتہ چلا کہ دہلی سے وہ جودھ پور کی طرف بھاگ آئے ہیں۔

جودھ پور کی طرف وہ اس لئے آئے تھے کہ ان دنوں دونوں بادشاہ گر زندہ تھے اور ان بادشاہ گروں کے ساتھ اجیت سنگھ کے بڑے گہرے اور ذاتی قسم کے مراسم تھے۔ اسی بناء پر بادشاہ گروں نے ان پانچوں قاتلوں کو دہلی سے جودھ پور کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ اب میرا سوال تم دونوں سے یہ ہے کہ پہلے یہ بتاؤ کہ وہ پانچوں افراد اس وقت جودھ پور میں کہاں قیام کئے ہوئے ہیں؟"

شہاب الدین کے اس سوال پر وہ دونوں بوکھلا سے گئے تھے۔ دونوں کے چہروں پر پیلاہٹ آ گئی تھی اور ایک دوسرے کی طرف عجیب سے انداز میں دیکھنے لگے تھے۔ ان کی اس حالت کو دیکھتے ہوئے شہاب الدین اور قاور دخان مسکرا رہے تھے۔ شاید انہوں نے جان لیا تھا کہ ان پانچوں کے ٹھکانے کا انہیں علم ہے اسی بناء پر ان کے چہروں پر بوکھلاہٹ بکھر گئی ہے۔

پھر ان میں سے ایک شہاب الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیا ہمیں صرف لمحہ بھر کے لئے آپس میں مشورہ کرنے کا موقع دیں گے؟ ہم ایک دوسرے کے کان میں گفتگو کرنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔"

شہاب کہنے لگا۔ "ہاں، تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے۔"

اس پر وہ دونوں تھوڑی دیر تک ایک دوسرے سے بڑی رازدارانہ گفتگو کرتے رہے۔ شاید وہ کسی نتیجے پر پہنچ گئے تھے۔ اس لئے کہ ان کے چہروں پر اب کسی قدر

Marfat.com

اطمینان تھا۔ پھر ایک سالار شہاب الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''آپ پہلے ہمیں یہ بتائیں کہ آپ میں سے شہاب الدین کون ہے اور قاورد خان کون ہے؟''

شہاب الدین خوش کن لہجے میں کہنے لگا۔

''میں شہاب الدین ہوں۔ میرے ساتھ میرا بھائی قاورد خان ہے۔''

اس پر وہ سالار پھر بول اٹھا۔

''میں آپ دونوں سے پہلی بات یہ کہوں کہ اجیت سنگھ آپ دونوں کے مقابلے پر اس لئے نہیں آیا کہ اس نے ہم پر انکشاف کیا تھا کہ اس کا آپ لوگوں کے ساتھ ایک رشتہ ہے اور جنگ میں آپ کے سامنے آ کر وہ اس رشتے کو منقطع نہیں کرنا چاہتا۔ اس بناء پر خود آنے کی بجائے اس نے ہم دونوں کو لشکر کی کمانداری کرنے کے لئے بھیج دیا جبکہ خود اس نے اجمیر ہی میں قیام رکھا۔

اب آپ نے سوال یہ کیا ہے کہ پانچ قاتل دہلی سے بھاگ کر جودھ پور میں آئے تھے، میں اور میرا ساتھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ پانچ قاتل واقعی دہلی سے بھاگ کر جودھ پور میں آئے تھے اور ہمیں یہ بھی خبر ہے کہ جودھ پور میں ان کا کہاں قیام ہے اور ان کی حفاظت کا بھی خاطر خواہ سامان کیا ہوا ہے۔ اب ہم ایک شرط پر ان پانچوں کو آپ کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ آپ ہم دونوں کی جان بخشی کر دیں۔''

اس سالار کے ان الفاظ کے جواب میں بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لمحہ بھر کے لئے شہاب الدین اور قاورد خان نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، نگاہوں نگاہوں میں دونوں بھائیوں نے کوئی فیصلہ کیا، پھر شہاب الدین کہنے لگا۔

''ہمیں تمہارا یہ فیصلہ منظور ہے۔ پر ایک بات یاد رکھنا، ہمارے ساتھ یہ وعدہ کرنے کے بعد اگر تم دونوں نے کسی طریقے سے انہیں بھگانے کی کوشش کی تو ہم تم دونوں کو ایسی اذیت ناک موت ماریں گے کہ اس سے پہلے کبھی تم دونوں نے وہ اذیت ناکی سنی نہ ہوگی۔ اس موقع پر میں یہ فیصلہ کر رہا ہوں کہ تم دونوں میں سے ایک یہاں میرے پاس رہے گا، دوسرا ہمارے چند دستوں کے ساتھ شہر میں داخل ہوگا اور ان پانچوں کو پکڑ کر میرے پاس لایا جائے گا۔ اگر تم شہر میں داخل ہونے کے بعد میرے مسلح دستوں

Marfat.com

کے ساتھ غداری کرو گے، ان پر اپنے بچے کھچے لشکریوں کے ذریعے حملہ کر کے ان کے لئے خطرے کا باعث بنو گے تو یاد رکھنا یہ جو ابھی تک ہمارے پاس تمہارے ان گنت قیدی اور تمہارا یہ ساتھی جو ہمارے پاس ہو گا ان سب کو ہم موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد جودھ پور شہر پر حملہ آور ہوں گے۔ نہ صرف شہر کی اینٹ سے اینٹ بجائیں گے بلکہ شہر کی پوری آبادی کو بھی ایک کرب خیز عذاب سے گزرنا ہو گا۔ اس بناء پر میں تمہیں پہلے ہی کہے دیتا ہوں، بد دیانتی، عہد شکنی سے کام نہ لینا۔ اب تم میں سے ایک جو چاہے جودھ پور جانے کے لئے تیار ہو جائے۔ میں اپنے کچھ مسلح دستوں کو اس کے ساتھ بھجواتا ہوں۔''

جواب میں ان دونوں نے صلاح مشورہ کیا پھر ان میں سے ایک جانے پر رضامند ہوا تھا۔ قاورد خان نے اس کے ساتھ چند دستے روانہ کئے۔ اس طرح وہ سالار جودھ پور کی طرف ہو لیا تھا۔

اجیت سنگھ کے اس سالار کو شہاب الدین نے کیونکہ سخت دھمکی دی تھی لہٰذا اس نے عہد شکنی نہیں کی۔ جو مسلح دستے قاورد خان نے اس کے ساتھ بھیجے تھے انہی کی نگرانی میں وہ منصور علی، سلطان علی کے علاوہ مجتبیٰ خان کے تینوں قاتلوں برادو، چندر اور دیو راج کو بھی لے آیا تھا۔

اس کی اس کارگزاری سے شہاب الدین اور قاورد خان خوش ہوئے تھے۔ ان پانچوں کو لا کر جب شہاب الدین اور قاورد خان کے سامنے لا کھڑا کیا گیا تب وہ پانچوں ان دونوں کو دیکھ کر ہلدی ہو کر رہ گئے تھے۔ چہرے پر وحشت بکھر گئی تھی۔ آنکھوں میں خوف رقص کرنے لگا تھا۔ شہاب الدین اور قاورد خان دونوں تھوڑی دیر تک ان کی اس کیفیت کو دیکھتے ہوئے لطف اندوز ہوتے رہے پھر منصور علی اور سلطان علی کی طرف دیکھتے ہوئے شہاب الدین کہنے لگا۔

''میرا نام شہاب الدین ہے۔ تم لوگوں نے مجھے پہچان لیا ہو گا۔ میرے ساتھ میرا بھائی قاورد خان ہے۔ اگر تم دونوں نے مجھے نہیں پہچانا تو میں تم دونوں کو تھوڑا سا اشارہ دے دیتا ہوں۔ ذرا اپنے ذہن پر زور ڈالو اور دریائے چناب کا خونی کنارہ یاد کرو۔ میں اس علی مردان کا بیٹا ہوں جسے تم دونوں اور تمہارے بھیڑیا نما ساتھیوں نے حملہ آور ہو کر اسے اس کے بھائی اور بھاوج کے ساتھ قتل کر دیا تھا اور اس ٹکراؤ کے دوران میں

Marfat.com

موجود تھا۔ تم دونوں کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔
ظالمو! قتل کرنے کے بعد تم دکن کی طرف کیوں بھاگ گئے تھے؟ دہلی کا رخ کرتے، ہمارے ساتھ مقابلہ کرتے۔ مگر لومڑی کا کردار ادا کرنے کے لئے دکن سے دہلی کی طرف بھاگ آئے۔ وہاں بھی ذہنی اور قلبی سکون حاصل نہ ہوا تو اجیت سنگھ کے شہر جودھ پور میں پناہ لی۔ یاد رکھنا، انسان کہیں بھی چلا جائے، آسمان کی بلندیوں کو ناپ لے، کہکشاں میں اتر جائے، زمین کی تہہ میں چلا جائے، جب قضا اس کے تعاقب میں لگ جاتی ہے تو پھر وہ بچ نہیں پاتا۔ ہم بھی قضا بن کر تمہارے پیچھے لگ گئے تھے اور دیکھو آج تمہیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"
یہاں تک کہنے کے بعد شہاب الدین رکا پھر اپنی بات آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔ "تمہارے دونوں پشت بان بڑا بادشاہ گر اور چھوٹا بادشاہ گر اپنے انجامِ بد کو پہنچ چکے ہیں۔ تم دونوں کے بھائی صفدر علی اور عالم علی دونوں ہی اعمالِ بد کی وجہ سے عدم کو سدھار چکے ہیں۔ اگر تم دونوں نے کسی کا قتل نہ کیا ہوتا، ویسے ہی مار پیٹ کی ہوتی تو میں یقیناً تم دونوں کو معاف کر دیتا۔ لیکن تم تو قاتل ہو اور تم دونوں کے قتل کا میں خود عینی شاہد بھی ہوں۔ دونوں تھوڑی دیر رکو۔ تمہاری سزا تجویز ہو چکی ہے۔ جلد ہی اس پر عمل درآمد بھی ہوتا ہے۔"
اس کے بعد برادو، چندر اور دیو راج ان تینوں کو ان دونوں کے سامنے لایا گیا۔ اس بار کھا جانے والے انداز میں ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے قاور د خان بول اٹھا تھا۔
"تم تینوں مجتبیٰ خان کے قاتل ہو اور میں مجتبیٰ خان کا چھوٹا بھائی قاورد خان ہوں۔ تم نے بڑی رازداری سے اور خفیہ انداز میں میرے بھائی کو حویلی سے باہر بلایا اور پھر اس کا خاتمہ کر دیا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور دیکھو، آج موت تم تینوں کے سروں پر سوار ہونے کے لئے تیار کھڑی ہے۔"
اس موقع پر شہاب الدین نے تھوڑی دیر کے لئے قاورد خان کے کان میں کھسر پھسر کی، جسے سن کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دوسرے سالاروں کو اس نے اپنے پاس بلایا۔ دو گھوڑوں کو تیار کیا گیا۔ ان دونوں گھوڑوں کے اوپر سوار بیٹھ گئے۔ گھویوں کی زینوں کے ساتھ رسے باندھ دیئے گئے تھے۔ ایک گھوڑے کے ساتھ دو رسے تھے،

Marfat.com

دوسرے کے ساتھ تین۔ جس گھوڑے کی زین کے ساتھ دور سے بندھے ہوئے تھے ان رسوں کے ساتھ منصور علی اور سلطان علی کو باندھ دیا گیا۔ باقی گھوڑے کے تین رسوں میں برادو، چندر اور دیوراج کو جکڑ دیا گیا۔ جب ایسا ہو چکا تب شہاب الدین نے گھوڑ سواروں کو مخصوص اشارہ کیا۔ یہ اشارہ ملنا تھا کہ ان گھوڑ سواروں نے اپنے گھوڑوں کو مہمیز لگاتے ہوئے انہیں کھلے میدانوں کے اندر سرپٹ دوڑانا شروع کر دیا تھا۔

گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ سوار انہیں مہمیز پر مہمیز لگاتے ہوئے ایک طرح سے گول چکر میں دوڑاتے جا رہے تھے اور ان پانچوں کی چیخیں ماحول کے اندر کرب خیزی پیدا کرتی جا رہی تھیں۔

جب ان پانچوں کی چیخ و پکار بند ہو گئی تب گھوڑوں کو روک دیا گیا۔ ان کا جائزہ لیا گیا تو وہ مر چکے تھے۔ پانچوں کی لاشوں کو رسوں سے علیحدہ کر کے چیل کوؤں کی خوراک بننے کے لئے پڑاؤ سے ذرا دور پھینک دیا گیا تھا۔

شہاب الدین اور قاورد خان نے اپنے لشکر کے ساتھ دو دن تک اس جگہ قیام کئے رکھا جہاں ان کی اجیت سنگھ کے لشکر کے ساتھ جنگ ہوئی تھی۔ اس دوران انقلاب برپا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ اس طرح کہ اجیت سنگھ جس نے اجمیر میں قیام کیا ہوا تھا اسے خبر مل گئی تھی کہ دکن سے خود نظام الملک بھی ایک بہت بڑا لشکر لے کر جودھ پور اور اجمیر کا رخ کر رہا ہے۔ ان لئے کہ اسے اجیت سنگھ کی سرکشی اور بغاوت کی خبر ہو چکی ہے۔ یہ خبر سن کر اجیت سنگھ کے پاؤں تلے سے زمین سرک کے رہ گئی تھی۔ بڑی سرعت کے ساتھ اس نے ان مسجدوں کو دوبارہ تعمیر کرانا شروع کر دیا تھا جو اس نے گرائی تھیں۔ اسی وقت اس نے حکم جاری کر دیا کہ مسلمان اپنی مسجدوں میں حسب سابق آزادی کے ساتھ نماز ادا کر سکتے ہیں اور ساتھ ہی جب اور جس وقت چاہیں گائے کو بھی ذبح کر سکتے ہیں۔

اس دوران اجیت سنگھ کو یہ بری خبر ملی کہ اس نے اپنے جن دو سالاروں کو شہاب الدین اور قاورد خان کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا تھا ان دونوں کو شکست ہوئی ہے۔ اس کے لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ بڑے بادشاہ گر نے جن پانچ قاتلوں کو اس کے پاس پناہ لینے کے لئے بھیجا تھا ان کا خاتمہ کر دیا گیا۔

✽

Marfat.com

جب نظام الملک اپنے لشکر کے ساتھ دہلی پہنچ گیا تو دہلی شہر کا سماں بھی کچھ اور ہو گیا تھا۔ شہر کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ خود مغل شہنشاہ محمد شاہ، اس کا وزیر عنایت اللہ خان کاشمیری، دوسرے عمائدینِ سلطنت کے علاوہ محمد امین خان کے سارے کنبے نے ایک طرح سے پُر جوش انداز میں نظام الملک کا استقبال کیا تھا۔

نظام الملک کے دہلی میں آتے ہی شہر کے اندر ایک طرح کا سکون اور امن قائم ہو گیا تھا اور محمد شاہ نے نظام الملک کو اپنی مملکت کا وزیر مقرر کر دیا تھا۔

❋ ...... ❋

Marfat.com

●●●

ادھر ایران میں بھی نادر قلی کی وجہ سے بڑی تیزی کے ساتھ تبدیلی اور انقلاب برپا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ دراصل جب ملک کے حالات ابتر ہوں تو کسی نہ کسی شخص کے لئے ترقی کے راستے آسان ہو ہی جاتے ہیں۔ ایسا ہی ایک بہانہ نادر قلی کا بھی بن گیا۔ ان دنوں ازبک، ایران کے مختلف علاقوں پر حملہ آور ہو رہے تھے لہٰذا محمود سیستانی نے جو ملحقہ علاقوں کا حاکم تھا، نادر قلی خان کو ازبکوں کی اس مہم کو سر کرنے کے لئے بھیجا۔

نادر قلی لشکر لے کر روانہ ہوا۔ اس نے بڑی شجاعت کا ثبوت دیتے ہوئے ازبکوں کو واقعی اپنی سرزمینوں سے نکال باہر کیا۔ محمود سیستانی اس کی اس کامیابی پر خوش تو بہت ہوا لیکن جب اس کارگزاری کے صلے میں نادر قلی اس کے دربار میں حاضر ہوا اور اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ محمود سیستانی اسے اس کارگزاری کے صلے میں خراسان کا نائب سلطنت بنا دے تب محمود اس کی اس خواہش پر سخت برہم اور غضب ناک ہوا اور اسے زدوکوب کرتے ہوئے اس کے اپنے علاقوں سے بھی نکال باہر کیا۔

اقتدار چھننے کے بعد نادر قلی اب اِدھر اُدھر مارا مارا پھرنے اور آوارہ گردی کرنے لگا۔ برگشتہ نصیب نے آخر اسے راہزن بنا دیا۔

آنے جانے والوں کو لوٹنا اور کارروانوں پر ڈاکے ڈالنا اس کا مشغلہ بن گیا اور راہزنی کی بدولت جب کچھ دولت اس کے پاس جمع ہو گئی تو اس نے اپنے ساتھیوں میں اضافہ کرنا شروع کر دیا۔ رقم خرچ کرتے ہوئے اپنی طاقت میں اضافہ کرنے لگا۔ یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے اس کے ساتھیوں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی۔

نادر نے جب دیکھا کہ اب اس کی طاقت تو اچھی ہو گئی ہے لہٰذا اس نے خراسان کے مختلف علاقوں سے زبردستی محصول وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایسا کرنے سے نہ

Marfat.com

صرف اس کی دولت میں خوب اضافہ ہوا بلکہ اس کے ساتھیوں کی تعداد بھی بڑھتی چلی گئی تھی۔ ان حالات میں اس نے فیصلہ کیا کہ کسی مضبوط اور مستحکم قلعے کو فتح کر کے اسے اپنا مسکن بنایا جائے اور وہیں سے نکل کر مزید علاقوں پر قبضہ کیا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کی نگاہ ایک ایسے قلعے پر پڑی جس کا نام قلات تھا۔ بہرحال نادر قلی قلات نام کے اس قلعے پر حملہ آور ہوا۔ بڑی آسانی سے اسے فتح کر لیا اور یہ قلعہ نادر قلی کے نام سے قلاتِ نادری کہلانے لگا۔

وہ قلعہ فتح کرنے کے بعد نادر قلی نے اب اس قلعے کے اندر دولت جمع کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی طاقت میں بھی اضافہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اب وہ محض ڈاکو سردار ہی نہ رہا تھا بلکہ اس کی حیثیت ایک حکمران کی سی ہو گئی تھی اور خراسان کے اطراف میں اس کی حکومت کا چرچا بھی ہونے لگا تھا۔

قلات کو فتح کرتے ہی اس نے جب دیکھا کہ اس کی طاقت اب خوب بڑھ گئی ہے چنانچہ اس نے نیشا پور شہر پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ نیشا پور شہر ان دنوں محمود سیستانی کی ملکیت میں تھا۔ نادر قلی بڑی برق رفتاری سے اپنے لشکر کے ساتھ نیشا پور کی طرف بڑھا۔ محمود سیستانی نے نیشا پور شہر کی حفاظت کے لئے وہاں جو لشکر متعین کیا ہوا تھا، نادر قلی اس پر حملہ آور ہوا۔ سب کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور فاتح کی حیثیت سے نیشا پور میں داخل ہو گیا۔

نیشا پور فتح کرنے کے بعد نادر قلی نے بڑی دانش مندی سے کام لیتے ہوئے ایک سیاسی قدم اٹھایا۔

دراصل ان دنوں ایران کے سابق بادشاہ سلطان حسین کا بیٹا طہماسپ زندہ تھا اور اس نے مازندان میں قیام کر رکھا تھا۔ وہ بادشاہ کہلاتا تھا اور اس نے اپنا دربار بھی لگا رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اسے قاچار قبیلے کے سردار فتح علی کی حمایت بھی حاصل تھی۔ ساتھ ہی طہماسپ کے پاس اس وقت تین ہزار کا ایک لشکر بھی موجود تھا۔

نادر قلی نے اس موقع پر یہ سوچا کہ اگر وہ اکیلا ہی اس قسم کی مہم جوئی کرتا رہا تو وہ خاص ترقی نہیں کر سکے گا اس لئے کہ وہ کتنی بھی فتوحات کر لے، لوگوں کی توجہ زیادہ تر ایران کے سابق بادشاہ سلطان حسین کے بیٹے طہماسپ کی طرف رہے گی۔ اس لئے کہ وہ صفوی خاندان کا فرزند تھا اور صفوی خاندان کی ایران میں بڑی قدر و قیمت تھی۔

Marfat.com

اس بناء پر نیشا پور کو فتح کرنے کے بعد نادر قلی نے وہاں طہماسپ صفوی کے نام پر حکومت قائم کی اور اس نے طہماسپ صفوی کی ملازمت اختیار کرنے کا بھی اعلان کر دیا۔

پھر چند ہی دن کا وقفہ ڈال کر اپنے لشکر کے ساتھ وہ حرکت میں آیا۔ اب اس کے پاس پانچ ہزار کا ایک لشکر تھا۔ اس لشکر کے ساتھ وہ فرخ آباد پہنچا۔ یہ مازندان کا علاقہ تھا جہاں طہماسپ صفوی نے قیام کیا ہوا تھا۔ نادر قلی اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور ارادہ ظاہر کیا کہ اب ہمیں مزید پیش قدمی کرنی چاہئے اور پورے ایران پر قبضہ کر لینا چاہئے۔

طہماسپ نے اس سے اتفاق کیا۔ اب پانچ ہزار کا لشکر نادر قلی کے پاس تھا، تین ہزار طہماسپ کے پاس۔ دونوں کے لشکر کی تعداد آٹھ ہزار ہو گئی تھی۔

نادر قلی ایک انتقامی انسان بھی تھا۔ اس نے طہماسپ صفوی کی ملازمت تو اختیار کر لی تھی لیکن طہماسپ زیادہ تر اعتماد قاچار قبیلے کے سردار فتح علی خان پر کرتا تھا لہٰذا فتح علی خان نادر قلی کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا۔ اس موقع پر نادر قلی نے طہماسپ کو مشورہ دیا کہ اب مازندان سے نکل کر خراسان کا رخ کرنا چاہئے اور پورے خراسان پر قبضہ کرنے کے بعد دوسرے علاقوں کا رخ کرنا چاہئے۔ طہماسپ نے اس سے اتفاق کیا لہٰذا خراسان کی طرف بروانہ ہوئے۔ قاچار قبیلے کا سردار فتح علی خان بھی ان کے ساتھ تھا۔

آٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ طہماسپ صفوی، نادر قلی اور فتح علی خان نے خراسان کا رخ کیا۔ فتح علی خان کو چونکہ نادر قلی ناپسند کرتا تھا اس لئے کہ طہماسپ صفوی ایک طرح سے اسے اپنا نائب خیال کرتا تھا۔ اس بناء پر رقابت کے جذبے میں ڈوب کر نادر قلی نے راستے میں فتح علی خان کو ٹھکانے لگا دیا اور اس طرح اپنا راستہ اس نے صاف کر لیا تھا۔

طہماسپ نے نادر قلی کے اس فعل کو دل پر پتھر رکھ کر گوارہ کر لیا اور اسے اپنے لشکر کا سپہ سالارِ اعلیٰ مقرر کر دیا تھا۔

یہ کامیابی حاصل کرنے کے بعد نادر قلی نے اب طہماسپ کے ساتھ مشہد کا رخ کیا۔ آٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ نادر قلی مشہد پر حملہ آور ہوا۔ مشہد بھی محمود سیستانی کا تھا

Marfat.com

اور محمود سیستانی نے ان دنوں مشہد ہی میں قیام کیا ہوا تھا۔ محمود سیستانی نے نادر قلی کا مقابلہ کیا لیکن محمود سیستانی کی بدقسمتی کہ نادر قلی کے مقابلے میں اسے شکست اٹھانا پڑی۔ نادر قلی فاتح رہا۔ محمود سیستانی گرفتار ہوا اور نادر قلی نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آخر مشہد پر بھی نادر قلی نے قبضہ کر لیا۔ اس طرح نادر قلی کو بتدریج اختیار و اقتدار حاصل ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ان دنوں جو علاقے محمود سیستانی کے ماتحت تھے ان پر نادر قلی نے قبضہ کر لیا۔ ان علاقوں پر طہماسپ صفوی نے اپنے بھروسے کے ایک شخص کو حاکم مقرر کیا اور اپنی بھانجی اس کے بیٹے رضا قلی کے عقد میں دے دی تھی۔

نادر قلی نے چند روز تک دامغان میں قیام کیا اس کے بعد اس نے اصفہان کا رخ کرنے کا فیصلہ کیا۔ دوسری طرف اصفہان پر اپنے چچا زاد بھائی محمود کا خاتمہ کر کے اشرف حکمرانی کر رہا تھا۔ اسے جب نادر قلی کی فتوحات اور کامیابیوں کی خبر ہوئی تو وہ ایک لشکر لے کر اصفہان سے نکلا تاکہ نادر قلی کا خاتمہ کیا جائے۔

دامغان کے قریب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ دونوں نہایت ہی بے جگری سے لڑے۔ خون ریز جنگ ہوئی جس میں اشرف کو بری طرح شکست ہوئی اور وہ شکست اٹھا کر اصفہان کی طرف بھاگ گیا۔

اصفہان پہنچ کر اشرف نے سب سے پہلے اپنے عزیز و اقارب اور کنبے کے لوگوں کو قلعے کے اندر محفوظ کر دیا اور ایک بار پھر اپنا لشکر استوار کر کے اصفہان سے لگ بھگ چھتیس میل کے فاصلے پر خود کے مقام پر پڑاؤ کر لیا۔

نادر قلی کو اس کی اس کارروائی کا علم ہو چکا تھا۔ اس نے طہماسپ کو دامغان میں چھوڑا اور خود لشکر لے کر اصفہان کی طرف بڑھا۔

ایران کے لوگ اب صفوی خاندان کی عظمت کو بھول کر اور فراموش کرتے ہوئے نادر قلی کو ہی اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے تھے۔ جدھر سے بھی اس کا گزر ہوتا، نوجوان اپنی خدمات پیش کرتے اور اس کے لشکر میں شامل ہو جاتے۔ اس طرح بڑی تیزی سے نادر قلی کے لشکر میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا تھا۔ یہ موقع ایران کے صفویوں کے لئے غیرت اور نسلی وقار کا سوال تھا تو دوسری طرف اشرف اور اس کے لشکریوں کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔

نادر قلی کو خبر ہو چکی تھی کہ اشرف نے خود کے مقام پر اپنے لشکر کے ساتھ ڈیرے

Marfat.com

ڈال دیئے ہیں لہٰذا اس نے سیدھا ادھر ہی کا رخ کیا۔ نادر قلی جب وہاں پہنچا تو اشرف کے ساتھ اس کا خوفناک ٹکراؤ ہوا۔ اس ٹکراؤ میں بھی نادر قلی نے اشرف کو ایک بار پھر بدترین شکست دی اور اشرف کے لگ بھگ چار ہزار ساتھی اس جنگ میں کام آئے۔
ایک بار پھر میدانِ جنگ سے بھاگتے ہوئے اس نے اصفہان کی راہ لی۔ اصفہان پہنچتے ہی اشرف نے اپنے ساتھیوں اور اہلِ خانہ کے ساتھ وہاں سے بھی نکلنے کی تیاری شروع کر دی۔ اگلے روز جب صبح کا سورج طلوع ہوا تو وہ اپنے کنبے، قبیلے اور ساتھیوں کے ساتھ کاروان کی صورت میں اصفہان سے نکل کر شیراز کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔
اصفہان سے کوچ کرتے وقت اس نے ایران کے سابق صفوی بادشاہ سلطان حسین کو قتل کر دیا تا کہ وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ اس کا تخت و تاج چھیننے والے، موت سے بچنے کے لئے پناہ گاہ ڈھونڈ رہے ہیں۔
خود کی فتح کے بعد نادر قلی فاتحانہ انداز میں اصفہان میں داخل ہوا اور سب سے پہلے اس نے اصفہان کو فتح کرنے والے محمود خان کے مقبرے کو نابود اور منہدم کر دیا تا کہ افغانوں کی فتح کا یہ نشان باقی نہ رہے۔
اس وقت طہماسپ کے پاس جو ایرانی لشکر تھا اسے لے کر وہ تہران کی طرف بڑھنا شروع ہوا تھا۔ اسے جب اصفہان کی فتح کی خبر ملی تو اس نے تہران کی بجائے اصفہان کا رخ کیا اور جس روز نادر قلی اصفہان میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا اس کے چند ہی روز بعد وہ بھی اصفہان میں داخل ہو گیا۔
ایرانی مورخین کا بیان ہے کہ جب اس نے صفویوں کے بنائے ہوئے محلات کو شکستہ حالت میں دیکھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ یہاں اپنی والدہ کو بقید حیات دیکھ کر دکھ کے ساتھ ساتھ اس کو حیرت اور خوشی بھی حاصل ہوئی۔
اصفہان سے نکلنے کے بعد غلزیوں کا سربراہ اشرف اپنے ساتھیوں اور لشکر کے ساتھ ایک کاروان کی صورت میں منزل پر منزل مارتا ہوا شیراز کا رخ کر رہا تھا۔ آخر وہ باخیریت شیراز پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور وہاں اسے لشکر کو منظم کرنے کے لئے وقت بھی مل گیا۔
اصفہان میں داخل ہونے کے بعد طہماسپ نے نادر قلی کو سب سے پہلا مشورہ یہ دیا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ فی الفور اشرف کے تعاقب میں نکل کھڑا ہو اور اس کی

Marfat.com

طاقت اور قوت کا مکمل طور پر خاتمہ کر دے۔ لیکن نادر قلی نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ الٹا اس نے پہلے یہ مطالبہ کر دیا کہ سب سے پہلے ملک میں محصولات عائد کرنے کا اختیار اسے حاصل ہونا چاہئے۔ یہ اختیار گویا دوسرے لفظوں میں حکومت کا مکمل اختیار تھا لیکن نادر کا یہ مطالبہ ماننے کے سوا اب طہماسپ کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ طہماسپ تو اس کے ہاتھ میں کھلونا تھا۔ جسے جب اور جس وقت نادر قلی چاہتا موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا اس لئے کہ اس کے پاس لشکر تو تھا ہی نہیں جبکہ ایران کے لوگ بھی اب صفویوں کی عظمت کو فراموش کرتے ہوئے نادر قلی کی طرف راغب ہونا شروع ہو گئے تھے لہٰذا طہماسپ نے نادر قلی کو یہ اختیار دے دیا تھا۔

یہ اختیار حاصل کرنے کے بعد نادر قلی نے شیراز کی مہم کے لئے کوچ کا نقارہ بجوایا۔ فتح کے نشے میں اس کا لشکر شیراز کے قرب و جوار میں جا پہنچا۔ اشرف نے شیراز سے بیس میل دو استخر کے مشہور مقام کے قریب اپنے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔ نادر قلی کے پاس اب خاصا بڑا لشکر تھا لہٰذا وہ اشرف پر حملہ آور ہوا۔ یہاں بھی اس نے اشرف کو بدترین شکست دی اور اشرف اپنے عزیزوں کے ساتھ جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا لیکن اس کے ساتھیوں کا خوب قتل عام ہوا۔ بہت سے جنگ کے دوران مارے گئے۔ بہت سے اِدھر اُدھر سے ہوتے ہوئے قندھار کی طرف راہِ فرار اختیار کر گئے۔ اشرف کی بدقسمتی کہ شیراز کے نواح سے اس نے جب قندھار کا رخ کیا تو اپنی روانگی سے پہلے اس نے اپنا خزانہ قندھار کی طرف روانہ کر دیا تھا لیکن راستے میں کچھ مسلح جوان حملہ آور ہوئے اور اس کا خزانہ لوٹ لیا۔ اور جس وقت صحرائے لوط سے اشرف گزر رہا تھا کچھ لوگ اس پر حملہ آور ہوئے اور اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کا سر کاٹ کر ان لوگوں نے طہماسپ کے پاس اصفہان روانہ کر دیا۔ اس طرح ایران پر غلزئی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

غلزئی حکومت کا خاتمہ کرنے کے بعد نادر شاہ نے ایران سے غلزئی اور افغانوں کے قبائل کو نکال باہر کیا تھا اور ایرانی اس کام کو نادر قلی کا عظیم کارنامہ قرار دیتے تھے۔ اب نادر قلی نے ایران کے لئے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیا تھا اس کا صلہ دینا طہماسپ کے لئے آسان نہ تھا۔ کیونکہ وہ نادر قلی کے لئے کارناموں سے متاثر تھا لہٰذا اس نے خراسان، سیستان، کرمان اور مازندان کے علاقوں کی حکومت نادر قلی کو دے دی اور

Marfat.com

ساتھ ہی اسے سلطان کے خطاب سے بھی نوازا۔ اور یہی طہماسپ کی غلطی تھی۔ ایسا کر کے ایک طرح سے اس نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری تھی۔ اپنی حکومت کا خاتمہ کیا تھا اور نادر قلی کی حکومت کو ایک طرح سے اس نے مستحکم کر کے رکھ دیا تھا۔

نادر قلی کو اگرچہ سلطان کا خطاب دیا گیا تھا۔ یہ ایک اعزاز تھا۔ اصل حکمران طہماسپ ہی تھا لیکن نادر قلی نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے اپنے نام کے سکے بھی چلائے اور اپنی سپاہ کو تنخواہیں بھی وہ خود دیتا تھا اور یہ کام صرف ایک خود مختار حکمران ہی کر سکتا تھا۔

غلزئیوں کی حکومت کا خاتمہ کرنے کے بعد نادر قلی نے اب ترکوں کی طرف توجہ کی جو ایران کے اکثر علاقوں کے درپے تھے اور ان کی آزادی کے لئے خطرہ بنے ہوئے تھے۔ ترکوں نے جن ایرانی علاقوں پر قبضہ کیا ہوا تھا وہاں انہوں نے چھوٹے چھوٹے حفاظتی لشکر مقرر کئے ہوئے تھے جو انتظامی امور نمٹانے کے ساتھ ساتھ وہاں کا نظم ونسق بھی اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔

نادر قلی پہلے ہمدان کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں ترکوں کا ایک چھوٹا سا لشکر تھا۔ اس پر وہ حملہ آور ہوا اور اسے ہمدان سے مار بھگایا۔

ترکوں کے خلاف اس کامیابی پر نادر قلی کے حوصلے مزید بڑھ گئے لہٰذا اس نے آذربائیجان کی طرف رجوع کیا۔ وہاں بھی ترکوں کا ایک چھوٹا سا لشکر تھا، اس پر بھی حملہ آور ہو کر آذربائیجان کو بھی اس نے ترکوں سے خالی کرا لیا۔

اس کے بعد نادر قلی کا ارادہ تھا کہ وہ ایک اور شہر ابروان پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا کہ اتنے میں اسے خبر ملی کہ خراسان میں حالات اس کے خلاف ہو گئے ہیں۔ وہاں کچھ لوگوں نے جگہ جگہ سرکشی اختیار کرتے ہوئے لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا تھا۔ لہٰذا ابروان کی طرف پیش قدمی کرنے کی بجائے نادر قلی پلٹا، خراسان کا رخ کیا، وہاں جن لوگوں نے بغاوتیں کھڑی کی تھیں ان پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

اب ایران پر ایک طرح سے دو حکمران تھے۔ ایک طہماسپ صفوی اور دوسرا نادر قلی۔ نادر قلی نے چونکہ ابروان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ پھر خراسان کے خراب ہوتے حالات کو دیکھتے ہوئے وہ خراسان کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کے خراسان کی طرف چلے جانے سے طہماسپ نے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا۔

Marfat.com

اس کے پاس ایک خاصا بڑا لشکر جمع ہو چکا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ نادر قلی فتوحات پر فتوحات حاصل کرتا جا رہا ہے۔ ابروان پر وہ حملہ آور ہونا چاہتا تھا لیکن اسے خراسان کے حالات درست کرنے کے لئے واپس جانا پڑا۔ اس بناء پر طہماسپ نے فیصلہ کیا کہ وہ خود ابروان پر حملہ آور ہوگا اور فتح حاصل کر کے اپنے لوگوں کا ہر دلعزیز حکمران بننے کی کوشش کرے گا۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے طہماسپ نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور ابروان کی طرف روانہ ہوا۔

ابروان میں بھی ترکوں کا ایک چھوٹا سا لشکر تھا۔ طہماسپ جب اس لشکر سے ٹکرایا تو ترکوں کے اس چھوٹے سے لشکر نے طہماسپ کو بدترین شکست دی اور طہماسپ شکست اٹھا کر بھاگا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس ایک ہی شکست سے طہماسپ نے وہ سب کچھ کھو دیا جو نادر قلی نے حاصل کیا تھا۔ اس کے علاوہ طہماسپ نے جو دوسرا غلط قدم اٹھایا وہ یہ کہ اس نے ترکوں سے اس شکست کے بعد ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے دریائے ارس ایران اور ترکی کی مشترکہ حد مقرر کیا گیا اور گنجہ، تفلیس، ابروان، شباخہ، داغستان، ارزلان، کرمان، ہمدان اور لورستان کے علاقوں پر طہماسپ نے ترکوں کا قبضہ تسلیم کر لیا۔

نادر قلی کو جب ترکوں کے ساتھ طہماسپ کے اس معاہدے کی خبر ملی تو وہ سخت برافروختہ ہوا اور اس معاہدے کے خلاف بزور احتجاج کیا۔ اس نے ایران کے مختلف صوبوں کے حکمرانوں کے نام مراسلے بھیج کر اس معاہدے پر اظہارِ ناراضگی کیا، پھر ترکی کے سلطان محمد خامس کے پاس اپنا ایک سفیر قسطنطنیہ روانہ کیا اور یہ پیغام بھیجا۔

''اس معاہدے کو باطل قرار دیا جائے اور وہ علاقے چھوڑ دیئے جائیں جو اس معاہدے کی رو سے طہماسپ نے ترکوں کے ہاتھ میں دے دیئے ہیں ورنہ حکومتِ ایران ان سے جنگ کرے گی۔''

ترکوں کو یہ پیغام بھیجنے کے بعد نادر قلی نے طہماسپ کے خلاف رائے عامہ کو مشتعل کر کے اپنے لشکر کے ساتھ اصفہان کا رخ کیا۔ اصفہان پہنچ کر اس نے طہماسپ کو گرفتار کر لیا اور اسے خراسان بھجوا دیا۔ لیکن اسے ابھی تک شک و شبہ تھا کہ وہ ایرانی

Marfat.com

عوام میں ابھی اتنا مقبول اور ہر دلعزیز نہیں کہ لوگ اسے بادشاہ کی حیثیت سے قبول کر لیں۔ لہٰذا اپنی بادشاہت کا اعلان کرنے کی بجائے اس نے طہماسپ کے بیٹے عباس سوئم کی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور خود اس کا نگرانِ اعلیٰ بن بیٹھا۔

طہماسپ کا قضیہ نمٹا کر اس نے سرزمینِ ایران کو ترکوں سے پاک کرنے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور اس لشکر کے ساتھ اس نے بغداد کا رخ کیا۔ بغداد میں اس وقت ترکوں کا ایک لشکر تھا جس کی کمانداری ان کا ایک سالار احمد پاشا کر رہا تھا۔ یہ لشکر بھی دوسرے لشکروں کی طرح چھوٹا سا تھا اور صرف شہر کی حفاظت پر مامور تھا۔ نادر قلی نے آگے بڑھ کر بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ نادر قلی کا خیال تھا کہ وہ ترکوں کے چھوٹے سے لشکر کو بدترین شکست دینے کے بعد بہت جلد بغداد پر قبضہ کر لے گا اور پھر ترکوں کی حکومت کو وہ اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے گا۔

لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ترکوں کے سالار احمد پاشا کے پاس کیونکہ چھوٹا سا لشکر تھا لہٰذا اس نے شہر سے باہر نکل کر نادر قلی کا مقابلہ نہ کیا بلکہ وہ اپنے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ شہر کے اندر محصور ہو گیا اور نادر قلی کے جان لیوا حملوں کی اس نے شدید مزاحمت کی۔

ترکوں کے سالار احمد پاشا نے چھوٹے سے اس لشکر کے ساتھ اس قدر جواں مردی کا مظاہرہ کیا کہ اس نے نادر قلی کو بغداد کے قریب تک نہ آنے دیا۔ یہاں تک کہ بغداد کے قریب ہی ترکوں کا ایک اور سالار بھی ایک لشکر کے ساتھ مقیم تھا اور اس سالار کا نام توکل عثمان تھا۔

توکل عثمان کو جب خبر ہوئی کہ نادر قلی نے آگے بڑھ کر بغداد کا محاصرہ کر لیا ہے تو بغداد میں اپنے سالار احمد پاشا کی مدد کے لئے وہ بڑی تیزی سے بغداد کی طرف بڑھا۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ جو لشکر توکل عثمان اور احمد پاشا دونوں کے پاس تھا ان کے مجموعی لشکر سے نادر شاہ کا لشکر کہیں زیادہ تھا۔

نادر شاہ کو جب خبر ملی کہ ایک چھوٹا سا لشکر ترکوں کا شہر کے اندر محصور ہو گیا ہے اور شدت سے مزاحمت کر رہا ہے اور اب ان کا ایک اور سالار توکل عثمان اس لشکر کی مدد کے لئے آ رہا ہے تو اس نے فی الفور اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

Marfat.com

ایسا اس نے اس لئے کیا تھا کہ اس کے پاس بہت بڑا لشکر تھا اور وہ ایسا کر کے بھی جنگ کو جاری رکھ سکتا تھا۔ ایک حصے کے ساتھ اس نے بغداد کا محاصرہ جاری رکھا، دوسرا حصہ خود لے کر وہ ترکوں کے دوسرے سالار توکل عثمان کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔

کرکوک کے میدانوں میں ترکوں کے سالار عثمان اور نادر قلی کا سامنا ہوا۔ ترکوں کے لشکر کو دیکھتے ہوئے نادر قلی کا خیال تھا کہ ترکوں کا وہ لشکر چند لمحے بھی اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے گا۔ اس لئے کہ وہ تعداد میں کم تھا۔ لیکن نادر قلی جب اس لشکر سے ٹکرایا تو ترکوں کے اس لشکر نے نادر قلی کے سارے دم خم توڑ کر رکھ دیئے۔ دونوں لشکروں کے درمیان خون ریز جنگ ہوئی جس میں خلافِ امید نادر قلی کو بدترین شکست ہوئی۔ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں ترکوں نے نادر قلی کے ان گنت لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ نادر قلی جب کرکوک کے میدانوں سے شکست اٹھا کر بھاگا تو ترکوں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ بغداد کے پاس سے گزرتے ہوئے نادر قلی کا دوسرا لشکر بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس طرح مزید تعاقب کرتے ہوئے ترکوں نے ایرانیوں کا خوب قتلِ عام کیا اور نادر قلی کے لشکر کو خاصا نقصان اٹھانا پڑا۔ اس بدترین شکست کے بعد نادر قلی مایوس ہو کر کرکوک سے ہمدان چلا گیا اور وہاں اس نے قیام کر لیا تھا۔

کوئی اور ہوتا تو شاید اس شکست کے بعد دل برداشتہ ہو جاتا اور انتقام لینے کا ارادہ نہ کرتا لیکن اس شکست نے شکست کا انتقام لینے کے لئے اسے اور بھی مشتعل کر دیا۔ اس نے اپنے سالاروں اور لشکریوں کی مذمت نہ کی بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کی کہ آزمائش کے میدان میں کبھی کبھی جواں مردوں کو شکست کا منہ بھی دیکھنا پڑتا ہے۔

بہرحال نادر قلی نے میدانِ جنگ میں مرنے والوں کے لواحقین کو مالی امداد دی۔ جن کو نقصان اٹھانا پڑا ان کے نقصان کی تلافی کی۔ زخمیوں کی دلداری کے ساتھ ساتھ جس طرح بھی ہوا اس نے اپنے عوام سے شکست کا احساس دور کیا۔ اس کی شخصیت اتنی عظیم اور اس کی شجاعت اور ہمدردی کا شہرہ اتنا عام تھا کہ ایران کے ہر صوبے سے نوجوان اس کے لشکر میں شامل ہونے لگے۔ اس طرح صرف تین ماہ کے مختصر سے عرصے میں اس نے پہلے سے بھی بڑا لشکر تیار کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔

Marfat.com

یہ لشکر لے کر نادر قلی پھر ترک سالار توکل عثمان کا مقابلہ کرنے کے لئے کرکوک کے میدانوں کی طرف گیا۔ ایک بار پھر توکل عثمان اور نادر قلی کے درمیان خوفناک جنگ ہوئی۔ اب جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا اور یہ بھی محسوس نہیں کیا جا سکتا تھا کہ فتح کس کا مقدر بنے گی، شکست کس کی جھولی میں آئے گی کہ اچانک ترک سالار توکل عثمان میدانِ جنگ میں مر گیا اور اپنے سالار کے مارے جانے پر ترک پسپا ہو گئے۔

بنیادی طور پر نادر قلی بغداد پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن کرکوک کی دوسری جنگ میں اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر ترک سالار توکل عثمان میدانِ جنگ میں کام نہ آ جاتا تو کرکوک کے میدان میں اسے دوسری بار بھی شکست کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کے علاوہ بغداد میں ترکوں کا ایک اور سالار احمد پاشا بیٹھا ہوا تھا اس بناء پر کرکوک کے میدانوں میں اپنی شکست کا انتقام لینے کے بعد نادر قلی واپس ہو لیا۔ اس کے واپس ہونے کی ایک وجہ تھی اور وہ یہ کہ ایران میں ایک شخص مرزا محمد تقی خان نے اس کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی تھی۔ نادر قلی بڑی برق رفتاری سے مڑا۔ مرزا محمد تقی خان پر حملہ آور ہوا اور اسے گرفتار کر لیا اور اسے اپنے ساتھ شیراز لے گیا جہاں اس نے خودکشی کر لی۔

اب نادر قلی نے خوب طاقت اور قوت حاصل کر لی تھی۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ہر صورت میں ایران کے وہ علاقے حاصل کرے گا جن پر ترکوں اور روسیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اب اپنے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے اس نے گرجستان کا رخ کیا۔ گرجستان میں اس وقت ترکوں کا ایک سالار امیر عبداللہ ایک لشکر کے ساتھ مقیم تھا۔ نادر قلی نے آگے بڑھ کر تفلیس اور ابروان شہروں کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کھلے میدانوں میں امیر عبداللہ اور نادر قلی کا مقابلہ ہوا۔ اس بار بھی نادر قلی کی خوش قسمتی کہ جنگ کے دوران ترکوں کا سالار امیر عبداللہ مارا گیا جس کی وجہ سے ترکوں کا لشکر واپس ہو لیا اور کامیابی نادر قلی کی جھولی میں آئی۔

ترکوں کو پسپا کرنے کے بعد نادر قلی، تفلیس، گنجہ اور ابروان کے علاقوں پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے عثمانی ترکوں کے سلطان [illegible]ت و شنید کر کے ترکوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا۔

اب نادر قلی کی نظریں روس کی طرف تھیں۔ روس کا حکمران پیٹر اعظم جب تک زندہ رہا، نادر قلی نے خاموشی اختیار کئے رکھی اور پیٹر اعظم نے ایران کے خلاف جارحانہ

Marfat.com

طریقہ جاری رکھا۔ پیٹر اعظم جب مر گیا تو اس کی جگہ ملکہ عینی روس کی حکمران بنی۔ جب وہ تخت نشین ہوئی تو اس کے پیش روؤں نے ایران کی مستحکم صورتِ حال دیکھ کر اسے یہ مشورہ دیا کہ بحر خضر کے ساحلی علاقوں کو خالی کر دیا جائے۔ چنانچہ اپنے مشیروں کی بات مانتے ہوئے ملکہ عینی نے بحر خضر کے علاقے خالی کر کے ایران کے حوالے کر دیئے۔

اس دوران نادر قلی کی مزید خوش قسمتی سامنے آئی۔ وہ یہ کہ انہی دنوں روس اور ترکی آپس میں ٹکرا گئے۔ دونوں قوتوں کے ٹکرانے سے نادر قلی نے فائدہ حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ جس وقت روس اور ترکی دونوں ایک دوسرے سے بری طرح الجھ گئے تب نادر قلی نے اپنا سفیر روس کی طرف بھجوایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ باکو اور دربند کے علاقے ایران کو واپس کر دیں۔ ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ اگر روس نے یہ علاقے ایران کو واپس نہ کئے تو پھر ایران روس کے خلاف ترکی کا ساتھ دے گا۔ اس وقت روس کے لئے حالات بڑے نازک تھے۔ ترکی کے ساتھ اس کے تعلقات خراب تھے۔ اس دھمکی سے روس مرعوب ہو گیا۔ لہٰذا حکومتِ روس نے بادل نخواستہ یہ علاقے ایران کو واپس کر دیئے۔ اس طرح نادر قلی نے سرزمینِ ایران کو عثمانیوں، روسیوں اور افغانوں سے ایک طرح سے خالی کرا لیا تھا۔

اب نادر قلی ایک طرح سے ایران کا مختارِ کل حکمران تھا۔ خارجی حریفوں کو وہ نیچا دکھا چکا تھا۔ داخلی شورشیں بھی ختم ہو چکی تھیں۔ قبائلیوں میں بھی اتنا حوصلہ نہ رہا تھا کہ ایران میں داخل ہو کر لوٹ مار کر سکیں۔ ایران کے سابق حکمران صفوی خاندان میں اب کوئی تخت و تاج کا وارث ایسا نہ تھا جس سے نادر قلی کو خطرہ لاحق ہوتا۔

اتفاق سے انہی دنوں عباس سوئم جسے نادر قلی نے ایران کا بادشاہ بنایا تھا، فوت ہو گیا۔ لہٰذا نادر قلی کو اپنی بادشاہت کا اعلان کرنے میں کوئی امر مانع نظر نہ آیا۔

بہر حال اس نے مغان دار کے صحرا میں سرکردہ ایرانی امراء کی مجلس میں ملکی سیاست پر تقریر کی آئندہ خطرات سے انہیں آگاہ کیا۔ صفوی خاندان کا کوئی لائق وارث نہ ہونے کا بھی ذکر کیا۔ قومی حکومت کو مستحکم بنانے کی ضرورت کا احساس بھی دلایا۔ ایسا وہ اس لئے کر رہا تھا کہ وہ ایرانی نہیں، ترک تھا۔

آخر انہیں کسی ایسے شخص کو اپنا بادشاہ نامزد کرنے کو کہا جو ایران کی عظمت کو بحال کر

Marfat.com

سکے۔ ایرانی امراء نے جیسا کہ نادر قلی کو امید تھی نادر قلی ہی کو حکومت سنبھالنے کی استدعا کی۔ اس نے پہلے تو کچھ پس و پیش کیا آخر امراء کے اصرار پر اس نے ایران کا بادشاہ بننے کی حامی بھر لی لیکن اس مقصد کے لئے اس نے تین شرائط پیش کیں جو ایران کے سب امراء نے قبول کر لیں۔

پہلی شرط یہ تھی کہ حکومت نادر قلی کے خاندان میں موروثی رہے گی۔ دوسری شرط یہ تھی کہ کوئی شخص سابق صفوی خاندان کے کسی فرد کو تخت و تاج حاصل کرنے میں مدد نہیں دے گا۔

تیسری سب سے اہم شرط یہ تھی کہ اہل ایران سنی مذہب قبول کر لیں گے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سارے ایرانی امراء نے نادر قلی کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور اس کی اس پیش کردہ تینوں شرائط کو بھی قبول کر لیا۔ اس طرح نادر قلی ایران کا شہنشاہ بنا۔ شہنشاہ بننے کے بعد نادر قلی نے اپنی تاج پوشی کی رسم ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔

تاج پوشی کی رسم ادا کرنے کے لئے ایک خاص ایوان تعمیر کروایا گیا اور تقریب کے لئے نجومیوں نے وقت اور دن مقرر کیا۔ ایران کی عظیم روایات کے مطابق نادر قلی کے سر پر تاجِ شاہی رکھا گیا اور نادر قلی، نادر قلی کے لقب سے سرزمینِ ایران کا بادشاہ بن گیا۔

اس موقع پر نادر قلی نے ہیروں اور جواہرات کے تخت پر بیٹھ کر رعایا کا خراجِ عقیدت قبول کیا۔ اس تقریب کی یادگار میں نادر قلی نے اپنے نام کے نئے سکے ڈھالے اور اس طرح افشار قبیلے کا چرواہا جو ایران کو افغانوں، ترکوں اور روسیوں اور قبائلی حملہ آوروں سے نجات دلانے کا موجب بنا تھا، نادر قلی سے نادر قلی افشار کے نام سے ایران کا بادشاہ ہوا۔

❋ ...... ❋

Marfat.com

•••

دہلی میں نظام الملک نے وزیر کے عہدے کی حیثیت سے اپنا منصب سنبھال لیا اور ایک شخص حیدر قلی کو دکن کا نظام سنبھالنے کے لئے روانہ کر دیا۔ حیدر قلی خان کیونکہ دکن میں قیام نہیں کرنا چاہتا تھا، دہلی میں رہنا چاہتا تھا اور یہاں رہ کر سازشوں کے جال پھیلانے کا عادی تھا اور اِدھر اُدھر سے مال کھانے کی بھی عادت تھی لہٰذا اس نے دکن پہنچ کر یہ افواہیں پھیلانا شروع کر دیں کہ نظام الملک حکومت کا تختہ الٹ دے گا۔

نظام الملک کیونکہ سخت آدمی تھا، بدعنوانیوں کو برداشت نہ کرتا تھا لہٰذا دربار میں جلد ہی اس کے خلاف سازشوں کا جال پھیلنا شروع ہو گیا۔ نظام الملک سخت گیر ہونے کے ساتھ ساتھ انتہا درجہ کا دیانت دار بھی تھا اور اراکین سلطنت اس قدر بگڑے ہوئے تھے کہ نظام کو اس کی دیانت داری کے باعث کوئی پسند نہ کرتا تھا لہٰذا اندر ہی اندر نظام الملک کے خلاف یہ سازش کی جانے لگی کہ اسے دہلی سے کسی نہ کسی طریقے سے نکال کر گجرات کا حاکم مقرر کر دیا جائے تاہم اس کے لئے وزارت کا عہدہ بھی برقرار رکھا جائے۔

حیدر قلی خان کیونکہ غیر ذمہ دار ہونے کے ساتھ دوسرے لوگوں کی طرح بد دیانتی سے کھانے کا بھی عادی تھا۔ وہ اسی وقت گجرات چلا گیا تھا۔ لہٰذا لوگوں کو اندیشہ تھا کہ اگر نظام الملک کو گجرات بھجوا دیا اور گجرات سے حیدر قلی دہلی آ کر وزیر بن گیا تو سارے مفادات پر وہ خود ہی قبضہ کر لے گا، کسی اور کو اس کا حصہ نہ بننے دے گا۔ لہٰذا دوسرے اراکینِ سلطنت نے یہ سوچا کہ سانپ بھی مر جائے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، نظام الملک گجرات بھی چلا جائے، وزارت کا عہدہ بھی اس کے پاس رہے تاکہ حیدر قلی کو ان پر سوار ہونے کا موقع نہ ملے۔

Marfat.com

دوسری بات یہ بھی تھی کہ محمد شاہ کو نظم ونسق کی گتھیاں سلجھانے کا دماغ نہ تھا۔ شروع میں جب اس نے محمد امین خان کو وزارت سپرد کی تو سلطنت کا سارا کام محمد امین خان ہی اپنی قابلیت اور اپنی ہنر مندی سے چلاتا رہا۔ اس کے انتقال کے بعد نظام الملک جب وزیر بنا تب نظام الملک اپنے چچا امین خان سے بھی کہیں زیادہ سخت تھا۔

اور پھر سچ یہ بھی ہے کہ بادشاہ گروں کو اکھاڑنے اور مغل بادشاہی کو پھر جمانے میں نظام الملک کا بڑا حصہ تھا۔

لیکن مغلیہ سلطنت کی بدقسمتی اور حالات کی بدبختی جب وہ دکن سے دہلی آیا اور دربارِ شاہی کو قدیم آئین پر مہذب اور مرتب کرنے کی کوشش کی تو لا ابالی بادشاہ کو اس سے وحشت ہونے لگی۔ خوش آمدی مصاحبوں نے بہکایا کہ وزیر آپ کا اتالیق بن گیا ہے۔ آپ کو لڑکا سمجھتا ہے۔ اس کے علاوہ شاہی مسخروں نے نقلیں بنا بنا کر نظام الملک کے سنجیدہ آداب اور اوضاع کا خاکہ اُڑانا شروع کر دیا تاکہ اس کی توقیر اور عزت بادشاہ کے دل میں قائم نہ رہے اور اس کے قدم دارالسلطنت سے اکھاڑ دیئے جائیں۔ ان غیر ذمہ دار لوگوں کی بے ہودہ حرکتوں کی وجہ سے نظام الملک خود بھی دل برداشتہ ہو گیا تھا اور پھر بدقسمتی کی بات کہ محمد شاہ کی دادی مہر پرور جو حکومت کا کاروبار چلانے میں محمد شاہ کی بڑی راہنما اور راہبر ثابت ہو رہی تھی وہ ان دنوں سخت بیمار پڑ گئی تھی اور دارالسلطنت کے اندر لا ابالی اور غیر ذمہ دار اراکینِ سلطنت جو حرکتیں محمد شاہ کو گرانے کے لئے نظام الملک کے خلاف کر رہے تھے ان کی خبر مہر پرور کو نہ تھی۔

اب دو آدمی ہندوستان کی مغل سلطنت کا وزیر بننے کے لئے تگ و دو کرنے لگے۔ ایک روشن الدولہ اور دوسرا قمر الدین خان۔ قمر الدین خان کے تعلقات محمد شاہ اور دیگر عمائدین سلطنت کے ساتھ اچھے تھے جبکہ امیر روشن الدولہ کی پہنچ اور رسائی محمد شاہ کی رضائی بہن رحیم النساء تک تھی۔

❋

ماہ الملک ایک روز بھاگتی ہوئی زنان خانے میں داخل ہوئی تھی۔ زنان خانے میں اس وقت اس کی دادی، اس کی اماں، خالہ اور اروما دیوی بیٹھی آپس میں گفتگو کر رہی تھیں کہ دروازے پر ماہ الملک کھڑی ہوئی اور بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

Marfat.com

''سب اٹھ کر دیوان خانے کی طرف چلیں۔ چچا نظام الملک اور بھائی میر منوں ہم سب سے ملنے کے لئے آئے ہیں اور وہ اس وقت دیوان خانے میں بیٹھے ہیں۔''

ماہ الملک کے اس انکشاف پر سب نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ سب اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس کے بعد زنان خانے سے نکل کر دیوان خانے کی طرف چل دی تھیں۔

دیوان خانے میں سب سے پہلے مہر النساء، اس کے پیچھے پیچھے تقدیس خانم، قرہ خاتون، اروما اور ماہ الملک داخل ہوئی تھیں۔ دیوان خانے میں اس وقت نظام الملک اور اس کا بیٹا میر منوں، فیروز مرزا، عباد الدین، قاورد خان، شرف الدین اور شہاب الدین کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ جونہی نظام الملک اور میر منوں نے مہر النساء کو دیوان خانے میں داخل ہوتے دیکھا دونوں فوراً اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی طرف دیکھتے ہوئے دوسرے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

مہر النساء مسکراتے ہوئے آگے بڑھی، باری باری شفقت آمیز ہاتھ اس نے نظام الملک اور میر منوں کی پیٹھ پر پھیرا۔ اتنی دیر تک باقی ساری خواتین بھی دیوان خانے میں نظام الملک اور میر منوں کو سلام کہتی ہوئی سامنے بیٹھ گئی تھیں۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ آخر نظام الملک، مہر النساء کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''چچی! میں آج ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ میری بات مان جائیں گی اور ٹالیں گی نہیں۔''

نظام الملک جب خاموش ہوا تب حیرت زدہ سے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے مہر النساء کہنے لگی۔

''نظام الملک! تم مغل سلطنت کے وزیر ہو۔ مجھے کیا مجال ہے کہ میں......''

مہر النساء کو خاموش ہو جانا پڑا اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بڑی عاجزی اور انکساری میں نظام الملک بول اٹھا۔

''چچی! آپ کس قسم کی باتیں کرتی ہیں۔ دہلی کا وزیر میں اس حویلی سے باہر ہوں۔ اس حویلی میں آپ کے علاوہ میرے بہت سے رشتے ہیں اور میں انہی رشتوں کو سامنے رکھتے ہوئے گفتگو کرتا ہوں۔ چچی! میں یہاں کے ماحول سے تنگ ہوں۔ میں زیادہ دن یہاں پر قیام نہیں کرسکوں گا۔ یہاں کے لوگ دیانت دار، ایماندار اور عدل پسند کم اور لٹ کھنے، کٹ کھنے اور مال مارو زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ محمد شاہ سلطنت کا نہ کوئی

Marfat.com

تجربہ رکھتا ہے نہ سلطنت کو چلانے کے اس کے پاس آداب ہیں۔ لے دے کے ایک مہر پرور ہے جس کو سلطنت کا سلیقہ، سیاست کا طریقہ بھی آتا ہے لیکن اب وہ چند دن کی مہمان ہے۔ اس قدر سخت بیمار اور لاغر ہے کہ بول بھی نہیں سکتی۔"

نظام الملک جب خاموش ہوا تب مہر النساء کہنے لگی۔

"اس کے احوال کی تو ہمیں خبر ہے۔ اس لئے کہ میں، تقدیس خانم اور قرہ خاتون کئی بار اس کی بیمار پرسی کر آئی ہیں۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے مہر پرور اب بچے گی نہیں۔ بیٹے! تم کہو کیا بات مجھ سے منوانا چاہتے ہو؟"

اس موقع پر نظام الملک نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

"چچی! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بہت جلد میں یہاں سے اپنے بیٹے میر منوں کے ساتھ گجرات کا رخ کر جاؤں گا۔ یہاں کے لوگوں کو کسی دیانت دار اور عدل پسند وزیر کی ضرورت نہیں ہے۔ بادشاہ گر لوگوں کی عادتیں خراب کر گئے ہیں۔ عمائدین سلطنت نے یہ طریقہ بنالیا ہے کہ وزیر وہ بنے جو خود بھی حرام کھاتا رہے اور ان کے منہ میں بھی ہڈی ڈالتا رہے۔ آپ جانتی ہیں کہ میں نے یہ کام نہ کیا ہے نہ کروں گا اور نہ ہی میں اس کا عادی ہوں۔ ایسی صورت حال میں میرے جیسا شخص یہاں دہلی میں وزیر کی حیثیت سے زیادہ دن چل نہیں سکتا۔ اس بناء پر بہتر یہی ہے کہ میں واپس گجرات چلا جاؤں۔ اس کے علاوہ ذہنی طور پر بھی محمد شاہ اپنے کچھ حواریوں اور مصاحبوں کے کہنے پر یہ فیصلہ کر چکا ہے کہ میں گجرات میں قیام رکھوں جبکہ وزارت کا عہدہ بھی میرے پاس رہے۔ ایسا محمد شاہ اور اس کے مصاحب علی قلی کے علاوہ کچھ اور ایسے ہی امراء سے ڈرتے ہوئے کر رہے ہیں کہ کہیں وہ طاقت اور قوت پکڑ کر محمد شاہ اور دوسرے عمائدین کا کان پکڑ کر ایک طرف نہ کر دیں اور حکومت پر قبضہ نہ کر لیں۔ اس بناء پر وہ مجھے دہلی میں رہتے ہوئے بھی دیکھنا نہیں چاہتے اور مجھے وزیر کے عہدے سے ہٹتا بھی نہیں دیکھنا چاہتے۔ گجرات بھی بھیجنا چاہتے ہیں۔ وزارت کا عہدہ بھی میرے پاس رکھنا چاہتے ہیں تاکہ قوت پکڑنے والے مخالف امراء کو یہ احساس رہے کہ اگر انہوں نے حکومت کے خلاف قدم اٹھانے کی کوشش کی تو سلطنت کا وزیر نظام الملک ان کے خلاف حرکت میں آئے گا۔ بس چچی یہ ایک سیاست ہے جو دہلی میں میرے خلاف کھیلی جارہی ہے اور میں اس کھیل میں ایک کھلاڑی کی حیثیت سے شامل نہیں ہونا چاہتا، اپنا

Marfat.com

دامن، اپنا پہلو بچا کر نکل جانا چاہتا ہوں اور جن کاموں میں یہاں کے امراء ملوث ہیں ان میں اپنے آپ کو ملوث کر کے اپنے کردار اور اخلاق کو داغدار نہیں کرنا چاہتا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد نظام الملک رکا پھر اس کے بعد مہر النساء کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”چچی! دہلی چھوڑنے سے پہلے میں اور میرا بیٹا میر منوں دونوں چاہتے ہیں کہ یہاں ہماری موجودگی میں عباد الدین، شرف الدین، شہاب الدین اور قاورد خان کے علاوہ ماہ الملک کی شادی کا اہتمام ہو جائے اور ہم دونوں باپ بیٹا ان شادیوں میں شرکت کرنے کے بعد گجرات کا رخ کریں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد جب نظام الملک خاموش ہوا تب اس کا بیٹا میر منوں کچھ کہنے لگا تھا کہ ایک دم بیچ میں شہاب الدین بول اٹھا اور نظام الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”چچا! اگر آپ کے یہ ارادے ہیں تو پھر ہم لوگ یہاں دہلی میں رہ کر کیا کریں گے؟ ہم بھی آپ کے ساتھ گجرات کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ اس موقع پر میں بڑے ابا سے بھی گزارش کروں گا کہ وہ بھی اس موضوع پر سوچیں۔ اس لئے کہ......“

شہاب الدین اپنی بات مکمل نہ کر سکا تھا اس لئے کہ فیروز مرزا بول اٹھا تھا۔

”شہاب الدین میرے بیٹے! میں تمہاری تجویز سے اتفاق کرتا ہوں اور جن خدشات کے تحت تم یہ بات کہہ رہے ہو مجھے ابھی سے ان کا احساس ہے۔ جس وقت میرا باپ امین خان زندہ تھا اس وقت معاملات کچھ اور تھے۔ حکومت کے معاملات میں ان کا بڑا عمل دخل تھا اور پھر امرائے سلطنت میں ایسے بھی تھے جو ان کی عزت، ان کا احترام کرتے تھے لیکن اب وہ بات نہیں ہے۔ میرے خیال میں اب تک محمد شاہ کو اس کی دادی مہر پرور ہی نے سنبھالا ہوا ہے اور وہ دوسرے عمائدین اور مصاحبین کے کہنے پر ابھی تک غلط کاموں میں نہیں پڑا۔ اگر انہی دنوں مہر پرور بھی گزر گئی تو پھر مجھے خدشہ ہے کہ محمد شاہ کا بھی اللہ ہی حافظ ہو گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد فیروز مرزا رکا۔ تب نظام الملک کا بیٹا میر منوں فیروز مرزا کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھا۔

”چچا! بات یہ ہے کہ دراصل میں خود یہ چاہتا ہوں کہ آپ سب لوگ یہاں سے اپنا

Marfat.com

بوریا بستر سمیٹ کر ہمارے ساتھ گجرات کی طرف ہولیں۔ وہاں ہم سب لوگ پُر امن اور اتفاق سے رہیں گے۔ لیکن اس سے پہلے ہمارے چاروں بھائیوں اور بہن ماہ الملک کی شادی کا اہتمام ہو جانا چاہئے۔ اگر آپ لوگ ہم دونوں باپ بیٹے کے ساتھ گجرات کی طرف منتقل نہ ہونا چاہیں، بعد میں آنا چاہیں تو کم از کم ان پانچوں کی شادیاں تو ہماری موجودگی میں ہو جائیں گی اور ہم ان کی شادیوں میں یہیں رہتے ہوئے شرکت کر لیں۔ ویسے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ پہلے ان شادیوں کا اہتمام کیا جائے اس کے بعد آپ سب لوگ ہمارے ساتھ گجرات چلیں اگر آپ لوگ ایسا نہیں کریں گے تو آپ لوگ یہاں رہتے ہوئے ہماری خیریت سے متعلق پریشان رہیں گے اور ہم وہاں رہتے ہوئے آپ لوگوں سے متعلق پریشانی اور فکر مندی کا اظہار کرتے رہیں گے۔''

میر منوں جب خاموش ہوا تب نظام الملک، فیروز مرزا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''بھائی! آپ کا اس سلسلے میں کیا خیال ہے؟''

فیروز مرزا نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

''بھائی! جہاں تک میرا ذاتی خیال ہے تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کی خواہش کے مطابق پہلے سارے بچوں کی شادیوں کا اہتمام کیا جائے۔ شادیوں کے بعد آپ، عباد الدین، شرف الدین، شہاب الدین اور قادر خان چاروں کو ان کی بیویوں سمیت اپنے ساتھ لے جائیں۔ میں چاہوں گا کہ میں، اماں، بہن قرہ خاتون اور میری بیوی تقدیس خانم یہیں رہیں۔ ایسا میں اس لئے چاہتا ہوں کہ میرا اپنا اندازہ ہے کہ یہاں سے آپ کے چلے جانے کے بعد محمد شاہ کے لئے حالات سازگار نہیں رہیں گے۔ اس بناء پر مجھے امید ہے کہ حالات پر گرفت کرنے کے لئے محمد شاہ کو ایک بار پھر آپ کو واپس دہلی بلانا پڑے گا۔

چاروں بچوں کو اس لئے آپ کے ساتھ بھجوانا چاہتا ہوں کہ یہاں رہتے ہوئے اگر کوئی واقعہ ان کی مرضی کے خلاف رونما ہو جاتا ہے تو یہ کوئی جذباتی فیصلہ نہ کرنے پائیں۔ دوسرے وہاں آپ کی نگرانی میں رہتے ہوئے یہ حرب وضرب کی بہتر تربیت حاصل کر پائیں گے۔ میں اماں، قرہ خاتون اور تقدیس خانم چاروں یہیں رہیں گے۔ ہاں ہمارے ساتھ ایک فرد کا اضافہ ہو جائے گا۔ وہ گوہر آراء اور پاربتی کی ماں بشن

Marfat.com

دیوی ہو گی۔
نظام الملک! میں تفصیل تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ عباد الدین کی شادی گوہر آراء سے اور شہاب الدین کی پاربتی سے ہو گی۔ جب یہ دونوں بہنیں ان کے ساتھ گجرات کی طرف چلی جائیں گی تو بشن دیوی اکیلی رہ جائے گی۔ لہٰذا اسے ہم اپنے ہاں لے آئیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد فیروز مرزا رکا، کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''نظام الملک میرے بھائی! اس وقت بے شک محمد شاہ نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وزیر بھی آپ رہیں۔ لیکن آپ کی رہائش گجرات میں رہے۔ ایسا یقیناً وہ اپنے ان مصاحبوں کے کہنے پر کر رہا ہے جو خزانے کی لوٹ مار کرنا چاہتے ہیں، حرام کھانا چاہتے ہیں اور محمد شاہ کو بھی اس کے اصل راستے سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دن نہ چلے گا اور نہ کامیاب رہے گا لہٰذا ان بگڑتے ہوئے حالات پر قابو پانے کے لئے ایک نہ ایک روز محمد شاہ کو یقیناً آپ کو واپس بلانا پڑے گا۔ اس بناء پر میں چاہتا ہوں کہ ہم سب افراد حویلی کو خالی کر کے آپ کے ساتھ ہو لیں۔ کچھ یہاں رہتے ہیں، کچھ آپ کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔ اس طرح اگر آنے والے دور میں آپ کو پھر دہلی آ کر اپنا منصب سنبھالنا پڑے تو......''

فیروز مرزا کی بات کاٹتے ہوئے نظام بول اٹھا، کہنے لگا۔

''بھائی فیروز مرزا! میں آپ کی بات کا مطلب سمجھ گیا ہوں اور آپ کی اس تجویز سے میں اتفاق کرتا ہوں۔ پانچوں بچوں کی شادی کے بعد میں انہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ لیکن اب میری آپ لوگوں سے گزارش یہ ہے کہ وقت ضائع کئے بغیر اس سلسلے میں جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ سے اور بنارس کے راجہ منس رام سے رابطہ قائم کریں۔ میری طرف سے اجیت سنگھ اور منس رام دونوں سے یہ گزارش کریں کہ وہ اپنے اپنے عزیز و اقارب اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ یہاں آ جائیں اور گوہر آراء، پاربتی اور اروما کی شادی کا اہتمام یہیں کیا جائے گا۔''

نظام الملک یہاں تک کہنے کے بعد جب خاموش ہوا تب مہر النساء اپنے بیٹے فیروز مرزا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''فیروز مرزا میرے بیٹے! نظام الملک نے جو کچھ کہا ہے، یہی درست ہے۔ میرے

Marfat.com

بیٹے! آج ہی دو قاصدوں کو جودھ پور اور بنارس کی طرف روانہ کر دو اور دونوں راجاؤں کو اپنے ارادوں سے آگاہ کرو۔''

یہاں تک کہنے کے بعد لمحہ بھر کے لئے مہر النساء رکی، پھر نظام الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''نظام الملک! گو اجیت سنگھ کی پتنی بشن دیوی کا خیال ہے کہ اگر اجیت سنگھ بذاتِ خود گوہر آراء اور پاربتی کی شادی میں شرکت نہ بھی کرنا چاہے تب بھی یہ شادیاں ضرور ہوں گی۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ ہم شروع ہی میں کوئی برا شگون نہ لیں۔ کوشش یہی کی جائے گی کہ گوہر آراء اور پاربتی کی شادی میں اجیت سنگھ کو ہر صورت میں شریک کیا جائے۔ اس طرح اس کی عزت افزائی بھی ہو گی اور آنے والے دور میں ان شادیوں سے متعلق انسے کوئی گلہ اور شکوہ بھی نہیں ہو گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد مہر النساء جب خاموش ہوئی تب نظام الملک اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

''یہی آخری فیصلہ ہے۔ فیروز مرزا میرے بھائی! اپنے قاصد اجیت سنگھ اور منس رام کی طرف آج ہی بھجوا دو اور پھر جو جواب ان کی طرف سے آتا ہے ان سے مجھے مطلع بھی کرنا۔''

نظام الملک کے کھڑے ہونے پر میر منوں بھی جب کھڑا ہوا تب مہر النساء نظام الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بچے! کیا ایسا ممکن نہیں کہ یہیں رہو۔ شام کا کھانا دونوں باپ بیٹا ہمارے ساتھ ہی کھانا۔''

جواب میں نظام الملک مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''نہیں چچی! ابھی مجھے کچھ کام نمٹانے ہیں۔ لہٰذا میرا جانا بہت ضروری ہے۔''

اس کے ساتھ ہی سب لوگ کھڑے ہو گئے تھے۔ پھر نظام الملک اور اس کا بیٹا میر منوں وہاں سے نکل گئے تھے۔

✲

نظام الملک کے کہنے پر فیروز مرزا نے تیز رفتار قاصد جودھ پور اور بنارس کی طرف روانہ کئے تھے اور گوہر آراء، پاربتی اور اروما دیوی کی شادی کے سلسلے میں پیغام بھجوایا

Marfat.com

تھا۔ جو قاصد بنارس کی طرف گیا تھا وہ تو فوراً ہی واپس آ گیا اور اس نے منس رام کا یہ پیغام بھجوا دیا تھا کہ محمد امین خان کا خاندان جو شادی کی تاریخ طے کرے گا اس کے مطابق منس رام اور اس کی پتنی اور اس کے لواحقین دہلی پہنچ جائیں گے۔

جہاں تک اجیت سنگھ کا تعلق تھا اس نے شادی کے سلسلے میں ایک شرط پیش کر دی تھی۔ گوہر آراء کے متعلق تو اس نے واضح پیغام بھیج دیا تھا کہ گوہر آراء کی شادی عباد الدین سے فیروز مرزا جب اور جس وقت چاہے کر دے اور جو تاریخ وہ مقرر کریں گے، اجیت سنگھ اس میں شرکت کے لئے حاضر ہو جائے گا۔ لیکن اپنی چھوٹی راجکماری پاربتی کے سلسلے میں اس نے یہ شرط رکھی تھی کہ اگر تو اس کی شادی کا اہتمام دہلی میں کر دیا جائے گا تو وہ اس شادی میں شرکت نہیں کرے گا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کی خواہش ہے کہ اس کی چھوٹی بیٹی پاربتی راجکماریوں کی طرح جودھ پور سے رخصت ہو۔ لہٰذا اس کی بارات دہلی سے جودھ پور آنی چاہئے۔ اجیت سنگھ کا یہ بھی کہنا تھا کہ گوہر آراء کی شادی پر زور اس لئے نہیں دے رہا کہ اس کی شادی ایک بار اس سے پہلے دھوم دھام سے فرخ سیر سے ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب اس کا عقد خاموشی سے بھی کر دیا جائے تو اسے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ اس بناء پر اجیت سنگھ نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اس کی پتنی اور دونوں بیٹیاں جودھ پور آئیں۔ یہاں آ کر شادی کی تیاریاں کریں۔ اس نے اپنی پتنی اور اپنی بیٹی گوہر آراء کو یہ بھی اجازت دے دی تھی کہ اس کی طرف سے ان دونوں کو اجازت ہے کہ وہ پاربتی کی شادی کی جو بھی تاریخ دہلی میں طے کر کے آ جائیں وہ اس کے لئے قابل قبول ہو گی۔

اجیت سنگھ کی طرف سے یہ پیغام آنے کے بعد پہلے تو پاربتی دیوی اور اس کی ماتا بشن دیوی نے جودھ پور جانے سے انکار کر دیا۔ جبکہ گوہر آراء پہلے ہی فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ کبھی جودھ پور نہیں جائے گی۔ تاہم فیروز مرزا کے اہلِ خانہ کے ساتھ ساتھ نظام الملک، میر منوں اور سب کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد آخر یہ طے پایا کہ اجیت سنگھ کی بات مان لینی چاہئے۔ اس میں اس کی بھی عزت افزائی ہو جائے گی اور شادیاں بھی اپنے انجام کو پہنچ جائیں گی۔ اس مشورے کو سامنے رکھتے ہوئے گوہر آراء تو دہلی میں ہی رہی جبکہ بشن دیوی اور پاربتی دونوں ماں بیٹی جودھ پور روانہ ہو گئی تھیں۔

بشن دیوی اور پاربتی دونوں ماں بیٹی جب جودھ پور پہنچ گئیں تو اجیت سنگھ جیسا کہ

Marfat.com

اس کی عادت تھی، وعدہ خلافی اور عہد شکنی پر اتر آیا۔ بشن دیوی اور پاربتی دونوں کو اس نے محصور کر دیا اور پاربتی کا رشتہ شہاب الدین کو دینے سے انکار کر دیا۔

رشتے کے انکار کی خبر جب دہلی پہنچی تو سب لوگ بڑے پریشان اور فکر مند ہوئے۔ بشن دیوی اور پاربتی کے جانے کے بعد گوہر آراء نے فیروز مرزا کے ہاں بھی مستقل قیام کر لیا تھا۔ جس وقت اجیت سنگھ کی طرف سے قاصد آیا اور اس نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا اس وقت گھر کے سب افراد ایک جگہ جمع تھے۔ اس موقع پر بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے گوہر آراء، فیروز مرزا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بڑے ابا! جن خدشات کا میں نے اظہار کیا تھا آخر وہی ہو کر رہے۔ میں نے آپ سے صاف کہہ دیا تھا کہ میری ماتا اور چھوٹی بہن کو جودھ پور نہ بھیجیں۔ میں اپنے باپ کے مزاج سے خوب واقف ہوں۔ لیکن آپ ہی نے کہا تھا کہ اگر اس کی غیر موجودگی میں دو بیٹیوں کی شادی ہو جائے تو یہ بات اجیت سنگھ کے لئے بے عزتی کا باعث ہو گی۔ اب وہ خود ہماری بے عزتی کا باعث بنا ہے کہ نہیں؟ وہ میری ماتا اور چھوٹی بہن کو کسی طریقے اور بہانے سے جودھ پور بلانا چاہتا تھا، وہ اس نے بلا لیا ہے۔ اب اس نے ان دونوں ماں بیٹیوں کو محبوس کر دیا ہو گا اور رشتہ دینے سے اس نے انکار ہی کر دیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد گوہر آراء رکی، ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اپنے قریب بیٹھے شہاب الدین پر ڈالی۔ اس موقع پر شہاب الدین افسردہ تھا۔ گردن اس کی جھکی ہوئی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے گوہر آراء بیچاری ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔ دوبارہ فیروز مرزا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''پر بڑے ابا! میں ایک بات کہوں۔ اگر جودھ پور کا راجہ اجیت سنگھ یہ چاہتا ہے کہ وہ میری چھوٹی بہن پاربتی کی شادی کہیں اور کر دے گا تو ایسا ہم ہونے نہیں دیں گے۔ پاربتی میرے بھائی شہاب الدین کے لئے ہے اور شہاب الدین کے پاس ہی آ کر رہے گی۔ کسی دوسرے کی جیون ساتھی، کسی دوسرے کی پتنی وہ بننا قبول ہی نہیں کرے گی۔ زہر پھانک لے گی، عمر بھر شہاب الدین کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا پتی تسلیم نہیں کرے گی۔''

گوہر آراء کی اس ساری گفتگو کا جواب فیروز مرزا دینا ہی چاہتا تھا کہ عین اسی لمحہ

Marfat.com

کمرے میں نظام الملک اور میر منوں دونوں باپ بیٹا داخل ہوئے تھے۔ ان کی طرف دیکھتے ہوئے سب کھڑے ہو گئے۔ سب پریشان اور فکرمند تھے۔ نظام الملک اور میر منوں آگے بڑھ کر فیروز مرزا کے قریب بیٹھ گئے۔ پھر نظام الملک سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مجھے پتہ چل گیا ہے کہ اجیت سنگھ نے شہاب الدین کے لئے پاربتی کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں اسی وجہ سے آپ سب لوگوں کے چہرے اترے ہوئے ہیں۔ لیکن پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ فی الحال تو مجھے فوراً گجرات جانا پڑ رہا ہے۔ لہٰذا میں یہ فیصلہ کرنے آیا ہوں کہ اجیت سنگھ کو تو ہم بعد میں سمجھا لیں گے اور اس سے نمٹ بھی لیں گے۔ لیکن فی الحال باقی شادیاں اپنے انجام کو پہنچنی چاہئیں۔''

پھر نظام الملک نے مہر النساء کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''اماں! آپ کا اس سلسلے میں کیا خیال ہے؟''

بکھری بکھری اور پریشان سی آواز میں مہر النساء کہنے لگی۔

''نظام الملک میرے بیٹے! مجھ سے نہ پوچھو۔ اب تم ہی اس خاندان کے خود مختار ہو۔ جیسا کرو گے وہی ہمارے لئے آخری فیصلہ ہوگا اور اسی پر عمل کیا جائے گا۔''

اس موقع پر نظام الملک نے فیروز مرزا، قرہ خاتون، تقدیس خانم سے بھی پوچھا، انہوں نے بھی سارا معاملہ جب نظام الملک پر ڈال دیا تب فیصلہ کیا گیا کہ اجیت سنگھ کا معاملہ ابھی التوا میں ڈالا جائے۔ باقی شادیوں کو طے کر دیا جائے۔ یہ فیصلہ ہونے کے بعد ایک تاریخ مقرر کر دی گئی۔ اس تاریخ کے مطابق بنارس کا راجہ منس ام، اس کی پتنی اور لواحقین بھی دہلی پہنچ گئے۔ اس طرح نظام الملک کی زیرِ نگرانی بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت کے ساتھ عباد الدین اور گوہر آراء، شرف الدین اور ماہ الملک، قادرد خان اور اوما دیوی کی شادی کا اہتمام کر دیا گیا تھا۔ حیرت انگیز بات یہ کہ ان شادیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ شہاب الدین نے لیا تھا۔

شادیوں کے بعد فیروز مرزا، مہر النساء، قرہ خاتون اور تقدیس خانم دہلی ہی میں رہنا چاہتی تھیں جب کہ ان کا خیال تھا کہ باقی بچے سارے اپنی بیویوں کو لے کر نظام الملک کے ساتھ دکن کی طرف جا سکتے ہیں۔

Marfat.com

لیکن نظام الملک اور میر منوں کے زور دینے پر سارے ہی نظام الملک اور میر منوں کے ساتھ دہلی سے گجرات کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔

❋

نظام الملک کے دہلی سے گجرات چلے جانے کے چند ہی یوم بعد محمد شاہ کی دادی ملکہ مہر پرور کی شمع حیات بھی گل ہو گئی۔ مہر پرور ہی کی وجہ سے محمد شاہ ابھی تک سیدھی راہ پر چل رہا تھا۔ عیاشی اور عیش و عشرت کا ابھی تک اس کے ذہن میں خیال تک نہ آیا تھا۔ لیکن مہر پرور کی آنکھیں بند ہوتے ہی حالات ایک دم تبدیل ہونا شروع ہو گئے۔ محل سرا کا انتظام محمد شاہ کی رضاعی بہن رحیم النساء بنت محمد درویش کی جھولی میں آ گیا۔ شاہی محلات عیاشی کے تکیے بن گئے۔ جہاں پناہ کا زیادہ وقت زنان خانے میں گزرنے لگا۔ سلطنت کے احکامات رحیم النساء کی معرفت نافذ ہونے لگے۔ اور پھر حیرت انگیز بات یہ کہ شاہی مہر بھی رحیم النساء ہی کی تحویل میں دے دی گئی تھی۔ مستزاد یہ کہ اس کے دستخط اجرائے کار کے کفیل ہوئے۔ اس کے توسط کے بغیر بڑے بڑے کام ملتوی پڑے رہتے تھے۔ غرض یہ کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ درویش زادی دولت کی ماتا بن بیٹھی۔

دوسری طرف دادی کے فوت ہونے کے بعد محمد شاہ نے بھی پَر پُرزے نکالنے شروع کئے تھے۔ اول اول اسے شکار کا شوق ہوا لیکن جب خود ہی مشاہد اور شراب کا شیدا ہوا تو اس وسیع کارخانے کے ملازم بیکار شکاری جانور تک سست اور بیکار ہو گئے۔ رعایا ہمیشہ دینِ ملوک پر چلا کرتی ہے۔ بادشاہ کو عیش و عشرت میں مائل دیکھا تو امیر، وزیر اور عام و خاص بھی ادھر جھک پڑے۔ دہلی میں ارباب نشاط کی وہ ریل پیل اور اسباب عیش کی ایسی فراوانی ہوئی کہ شریف لوگ دیکھتے ہوئے دنگ رہ گئے۔

محمد شاہ نے تعمیر و تزئین کا شوق ترک کر کے پوری طرح عیش پرستی کی محفلیں جمانا شروع کر دی تھیں۔ عیش پرستی ہی کو فروغ دینے کے لئے محمد شاہ نے دہلی کے نواح میں حیات بخش اور مہتاب باغ کے نام سے دو انتہائی خوبصورت قسم کے باغ بنوائے تا کہ سلطنت کے امور کی بُو تک وہاں نہ پہنچے۔

عیاشی کے ان باغات سے جہاں سلطنت کے امور کو بے حد نقصان ہوا وہاں اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ محمد شاہ کی پیروی میں جلد ہی وہاں یعنی دہلی کے باہر بیسیوں نئے باغ تیار ہو گئے۔ باؤلی سے مہر ولی تک درختوں کا خوبصورت سلسلہ لگنا شروع ہو گیا۔

Marfat.com

اس طرح ہر کوئی محمد شاہ کی دیکھا دیکھی عیش پرستی میں کھو گیا۔ یوں اپنی دادی مہر پرور کے بعد محمد شاہ بہت جلد بدل کر محمد شاہ رنگیلا ہو بیٹھا۔ ایسا لگتا تھا کہ محمد شاہ رنگیلا نظام الملک کے دہلی سے نکلنے اور اپنی دادی مہر پرور کی موت ہی کا انتظار کر رہا تھا تاکہ ان کے جانے کے بعد وہ شرافت و سنجیدگی کا لبادہ اتار پھینکے اور عیش و عشرت کی ردا اوڑھ لے اور اس نے ایسا ہی کیا۔

نظام الملک کے دہلی سے چلے جانے کے بعد محمد شاہ کا خیال تھا کہ وزیر اعظم کے طور پر اس کا نام رہے گا لیکن وہ گجرات میں قیام کرے گا۔ لیکن اس طرح سلطنت کے کاروبار میں خلل پڑنے لگا۔ لہٰذا ایک اور شخص قمر الدین خان کو وزیر مقرر کر دیا تھا۔ قمر الدین خان اور روشن الدولہ دو ایسے اشخاص تھے جو پہلے ہی وزارت کا منصب حاصل کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ آخر اس دوڑ دھوپ میں قمر الدین خان ہی کامیاب رہا اور محمد شاہ نے اسے وزیر بنا دیا۔

ان حالات میں دوسرا امیدوار روشن الدولہ دن رات کوشش کر کے نئے وزیر قمر الدین خان کو گرا مارنے کی کوشش کرنے لگا۔ روشن الدولہ کو یہ بھی فوقیت حاصل تھی کہ اس کے تعلقات محمد شاہ کی رضاعی بہن رحیم النساء کے ساتھ بڑے گہرے تھے اور پھر رحیم النساء ان دنوں ہر شے کی ماتا بنی ہوئی تھی۔ روشن الدولہ نے رحیم النساء کو یہ لالچ دیا کہ سلطنت کی مُہر تمہارے ہاتھ میں ہی ہے۔ اگر میں وزیر بن گیا تو شاہی خزانے سے جس قدر رقم وہ مانگا کرے گی روشن الدولہ اس کا اہتمام کرنے کا پابند ہو گا۔ اس طرح روشن الدولہ نے رحیم النساء کو طرح طرح کے لوبھ لالچ دے کر قمر الدین خان کو وزارت کے عہدے سے ہٹانے کی جدوجہد تیز کر دی تھی۔

ادھر نظام الملک سب کو لے کر گجرات پہنچ گیا۔ وہاں نظام الملک کی اپنی حویلی کے علاوہ اس کے چچا حیدر خان کی دو حویلیاں تھیں جن میں سے ایک حویلی فیروز مرزا کے حوالے کر دی گئی جس میں اس نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ قیام کر لیا تھا۔

نظام الملک کے گجرات اور دکن کے علاقے سے کچھ عرصہ دور رہنے کی وجہ سے اس کی غیر موجودگی میں دو قوتوں نے بڑی طاقت پکڑ لی تھی۔ ایک مرہٹے اور دوسرا ایک شخص مبارز خان تھا جس کے ساتھ اس کے چار جنگ جو بیٹے تھے۔ مبارز خان نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا تھا اور اس کے ساتھ حرکت میں آتے ہوئے مختلف علاقوں

Marfat.com

کو اپنی گرفت میں کرنے لگا تھا۔ اس طرح نظام الملک کو جنوب کی طرف جانے کے بعد دو بڑی قوتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ایک مرہٹے اور دوسرے مبارز خان۔ نظام الملک نے سب سے پہلے مبارز خان پر ضرب لگانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد وہ چاہتا تھا کہ مرہٹوں سے نمٹے۔

چند دن کی تیاریوں کے بعد نظام الملک نے اپنے لشکر کو خوب مضبوط اور مستحکم کر لیا۔ لشکر کے چھوٹے سے ایک حصے کے ساتھ اس نے اپنے بیٹے غازی الملک کو اپنے پیچھے چھوڑا۔ عباد الدین اور شرف الدین کو بھی اس کے ساتھ رہنے دیا جبکہ اپنے بیٹے میر منوں کے علاوہ شہاب الدین اور قاورد خان کے علاوہ نظام الملک، اپنے چچا حیدر خان کے ساتھ مبارز خان سے ٹکرانے کے لئے نکلا تھا۔

دوسری طرف مبارز خان جس نے ان علاقوں سے نظام الملک کی غیر موجودگی میں خاصی طاقت اور قوت پکڑ لی تھی وہ بھی ایک گہری چال چل رہا تھا۔ جو لشکر اس کے پاس موجود تھا اس کی تعداد نظام الملک کے لشکر سے زیادہ تھی۔ لہٰذا مبارز خان کا خیال تھا کہ وہ اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ نظام الملک سے ٹکرائے گا اور ہر صورت میں نظام الملک کو شکست دینے کی کوشش کرے گا۔

مبارز خان چاہتا تھا کہ اگر وہ نظام الملک کو اپنے سامنے دبانے اور شکست دینے میں کامیاب ہو گیا تو نہ صرف دکن میں اس کے نام کی دہشت پھیل جائے گی بلکہ وسیع علاقوں پر اس کا قبضہ ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کی طاقت اور قوت میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ جب ایسا ہو جائے گا تو وہ خم ٹھونک کر مرہٹوں کے سامنے آئے گا اور نظام الملک کی طرح انہیں بھی تباہ و برباد کر کے بلا شرکتِ غیرے دکن کا حاکم اعلیٰ بن جائے گا۔

مبارز خان کے چار تنومند اور جوان بیٹے تھے۔ سارے ہی جنگ جو اور فساد کی جڑ تھے۔ وہ بھی لگاتار مبارز خان کو نظام الملک اور مرہٹوں کے خلاف اکساتے رہتے تھے۔ جہاں مبارز خان یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ پورے دکن کا وہ حاکم بن جائے گا، وہاں اس کے بیٹے بھی اپنے اپنے طور پر عجیب خواب دیکھ رہے تھے۔ وہ یہ چاہ رہے تھے کہ جب اپنے باپ کے ساتھ مل کر وہ نظام الملک اور مرہٹوں دونوں قوتوں پر غالب آ جائیں گے تو پھر جب تک ان کا باپ زندہ رہے گا تب تک تو اتفاق سے رہیں

Marfat.com

گے۔ اپنے باپ کے بعد سارے علاقے کو چار حصوں میں تقسیم کر کے وہ چار خود مختار حکومتیں قائم کر لیں گے۔

انہی خیالات کے تحت مبارز خان اور اس کے بیٹے نظام الملک کے مقابل آئے۔ دونوں لشکروں کا ایک دوسرے کے ساتھ آمنا سامنا ہوا۔ صفیں درست کرنا شروع کر دی گئی تھیں۔ مبارز خان نے اپنے لشکر کو برابر کے تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ لشکر کے وسطی حصے میں وہ خود رہا اور دائیں بائیں پہلوؤں پر اپنے دو بیٹوں کو مقرر کیا تھا۔ دوسری طرف نظام الملک نے بھی مبارز خان کا مقابلہ کرنے کے لئے لشکر کو تین ہی حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ وسطی حصے میں وہ خود رہا۔ اپنے ساتھ کچھ چھوٹے سالاروں کو رکھا۔ دائیں پہلو پر میر منوں اور شہاب الدین کو مقرر کیا گیا۔ بائیں پہلو پر نظام الملک کا چچا حیدر خان اور قاورد خان، دونوں کو مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے بعد دونوں لشکروں کا ٹکراؤ شروع ہوا اور دونوں ہی چنگھاڑتے طوفانوں، خواہشوں کی ہواؤں اور حرص کی لذت کی طرح ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ہر کوئی اپنی کامیابی، اپنی فوزمندی کو آخری شکل دینے کے لئے قہرمانیت کے سیلاب اور بے چین بھٹکتی وحشتوں کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا۔ میدانِ جنگ کے اندر وقت کو معطل کر دینے والے عذاب ناک لمحوں اور عقوبت بھرے قیامت خیز المیے رقص کرنے لگے تھے۔

جنگ کی ابتداء کے وقت مبارز خان کا خیال تھا کہ اسے عددی فوقیت بھی حاصل ہے اس کے علاوہ اس کے ساتھ اس کے چاروں انتہائی تجربہ کار بیٹے ہیں جو جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں، اپنے مدِ مقابل کے متعلق اس کا یہ خیال تھا کہ نظام الملک کے ساتھ اگر کوئی تجربہ کار ساتھی ہے تو وہ صرف اس کا بیٹا میر منوں ہے۔ شہاب الدین اور قاورد خان کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ بہرحال دونوں لشکر ایک دوسرے سے بری طرح ٹکرائے تھے۔ شروع میں مبارز خان نے کسی قدر اپنا پلّہ بھاری بھی رکھنا شروع کیا تھا لیکن آہستہ آہستہ نظام الملک نے وسطی حصے سے، دائیں جانب سے میر منوں اور شہاب الدین نے اور بائیں جانب سے حیدر خان اور قاورد خان نے زور ڈالتے ہوئے مبارز خان کی صفوں کا خاتمہ کر کے رکھ دیا تھا۔

اگلی تین چار صفوں کا خاتمہ ہونے کے بعد ان سے پچھلی صفوں والے بڑے پریشان اور بڑے درہم برہم ہوئے۔ چونکہ نظام الملک، میر منوں اور شہاب الدین، حیدر خان

Marfat.com

اور قاور د خان نے زوردار حملے کرتے ہوئے اگلی صفوں کا خاتمہ کیا تھا لہٰذا ان کے ان زوردار حملوں کو دیکھتے ہوئے پچھلی صفیں کسی قدر پراگندگی کا شکار ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی لشکری جان توڑ کر اور آگے بڑھ کر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں کر رہا تھا۔ اس موقع کو نظام الملک اور اس کے سالاروں نے مناسب جانا اور پہلے کی نسبت انہوں نے اپنے حملوں میں تیزی پیدا کر دی تھی۔

حملوں میں اس تیزی نے مبارز خان اور اس کے بیٹوں کے لشکر کی حالت مزید ابتر بنا کر رکھ دی۔ بہت سے لشکریوں کی تنظیم درہم برہم ہو گئی۔ اور پھر سب سے بڑی بدقسمتی کہ اس موقع پر مبارز خان جب اپنے لشکریوں کو دھاڑتی ہوئی آوازوں میں للکارتا ہوا اگلی صفوں کی طرف آیا تو نظام الملک کے کچھ لشکری اس پر حملہ آور ہوئے اور مبارز خان کا کام تمام کر کے رکھ دیا۔

مبارز خان کے لشکریوں نے مبارز خان کو گھوڑے سے گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا لہٰذا اس کے لشکر میں افراتفری مچ گئی تھی۔ اسی دوران نظام الملک اور اس کے سالاروں نے اپنے حملوں میں مزید تیزی پیدا کی تو مؤرخین لکھتے ہیں کہ مبارز خان کے دو بیٹے بھی جنگ کے دوران ہلاک ہو گئے۔ ان کی ہلاکت کی وجہ سے مبارز خان کا لشکر منتشر ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ بھاگتے ہوئے لشکر کا نظام الملک نے پوری طاقت اور قوت سے تعاقب کرتے ہوئے ان کی تعداد کی کثرت کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور مبارز خان کے باقی دو بیٹوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

نظام الملک کی غیر موجودگی میں مبارز خان نے نہ صرف طاقت اور قوت پکڑ لی تھی بلکہ اندر ہی اندر اس نے مرہٹوں کے ساتھ بھی تعلقات استوار کر لئے تھے۔ جب نظام الملک کے ساتھ مبارز خان کا ٹکراؤ شروع ہوا تو مبارز خان کی مدد کے لئے مرہٹوں نے ایک لشکر روانہ کیا لیکن مرہٹوں اور مبارز خان دونوں کی بدقسمتی کہ مرہٹوں کے اس لشکر کے پہنچنے سے پہلے ہی نظام الملک میدان صاف کرتے ہوئے مبارز خان کا خاتمہ کر چکا تھا۔ مرہٹوں کا لشکر جب قریب آیا تو اس پر حملہ آور ہونے کے لئے نظام الملک نے اپنے بیٹے میر منوں اور شہاب الدین کو روانہ کیا۔ میر منوں اور شہاب الدین اچانک مرہٹوں پر ٹوٹ پڑے۔

مرہٹے اس حملے کی امید ہی نہیں رکھتے تھے۔ وہ تو اس خیال سے آنکھیں بند کئے

Marfat.com

آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ نظام الملک کے مقابلے میں انہیں مبارز خان کی مدد کرنی ہے۔ یہ بات ان کے وہم و گمان میں نہ تھی کہ اس وقت تک نظام الملک، مبارز خان کو شکست دے کر اس کا خاتمہ کر چکا تھا۔

لہٰذا میر منوں اور شہاب الدین جب مرہٹوں پر اچانک حملہ آور ہوئے تو مرہٹے اچانک حملے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ لہٰذا مرہٹے جو لشکر لائے تھے اس کے آدھے حصے کو کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ آدھا حصہ واپس بھاگ گیا۔ اس طرح نظام الملک کی غیر موجودگی میں مبارز خان نے جو قوت اور طاقت پکڑی تھی اس کا خاتمہ کر کے رکھ دیا تھا اور مرہٹوں کے لشکر کے ایک حصے کو شکست دے کر ان پر بھی نظام الملک نے ایک طرح سے اپنا رعب اور دبدبہ قائم کر دیا تھا۔

✽ ...... ✽

Marfat.com

●●●

نظام الملک کے جانے کے بعد محمد شاہ نے جس قمر الدین خان کو اس کی جگہ وزیر مقرر کیا تھا وہ بھی زیادہ دن تک وزیر کے منصب پر قائم نہ رہ سکا۔ اس لئے کہ دوسرا شخص روشن الدولہ لگاتار اس کی ٹانگیں پکڑ کر اس کے منصب سے گھسیٹنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ اس سلسلے میں رحیم النساء اس کی پوری پوری مدد کر رہی تھی۔ آخر رحیم النساء نے آہستہ آہستہ محمد شاہ پر حاوی ہوتے ہوئے قمر الدین خان کو اس کی غیر تسلی بخش خدمات کی وجہ سے محمد شاہ سے کہہ کر وزارت کے منصب سے علیحدہ کرا دیا اور اس کی جگہ روشن الدولہ کو وزیر بنا دیا۔

اب روشن الدولہ تو ایک عرصے سے وزارت کے خواب دیکھ رہا تھا اور وزارت حاصل کرنے کے لئے اس نے برابر رحیم النساء سے رابطہ قائم کر رکھا تھا۔

محمد شاہ کی سلطنت کی شاہی مہر رحیم النساء کے پاس تھی۔ پھر روشن الدولہ اور رحیم النساء دونوں نے مل کر دولت سمیٹنے کے لئے ہر جائز اور ناجائز طریقہ استعمال کرتے ہوئے اپنی دولت میں اضافہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

ایک روز ''کڑوے پانی'' کے نشے میں دھت محمد شاہ، مہتاب باغ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کی خدمت میں وزیر روشن الدولہ حاضر ہوا۔ اس وقت کچھ مصاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بھی ''کڑوے پانی'' کے جام انڈیلتے ہوئے محمد شاہ رنگیلا کی طرح اپنی آدھی سدھ بدھ کھوئے ہوئے تھے۔ روشن الدولہ بڑا چالاک، عیار شخص تھا۔ شاید وہ مناسب موقع جان کر آیا تھا۔ وہ محمد شاہ کے قریب بیٹھ گیا اور بڑی عاجزی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے اس طرح دیکھنے کے انداز کو محمد شاہ نے محسوس کیا لہٰذا اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

Marfat.com

''تمہارا چہرہ بتاتا ہے کہ تم کچھ کہنا چاہتے ہو پر کہہ نہیں پا رہے۔''
روشن الدولہ نے چاپلوسی سے کام لیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔
''حضور کا اندازہ بالکل درست ہے۔ میں نظام الملک سے متعلق کچھ تفکرات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔''

دراصل روشن الدولہ کو دکن میں نظام الملک کی بڑھتی ہوئی طاقت اور قوت کی خبر ہو گئی تھی اور اسے یہ اندیشہ ہو گیا تھا کہ اگر نظام الملک اسی طرح اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرتا رہا تو ایک روز ضرور ایسا آئے گا کہ محمد شاہ اسے واپس بلا کر سلطنت کا وزیر بنا دے گا تا کہ اس کی طاقت اور قوت اس کی سلطنت کے لئے سود مند ثابت ہو۔ اسی بناء پر روشن الدولہ نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ہر صورت میں نہ صرف نظام الملک اور اس کے بیٹے میر منوں کو محمد شاہ کی نظروں میں گرائے گا بلکہ نظام الملک کو دکن کی گورنری سے ہٹا کر وہاں محمد شاہ کی طرف سے کسی اور کو حاکم مقرر کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس مقصد کے لئے وہ محمد شاہ سے ملاقات کرنے کے لئے گیا تھا اور محمد شاہ نے اس سے پوچھا تب دست بستہ ہو کر روشن الدولہ کہنے لگا۔

''حضور! بات یہ ہے کہ حکومت کے معاملے میں اگر کوئی سگا بھائی بھی ہو تو اسے بھی حکمران بھائی سے زیادہ طاقتور نہیں ہونا چاہئے۔ وقت ضرورت وہ بھی دغا دے کر حکمران بھائی کو تخت و تاج سے محروم کر سکتا ہے۔ حضور! مجھے یہ خبریں پہنچی ہیں کہ نظام الملک نے دکن میں بہت بڑی طاقت اور قوت جمع کر لی ہے۔ اس کے پاس اتنا لشکر ہے جتنا اس وقت دہلی کی سرکار کے پاس بھی نہیں ہے۔ اور ابھی جو تازہ تازہ خبریں آئی ہیں ان کے مطابق نظام الملک پہلے وہاں طاقت اور قوت پکڑنے والے مبارز خان کے خلاف حرکت میں آیا۔ مبارز خان کے پاس بہت بڑا لشکر تھا لیکن نظام الملک نے اسے بدترین شکست دی۔ اسے اور اس کے دو بیٹوں کو جنگ کے دوران ہلاک کر دیا۔ مبارز خان اور مرہٹوں کے درمیان معاہدہ تھا، اسی معاہدے کے تحت مرہٹوں کا ایک لشکر مبارز خان کی مدد کے لئے گیا۔ نظام الملک نے اسے بھی مار بھگایا اور اب نظام الملک ایک طرح سے دکن میں مطلق العنان حاکم کی حیثیت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد روشن الدولہ رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ ''حضور! بات یہ ہے کہ اگر نظام الملک اسی طرح اپنی طاقت اور قوت میں

Marfat.com

اضافہ کرتا رہا، اپنے ماتحت علاقوں کو وسعت دیتا رہا تو میں ڈرتا ہوں کہ آنے والے دنوں میں کہیں وہ ہم سب کے لئے بھی خطرے کا باعث نہ بن بیٹھے۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے نظام الملک کو وزارت کے منصب سے ہٹا کر جنوب کی طرف روانہ کیا تھا۔ وزارت کا منصب ایک نشہ ہے جو ایک بار کسی پر چڑھتا ہے تو بار بار اسے چڑھتا ہے۔ نظام الملک ایک بار وزیر رہ چکا ہے اور اسے کیونکہ اس منصب سے معزول کیا گیا ہے لہٰذا میرا اندازہ ہے کہ اب اپنی طاقت اور قوت کو خوب استوار کرنے کے بعد وہ دہلی کا رخ کرے گا۔ اگر ایسا ہوا تو دہلی میں کوئی بھی ایسی طاقت نہیں جو نظام الملک کا مقابلہ کر سکے۔ ایسی صورت میں دہلی کو نظام الملک کے ہر حکم کا اتباع کرنا ہوگا اور اس کی ہر شرط کو قبول کرنا پڑے گا۔"

روشن الدولہ جب خاموش ہوا تو تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے محمد شاہ کہنے لگا۔

"تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں نے اسے وزارت کے منصب سے ہٹا کر غلطی کی ہے اور اسے واپس بلا کر پھر اسی منصب پر مقرر کر دینا چاہئے۔"

ان الفاظ پر روشن الدولہ لرز کانپ گیا تھا۔ اسے اپنی وزارت کا منصب ڈگمگاتا دکھائی دیا تھا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور کانپتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے اور میں ایسا چاہتا بھی نہیں۔ مرکز میں نظام الملک کا رہنا درست بھی نہیں ہے۔ وہ مزاج کا سخت ہے۔ برہمی فوراً اس پر غالب آ جاتی ہے۔ اس بناء پر اکثر و بیشتر اس کے فیصلے درست نہیں ہوتے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ وہیں رہے لیکن جس قدر وسیع علاقوں پر وہ قابض ہو گیا ہے اس قدر وسیع علاقے اس کے قبضے میں نہ رہنے دیئے جائیں۔ اب تو وہ دکن پر بھی قابض ہو چکا ہے۔ میں چاہتا ہوں وہ دکن کے دور افتادہ علاقوں میں پڑا رہے۔ گجرات وغیرہ کا حاکم کسی اور کو مقرر کر دیا جائے تاکہ آنے والے دور میں اگر نظام الملک طاقت اور قوت پکڑتے ہوئے دہلی کا رخ کرتا ہے تو اس کے راستے میں گجرات کا جو ہمارا والی ہوگا وہ اس کی راہ روکے گا۔ جس کو بھی گجرات کا والی مقرر کریں گے اسے سختی کے ساتھ تنبیہ کریں گے کہ وہ وہاں پہنچ کر ایک طاقت ور لشکر تیار کر لے اور ہمہ وقت نظام الملک کی راہ روکنے کے لئے تیار اور مستعد رہے۔

Marfat.com

روشن الدولہ جب خاموش ہوا تو دوبارہ اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے محمد شاہ کہنے لگا۔

"جن خدشات کا اظہار تم نظام الملک کی طرف سے کر رہے ہو ایسے ہی خدشات اگر گجرات کے نئے حاکم کی طرف سے بھی اٹھ کھڑے ہوئے تو روشن الدولہ! تم کیا کرو گے؟ گجرات کا اگر تم کسی کو حاکم مقرر کرتے ہو، وہ بھی نظام الملک کی راہ پر چل پڑتا ہے تو پھر تم کیا کرو گے؟ اس کی راہ کون روکے گا؟"

روشن الدولہ نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

"اس سلسلے میں ہمیں زیادہ فکر مند اور پریشان نہیں ہونا پڑے گا۔ اگر گجرات کا حاکم بھی اسی راہ پر چل پڑے گا تو اس وقت تک ہم نظام الملک سے اپنے تعلقات تو نہیں بگاڑیں گے۔ نظام الملک کو اس کے خلاف استعمال کریں گے اور اس کا خاتمہ کرا دیں گے۔"

روشن الدولہ جب خاموش ہوا تب محمد شاہ طنزیہ سے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"گجرات اس وقت نظام الملک کے تحت ہے۔ اگر وہ علاقہ تم نظام الملک سے لے کر وہاں کسی اور کو حاکم مقرر کر دو گے اور اس حاکم نے اگر طاقت اور قوت پکڑ لی تو کیا نظام الملک تمہارا زرخرید غلام ہے کہ جو علاقے اس کے ماتحت ہیں تم اس سے چھین بھی لو اور بوقت ضرورت تم ان علاقوں کے حاکم کے خلاف اسے استعمال بھی کر لو؟"

محمد شاہ کے یہ الفاظ سن کر روشن الدولہ کسی قدر شرمندہ اور پریشان سا ہو گیا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے محمد شاہ کہنے لگا۔

"اچھا ...... اگر تم ایسا چاہتے ہو تو ایسا ہی کر لو۔ پر یہ کہو، تمہارے ذہن میں کسی ایسے شخص کا نام ہے جسے گجرات کا حاکم مقرر کیا جائے؟"

روشن الدولہ نے مزید چاپلوسی کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"حضور! آپ ہی بتائیں کہ اس منصب کے لئے کون مناسب ہے؟"

جواب میں محمد شاہ رنگیلا تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا، ساتھ ہی انگلیاں بھی نچاتا رہا۔ پھر روشن الدولہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"روشن الدولہ! اس منصب کے لئے میرے ذہن میں دو آدمی آتے ہیں۔ ایک

Marfat.com

اودھ کا حاکم امین خان نیشا پوری جو اب سعادت خان کہلاتا ہے اور دوسرا سر بلند خان ہے۔"

محمد شاہ کے خاموش ہونے پر تفکرات کا اظہار کرتے ہوئے روشن الدولہ کہنے لگا۔

"حضور! جہاں تک اودھ کے حاکم سعادت خان کا تعلق ہے تو میری آپ سے گزارش ہے وہ حرص و ہوس کا بندہ ہے۔ اسے معمولی سی رقم کی بھی پیشکش کی جائے تو معاہدہ توڑنے پر رضامند ہو جاتا ہے۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ اس پر کسی بھی حالت میں اعتماد اور بھروسہ نہ کیجئے گا۔ وہ میرا اچھا خاصا دیکھا بھالا ہے اور میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ سعادت خان کا اگر آپ کی بجائے اس کے دشمن سے مطلب نکلتا ہو تو میں یہ بات لکھ کر دینے کے لئے تیار ہوں کہ سعادت خان آپ کو چھوڑ دے گا اور اپنا مطلب اور مقصد حاصل کرنے کے لئے آپ پر آپ کے دشمنوں کو ترجیح دے گا۔ جہاں تک سر بلند خان کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں اس مقصد کے لئے وہ مناسب ترین آدمی ہے۔ اس کے ساتھ اس کا ایک اور سالار بھی ہے۔ نام اس کا شجاعت خان ہے اور وہ بھی ضرورت کے وقت کام آ سکتا ہے۔ لہٰذا میری آپ سے گزارش ہے کہ اودھ کے سعادت خان کی جگہ سر بلند خان کو گجرات کا حاکم مقرر کر دیا جائے۔ اور مجھے امید ہے کہ سر بلند خان حالات کو اپنی گرفت میں کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔"

محمد شاہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ یوں روشن الدولہ کے کہنے پر اس نے سر بلند خان کو حاکم بنا کر روانہ کرنے کا حکم دے دیا۔

ان حالات کی خبر سر بلند خان کو بھی ہو گئی۔ دوسری طرف نظام الملک کے مخبر بھی بڑی تیزی سے کام کر رہے تھے۔ انہوں نے بھی یہ خبریں اس تک پہنچا دیں لہٰذا نظام الملک نے اس وقت تک دکن کے وسیع علاقوں کو فتح کرنے کے بعد حیدر آباد کو اپنا مرکز بنا لیا تھا اور اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب مرکز کی طرف سے اگر کسی کو اس کے علاقوں کا یا اس کے کسی ایک علاقے کا حاکم بنا کر مقرر کیا گیا تو وہ مزاحمت کرے گا اور آنے والے کو مار بھگائے گا۔

ادھر سر بلند خان بڑا دانشمند اور سیانا آدمی تھا۔ اسے جب خبر ہوئی کہ وزیر روشن الدولہ اسے نظام الملک سے ٹکرانا چاہتا ہے تو اس نے اس ٹکراؤ سے پہلو تہی کرنا شروع کر دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ نظام الملک کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ دوسرے اس کے

Marfat.com

نظام الملک کے ساتھ تعلقات بہت اچھے تھے۔ وہ نظام الملک کے ساتھ اپنے دیرینہ تعلقات کو بگاڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا وہ دہلی سے خود تو کوچ کر گیا، اپنی طرف سے اپنے ساتھی شجاعت خان کو حاکم بنا کر اس نے گجرات کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

دوسری طرف نظام الملک نے دکن میں اپنی حکومت کو ایک طرح سے موروثی بنا لیا تھا۔ حیدر آباد کو اس نے اپنا مرکزی شہر قرار دے دیا تھا۔ اب وہ اس کوشش میں تھا کہ اگر دہلی سے کسی اور کو ان علاقوں کا حاکم بنا کر بھیجا گیا تو وہ اسے مار بھگائے گا۔

چنانچہ جب محمد شاہ نے سربلند خان کو ان علاقوں کا حاکم بنا کر روانہ کیا تو اس کے ساتھ ایک خاصا بڑا لشکر بھی روانہ کیا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نظام الملک نے اپنے چچا حیدر خان کو روانہ کیا۔ دونوں لشکروں کا ٹکراؤ ہوا۔ حیدر خان نے شجاعت خان کے لشکر کو بدترین شکست دی اور شجاعت خان واپس سربلند کی طرف بھاگ گیا اس لئے کہ سربلند خان خود بھی دہلی سے نکل چکا تھا۔

اس وقت تک دہلی میں بھی ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ نئے وزیر روشن الدولہ کی بدقسمتی کہ وہ شاہی خزانے سے بھاری رقوم لینے کے علاوہ کچھ لوگوں کے کام کرنے کے صلے میں ان سے بھاری رشوتیں لیتا ہوا پکڑا گیا تھا۔ جب تحقیقات کی گئیں تو رقوم کے خورد برد میں روشن الدولہ کے ساتھ محمد شاہ کی رضاعی بہن رحیم النساء بھی ملوث پائی گئی۔ لہٰذا محمد شاہ فوراً حرکت میں آیا۔ روشن الدولہ کو وزارت کے منصب سے محروم کر کے ایک اور شخص خانِ دوراں کو وزارتِ عظمیٰ سونپ دی جبکہ رحیم النساء کو بھی اس نے قصر سے نکال باہر کیا۔

✻

حیدر آباد میں ایک روز گوہر آراء اپنی خواب گاہ میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا شوہر عباد الدین کہیں باہر نکلا ہوا تھا کہ کمرے میں میر منوں کی بیوی مغلانی بیگم داخل ہوئی۔

یاد رہے یہ وہی مغلانی بیگم تھی جو بعد کے دور میں جالندھر اور کشمیر کے کچھ علاقے کی حاکم بھی رہی تھی۔

مغلانی بیگم آگے بڑھی۔ اسے دیکھتے ہی گوہر آراء اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ چند قدم آگے بڑھی، بڑے خوش کن انداز میں مغلانی بیگم کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں

Marfat.com

میں لئے پھر اسے اپنے ساتھ نشستوں کی طرف لے گئی۔ دونوں جب وہاں بیٹھ گئیں تب گفتگو کا آغاز مغلانی بیگم نے کیا اور گوہر آراء کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''گوہر آراء! گزشتہ کئی دنوں سے میں ایک موضوع پر تم سے گفتگو کرنے کے لئے سوچ رہی تھی۔ چاہتی تھی کہ پہلے اس موضوع پر تم سے گفتگو کروں پھر اپنے شوہر کے علاوہ اپنے سسر نظام الملک اور تمہارے سسر فیروز مرزا کے علاوہ تقدیس خانم اور قرہ خاتون سے بھی بات کروں۔''

مغلانی بیگم کے ان الفاظ پر گوہر آراء چونکی تھی، تشویش بھرے انداز میں مغلانی بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی؟ کوئی خطا ہوئی جس کی بناء پر آپ اس سلسلے میں سب لوگوں سے گفتگو کرنا چاہتی ہیں؟''

اس موقع پر ہلکا سا تبسم مغلانی بیگم کے چہرے پر نمودار ہوا تھا، پھر کہنے لگی۔

''بالکل۔ تم سے خطا نہیں، غلطی نہیں، کوتاہی نہیں بلکہ ایک بہت بڑا جرم سرزد ہوا ہے۔''

مغلانی بیگم کے ان الفاظ نے گوہر آراء کو اور زیادہ پریشان اور فکر مند کر دیا تھا۔ لہٰذا تشویش اور تجسس بھری آواز میں کہنے لگی۔

''کھل کر کہیں ...... آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟ آپ کی باتوں نے مجھے پریشان اور فکر مند کر کے رکھ دیا ہے۔''

مغلانی بیگم ہنس دی۔ ہاتھ آگے بڑھا کر گوہر آراء کو اس نے اپنے ساتھ لپٹا لیا، پھر کہنے لگی۔

''میری عزیز چھوٹی بہن! تمہیں پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ دراصل میں تم سے شہاب الدین کے سلسلے میں بات کرنے آئی ہوں۔''

اس انکشاف پر گوہر آراء نے سکھ کا لمبا سانس لیا۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ مغلانی بیگم پھر بول اٹھی تھی۔

''گوہر آراء! اپنے خاندان کے ان لڑکوں میں مجھے شہاب الدین سب سے زیادہ عزیز اور پیارا ہے۔ اس کی نہ صرف عادات پسندیدہ ہیں بلکہ اوروں کی نسبت زیادہ جرأت مند اور شجاع ہے۔ لیکن میں دیکھتی ہوں یہاں وہ کچھ اداس اداس، بکھرا بکھرا

Marfat.com

رہتا ہے۔ عباد الدین، شرف الدین، قاور د خان تینوں کی شادی ہو چکی ہے اور تم سب لوگ اپنی اپنی خوابگاہ میں ہوتے ہو۔ کیا تم نے اندازہ نہیں لگایا کہ وہ باقاعدگی سے حویلی میں قیام نہیں کرتا۔ کبھی اپنی ماں سے ملتا ہے، بڑے ابا سے ملتا ہے اور کبھی ایک دو راتیں مستقر میں بھی بسر کر لیتا ہے اور اس کی یہ حالت گوہر آراء! کم از کم میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔''

مغلانی بیگم کے ان الفاظ پر گوہر آراء خود بھی اداس اور افسردہ ہو گئی تھی۔ کچھ دیر عجیب سے انداز میں مغلانی بیگم کی طرف دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

''دیدی! آپ یہ خیال مت کیجئے گا کہ مجھے شہاب الدین کی اس حالت کا احساس نہیں ہے۔ میں اسے سگے بھائیوں جیسا چاہتی ہوں۔ اگر یہاں اس کی یہ حالت ہے تو یاد رکھنا جودھ پور میں میری بہن پاربتی کی اس سے بھی بدتر حالت ہو گی۔ وہ جنون کی حد تک اسے چاہنے لگی تھی لیکن میرے باپ کی بدقسمتی کہ اس نے عہد شکنی کی اور میری ماں اور بہن کو روک لیا۔''

گوہر آراء جب خاموش ہوئی تو غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مغلانی بیگم بول اٹھی۔

''گوہر آراء! کیا کسی طریقے سے پاربتی کو جودھ پور سے نکالا نہیں جا سکتا؟ اس کا جودھ پور سے نکال کر یہاں لانا بے حد ضروری ہے۔ اس لئے کہ شہاب الدین کی یہ حالت زیادہ عرصہ نہیں رہنی چاہئے۔''

مغلانی بیگم کے خاموش ہونے پر گوہر آراء نے کچھ سوچا پھر کہنے لگی۔

''دیدی! پاربتی کو وہاں سے نکالنے کی ایک صورت تو ہے لیکن میں ڈرتی ہوئی کسی سے کہتی نہیں اس لئے کہ اس صورت پر عمل کرنے پر اگر کہیں میرے بھائی شہاب الدین کو نقصان ہوا تو پھر میں تو زندگی بھر اپنے آپ کو معاف نہیں کروں گی۔ اس کے علاوہ میں اپنے اہلِ خانہ کی نظروں میں بھی گر جاؤں گی کہ وہ طریقہ استعمال کرنے کے لئے میں نے کہا تھا جو ناکام ہوا۔ اس بناء پر میں چپ ہوں لیکن میں خود شہاب الدین کی وجہ سے سخت پریشان اور فکرمند ہوں۔ دیدی! آپ یقین کیجئے گا، میرے دن رات کا اکثر حصہ شہاب الدین اور پاربتی سے متعلق سوچوں ہی میں گزر جاتا ہے۔''

گوہر آراء جب رکی تب امید بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے مغلانی

Marfat.com

بیگم کہنے لگی۔

''اگر تمہارے پاس کوئی ایسا طریقہ ہے تو کہو۔ پہلے میں جانوں وہ ہے کیا۔ اگر وہ قابل عمل ہوا تو پھر اس سلسلے میں سب سے بات کی جائے گی۔ اگر سب اس پر متفق ہوئے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔''

گوہر آراء چند لمحوں تک سوچتی رہی، پھر کہنے لگی۔

''جودھ پور کے راج مندر کا بڑا پروہت چونی لال ایسا شخص ہے جس پر میری کچھ نوازشات ہیں۔ ان کی وجہ سے وہ میرا ممنون ہے۔ اگر اس معاملے میں اسے لایا جائے تو پاربتی کو اس کے ذریعے سے جودھ پور سے نکالا جا سکتا ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میرے باپ اجیت سنگھ نے میری ماں بشن دیوی اور میری بہن پر سخت قسم کی پابندیاں لگائی ہوں گی۔ لیکن میرے خیال میں راج مندر میں جانے کے لئے ان پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ چونی لال میرے بھروسے کا آدمی ہے۔ جو طریقہ میں اپنانا چاہتی ہوں وہ یہ کہ میں چونی لال کے نام ایک خط شہاب الدین کو دوں گی۔ شہاب الدین اکیلا جودھ پور کا رخ کرے۔ جودھ پور جا کر شہر کے اندر قیام نہ کرے۔ شہر کے باہر بھی کافی سرائے ہیں۔ وہاں کسی سرائے میں قیام کرے۔ خصوصیت کے ساتھ وہ شاہراہ جو صحرا سے گزر کر جنوب مشرق کی طرف آتی ہے، اس کے کنارے بھی سرائے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک میں قیام کر کے اپنے گھوڑے کو بھی وہیں رکھے۔ اس کے بعد خانہ بدوشوں کے بھیس میں جودھ پور شہر میں داخل ہو۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد راج مندر کے بڑے پروہت چونی لال سے ملے۔ جو خط میں نے اسے دیا ہو گا وہ خط اسے پیش کرے۔ اور مجھے امید ہے کہ میرا خط پڑھ کر چونی لال کسی نہ کسی طرح میری بہن پاربتی کو جودھ پور سے شہاب الدین کے ساتھ نکالنے کی ضرور کوشش کرے گا۔'' گوہر آراء رکی، دم لیا اس کے بعد اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے وہ پھر کہہ رہی تھی۔

''میرے خیال میں یہ سب سے آسان اور محفوظ طریقہ ہے۔ میری ماں اور بہن دونوں کا راج مندر میں آنا جانا ہو گا۔ شہاب الدین جب میرا دیا ہوا خط چونی لال کے حوالے کرے گا تو چونی لال میرا خط پڑھ کر اس خط کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگر تو میری ماں اور بہن پر راج مندر میں جانے پر پابندی نہیں ہے تو پھر

Marfat.com

چونی لال آسانی سے یہ کام کر گزرے گا اور اگر میرے باپ نے ایک طرح سے انہیں قیدی بنا رکھا ہے اور انہیں راج مندر بھی نہیں جانے دیتا تب بھی راج مندر کے بڑے پروہت چونی لال کے میرے باپ اجیت سنگھ کے ساتھ بڑے گہرے اور بڑے باوقار مراسم ہیں۔ چونی لال اس سلسلے میں راج محل میں بھی داخل ہو سکتا ہے اور وہاں بھی وہ پاربتی سے بات کر کے پاربتی کو وہاں سے نکالنے کا کوئی نہ کوئی حربہ ضرور استعمال کر سکتا ہے۔"

گوہر آراء خاموش ہوئی، کچھ سوچا، اس کے بعد مغلانی بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"فی الوقت میرے پاس یہی طریقہ ہے لیکن اس سلسلے میں گھر کے دیگر افراد سے گفتگو کرنے سے پہلے شہاب الدین سے بات کرنا چاہئے کہ کیا وہ خود بھی اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہے کہ نہیں۔ اگر وہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہے تو پھر اس موضوع کو گھر کے دیگر افراد کے سامنے رکھنا آپ کا کام ہے۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو میرے خیال میں شہاب الدین کو جودھ پور جانے دیا جائے۔ اور میرا دل کہتا ہے کہ شہاب الدین پاربتی کو جودھ پور سے نکال لانے میں کامیاب ہو جائے گا۔"

گوہر آراء کے ان الفاظ پر مغلانی بیگم خوش ہو گئی تھی۔ پھر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں شہاب الدین کو بلواتی ہوں۔ کیا تم جانتی ہو وہ اس وقت ہے کہاں؟"

گوہر آراء خوش ہو گئی۔ کہنے لگی۔ "تھوڑی دیر پہلے حویلی میں آیا ہے۔ میرے خیال میں اماں کے کمرے میں ہو گا۔"

مغلانی بیگم اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کمرے کے دروازے پر آئی اور اس نے شہاب الدین کو آواز دی۔ تھوڑی دیر بعد شہاب الدین برآمدے میں نمودار ہوا۔ جب اس نے گوہر آراء کے کمرے کے سامنے مغلانی بیگم کو دیکھا تب اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"آپی! آپ نے مجھے بلایا ہے؟"

مغلانی بیگم منہ سے کچھ نہ بولی۔ ہاتھ کے اشارے سے شہاب الدین کو اپنی طرف بلایا۔ شہاب الدین چپ چاپ اس کی طرف ہو لیا تھا۔ جب وہ مغلانی بیگم کے پاس

Marfat.com

گیا تو مغلانی بیگم نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور تقریباً کھینچتی ہوئی اسے کمرے کے اندر لے گئی۔ گوہر آراء کے سامنے جس نشست پر مغلانی بیگم بیٹھی ہوئی تھی اس نشست پر اس نے شہاب الدین کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔ پھر تھوڑی دیر پہلے جو گفتگو مغلانی بیگم اور گوہر آراء کے ساتھ ہوئی تھی اس کی تفصیل مغلانی بیگم نے شہاب الدین سے کہہ دی تھی۔

مغلانی بیگم جب خاموش ہوئی تب کسی قدر گھورنے اور کسی قدر احتجاجی سے انداز میں شہاب الدین، گوہر آراء کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''دیدی! اگر آپ کے پاس ایسی کوئی تجویز تھی تو پھر آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا؟ اگر جودھ پور کے راج مندر کا بڑا پروہت چونی لال آپ کا آدمی ہے تو پھر وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ دیدی! میں سمجھتا ہوں خاموش رہ کر آپ نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔ اب تک آپ کو بتا دینا چاہئے تھا اور میں اب تک جودھ پور روانہ ہو چکا ہوتا اور پاربتی کو یقیناً وہاں سے نکال چکا ہوتا۔ بہرحال جو تجویز آپ نے بتائی ہے اس کے مطابق میں جودھ پور جاؤں گا اور ہر صورت میں پاربتی کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اس موقع پر سوچنے کا معاملہ یہ ہے کہ ماتا بشن دیوی کا کیا ہوگا؟''

شہاب الدین کی اس گفتگو سے جہاں مغلانی بیگم خوش ہوگئی تھی وہاں گوہر آراء بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ پھر شہاب الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''شہاب الدین میرے بھائی! فی الحال ہم نے وہاں سے پاربتی کو نکالنا ہے۔ جہاں تک میری ماں کا تعلق ہے تو اس سے متعلق فکرمند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ وہاں رہتی ہے، وہاں سے نہیں نکل سکتی تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ جودھ پور اس کا گھر ہے۔ وہ وہاں رہ سکتی ہے۔ ہمارا اصل مقصد اور مدعا صرف پاربتی کو وہاں سے نکال کر یہاں لانا ہے۔''

گوہر آراء جب خاموش ہوئی تب بڑی بے تابی اور بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے شہاب الدین کہنے لگا۔

''تو پھر کب آپ وہ خط لکھ کر میرے حوالے کریں گی اور کب مجھے یہاں سے روانہ ہونا ہوگا؟''

شہاب الدین کی اس بے تابی پر لمحہ بھر کے لئے گوہر آراء نے مسکرا کر اس کی طرف

Marfat.com

دیکھا پھر کہنے لگی۔

''بھائی! میں کسی خاص وجہ سے چپ تھی۔ اس موضوع پر پہلے خاندان کے سارے افراد سے بات کی جائے گی۔ اگر بڑوں نے اجازت دی کہ تمہیں پاربتی کو نکالنے کے لئے جودھ پور کا رخ کرنا چاہئے پھر میں خط لکھوں گی۔''

گوہر آراء کے خاموش ہو جانے پر کسی قدر تیزی میں شہاب الدین کہنے لگا۔

''کسی اور کو اس کام پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ یہ میرا ذاتی کام ہے اور مجھے کرنا ہے اور ہر صورت میں کرنا ہے۔ لہٰذا جودھ پور تو مجھے جانا ہی جانا ہے۔''

گوہر آراء نے گھور کے شہاب الدین کی طرف دیکھا پھر سنجیدگی سے کہنے لگی۔

''اگر بڑے ابا فیروز مرزا، محترم نظام الملک، میر منوں، چھوٹی بڑی اماں، دادی، ان لوگوں نے تمہارے جودھ پور جانے پر اعتراض کیا، منع کر دیا تو کیا پھر بھی تم جودھ پور جاؤ گے؟''

گوہر آراء کے اس سوال پر شہاب الدین پریشان اور فکر مند ہو گیا تھا۔ دھیمی سی آواز میں کہنے لگا۔

''جن لوگوں کا آپ نے ذکر کیا ہے اگر یہ لوگ آڑے آ گئے اور مجھے جودھ پور جانے سے روک دیا تو دیدی! آپ سوچیں میں پھر کیسے جا سکتا ہوں؟ میں اپنی جان کا خاتمہ تو کر سکتا ہوں لیکن اپنے بڑوں کا کہا ٹال نہیں سکتا۔''

شہاب الدین کے خاموش ہو جانے پر مغلانی بیگم خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''شہاب الدین میرے بھائی! یہی تو بات ہے جو ہم کہنا چاہتی تھیں۔ اب تم جاؤ۔ محترم نظام الملک چند دن کے لئے حیدر آباد سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ جونہی وہ واپس آتے ہیں سب کو اس حویلی میں جمع کیا جائے گا۔ پھر سب کے سامنے یہ موضوع رکھا جائے گا۔ سب مل کر جو فیصلہ کریں گے، میرے بھائی! اس پر عمل کیا جائے گا۔ کیا تمہیں قبول ہے؟''

شہاب الدین مسکراتے ہوئے اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا، پھر کہنے لگا۔

''آپ دونوں بہنوں نے میرے متعلق گفتگو کی اس کے لئے میں آپ دونوں کا ممنون اور شکر گزار ہوں۔''

Marfat.com

اس کے ساتھ ہی شہاب الدین اس کمرے سے نکل گیا تھا۔

میر منوں اپنے گھوڑے پر سوار اپنی حویلی سے نکلا تھا کہ بائیں جانب سے ماہ الملک تقریباً بھاگتی ہوئی اس کی طرف آ رہی تھی۔ وہ حویلی بھی قریب ہی تھی جس میں فیروز مرزا نے سب کے ساتھ قیام کو رکھا تھا۔ ماہ الملک کو اس طرح آتے دیکھ کر میر منوں پریشان اور فکرمند ہو گیا تھا۔ گھوڑے کو اس نے روک لیا۔ فوراً اتر کر کھڑا ہوا اور ماہ الملک کی طرف بڑھا۔

اتنی دیر تک ماہ الملک اس کے قریب آ گئی تھی۔ بڑے غور اور فکرمندی میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے میر منوں نے پوچھ لیا۔

"ماہ الملک میری بہن! کیا بات ہے، خیریت تو ہے؟ تو مجھے پریشان بھی دکھائی دے رہی ہے اور بھاگتی ہوئی آ رہی ہے۔ کہو کیا معاملہ ہے؟"

ماہ الملک نے لمبا سانس لیا پھر کہنے لگی۔

"بھائی! میں نے سنا ہے۔ چچا نظام الملک جو لگاتار کئی دن سے حیدر آباد سے باہر تھے لوٹ آئے ہیں۔ اگر اس وقت وہ حویلی میں ہیں تو میں انہیں بلانے آئی ہوں۔ سب افراد مل کر ایک اہم فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ بھی وہیں چلئے۔"

میر منوں اور پریشان ہو گیا تھا۔ دوبارہ اس نے ماہ الملک کو مخاطب کیا۔

"میری بہن! کیسا فیصلہ؟"

ماہ الملک نے کچھ سوچا پھر کہنے لگی۔

"گوہر آراء اور آپا مغلانی بیگم نے مل کے یہ طے کیا ہے کہ پاربتی کو جودھ پور سے نکالنا چاہئے۔ اس سلسلے میں گوہر آراء کے پاس ایک تجویز بھی ہے لیکن اس کا کہنا ہے کہ پہلے خاندان کے سب افراد جمع ہوں، پھر وہ تجویز پیش کی جائے۔ اگر سب رضامند ہوئے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔"

اس موقع پر میر منوں نے سکھ کا ایک لمبا سانس لیا پھر مسکرایا، بڑے پیارے انداز میں ماہ الملک کا سر تھپتھپایا پھر کہنے لگا۔

"اس میں بھاگ کر آنے اور پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے میری بہن! جو تجویز گوہر آراء اور میری بیوی مغلانی بیگم نے بنائی ہے اسے سب ضرور سنیں گے اور

Marfat.com

اگر وہ قابل عمل نہ بھی ہوئی تو اسے قابل عمل بنانے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے کہ میں خود چاہتا ہوں کہ راج کماری پاربتی جودھ پور سے نکل کر یہاں آئے۔ ماہ الملک میری بہن! یہ مت خیال کرنا کہ مجھے شہاب الدین کا احساس نہیں ہے۔ میں تمہارے سامنے جھوٹ نہیں کہوں گا۔ قسم اللہ پاک کی، سارے بھائیوں میں شہاب الدین سب سے پیارا اور بھلا لگتا ہے۔ ایک تو اس کی شخصیت ایسی ہے، دوسرے اس کے کارنامے بھی اس کی شخصیت جیسے ہی ہیں۔ میری بہن! یہ جو معاملہ تم لے کر آئی ہو اسے کسی اور وقت پر ٹالتے ہیں۔ اس لئے کہ ابا آ تو گئے ہیں لیکن وہ مستقر میں ہیں۔ شہاب الدین اور قاور د خان بھی مستقر جا چکے ہیں، میں بھی ادھر ہی جا رہا ہوں۔ اس لئے کہ آج شب کو لشکر یہاں سے کوچ کرے گا، مرہٹوں کا مقابلہ کرے گا۔ اس لئے کہ مرہٹوں کے پیشوا بالا جی نے ان علاقوں میں ایک طرح سے ہمیں اپنا زیر نگیں اور ماتحت رکھنے کے لئے کارروائیاں شروع کر دی ہیں اور ہم نے اس کی ان کارروائیوں کے سامنے نہ صرف اپنا دفاع کرنا ہے بلکہ اپنے علاقوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ مرہٹوں پر ضرب بھی لگانی ہے۔''

میر منوں کی اس گفتگو سے ماہ الملک مطمئن ہو گئی تھی۔ پھر وہ پلٹی اور کہنے لگی۔

''بھائی! میں اب جاتی ہوں۔ آپ مستقر کی طرف جائیں۔ میں سب سے کہہ دیتی ہوں کہ فی الحال مرہٹوں سے سامنا ہے۔ لہٰذا اس معاملے پر خاندان کے سب افراد بیٹھ کر مرہٹوں کی مہم کے بعد مشورہ کریں گے۔''

ماہ الملک کے ان الفاظ پر میر منوں مطمئن ہو گیا تھا۔ ماہ الملک پلٹ کر ساتھ والی حویلی کی طرف چلی گئی تھی جبکہ میر منوں پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور مستقر کی طرف ہو لیا تھا۔

❁

دکن میں قدم جمانے اور حیدر آباد کو اپنا مرکز بنانے کے بعد نظام الملک کو ان علاقوں میں دو بڑی قوتوں کا سامنا تھا۔ ایک مبارز خان اور دوسرے مرہٹے۔ جہاں تک مبارز خان کا تعلق تھا تو اس پر تو حملہ آور ہو کر نہ صرف نظام الملک نے اس کے سرکش بیٹوں کا خاتمہ کر دیا تھا بلکہ اس کی طاقت کو بھی کچل دیا تھا اور اس کے بہت سے لشکری نظام الملک کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔

Marfat.com

اب باقی مرہٹے رہ گئے تھے جو دن بدن طاقت اور قوت پکڑتے جا رہے تھے اور وہ ہر صورت میں نظام الملک کو دکن کے علاقے سے نکال باہر کرنا چاہتے تھے۔

دراصل اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں شیوا جی نام کے ایک لٹیرے نے مرہٹہ حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔ شیوا جی کی اولاد کا اقتدار تو باقی نہ رہا بلکہ مرہٹہ حکومت برہمنوں کے قبضے میں چلی گئی اور اس حکومت نے ملکی بول چال کا خیال رکھ کر اپنے سربراہ کا نام پیشوا رکھا تھا۔ اگرچہ حکومت کی زبان مرہٹی تھی لیکن سرکاری فرمانوں کی تحریریں فارسی زبان میں ہوتی تھیں اور حکومت کے محاورے اور اصطلاحیں بھی فارسی زبان کی برتی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ حکمران کے منصب کا نام بھی پیشوا رکھا گیا تھا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ برہمن حکمران ہیں اور برہمن ہندوؤں کی چار ذاتوں میں سے سب سے اعلیٰ ذات مانی جاتی تھی اور اس کو پیشوائی کا درجہ حاصل تھا۔ اب انہی مرہٹوں کا پیشوا بالا جی باجی راؤ تھا۔ وہ ایک بہت جوشیلا اور متعصب برہمن تھا۔ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ ہندوستان کے ہندوؤں کی سیاسی اور فوجی طاقت کو اپنی گرفت میں رکھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ایسا کرنے میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوا تھا۔ اگرچہ ہندوستان میں مسلمانوں کی بہت سی ریاستیں اور حکومتیں تھیں لیکن صد افسوس کہ ان سب میں اکا نہیں تھا۔ اس طرح ہندو راجپوتوں کی بھی ریاستیں تھیں مگر وہ بھی آپس میں متحد نہ تھے۔ ہندوستان میں اگر متحد تھے تو وہ صرف مرہٹے اور سکھ۔

بہرحال نظام الملک پر ضرب لگانے کے لئے مرہٹوں کے پیشوا بالا جی باجی راؤ نے اپنا ایک بہت بڑا لشکر نظام الملک پر ضرب لگانے کے لئے روانہ کیا تھا اور اس لشکر کا سالار ایک مرہٹے شمبھو جی کو بنایا گیا تھا۔ مرہٹوں کا خیال تھا کہ دکن میں نظام الملک نیا نیا آیا ہے۔ ابھی پوری طرح قدم جمانے میں کامیاب نہیں ہوا۔ اگر شروع ہی سے اس کے قدم اکھاڑ کر اسے مار نہ بھگایا گیا تو وہ طاقت اور قوت پکڑے گا۔ مرہٹے اس وجہ سے بھی پریشان تھے کہ اس سے پہلے نظام الملک نے طاقت پکڑ کے نہ صرف چھٹے بادشاہ گر کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر وہاں اس کی طاقت اور قوت کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا اور ان علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ دکن کی دوسری بڑی قوت جو مبارز خان کے پاس تھی اسے بھی ختم کر کے ایک طرح سے نظام الملک دکن میں ایک بہت بڑی طاقت بن کر ابھرا تھا۔

Marfat.com

باجی راؤ نے جولشکر اپنے سالار شمبھو جی کی سرکردگی میں نظام الملک سے ٹکرانے کے لئے روانہ کیا تھا اس لشکر کے متعلق باجی راؤ کو سو فیصد یقین تھا کہ شمبھو جی کامیاب ہو گا اور نظام الملک کی طاقت اور قوت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔

دوسری طرف شمبھو جی بھی بڑا مطمئن تھا۔ اس کے پاس ایک جرار لشکر تھا۔ جو لشکر نظام الملک لے کر مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوا تھا اس لشکر کے متعلق بھی شمبھو جی کے مخبر اطلاع کر رہے تھے اور انہوں نے شمبھو جی کو بتا دیا تھا کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نظام الملک جو لشکر لے کر آ رہا ہے اس کی حیثیت شمبھو جی کے لشکر کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ ان خبروں نے شمبھو جی ہی نہیں مرہٹوں کے بھی حوصلے بلند کر دیئے تھے اور یہ سوچنے لگے تھے کہ نظام الملک کو شکست دینے کے بعد جب وہ نظام الملک کے علاقوں میں داخل ہو کر لوٹ مار کا سلسلہ شروع کریں گے تو کوئی بھی رہنے غریب نہیں رہے گا۔

بہرحال دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے، اپنی صفیں درست کرنے لگے۔ نظام الملک نے حسب سابق اپنے لشکر کو تین ہی حصوں میں تقسیم کیا۔ اس بار وہ اپنے ساتھ بڑے بیٹے غازی الملک کو بھی لے کر آیا ہوا تھا۔ لشکر کے وسطی حصے میں نظام الملک خود رہا، غازی الملک کو اپنے نائب کے طور پر رکھا۔ لشکر کے دائیں پہلو پر میر منوں اور شہاب الدین تھے جبکہ لشکر کے بائیں حصے پر نظام الملک کا چچا حیدر خان اور قاورد خان تھے۔

دونوں لشکر صفیں درست کر چکے تب زوردار انداز میں نعرے بلند کرتے ہوئے دونوں لشکر ایک دوسرے پر جوش مارتے موت کے طلسم، کھولتی صدیوں کی ان کہی داستانوں اور عقوبت بھرے قیامت خیز لمحوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔ دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے میدانِ جنگ میں قہرمانیت کا کہرام اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ شعلے، شعاعوں اور برق کی طرح متحرک موت بڑی تیزی سے صورتوں کو بے چہرہ کرنے لگی تھیں۔

مرہٹوں کا خیال تھا کہ نظام الملک ان کے سامنے زیادہ دیر نہیں جم سکے گا۔ لیکن یہاں سارا معاملہ ہی ان کی امیدوں کے برعکس ہوا تھا۔ مرکزی حصے سے خود نظام الملک اور اس کے بیٹے غازی الملک، دائیں جانب سے میر منوں اور شہاب الدین اور بائیں پہلو سے حیدر خان اور قاورد خان نے شروع ہی میں ایسے زوردار حملے کئے تھے

Marfat.com

کہ مرہٹے اپنی ساری جواں مردی اور شجاعت کو بھول بیٹھے اور ان کے لشکر کی اگلی کئی صفیں اس طرح زمین پر بچھ کر رہ گئیں جیسے فصل کاٹ کر دور تک بچھا دی جاتی ہے۔

مرہٹے تو اپنی کامیابی اور کامرانی کے خواب دیکھتے ہوئے نظام الملک کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے آئے تھے۔ وہ امید بھی نہیں کر سکتے تھے کہ نظام الملک اور اس کے سالار پہلے ہی حملے میں ان کے ان گنت لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ نظام الملک اور اس کے لشکریوں نے جب مرہٹوں کے لشکر کی اگلی کئی صفوں کا صفایا کر دیا اور پھر مرہٹوں کے لشکر کے بیچ سے گزرتے ہوئے مرہٹوں کی دوسری صفوں پر حملہ آور ہونا شروع ہوئے تب مرہٹوں پر خوف طاری ہو گیا تھا۔ وہ دل شکنی کا شکار ہونا شروع ہو گئے تھے اور ان کی یہ کیفیت دو وجوہات کی بناء پر تھی۔

پہلی یہ کہ لشکر کے اگلے حصے نے جب دیکھا کہ ان کے سامنے توعان کے لشکریوں کی لاشیں ہی لاشیں بکھر گئی ہیں تو وہ اپنی جانیں بچانے کی فکر میں زیادہ مگن ہو گئے اور آگے بڑھ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے انہوں نے پیچھے ہٹنے میں ہی اپنی عافیت جانی۔

دوسری وجہ جس نے بدنظمی کے ساتھ ساتھ افراتفری اور بے دلی زیادہ پھیلائی وہ یہ کہ جب اگلی صفوں کے مرہٹے جنگ سے جی چرانے لگے اور کوشش کرنے لگے کہ پیچھے ہٹ کر اپنی جانیں بچائیں تب پچھلی صفوں کے لشکری بھی بدنظمی کا شکار ہوئے تھے اور ان پر بھی بددلی کا بخار طاری ہونا شروع ہو گیا تھا۔

پھر یہ کیفیت زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی۔ نظام الملک نے جب دیکھا کہ مقابلے میں مرہٹے بدنظمی اور افراتفری کا شکار ہیں بلکہ وہ جنگ سے بھی جی چرانے لگے ہیں تب اس نے اپنے تیز رفتار ہرکاروں کے ذریعے میر منوں، شہاب الدین، حیدر خان اور قاورد خان کی طرف پیغام بھجوایا کہ ایک بار پوری طاقت اور قوت سے مرہٹوں پر چڑھ دوڑو اور اس حملے کو مرہٹوں پر آخری حملہ جان کر کرو تاکہ میدانِ جنگ سے ان کے پاؤں اکھاڑ لئے جائیں۔

نظام الملک کا یہ حربہ کامیاب ثابت ہوا۔ درمیانی حصے سے اس نے خود اپنے بیٹے غازی الملک کے ساتھ، دائیں جانب سے میر منوں اور شہاب الدین نے اور بائیں جانب سے جب حیدر خان اور قاورد خان نے نظام الملک کی امیدوں کے مطابق حملے

Marfat.com

شروع کئے تب مرہٹے ان تیز حملوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور شکست اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

مرہٹوں کی بدقسمتی کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تباہی کا عکس اور کرب و اذیت کا طوفان بن کر آئے تھے۔ پر اب اپنے ٹوٹے خوابوں اور بکھرے خیالات کو سمیٹتے ہوئے بھاگنے پر مجبور ہوئے تھے۔ نظام الملک نے اپنے پورے لشکر کے ساتھ دور تک بڑے خوفناک انداز میں مرہٹوں کا تعاقب کیا۔ ان کے لشکر کی تعداد کافی حد تک کم کر دی۔ اس موقع پر مرہٹوں کی مزید بدقسمتی کہ مرہٹوں کا سالار شمبھو جی بھی نظام الملک کے لشکر کے ہاتھوں جنگ کے دوران گرفتار ہو گیا تھا۔

بہرحال نظام الملک کی اس ضرب سے مرہٹوں کے پیشوا بالا جی باجی راؤ کا سلطنت کو وسیع کرنے، طاقت اور قوت پکڑنے کا سارا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ وہ برہمن تھا اور برہمن کی حیثیت سے ہندوستان میں کسی دوسرے دین دھرم، کسی دوسری ذات کا وجود تک برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا لیکن قدرت کے فیصلے انسانی خواہشوں اور کسی فرد واحد کے ارادوں اور عزائم کے پابند نہیں ہوتے۔ بہرحال نظام الملک کے ہاتھوں مرہٹوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کا سالار شمبھو جی گرفتار ہو گیا۔ اس شکست اور اپنے سالار کی گرفتاری نے مرہٹوں کے پیشوا کے سر پر جو پورے ہندوستان کا حکمران بننے کا بھوت سوار تھا اسے اتار کر رکھ دیا تھا۔ آخر مرہٹوں کے پیشوا باجی راؤ نے نظام الملک کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا اور یہ معاہدہ طے ہونے کے بعد نظام الملک نے ان کے سالار شمبھو جی کو انہیں واپس کر دیا تھا۔

❀ ...... ❀

Marfat.com

•••

ایران میں ترک گڈریا نادر شاہ ایران کا بادشاہ تو بن گیا تھا اور اصفہان میں اس کی تاج پوشی کی رسم بھی ادا کر دی گئی تھی لیکن ابھی اس کے سامنے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لئے بہت سے مسائل تھے۔ پہلا مسئلہ اس کے سامنے بختیاری قبائل کا اٹھ کھڑا ہوا۔

بختیاری قبائل زیادہ تر کوہستانی سلسلے کے اندر آباد تھے۔ نادر شاہ نے جو بختیاری قبائل کے علاقوں پر اپنا جو حاکم مقرر کیا تھا، بختیاری قبائل نے اسے قتل کر دیا۔ اس سرتابی کی وجہ سے نادر شاہ نے بختیاری قبائل پر حملہ آور ہو کر انہیں سبق سکھانے کا تہیہ کر لیا۔

نادر شاہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر بختیاری قبائل کی طرف بڑھا۔ بختیاری قبائل جنگجو تھے لیکن نادر شاہ بھی ترک تھا۔ جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا تھا۔ اس کے باوجود کہ بختیاری قبائل کوہستانی سلسلے کے اندر آباد تھے اور جنگ کے دوران گھات لگا لیتے تھے۔ پھر بھی بختیاری قبائل پر حملہ آور ہو کر نادر شاہ نے انہیں بڑا نقصان پہنچایا۔

اس کے علاوہ بختیاری قبائل وسیع اور عریض پہاڑی علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اس لئے جب تک ان کی جمعیت قائم تھی ان سے خدشہ اور خطرہ لاحق تھا۔

مختلف معرکوں میں بختیاریوں کو پسپا کرنے اور شکست دینے کے بعد آخر نادر شاہ نے یہی اندازہ لگایا کہ وہ آخر کب تک بختیاریوں پر حملہ آور ہو کر اپنے آپ کو ان کے ساتھ الجھائے رکھے گا لہٰذا انہیں اپنا مطیع اور فرمانبردار بنانے کے لئے اس نے جنگ کی بجائے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ بختیاریوں کے خدشے اور خطرے کو دور کرنے کے لئے اس نے بختیاریوں کے تین ہزار کنبوں کو ان کے آبائی کوہستانی گھروں

Marfat.com

سے نکال کر خراسان میں بسا دیا۔ لیکن اس عرصے میں نادرہ شاہ نے یہ بھی محسوس کیا کہ بختیاری قبائل کو معاش کے معقول وسائل مہیا نہیں تھے۔ ان کے پاس اتنی زمینیں بھی نہیں تھیں کہ سال بھر کا غلہ حاصل ہو سکے۔

اس بناء پر مجبوراً بختیاری قبائل لوٹ مار کرنے میں لگے رہتے۔ تھے۔ نادر شاہ نے ان کی معاشی حالت بہتر بنانے کے لئے انہیں زیادہ بہتر زمینوں پر آباد کیا تاکہ وہ کھیتی باڑی کی طرف توجہ دے سکیں۔

جب تک نادر شاہ بختیاریوں کے خلاف جنگ کرتا رہا، ان سے ٹکراتا رہا تب تک بختیاری بھی ڈٹ کر اس کا مقابلہ کرتے رہے۔ مار بھی کھاتے رہے، جوابی حملے بھی کرتے رہے۔ اب جب نادر شاہ نے ان سے جنگوں کا سلسلہ ختم کر کے انہیں اچھے علاقوں میں آباد کرنا شروع کیا تب انہوں نے نادر شاہ کے خلاف شورشوں اور بغاوتوں کا سلسلہ بند کر دیا۔

نادر شاہ نے جب دیکھا کہ اس نے جو ان کے تین ہزار کنبوں کو ان کے کوہستانی سلسلوں سے نکال کر خراسان میں بہتر زمینوں میں آباد کیا ہے تو اس کے اس عمل سے بختیاری خوش ہوئے ہیں۔ لہٰذا انہیں مزید اطمینان دلانے کی خاطر اور اپنا مطیع اور فرمانبردار بنانے کے لئے نادر شاہ نے بختیاریوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنے لشکر میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ بختیاری کیونکہ بنیادی طور پر جنگجو تھے لہٰذا نادر شاہ ان کی حرب وضرب کی مہارت سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس طرح جب نادر شاہ نے کچھ بختیاریوں کو اچھی زمینیں دے کر آباد کر دیا اور باقیوں میں سے ایک بہت بڑی تعداد کو اپنے لشکر میں شامل کر لیا تب بختیاریوں اور نادر شاہ کے درمیان ایک طرح کا صلح، آشتی اور اتحاد کا رابطہ اور رشتہ قائم ہو گیا تھا۔

بختیاری قبائل کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنانے کے بعد نادر شاہ نے اب روس کی طرف توجہ دی۔ اس سے پہلے نادر شاہ افشار ترکوں کے ساتھ ایک امن کا معاہدہ کر چکا تھا۔ نادر شاہ ترکوں سے زیادہ ٹکرانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ بذاتِ خود ترک تھا۔ تاہم بختیاریوں اور ترکوں سے امن کا معاہدہ کرنے کے بعد نادر شاہ نے روس کی طرف توجہ کی۔ روس آہستہ آہستہ ایران کے علاقوں پر چھا جانے کی کوشش کر رہا تھا اور نادر شاہ نے اسے روکنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اب نادر شاہ کسی طریقے سے روس پر ضرب لگانا چاہتا

Marfat.com

تھا۔ اس مقصد کے لئے سب سے پہلے اس نے افغانوں کو اپنے لشکر میں شامل کرنا شروع کیا۔ اس لئے کہ نادر شاہ جانتا تھا افغان جنگجو ہیں۔ شجاع اور بہادر ہیں اور یہ کہ ضرورت کے وقت دشمن پر ضرب لگانے میں اس کے دست راست ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس مقصد کے تحت مختلف افغان قبائل کو اپنے لشکر میں شامل کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے افغانوں کے طاقتور قبیلے ابدال کے سرداروں سے بھی رابطے کرنے شروع کر دیئے اور ابدالیوں کے سب سے نامور سردار اللہ یار خان سیدو زئی کے ساتھ اس نے خصوصیت کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔

افغانوں کا یہ ابدال نام کا قبیلہ دراصل اپنے جد امجد ابدال کی وجہ سے ابدالی کہلاتا تھا اور یہ ابدال ایک شخص قِس کے خاندان کی نسل کا پانچواں فرد تھا۔ قِس ایک اسرائیلی یعنی یہودی خاندان کا فرد تھا۔ اس نے حضور ﷺ کے دورِ حیات میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد اس کا نام عبدالرشید رکھا گیا تھا۔ اسی کی اولاد میں سے ابدال تھا اور اس کی نسبت سے اس کا قبیلہ ابدالی کہلانے لگا۔

اسی ابدال کے خاندان سے ایک شخص سلیمان تھا جو زیرک کہلاتا تھا۔ اس زیرک کے چار بیٹے تھے۔ ایک کا نام موسیٰ، دوسرے کا نام الکو، تیسرے کا نام بارک اور چوتھے کا نام پوپل تھا۔

موسیٰ سے جو قبیلہ چلا وہ موسیٰ زئی کہلایا۔ الکو کا خاندان الکوزئی کہلایا۔ بارک سے بارک زئی اٹھے اور پوپل سے پوپل زئی قبیلہ کھڑا ہوا۔ بہرحال ابدالیوں کے علاوہ دوسرے افغان قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد نادر شاہ افشار روس کے خلاف حرکت میں آیا۔ داغستان کی طرف بڑھا۔ اس مہم کو اس نے روس کے خلاف بڑی کامیابی سے سر کیا اور اس مہم میں افغانوں نے اس کے لئے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ خصوصیت کے ساتھ ابدالیوں نے نادر شاہ افشار کی اس مہم کو کامیاب کرنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی اور ابدالیوں کے سرداروں میں سب سے زیادہ ان کے ایک سردار اللہ یار خان سیدو زئی نے پوری طاقت اور قوت، وفاداری اور خلوص کے ساتھ نادر شاہ کا ساتھ دیتے ہوئے اس مہم کو کامیاب انجام تک پہنچایا تھا۔

اب افغان پوری طرح سے نادر شاہ کے آلہ کار بنے ہوئے تھے اور اس کی ملک گیری اور توسیع مملکت کی ہوس میں جوش و خروش اور وفاداری و سرگرمی سے حصہ لے

Marfat.com

رہے تھے۔ رفتہ رفتہ نادر شاہ ان سے متاثر ہوتا گیا۔ ان کی وفاداری کی قدر کرنے لگا اور انہیں اپنی حکومت کی ریڑھ کی ہڈی سمجھنے لگا۔

اس کے بعد داغستان کی مہم میں ابدالیوں اور دوسرے افغان قبائل نے اپنا روایتی جوش و جذبہ، جرأت اور دلیری کا مظاہرہ کیا تب ابدالیوں سے متعلق نادر شاہ کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس کی اس کارگزاری سے خوش ہو کر نادر شاہ نے ابدالیوں کے سردار اللہ یار خان سیدوزئی کو اپنے دربار میں طلب کیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں تمہاری کارگزاری سے بے حد خوش ہوں۔ مانگو کیا مانگتے ہو۔ جو مانگو گے ملے گا۔''

ابدالی سردار اللہ یار سیدوزئی اس پیشکش سے چاہتا تو بڑے فوائد حاصل کر سکتا تھا۔ اپنے لئے کوئی فائدہ حاصل کرنے یا اپنے خاندان کو یا قبیلے کو فائدہ پہنچانے کی بجائے اللہ یار خان نادر شاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''آپ ہمیں ہمارا وطن واپس دلائیں۔ افغانستان جہاں ہم نے آنکھیں کھولی تھیں اور جہاں کی سرزمین ہمارے لئے وجۂ جذب و کشش ہے وہ ہمیں واپس دلائی جائے۔''

ساتھ ہی اللہ یار نے نادر شاہ سے یہ بھی استدعا کی کہ وہ تمام افغان جنہیں ماضی میں مختلف حکمرانوں نے جلاوطن کر کے خراسان کے صوبے میں بھیج دیا تھا انہیں اجازت دی جائے کہ وہ واپس افغانستان میں آ کر پہلے کی طرح آباد ہو جائیں۔

نادر شاہ نے رحم دلی اور شفقت سے کام لیتے ہوئے ابدالیوں کے سردار اللہ یار کی اس استدعا کو قبول کرتے ہوئے اس سے یہ وعدہ کیا کہ وہ افغانستان انہیں واپس کرے گا لیکن افغانستان کا اس وقت اہم اور مرکز شہر قندھار تھا اور قندھار پر اس وقت میر ویس کا بیٹا اور محمود کا بھائی حسین حکمرانی کر رہا تھا اور جب تک نادر شاہ قندھار کو فتح کر کے افغانوں کے حوالے نہیں کرتا اس وقت تک ابدالیوں کو وعدے کے مطابق ان کا وطن نہیں ملتا تھا۔ لہٰذا نادر شاہ نے پورا افغانستان ابدالیوں کے حوالے کرنے کے لئے قندھار پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

نادر شاہ نے اب اپنے لشکر کے ساتھ قندھار کا رخ کیا۔ ابدالی قبیلے کے بہت سے سردار اور دوسرے افغان قبائل اس کے لشکر میں شامل تھے۔ نادر شاہ کرمان اور سیستان

Marfat.com

سے ہوتا ہوا گریشک پہنچ گیا۔ یہاں خیمہ زن ہونے کے بعد چوتھے دن وہ ارگنداب کے مغربی کنارے پر جا خیمہ زن ہوا۔ یہاں نادر شاہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ غلزئی یعنی خلجیوں کا ایک لشکر قندھار سے نکل کر نادر شاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے آیا تھا اور اس لشکر کی کمانداری غلزئی قبائل کے دو سردار یونس خان اور سیدل خان کر رہے تھے۔ ان دونوں سرداروں کے پاس آٹھ آٹھ ہزار کا منتخب شدہ لشکر تھا۔

نادر شاہ جب دونوں غلزئی سرداروں پر ضرب لگانے کے لئے آگے بڑھا تو اس وقت ابدالیوں میں سے ابدالیوں کا ایک چھوٹا سالار عبدالغنی خان نادر شاہ کے ہم رکاب تھا۔ اس نے غلزیوں کے ساتھ اس ٹکراؤ میں بڑی جانثاری کا ثبوت دیا۔ وہ میدان میں اتر آیا اور اس نے دفعتہً غلزئی سالار یونس خان پر ایک مہلک وار کیا۔ جو لشکر یونس خان کی سرکردگی مین برسرِ پیکار تھا اس نے جب پیچھے ہٹنا چاہا تو دوسرے غلزئی سردار سیدل خان نے آگے بڑھ کر اس کی مدد کرنا چاہی لیکن جب تک سیدل خان اپنے ساتھی سالار یونس خان کی مدد کے لئے پہنچتا اس وقت تک ابدالی سردار عبدالغنی خان نے غلزیوں کے سالار یونس خان کا کام تمام کر دیا تھا۔ اس حادثے نے غلزیوں کو حواس باختہ اور سراسیمہ کر دیا۔ لہٰذا سیدل خان کی لائی ہوئی کمک بھی ان میں حوصلہ نہ پیدا کر سکی۔

ابدالیوں کا یہ کارنامہ نادر شاہ کی نظروں میں بے حد باوقار اور وقعت خیز ثابت ہوا۔ یوں بھی وہ اس سے پہلے ابدالیوں پر بڑا مہربان تھا اور انہیں موردِ لطف و کرم قرار دیتا رہتا تھا لیکن اس کارروائی نے اور دیگر ابدالیوں کی جواں مردی اور وفاداری نے اس کی نظروں میں ابدالیوں کی وقعت اور عزت دوچند کر دی تھی۔

غلزیوں کا لشکر نادر شاہ کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد قندھار میں جا کر محصور ہو گیا۔ آخر نادر شاہ نے آگے بڑھ کر قندھار کا محاصرہ کر لیا اور شہر کے برجوں میں سے ایک برج پر قبضہ کر لیا اور اس طرح اپنے کام کو آگے بڑھانا شروع کر دیا۔

قندھار کا حاکم اس وقت میرویس کا بیٹا اور محمود خان کا بھائی امیر حسین تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ کامیابی کی اب کوئی امید باقی نہیں رہ گئی اور سب کچھ کھویا جا چکا ہے تو اس نے اپنی بڑی بہن زینب کو غلزئی سالاروں کی ایک جماعت کے ساتھ نادر شاہ کے پاس حصولِ پناہ کے لئے بھیجا۔ نادر شاہ نے اس خاتون کا احترام ملحوظِ خاطر رکھا۔ حسین اور اس کے خاندان اور ساتھیوں کی جان بخشی کر دی اور ان سب کو جنگی قیدی کی حیثیت

Marfat.com

سے مازندان روانہ کر دیا۔

قندھار کی فتح سے جہاں نادر شاہ کو طاقت اور قوت حاصل ہوئی اور اس کی سلطنت میں وسعت پیدا ہوئی وہیں قندھار سے اسے دو نایاب گوہر بھی ہاتھ آئے۔

ان دو نایاب گوہروں میں سے ایک احمد خان تھا جو بعد میں تاریخ کی شہہ نشین پر احمد شاہ ابدالی کے نام سے اُبھرا اور دوسرا اس کا بھائی ذوالفقار خان تھا۔

یہ دونوں بھائی قندھار کے زندان میں تھے اور انہیں قندھار کے والی امیر حسین نے زندان میں ڈال رکھا تھا۔ ان دونوں بھائیوں کو کس وجہ سے زندان میں ڈالا گیا تھا، یہ ابھی تک مؤرخین نہیں جان سکے۔ تاہم یہی احمد شاہ ابدالی اور اس کا بھائی ذوالفقار خان قندھار کی جنگ میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے والے ابدالی سردار عبدالغنی خان کے بھتیجے تھے۔

لہٰذا قندھار کو فتح کرنے کے بعد نادر شاہ نے عبدالغنی خان ہی کو قندھار کا حاکم مقرر کیا۔ دوسرے ابدالی سرداروں کو گریشک، لیست اور دیگر شہروں کی حکمرانی سونپ دی۔ ماضی کے حکمرانوں نے ابدالی قبیلے کے جن ہزار ہا لوگوں کو جلاوطن کر کے نیشاپور، مشہد، دامغان اور خراسان کے دوسرے صوبوں میں بھیج دیا تھا، انہیں اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ واپس آ کر افغانستان میں آباد ہو سکتے ہیں۔ اس طرح وہ ان شہروں سے افغانستان جوق در جوق واپس آ کر اپنے اپنے علاقوں میں بود و باش اختیار کرنے لگے تھے۔ وعدے کے مطابق نادر شاہ نے افغانستان کی سرزمین ابدالیوں کے حوالے کر دی۔ احمد شاہ ابدالی کے بڑے بھائی ذوالفقار خان کو مازندان کا حاکم مقرر کر دیا جبکہ احمد شاہ کو پہلے اس نے اپنے حفاظتی دستوں میں شامل کیا بعد میں حفاظتی دستوں کا سالار بنا دیا۔ اس کے بعد اپنے پورے خزانے، اپنے حرم کی نگہداری بھی اس کے سپرد کر دی۔ اس طرح یہی احمد شاہ ترقی کرتے کرتے نادر شاہ کے بہترین سالاروں میں جا شامل ہوا تھا۔ اس طرح نادر شاہ نے اپنے دشمنوں کو بڑی کامیابی کے ساتھ اپنے سامنے زیر کرتے ہوئے نہ صرف انہیں اپنا مطیع اور فرمانبردار بنایا بلکہ ان کے علاقوں پر قبضہ کرتے ہوئے اپنی سلطنت کو خوب وسعت بھی دی۔ وہ چونکہ لگاتار جنگوں میں مصروف رہا تھا لہٰذا اپنے لشکر کو آرام کا موقع فراہم کرنے کے لئے اس نے اصفہان کا رخ کیا تھا۔

Marfat.com

✿

دکن میں نظام الملک نے وسیع علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد مبارز خان کو ختم کرنے اور پھر مرہٹوں سے معاہدہ کرنے کے بعد پہلے کی نسبت زیادہ طاقت اور قوت پکڑ لی تھی۔ مغل شہنشاہ رنگیلا جانتا تھا کہ اسے نظام الملک سے کوئی خطرہ نہیں اور نظام الملک سلطنت کا وفادار اور جانثار ہے۔ لیکن ان امراء کا کیا کہئے جن کا کام ہی بادشاہ کو غلط راستے دکھانا اور صراطِ مستقیم سے ہٹانا تھا۔

اپنی دادی کے مرنے کے بعد چونکہ محمد شاہ رنگیلا، عیش وعشرت میں پڑ گیا تھا اور محمد شاہ سے محمد شاہ رنگیلا ہو گیا تھا لہٰذا چاپلوس قسم کے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ نشے کی حالت میں اس سے خوب فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔ انہی چاپلوس اور خوشامدی قسم کے لوگوں نے محمد شاہ سے کہہ کر نظام الملک کو وزارتِ عظمیٰ کے عہدے سے ہٹا کر گجرات کی طرف بھجوایا۔ اب یہی غیر ذمہ دار اور چاپلوس قسم کے امراء محمد شاہ رنگیلا کے کان بھرتے جا رہے تھے کہ نظام الملک نے دکن میں پہلے سے بھی زیادہ طاقت اور قوت پکڑ لی ہے۔ وہ محمد شاہ کو یہ کہہ کر بھی خوفزدہ کرنے لگے تھے کہ نظام الملک نے اس سے پہلے تھوڑی سی طاقت اور قوت پکڑنے کے بعد بادشاہ گروں کی بادشاہ گری کو اپنے پاؤں تلے کچل کر رکھ دیا تھا اور ان کے سارے علاقوں پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا خاتمہ بھی کر دیا تھا۔ محمد شاہ رنگیلا کو وہ یہ کہہ کر بھی ڈرانے لگے تھے کہ اب تو نظام الملک پہلے کی نسبت کئی گنا زیادہ طاقتور ہو چکا ہے۔ اس کے پاس جرار لشکر ہے اور اگر کسی موقع پر اس نے بادشاہ سے خفا ہو کر اس لشکر کے ساتھ دہلی کا رخ کرنا شروع کر دیا تو پھر دہلی کا کوئی لشکر اس کی راہ نہ روک پائے گا۔ بس اسی قسم کے خدشات ظاہر کرتے ہوئے یہ غیر ذمہ دار امراء، محمد شاہ کو نظام الملک کے خلاف بھڑکاتے ہوئے یہ کوشش کرنے لگے تھے کہ محمد شاہ اور نظام الملک کو آپس میں ٹکرا کر فوائد حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

نظام الملک کے بعد کیونکہ لگاتار دو وزیر ہٹائے گئے تھے۔ پہلے قمر الدین خان کو وزیر بنایا گیا تھا اس کی ناکامی کے بعد روشن الدولہ کو وزیراعظم بنایا گیا تھا لیکن روشن الدولہ رحیم النساء کے ساتھ مل کر شاہی خزانے کو لوٹنا شروع ہو گیا تھا۔ بد دیانتی کی وجہ سے اسے بھی ہٹا دیا گیا۔ رحیم النساء کو بھی قصر سے نکال دیا گیا تھا اور خانِ دوراں کو

Marfat.com

وزیر اعظم بنایا گیا تھا۔ خانِ دوراں نے احمد شاہ ابدالی کے کہنے پر سر بلند خان کو گجرات کا حاکم مقرر کیا تھا۔ لیکن سر بلند خان نے اپنی طرف سے شجاعت خان کو گجرات کی طرف بھیجا تھا۔ خود بھی وہ دہلی سے نکل کر راستے میں رک گیا تھا۔ لیکن حالات کی ستم ظریفی کہ نظام الملک کے چچا حیدر خان نے شجاعت خان کو بدترین شکست دے کر بھگا دیا تھا۔ اس شکست کی خبر جب محمد شاہ کو ہوئی تو اس نے اس سلسلے میں اپنے وزیر خانِ دوراں سے جواب طلبی کی۔ ناراض ہو کر خانِ دوراں نے سر بلند کو معزول کر دیا تھا اس سے پہلے اسی نے سر بلند خان کو گجرات کا حاکم مقرر کیا تھا۔

اب حالات کی ستم ظریفی دیکھیں، سر بلند خان کو اس کی نا اہلی اور نالائقی کی وجہ سے معزول کیا گیا تھا کہ اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھ کر وہ گجرات پر گرفت نہیں کر سکا۔ سر بلند خان جب معزول ہونے کے بعد دہلی آیا، پہلے تو سر پھرے خانِ دوراں نے اسے گرفتار کر لیا لیکن بادشاہی فیصلے بھی ان دنوں عجیب و غریب تھے۔ کچھ دنوں بعد اسے معاف کر کے الہ آباد کا حاکم مقرر کر دیا گیا۔ مگر اس تقرر و تنزل سے سر بلند خان ایسا بددل ہوا کہ خود تو اس نے دہلی ہی میں قیام کیا، اپنے بیٹے کو نائب بنوا کر الہ آباد بھجوا دیا۔

محمد شاہ اور وزیر اعظم خانِ دوراں کی نظرِ عنایت جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ پر بڑی تھی۔ اجیت سنگھ کی طرف شاہی فرمان جاری کیا کہ وہ خود ایک لشکر لے کر جنوب کی طرف جائے اور گجرات کے صوبے پر قبضہ کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کرے۔ اجیت سنگھ کے پاس خود کا بھی ایک کافی بڑا لشکر تھا ساتھ ہی اس مہم کو کامیاب کرنے کے لئے مغل وزیر خانِ دوراں نے اپنی طرف سے بھی ایک لشکر اجیت سنگھ کے لئے جودھ پور کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

❁

نظام الملک ایک روز فیروز مرزا کی حویلی میں داخل ہوا۔ سیدھا دیوان خانے کی طرف گیا اور دیوان خانے میں اس نے دیکھا کہ اس کے خاندان کے سبھی لوگ وہاں جمع تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے وہ دنگ رہ گیا تھا۔ ایک طرف فیروز مرزا، میر منوں، نظام الملک کا چچا حیدر خان، نظام الملک کا بڑا بیٹا غازی الملک، میر منوں کی بیوی مغلانی بیگم، نظام الملک کے خاندان کے دوسرے افراد کے علاوہ عباد الدین،

Marfat.com

شرف الدین، شہاب الدین اور قادر د خان بیٹھے ہوئے تھے۔

ذرا بائیں طرف مہر النساء، تقدلیس خانم، قرہ خاتون، گوہر آراء، اروما دیوی، ماہ الملک اور خاندان کی دیگر خواتین بیٹھی ہوئی تھیں۔ وسطی حصے میں ایک نشست خالی تھی۔ اور یہ نشست فیروز مرزا کی نشست کے قریب تھی۔

نظام الملک جب دیوان خانے کے دروازے پر نمودار ہوا تو سب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر شاندار انداز میں اس کا استقبال کیا تھا۔ اس صورتِ حال نے نظام الملک کو اور زیادہ حیرت زدہ کر دیا تھا۔ کچھ دیر تک وہیں کھڑے ہو کر وہ سب کا جائزہ لیتا رہا، پھر فیروز مرزا نے اسے مخاطب کیا۔

''بھائی! ٹھٹک کر وہاں کیوں کھڑے ہو گئے ہو؟ یہ میرے ساتھ جو خالی نشست ہے یہ آپ کے لئے ہے۔ آپ حیرت کا مظاہرہ اس لئے کر رہے ہیں کہ خاندان کے افراد ایک جگہ جمع ہیں۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ خاندان کے سب افراد کے درمیان ایسا اتحاد، اتفاق اور تعاون ہو؟

اس موقع پر نظام الملک نے سر کو جھٹکا دیا جیسے اپنے ذہن میں اٹھنے والے خیالات کو جھٹک رہا ہو۔ پھر آگے بڑھا، خالی نشست پر ہو بیٹھا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد سب لوگ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تھے۔ پھر سب کو مخاطب کرتے ہوئے نظام الملک کہنے لگا۔

''مجھے بتایا گیا ہے کہ آج خاندان کے سب افراد جمع ہوں گے اور ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کی جائے گی۔ اب موضوع کیا ہے، یہ نہیں جانتا۔ گفتگو کا آغاز کس نے کرنا ہے یہ بھی مجھے خبر نہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نظام الملک جب رکا تب اسے مخاطب کرتے ہوئے فیروز مرزا کی ماں مہر النساء کہنے لگی۔

''نظام الملک! گفتگو کا آغاز پہلے تو میں کرتی ہوں۔ اس کے بعد جس موضوع پر آپ سے مشورہ لینا ہے، یا خاندان کے سارے افراد جس پر اپنی رائے کا اظہار کریں گے وہ گفتگو ہماری بیٹی گوہر آراء کرے گی۔''

مہر النساء جب خاموش ہوئی تب نظام الملک گوہر آراء کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''میری بچی! چچی نے تمہارا نام لیا ہے۔ اس بناء پر مجھے ایک اور فکر لاحق ہو گئی ہے۔

Marfat.com

میری بچی! کیا تجھے ہمارے خاندان میں کوئی تکلیف ہے؟ تجھے ہم سے کوئی شکایت یا شکوہ ہے؟ کیا ہم سے یا میرے اس خاندان کے کسی فرد سے تیرے حق میں کوئی ایسی زیادتی ہوئی ہے جس کی بناء پر تُو نے سب لوگوں کو یہاں جمع کر کے میرے سامنے کسی کی شکایت کرنا چاہی ہے؟''

نظام الملک کے خاموش ہونے پر گوہر آراء مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں؟ جیسی آسائش، جیسا سکون اور طمانیت مجھے یہاں اس حویلی میں ہے ایسی راحت تو مجھے دہلی کے قصر میں بھی نہ تھی۔''

اس کے بعد گوہر آراء نے چند دن پہلے مغلانی بیگم کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی اس کی تفصیل سب سے کہہ دی تھی۔

گوہر آراء جب خاموش ہوئی تب نظام الملک نے اپنی بہو مغلانی بیگم کی طرف دیکھا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری بیٹی! جہاں میں گوہر آراء سے بہت خوش ہوں وہاں میں تیری اس کار گزاری سے بھی بے حد خوش ہوں۔ تم سب کو یاد ہو گا کہ میرا چچا امین خان شہاب الدین کو اپنے خاندان کا گوہر اور اپنی حویلی کا اجالا خیال کرتا تھا۔ اب امین خان کے بعد اگر ہم سب نے مل کر اس کے گوہر، اس کے اجالے کی حفاظت نہیں کرنی تو پھر میرے خیال میں ہمارے جینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

اس کے بعد نظام الملک نے مسکراتے ہوئے شہاب الدین کی طرف دیکھا۔ اس موقع پر شہاب الدین خود بھی مسکرا رہا تھا۔ یہاں تک کہ نظام الملک نے اسے مخاطب کیا۔ ''بچے! خاندان میں جو تیری وقعت اور قدر و قیمت ہے تُو اس کا حق دار ہے۔ پہلے یہ بتا، جودھ پور سے پاربتی کو لانے کے لئے جو طریقہ کار گوہر آراء اور مغلانی بیگم دونوں نے طے کیا ہے کیا تُو اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہے؟''

شہاب الدین نے پہلے اثبات میں گردن ہلائی پھر دھیمے سے لہجے میں کہنے لگا۔

''چچا! میں اس مہم کے لئے تیار ہوں۔''

شہاب الدین کا یہ جواب سن کر نظام الملک خوش ہو گیا تھا، پھر وہاں بیٹھے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں بذاتِ خود بھی اس مہم کے حق میں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ پاربتی کو ہر

Marfat.com

صورت میں جودھ پور سے نکال کر یہاں لایا جائے اور پوری شان و شوکت کے ساتھ شہاب الدین اور اس کی شادی کا اہتمام کیا جائے۔ جو گفتگو گوہر آراء نے کی ہے اس پر تم میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہو تو بولے۔"

نظام الملک کے اس استفسار پر سب اپنی خوشنودی اور تائید کا اظہار کرنے لگے تھے۔ سب کی تائید پر نظام الملک بڑا خوش ہوا۔ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر شہاب الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"بیٹے! اب تو مجھے یہ بتا کہ پاربتی کو جودھ پور سے نکالنے کے لئے تُو کس کس کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے؟"

شہاب الدین نے شاید پہلے کوئی فیصلہ کر رکھا تھا۔ نظام الملک کے پوچھنے پر جھٹ سے بول پڑا۔

"چچا جان! میں کسی کو اپنے ساتھ لے کر نہیں جاؤں گا۔ یہ کام بڑی رازداری سے کرنا ہے اور مجھ اکیلے ہی کو کرنا ہے۔ اگر میں کسی کو اپنے ساتھ لے بھی جاؤں تو اسے ساتھ لے جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ میری عزیز بہن گوہر آراء پہلے بھی بتا چکی ہے کہ میں جودھ پور شہر کی کسی نواحی سرائے میں قیام کروں گا۔ اسی سرائے سے ہی میں پاربتی کے لئے ایک فالتو گھوڑا خرید لوں گا۔ سرائے ہی میں قیام کروں گا اور وہیں سے نکل کر اپنی مہم کی ابتداء کروں گا۔ اگر میں کسی کو اپنے ساتھ لے جاؤں تو میں سمجھتا ہوں اس صورت میں میرے لئے خطرات اور خدشات بڑھ جائیں گے۔ میں ایک بیکانیری کے بھیس میں جودھ پور شہر میں داخل ہوں گا اور راج مندر کے بڑے پروہت چونی لال کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے نام میری بہن گوہر آراء جو خط دے گی اسے پیش کروں گا اور پھر دیکھوں گا کہ وہ کس ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے۔ اور گوہر آراء کے کہنے پر کس حد تک میری مدد کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے مجھے چھپ چھپا کے پاربتی کو کہیں سے نکالنا پڑے۔ ایسی صورت میں مجھ اکیلے کا جانا ہی سود مند ہے۔ اگر میں کسی کو لے کر جاؤں گا تو ہمارے لئے خطرات بھی دوچند ہوں گے۔ لہٰذا فیصلہ یہی ہے کہ میں اکیلا جودھ پور کا رخ کروں گا۔"

شہاب الدین جب خاموش ہوا تب نظام الملک کچھ دیر گردن جھکا کر سوچتا رہا، پھر خدشات بھری آواز میں وہ شہاب الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

Marfat.com

”شہاب الدین، میرے بیٹے! میں بھی تمہاری اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں کہ تم اکیلے کو جانا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ زیادہ افراد کی مہم نہیں ہے۔ اگر تمہارا اور پاربتی کا تعاقب بھی شروع ہو جاتا ہے تب تم کہیں نہ کہیں چھپنے اور اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو سکتے ہو۔ اور اگر تمہارے ساتھ زیادہ افراد ہوں گے تو پھر اس پر ناکامی کے زیادہ خدشات اٹھ کھڑے ہوں گے۔ بچے! اپنا بھیس بدل کر جودھ پور میں داخل ہونا۔ اس لئے کہ اس سے پہلے ایک بار تم اور قاوردخان جودھ پور شہر پر حملہ آور ہو چکے ہو۔ یہ بھی اچھی بات ہے کہ تم جودھ پور شہر میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے شہر کے لوگ یہ نہیں جان سکیں گے کہ جودھ پور پر حملہ آور ہونے والے شہاب الدین تم ہی ہو۔ تاہم جودھ پور کے نواح میں تم نے قاوردخان کے ساتھ جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کے جس لشکر کو شکست دی تھی اس لشکر کے افراد بھی یقیناً جودھ پور میں قیام کرتے ہوں گے۔ لہٰذا ان لوگوں سے بچ کر رہنا۔ اس لئے کہ انہوں نے تمہیں جنگ کے دوران دیکھا ہوگا۔“

نظام الملک جب خاموش ہوا تب اس موقع پر گوہر آراء بول اٹھی اور نظام الملک کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”چچا! آپ اس سلسلے میں زیادہ فکرمند نہ ہوں۔ شہاب الدین کو راج مندر کے بڑے پروہت چونی لال کے نام جو میں خط دوں گی اس خط کے جواب میں وہ شہاب الدین کی پوری پوری مدد کرے گا لیکن شہر میں داخل ہونے کے لئے اسے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور میرے خیال میں اسی انداز میں یہ پاربتی کے ساتھ حفاظت سے نکلنے میں کامیاب بھی ہو جائے گا۔

دراصل بات یہ ہے کہ جودھ پور میں صبح سویرے کام کاج کے لئے بیکانیری خانہ بدوش شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ انہوں نے شہر کے نواح میں اپنی خیمہ گاہیں اور جھگیاں قائم کی ہوئی ہیں اور وہیں سے اٹھ کر صبح سویرے شہر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ محنت مشقت کرتے ہیں، کچھ ٹوکریاں بنا کر بیچتے ہیں، کچھ کاغذ کے کھلونے بنا کر شہر کے اندر فروخت کرتے ہیں اور اپنا اپنا دھندہ ختم کر کے شام کو پھر شہر سے نکلتے ہیں اور واپس اپنے خیموں اور جھگیوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ انہی خانہ بدوشوں کے ساتھ اور انہی سے ملتا جلتا لباس پہن کر شہاب الدین جودھ پور شہر میں داخل ہوگا اور

Marfat.com

بیکانیری کس قسم کا لباس پہنتے ہیں میں جانتی ہوں اور ان جیسا لباس میں شہاب الدین کو یہاں سے مہیا کر کے روانہ کروں گی۔ صبح سویرے ان جیسا لباس پہن کر ان کے ساتھ ہی شہاب الدین جودھ پور شہر میں داخل ہو جائے گا، راج مندر کے بڑے پروہت سے رابطہ قائم کرے گا۔ اس کے بعد چونی لال کے طے کردہ لائحہ عمل کے مطابق یہ پاربتی کو بھی بیکانیریوں جیسا لباس پہنا کر شام کو بیکانیریوں کے ساتھ ہی جودھ پور شہر سے نکلے گا، سرائے میں آئے گا، پھر وہاں سے پاربتی کے ساتھ واپسی کا سفر اختیار کرے گا۔“

گوہر آراء جب خاموش ہوئی تو اپنے اطمینان اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نظام الملک کہنے لگا۔

”گوہر آراء بیٹی! مجھے تمہاری ترکیب بہت پسند آئی ہے۔ خداوند نے چاہا تو اس پر عمل کرتے ہوئے میرا بیٹا شہاب الدین پاربتی کو جودھ پور سے نکالنے میں کامیاب ہو جائے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد نظام الملک تھوڑی دیر کے لئے رکا، کچھ سوچا پھر شہاب الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”شہاب الدین میرے بیٹے! جودھ پور سے پاربتی کو نکالنے کے بعد ایک احتیاط کرنا۔ اگر تم یہ خیال کرو کہ جودھ پور سے حیدر آباد کی طرف آنے کے لئے راستے میں تمہارے لئے خطرات ہیں تو بچے! حیدر آباد نہ آنا۔ سیدھے لاہور ذکریا خان کے پاس چلے جانا۔ وہاں کچھ دن قیام کرنا۔ پھر ذکریا خان سے کہہ کر کچھ حافظوں کے ساتھ حیدر آباد کا رخ کرنا۔“

نظام الملک نے شہاب الدین کو ایسا مشورہ اس لئے دیا تھا کہ لاہور کے حکمران ذکریا خان کے ہاں نظام الملک کی بیٹی بیاہی گئی تھی۔ لاہور کے والی ذکریا خان کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام یحییٰ تھا اور یحییٰ کی بیوی نظام الملک کی بیٹی تھی۔ اس بناء پر احتیاط کی خاطر نظام الملک نے لاہور جانے کی تجویز پیش کی تھی۔ اس کے علاوہ ذکریا خان نظام الملک کا بہنوئی بھی تھا۔

نظام الملک جب خاموش ہوا تب شہاب الدین کہنے لگا۔

”چچا! مجھے امید ہے کہ میں بغیر کسی خطرے اور خدشے کے پاربتی کو جودھ پور سے

Marfat.com

نکال کر حیدر آباد لانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ ہاں اگر میں نے محسوس کیا کہ ان راستوں میں میرے اور پاربتی کے لئے خطرات ہیں تو پھر آپ کی تجویز کے مطابق لاہور کا رخ کر جاؤں گا۔''

شہاب الدین کے ان الفاظ سے نظام الملک مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر تقدیس خانم اور قرہ خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری عزیز بہنو! یہاں خاندان کے سبھی افراد جمع ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کھانے کا اہتمام کیا جائے اور جس طرح ہم اکٹھے بیٹھے ہیں اسی طرح اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھائیں۔''

مہر النساء، فیروز مرزا، قرہ خاتون اور تقدیس خانم نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر کسی کے کہے بغیر ہی کھانا تیار کرنے کے لئے گوہر آراء، ماہ الملک اور اروما تینوں اٹھ کر مطبخ کی طرف چل دی تھیں۔

❀ ...... ❀

Marfat.com

●●●

جودھ پور کے راج مندر میں ایک روز بڑا پنڈت چونی لال اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ راج مندر کا ایک پجاری چونی لال کے پاس آیا، ہاتھ جوڑ کر اس نے اسے پرنام کیا پھر بڑے ادب اور لحاظ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''مالک! ایک بیکانیری خانہ بدوش آپ سے ملنے کی خواہش رکھتا ہے۔ مندر کے دروازے پر کھڑا ہے۔ اندر نہیں آتا۔ میں نے اس سے بہت کہا کہ اندر آ جاؤ، صحن میں بیٹھنے کے لئے جگہ بنی ہوئی ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ محترم چونی لال کے ساتھ میرا کام ایسا ہے کہ میں باہر کھڑا ہونا پسند کروں گا۔''

اس پجاری کے ان الفاظ پر چونی لال چونکا تھا۔ خدشات بھری آواز میں کہنے لگا۔

''کہیں کوئی دغا، دھوکہ فریب تو نہیں ہو رہا؟ وہ مسلح تو نہیں ہے کہ ایک دم سے کسی پرانی دشمنی کی بناء پر مجھ پر جھپٹ پڑے۔ دیوداسی کے سلسلے میں مجھ پر وار کر بیٹھے۔''

پجاری نے پھر ہاتھ جوڑتے ہوئے بڑے پجاری چونی لال کو تعظیم دی، کہنے لگا۔

''مالک! وہ نہتا ہے۔ میں اسے اچھی طرح دیکھ چکا ہوں۔''

پجاری کے ان الفاظ پر چونی لال کو کچھ ڈھارس ہوئی۔ وہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ مندر کی عمارت سے باہر نکلا۔ صحن میں آیا۔ جب وہ صحن کو عبور کر کے مندر کے دروازے پر پہنچا اس وقت بیکانیریوں کے لباس میں شہاب الدین کھڑا ہوا تھا۔ شہاب الدین نے اس موقع پر اپنا رنگ تبدیل کر لیا ہوا تھا۔ منہ پر شاید اس نے کالک مل رکھی تھی۔ اس بناء پر رنگ اس کا خاصا سیاہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے قریب آ کر چونی لال رکا، پھر غور سے شہاب الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''بالک! میں نے تجھے پہچانا نہیں، تُو کون ہے؟ اس سے پہلے نہ کبھی میری تم سے

Marfat.com

ملاقات ہوئی، نہ میں تجھے چہرے سے پہچانتا ہوں۔"
اس پر بڑی انکساری اور عاجزی میں شہاب الدین کہنے لگا۔
"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس سے پہلے میری اور آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن میرے پاس آپ کے نام کسی کا خط ہے جو میں آپ کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میں یہ خط آپ کی خدمت میں علیحدگی میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔"
شہاب الدین کے ان الفاظ پر چونی لال نے مڑ کر پجاری کی طرف دیکھا جس پر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اپنے لباس کے اندر سے شہاب الدین نے گوہر آراء کا خط نکال کر چونی لال کو تھما دیا تھا۔
چونی لال کچھ دیر تک خط پڑھتا رہا۔ خط پڑھنے کے بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر انتہائی ہمدردی میں شہاب الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
"تم واقعی بلوان ہو جو اتنا بڑا خطرہ مول لے کر جودھ پور میں داخل ہوئے ہو۔ لیکن آئے بڑے اچھے کام کے لئے ہو۔ جس کے لئے آئے ہو وہ خود کڑھ کڑھ کر مرنے پر آ گئی ہے۔ چربی کی طرح کسی کے فراق میں پگھلتی جا رہی ہے۔ تمہیں دیکھ کر وہ معصوم بے حد خوش ہو گی۔ پہلے یہ کہو تم نے کہاں قیام کر رکھا ہے؟ اور یہ کہ شہر میں کیسے داخل ہوئے ہو؟"
جواب میں شہاب الدین مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔
"آپ میرے لباس کو دیکھیں۔ بیکانیریوں کے لباس میں انہی کے ساتھ شہر میں داخل ہوا ہوں اور شام کو کیونکہ بیکانیری شہر کے اندر محنت مشقت کر کے اپنے ٹھکانوں کی طرف جانے کے لئے نکلتے ہیں، میں بھی ان کے ساتھ نکل جاؤں گا۔ میں نے جودھ پور سے جنوب مشرق کی طرف جانے والی شاہراہ پر ایک سرائے میں قیام کر رکھا ہے۔"
شہاب الدین جب خاموش ہوا تب دھیمے دھیمے تبسم میں چونی لال کہنے لگا۔
"جس کی چاہت، پریم میں تُو یہاں آیا ہے وہ بھی تیرے پریم میں یوں جانو پگھلتی جا رہی ہے۔"
لمحہ بھر کے لئے چونی لال رکا، پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔
"واہ رے پریت۔ یہ وقت کے بدترین سیلاب، کالی راتوں میں آندھیوں کے

Marfat.com

دوش پر بھی دل کے دروازوں پر دستک دیتی ہے۔ شام کے بے انت اندھیرے ہوں یا ظلمتوں کے بھنور سے کڑے سفر، کوئی اس کی راہ نہیں روک سکتا۔ نہ یہ شہر دیکھتی ہے نہ گاؤں، نہ بستی، نہ جنگل، جمود نہ انتشار۔ جس کو کامیاب کر دیتی ہے اس کے دل کی ٹھنڈک اور روح کا سکون بن جاتی ہے اور اگر کامیاب نہ ہو تو پھر دل اور روح کو ریشم کے تانوں بانوں کی طرح الجھاتی چلی جاتی ہے۔ پریت بھی عجیب شے ہے۔ بلکہ نامراد شے ہے۔ جب یہ بخار کی طرح کسی کو چڑھتی ہے تو غلام دیکھتی ہے نہ امام پارسا دیکھتی ہے، نہ رند راہبر دیکھتی ہے نہ رہزن، براہمن دیکھتی ہے نہ شیخ، پادری دیکھتی ہے، نہ پنڈت اور بھکشو۔ جھونپڑے میں رہنے والا ہو یا بھنگ گانجا پینے والا یا چرس و شراب کا رسیا ہو، جس کو بخار کی طرح چڑھتی ہے اس کے جسم سے روح تک یہ پریت کرب کی دھوپ ہی دھوپ پھیلاتی چلی جاتی ہے۔ پر بالک! تُو خوش قسمت ہے کہ جسے تُو نے چاہا ہے، پریت کی ہے وہ بھی تجھے ایسے ہی چاہتی ہے۔ جس کا تُو پیغام لے کر آیا ہے، زندگی میں اس کے مجھ پر اتنے احسان ہیں کہ اتار نہیں سکتا۔ تُو آیا بھی بڑے اچھے موقع پر ہے۔"

چونی لال جب رکا تب تجسس بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے شہاب الدین نے پوچھ لیا۔

"کیسا اچھا موقع؟"

چونی لال سرگوشی میں کہنے لگا۔

"ان دنوں جودھ پور کا راجہ اجیت سنگھ یہاں نہیں ہے۔ جودھ پور میں جو اس کے پاس لشکر تھا اس کا بڑا حصہ لے کر وہ یہاں سے کوچ کر چکا ہے۔ دہلی کی طرف گیا ہے لیکن دہلی شہر نہیں جائے گا۔ دہلی سے ایک لشکر اس کے ساتھ ملنے کے لئے روانہ ہو چکا ہے اور اس لشکر کو لے کر وہ گجرات کا رخ کرے گا تاکہ گجرات کو دکن کے والی نظام الملک سے نکال لیا جائے اور اسے اجیت سنگھ کی تحویل میں دے دیا جائے۔ متحدہ لشکر کو لے کر اجیت سنگھ گجرات پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ تمہاری دوسری خوش بختی یہ ہے کہ گو اجیت سنگھ نے اپنے راج محل پر کڑا پہرہ لگایا ہوا ہے لیکن روانگی کے وقت اس نے خصوصیت کے ساتھ مجھ سے ملاقات کی اور مجھے تاکید کی کہ میں گاہے گاہے راج محل میں جاتا رہوں اور اس کی پتنی اور اس کی بیٹی کی احوال پرسی کرتا

Marfat.com

رہوں۔"

پھر چونی لال نے کچھ سوچا، اس کے بعد جو پجاری ذرا فاصلے پر کھڑا ہوا تھا، اسے ہاتھ کے اشارے سے بلایا۔ وہ پجاری بھاگتا ہوا آیا۔ چونی لال اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"وہ سامنے جو دیوداسیوں کے لئے رہائش کی کوٹھڑیاں بنی ہوئی ہیں ان میں دو چار کوٹھڑیاں ابھی خالی ہیں۔ یہ ہمارا مہمان ہے۔ مندر کے اندر نہیں جانا چاہتا۔ اسے وہاں ایک کھولی میں بٹھاؤ۔ میں بعد میں اس سے بات کرتا ہوں۔"

شہاب الدین جب اس پجاری کے ساتھ وہاں سے ہٹنے لگا تو چونی لال کو کچھ یاد آیا۔ شہاب الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"بالک! ذرا رک، میری بات سن!"

ساتھ ہی ہاتھ کے اشارے سے شہاب الدین کو قریب ہونے کے لئے کہا۔ شہاب الدین جب اس کے قریب گیا تو بڑی رازداری میں چونی لال اسے کہنے لگا۔

"تُو اس کھولی میں جا کر بیٹھ، کسی دوسرے شخص سے اس موضوع پر بات مت کرنا۔ میں راج محل جاتا ہوں۔ تمہارے آنے کی خبر پاربتی اور اس کی ماتا کو کرتا ہوں۔ اب تُو اس پجاری کے ساتھ جا۔"

شہاب الدین چپ چاپ اس پجاری کے ساتھ ہولیا۔ وہ اسے سامنے والی کھولیوں میں لے گیا۔ ایک کھولی میں داخل ہوا، وہاں ایک صاف ستھرا بستر لگا ہوا تھا۔ اس کھولی میں بٹھا کر وہ پجاری وہاں سے چلا گیا۔

بڑا پجاری اور پنڈت چونی لال پھر مندر کی عمارت میں داخل ہوا۔ تھوڑی دیر بعد پھر وہ مندر کی عمارت سے نکل کر صحن میں آیا۔ اس موقع پر اس کے ساتھ کچھ دیوداسیاں تھیں۔ مندر کی ان دیوداسیوں کو لے کر چونی لال مندر کی عمارت سے نکلا۔ ان دیوداسیوں میں سے ایک نے اپنی بغل میں ایک گٹھڑی بھی دبا رکھی تھی۔ بہرحال چونی لال ان دیوداسیوں کو لے کر جودھ پور کے راج محل کی طرف چل دیا۔ پھر وہ تھوڑی دیر بعد بڑے بڑے منکوں کی مالا جپتا ہوا دیوداسیوں کے ساتھ راج محل میں داخل ہوا تھا۔ راج محل کے محافظوں میں جو بھی اسے دیکھتا، کمر کو جھکا کر خم دے کر دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے اسے تعظیم دیتا تھا۔ اس طرح ایک شان کے ساتھ چونی لال دیوداسیوں

Marfat.com

کے ساتھ راج محل میں داخل ہوا۔ اس کے آنے کی خبر خواجہ سراؤں نے رانی بشن دیوی اور پاربتی کو کر دی اور وہ دونوں ماں بیٹی محل کے سامنے برآمدے کے مدور ستونوں کے پاس آ کھڑی ہوئی تھیں۔

دونوں ماں بیٹی نے ہاتھ جوڑتے ہوئے پنڈت چونی لال کو تعظیم دی چونی لال ان کے پاس آیا، پھر بڑی رازداری میں دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''بچیو! میرے ساتھ آؤ۔ تم دونوں ماں بیٹی سے میں ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

بشن دیوی اور پاربتی دونوں فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے چونی لال کے ساتھ ہو لی تھیں۔ محل کے اندر جو کمرہ پاربتی کی خواب گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا اس کمرے کے دروازے پر آ کر چونی لال رک گیا، ہاتھ کے اشارے سے ساری دیوداسیوں کو اس نے وہیں رکنے کے لئے کہا، خود بشن دیوی اور پاربتی کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوا۔ ایک طرف جو نشستیں لگی ہوئی تھیں، تینوں وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ اس موقع پر رانی بشن دیوی نے چونی لال کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''مہاراج! ہم سے کوئی غلطی، کوئی خطا ہوئی جس کی بناء پر آپ ہم سے بازپرس کرنے کے لئے آئے ہیں؟''

بشن دیوی کے ان الفاظ پر چونی لال کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، کہنے لگا۔

''یہ بات نہیں۔ ہم تو آپ کے لئے ایک خوشخبری لے کر آئے ہیں اور وہ خوشخبری یہ ہے کہ وہ شہاب الدین جس کے ساتھ پاربتی کا رشتہ طے ہو گیا تھا وہ جودھ پور میں داخل ہو چکا ہے اور پاربتی کو لینے آیا ہے۔ اپنا آپ چھپانے کے لئے اس نے خانہ بدوش بیکانیریوں جیسا لباس پہن رکھا ہے اور منہ پر کالک مل رکھی ہے۔ گو اس نے مجھے بتایا نہیں کہ چہرے پر اس نے کالک مل رکھی ہے لیکن یہ کام اس نے ادھورا ہی کیا ہے۔ اس لئے کہ چہرے پر تو کالک لگا لی لیکن ہاتھوں اور بازوؤں پر شاید کالک لگانا بھول گیا تھا۔ اس بناء پر میں نے جان لیا تھا کہ چہرے پر اپنا آپ چھپانے کے لئے اس نے کالک ملی ہوئی ہے۔ وہ میرے مندر کی ایک کھولی میں بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔ اب بتاؤ تم دونوں ماں بیٹی کیا کہتی ہو؟''

چونی لال سے یہ الفاظ سن کر بشن دیوی اور پاربتی کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پاربتی

Marfat.com

ایسی خوش ہوئی تھی جیسے ابھی وہ اپنی جگہ پر اچھل کھڑی ہو گی، بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کمرے سے بھاگ کھڑی ہو گی۔ اس موقع پر بشن دیوی چونی لال کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”آپ جلدی کریں۔ ہم دونوں ماں بیٹی کو اس کے پاس لے کر چلیں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ کسی نہ کسی طریقے سے فوراً اگر ہم دونوں کو نہیں تو کم از کم میری بیٹی پاربتی کو یہاں سے لے کر چلا جائے۔“

جواب میں چونی لال نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

”جلد بازی سے کام نہ لو۔ جلد بازی سے کام الٹ ہو جاتا ہے۔ بشن دیوی! تم محل کے اندر ہی رہو۔ تم بھی محل سے باہر نکلو گی تو سازش کا پتہ چل جائے گا اور مجھے سازش کا سرغنہ قرار دے کر قابل گرفت سمجھ لیا جائے گا۔ میں دیوداسیوں کو اپنے ساتھ اس لئے لے کر آیا ہوں کہ ان دیوداسیوں کے ساتھ میں پاربتی کو اپنے ساتھ راج محل سے نکال لے جاؤں گا۔ میں دیوداسیوں کا ایک فالتو لباس بھی ساتھ لے کر آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں وہ لباس پاربتی پہن لے۔ ضرورت کا جو بھی سامان وہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے اس کی گٹھڑی بنا لے اور پھر انہی دیوداسیوں کے ساتھ میں اسے راج محل سے نکال کر لے جاتا ہوں۔ یہ شام تک اس کھولی میں شہاب الدین کے ساتھ رہے گی۔ اس لئے کہ شہاب الدین خانہ بدوش بیکانیریوں کے لباس میں جودھ پور میں داخل ہوا ہے۔ اس نے کہیں شہر سے باہر سرائے میں قیام کر رکھا ہے۔ شام کو بیکانیری کام کاج کرنے کے بعد شہر سے باہر نکلتے ہیں اور دونوں انہی کے ساتھ شہر سے باہر نکلیں گے۔ شہاب الدین اسے سرائے میں لے جائے گا اور سرائے میں جا کر وہ دونوں وہاں سے کوچ کر جائیں گے۔

بشن دیوی! آپ کا کام یہ ہو گا کہ رات بالکل آرام اور سکون سے گزارنا۔ صبح جب کافی دن چڑھ جائے تب راج محل کے اندر شور کرنا شروع کر دینا کہ راج کماری پاربتی کہاں چلی گئی ہے۔ پہلے اسے زور زور سے آوازیں دینا، پکارنا۔ جب یہ نہ ملے تو راج محل کے مختلف محافظوں کو اِدھر اُدھر بھجوانا۔ کسی کو راج مندر بھجوا دینا، کسی کو دوسری جگہوں کی طرف روانہ کرنا اور سب کو حکم دینا کہ راج کماری پاربتی کو تلاش کریں۔ مجھے امید ہے کہ اتنی دیر تک شہاب الدین اور پاربتی اس قدر لمبی مسافت طے چکے ہوں

Marfat.com

گے کہ اگر کوئی ان کے تعاقب میں نکلے تو انہیں نہیں بلکہ ان کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔ اب بولو تم دونوں ماں بیٹی کیا کہتی ہو؟''

پنڈت کے خاموش ہونے پر بشن دیوی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''کاش میں بھی اپنے بیٹے شہاب الدین سے مل سکتی۔ کیونکہ حالات ایسے ہیں لہٰذا میں آپ کی تجویز کے مطابق راج محل ہی میں رہتی ہوں۔ آپ دیوداسیوں کا لباس پہنا کر پاربتی کو اپنے ساتھ لے جائیں۔''

اس پر چونی لال باہر نکلا، ایک دیوداسی سے گٹھڑی لے کر اندر آیا اور گٹھڑی پاربتی کی گود میں رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری بچی! یہ دیوداسی کا لباس ہے۔ پہن لو۔ یہاں سے اگر تم کوئی چیز لے جانا چاہتی ہو تو سمیٹ لو اور تیار ہو جاؤ۔ میں اتنی دیر تک محل کے برآمدے میں اِدھر اُدھر چہل قدمی کرتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی چونی لال اس کمرے سے نکل گیا تھا۔

اپنی خواب گاہ میں پاربتی نے جلدی جلدی دیوداسیوں کا لباس پہن لیا۔ اتنی دیر تک اس کی ماں نے اس کے کپڑوں کی گٹھڑی کے علاوہ نقدی اور جواہرات کی تھیلیاں بھی اس کی گٹھڑی میں رکھ دی تھیں۔ پھر بشن دیوی برآمدے میں آئی اور سر کے اشارے سے پاربتی کے تیار ہونے کی خبر دی۔ اس اطلاع پر بڑا پنڈت چونی لال خوش ہو گیا تھا۔ دوبارہ پاربتی کی خواب گاہ میں آیا، پاربتی کو لے کر نکلا، بشن دیوی کو ہاتھ کے اشارے سے اس نے کمرے کے اندر ہی رہنے کو کہا پھر ان دیوداسیوں کے اندر چونی لال پاربتی کو لے کر محل سے باہر نکل گیا۔

چونی لال ساری دیوداسیوں کو لے کر راج مندر میں داخل ہوا۔ ان میں پاربتی بھی شامل تھی۔ مندر کے ایک احاطے میں آ کر چونی لال رک گیا۔ ہاتھ کے اشارے سے پاربتی کو قریب بلایا اور اپنا منہ اس کے کان کے قریب لیجاتے ہوئے اسے کہنے لگا۔

''بچی! دائیں جانب جو دیوداسیوں کی کھولیاں بنی ہوئی ہیں ان میں دائیں طرف سے جو تیسری کھولی ہے تُو اس میں چلی جا۔ وہیں شہاب الدین بیٹھا ہوا ہے۔''

اس کے بعد بلند آواز میں چونی لال نے ساری دیوداسیوں کو اپنی اپنی کھولیوں میں جانے کے لئے کہہ دیا تھا۔ اس پر ساری دیوداسیاں مندر کے احاطے میں دائیں جانب

Marfat.com

جو کھولیاں بنی ہوئی تھیں ان کی طرف چلی گئی تھیں۔ جس کھولی کی طرف اشارہ چونی لال نے کیا تھا، پاربتی بھی اس کھولی کی طرف ہو لی تھی۔

پاربتی جب اس کھولی میں داخل ہوئی تو اس کے اندر مسہری پر شہاب الدین بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر پاربتی کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کھولی میں داخل ہونے کے بعد اس نے کھولی کا دروازہ بند کر دیا۔ کچھ دیر تک اپنی جگہ پر کھڑی ہو کر عجیب سے انداز میں شہاب الدین کی طرف دیکھتی رہی۔

پھر پاربتی آگے بڑھی، بڑے پیارے انداز میں شہاب الدین کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے، اس کے قریب مسہری پر بیٹھ گئی پھر بڑی اپنائیت سے اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''میرا دل کہتا تھا کہ کوئی نہ کوئی آئے گا جو مجھے اپنے ساتھ لے کر جائے گا۔ اکثر میں سوچتی تھی کہ مجھے جودھ پور میں تنہا نہیں چھوڑا جائے گا۔ یہاں آ کر جو میری حالت ہوئی کچھ نہ پوچھیں۔ اب میں دہلی میں تو اتنے بھرے گھر اور حویلی میں رہتی تھی۔ یہاں آ کر میں تھی اور ماتا۔ بس تنہائی میں دونوں ماں بیٹی بیٹھی رہتی تھیں۔ وقت گزرتا ہی نہیں تھا۔ ماتا بھی کہتی تھیں کہ کوئی نہ کوئی تمہیں لینے ضرور آئے گا۔ میرا اپنا دل کہتا تھا کہ جودھ پور سے مجھے کوئی نکالے گا ضرور۔''

پھر پاربتی کے کہنے پر شہاب الدین نے وہاں تک پہنچنے اور اس سے پہلے خاندان کے سارے افراد کی آپس میں گفتگو کی تفصیل پاربتی سے کہہ دی تھی۔

شہاب الدین جب خاموش ہوا تب پاربتی بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ''یہاں تو خبریں آئی تھیں کہ سب کی شادیاں ہو گئی ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ اور یہ کہ سب دہلی سے دکن منتقل ہو گئے ہیں؟''

شہاب الدین پاربتی کے اس معصومانہ انداز پر اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا پھر کہنے لگا۔ ''پاربتی! سب کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ عباد الدین، گوہر آراء، ماہ الملک، شرف الدین، قادر داور اروما سب میاں بیوی کی حیثیت سے بہت اچھے دن گزار رہے ہیں۔ چچا نظام الملک کی خواہش تھی کہ ہم سب ان کے ساتھ دہلی سے دکن منتقل ہو جائیں لہٰذا ان کا کہا مانتے ہوئے اب ہم نے دہلی کی بجائے دکن میں رہائش اختیار کر لی ہے۔ میں سمجھتا ہوں دہلی کی نسبت وہاں ہم خاندان کے زیادہ افراد ہیں اور وہاں

Marfat.com

دہلی کی نسبت زیادہ رونق اور چہل پہل ہے۔"
اس کے بعد پاربتی کچھ دیر فرداً فرداً سب کا حال پوچھتی رہی، پھر کسی قدر تفکرات بھری آواز میں شہاب الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔
"اب یہ بتائیں کہ ہم دونوں یہاں سے نکل کر کدھر کا رخ کریں گے اور کیسے دکن پہنچیں گے؟"

"پاربتی! اس سلسلے میں تم فکر مت کرو۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ پنڈت چونی لال نے تمہیں بتا دیا ہوگا کہ میں یہ خانہ بدوش بیکانیریوں کا لباس پہن کر صبح سویرے ان کے ساتھ ہی شہر میں داخل ہوا ہوں۔ اس لئے کہ وہ کام کاج کے لئے شہر میں داخل ہوتے ہیں، شام کو واپس جاتے ہیں۔ تم بھی ان جیسا لباس پہن لینا جو میں ساتھ لے کر آیا ہوں۔ انہی کے اندر رہتے ہوئے شہر سے باہر نکل جائیں گے۔ میں ان کا جائزہ لے چکا ہوں۔ جس شاہراہ کے کنارے سرائے میں، میں نے قیام کیا ہوا ہے اسی شاہراہ کے بائیں جانب ان کی آبادیاں ہیں۔ آبادی کیا ہے، کچھ سرکنڈوں کے جھونپڑے ہیں، کچھ کمان نما لکڑیوں پر کھڑے ہوئے خیمے ہیں۔ بس انہی کے اندر ان کی رہائش ہے۔ وہ اپنے خیموں کی طرف چلے جائیں گے، ہم سرائے کا رخ کریں گے۔ لیکن راستے میں کسی مخصوص جگہ رک کر دونوں اپنے لباس تبدیل کر لیں گے۔ اس کے بعد سرائے میں داخل ہونے کے بعد ہم وہاں رکیں گے نہیں، کوچ کر جائیں گے۔" پیار اور محبت سے شہاب الدین نے پاربتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
شہاب الدین کے خاموش ہونے پر چاہت بھرے انداز میں پاربتی پھر پوچھنے لگی۔
"آپ اپنے اسی گھوڑے پر بیٹھ کر آئے ہیں جو پہلے آپ کے پاس تھا یا تبدیل کر لیا ہے؟"

"پاربتی! میرا گھوڑا وہی ہے۔ سرائے میں آنے بعد میں نے دو احتیاطی تدابیر اختیار کی تھیں۔ پہلی یہ کہ میں نے تمہارے لئے ایک گھوڑا خریدا ہے۔ اسے میں اپنے گھوڑے کے ساتھ ہی باندھ کر آیا ہوں۔ احتیاطاً دونوں گھوڑوں پر میں زینیں بھی ڈال کر آیا ہوں۔ چونکہ تمہیں یہاں سے نکالنا خطرے سے خالی نہیں تھا لہٰذا میں اپنے ساتھ کچھ فالتو ہتھیار بھی لے کر آیا ہوں جو تمہارے دفاع میں کام آ سکتے ہیں۔ لیکن یہاں آ کر جو خبر مجھے چونی لال نے دی ہے اس کی وجہ سے مجھے حوصلہ ہوا ہے کہ تمہارا باپ

Marfat.com

ان دنوں جودھ پور میں نہیں ہے، ایک لشکر لے کر دہلی کی طرف گیا ہوا ہے۔ دہلی سے بھی ایک لشکر اسے مہیا کیا جائے گا اور اس طرح دونوں لشکروں کو لے کر وہ گجرات پر حملہ آور ہو گا اور گجرات میرے چچا نظام الملک سے چھیننے کی کوشش کرے گا۔

پاربتی! میں چاہتا ہوں کہ میں اور تم دکن کی طرف اس تیزی سے سفر کریں کہ تمہارے پتا اجیت سنگھ کے گجرات پہنچنے سے پہلے ہم وہاں پہنچ جائیں۔ اگر تمہارے پتا نے غیر ذمہ دار وزیر، خانِ دوراں کے کہنے پر گجرات پر حملہ آور ہونے کی حامی بھر لی ہے تو لازمی بات ہے وہ یہاں سے دہلی گیا ہو گا اور پھر دہلی سے مہیا کیا جانے والا لشکر اپنے ساتھ ملا کر گجرات کا رخ کرے گا۔ میرے خیال میں اتنی دیر تک ہم دونوں بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔ دوسری طرف میرے چچا نظام الملک کو خبر ہو گئی ہو گی کہ نئے وزیر خانِ دوراں نے گجرات پر حملہ آور ہونے کے لئے اجیت سنگھ کو بھیجا ہے۔ وہ بھی لشکر لے کر گجرات کا رخ کریں گے۔ میں چاہتا ہوں تمہارے پتا کے وہاں پہنچنے سے پہلے پہلے ہم دونوں چچا کے لشکر میں جا شامل ہوں۔''

شہاب الدین کے خاموش ہونے پر پاربتی نے کچھ سوچا پھر مٹھاس بھری آواز میں وہ کہہ رہی تھی۔

''شہاب الدین! اگر ایسا ہو جائے تو میں جانوں گی کہ ہم دونوں خوش قسمت ہیں۔ میں آپ سے کہوں گی کہ گو میں جودھ پور میں اپنے پتا، اپنی ماتا کے ساتھ رہتی رہی ہوں لیکن یہاں ایک پل، کے لئے بھی میرا جی نہیں لگتا تھا۔ اپنے پتا کے یہاں سے لشکر لے کر دہلی کی طرف روانگی کے بعد کبھی کبھی میں ارادہ کر لیتی تھی کہ راج محل سے بھاگ نکلوں اور میں بھی دہلی کا رخ کر کے آپ لوگوں کی حویلی میں جا داخل ہوں۔ پر حالات کو دیکھتے ہوئے ایسے ارادے میں روز بناتی تھی اور توڑ دیتی تھی۔''

اس کے ساتھ ہی پاربتی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کے ایسا کرنے پر شہاب الدین چونکا اور پوچھ لیا۔

''اب تم کہاں جانے لگی ہو؟''

پاربتی نے دروازے کا ایک پٹ کھولا ہی تھا کہ شہاب الدین کے پوچھنے پر مڑی اور مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں اپنی اوڑھنی کا ایک پلو بھگو کر لاتی ہوں اور آپ کا چہرہ صاف کرتی ہوں۔

Marfat.com

میرے خیال میں جو کالک آپ نے اپنے چہرے پر مل رکھی ہے اس کی اب ضرورت نہیں ہے۔“

شہاب الدین مسکرا دیا۔ فوراً بول اٹھا۔

”دروازے کا پٹ جتنا تم نے کھولا ہے اتنا ہی کھلا رہنے دو تاکہ ہوا اور روشنی آتی رہے۔ جہاں سے اٹھی ہو وہیں بیٹھ جاؤ۔ پہلے میری بات سنو۔ یہ میری خرجین سنبھالو، اس میں خانہ بدوش لڑکیوں کا لباس ہے، پہن لو۔“

اس کے بعد شہاب الدین خود باہر نکل گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب پاربتی نے اسے اندر آنے کو آواز دی تو شہاب الدین کمرے میں داخل ہو کر بیٹھ گیا۔

پاربتی شہاب الدین کے پہلو میں دوبارہ جا بیٹھی پھر غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”کہیں، آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے مجھے اوڑھنی کا پلو بھگو کر لانے سے کیوں روکا؟“

”پاربتی! اپنے چہرے پر میں نے جو کالک مل رکھی ہے، ابھی اس کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ ہم دونوں نے ابھی خانہ بدوشوں کے ساتھ شہر سے نکلنا ہے۔ تم لڑکی ہو، شرمانے کے انداز میں اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے شہر پناہ کے دروازے سے نکل جاؤ گی۔ لیکن میں مرد ہوں، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اس بناء پر میں نے اپنے چہرے پر کالک ملی ہوئی ہے۔ شہر سے باہر نکلتے وقت بھی یہ میرے کام آ سکتی ہے اور شہر سے باہر نکلنے کے بعد جہاں ہم دونوں لباس تبدیل کریں گے، وہیں میں اپنے چہرے کی کالک بھی دھو ڈالوں گا۔ میرے پاس جو سامان کی گٹھڑی ہے اس میں چھوٹا سا ایک انگوچھا ہے۔ یہاں سے نکلتے وقت اسے بھگو لیں گے اور راستے ہی میں، میں اپنا چہرہ صاف کر لوں گا۔“

”آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا۔ آپ کو بھوک بھی لگی ہوگی۔“ بڑی محبت اور توجہ سے شہاب الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پاربتی نے پوچھ لیا تھا۔

”پاربتی! میں سرائے سے کھانا کھانے کے بعد جودھ پور شہر میں داخل ہوا ہوں۔ ہاں، یہاں سے نکلنے کے بعد ہمیں اپنے کھانے کا اہتمام کرنا ہوگا۔ اس کے لئے ہم دونوں کے سامنے دو صورتیں ہوں گی۔ پہلی یہ کہ سرائے میں داخل ہو کر کچھ دیر رک کر کھانا کھا لیں اور پھر کوچ کر جائیں۔ یا کھانا وہاں سے لے لیں اور راستے میں کسی

Marfat.com

محفوظ جگہ کھانا کھا کر پھر اپنا سفر شروع کر دیں۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں سرائے سے اپنے لئے مزید زادِ راہ کا اہتمام کرنا ہوگا۔" شہاب الدین نے سوچتے ہوئے کہا تھا۔

"شہاب الدین! ہم دونوں سرائے سے کھانا حاصل نہیں کریں گے۔ میرے خیال میں، میں یہاں سے نکل کر پنڈت چونی لال کے پاس جاتی ہوں اور اسے پیغام دیتی ہوں کہ وہ کسی کو راج محل میں بھجوائے اور وہاں سے ہم دونوں کے لئے شام کے کھانے کے علاوہ زادِ راہ کا بھی اہتمام کر دے۔ اس لئے کہ......"

یہاں تک کہتے کہتے پاربتی کو رُک جانا پڑا تھا اس لئے کہ اسی لمحے کھولی کے دروازے پر کسی نے دستک دی تھی۔

دستک سن کر دونوں فکرمندی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تھے یہاں تک کہ باہر سے آواز سنائی دی۔

"بچو! میں چونی لال ہوں۔"

یہ آواز سن کر دونوں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر چونی لال کھولی کے پٹ کھول کر اندر داخل ہوا۔ دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بیٹھ جاؤ، تمہیں کھڑا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم دونوں سے یہ کہنے آیا ہوں کہ تھوڑی دیر تک میں تم دونوں کے لئے کھانے کا اہتمام کرتا ہوں اور ساتھ ہی تم دونوں کے لئے زادِ راہ کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔"

پنڈت چونی لال کے یہ الفاظ سن کر جہاں شہاب الدین خوش تھا وہاں پاربتی کی بھی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پھول کی طرح کھل گئی تھی۔ پھر پنڈت کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"پنڈت جی! آپ نے گویا ہم دونوں کے دل کی بات جان لی ہے۔ آپ کی آمد سے پہلے ہم دونوں اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ ہمیں شام کا کھانا کہاں کھانا چاہئے اور زادِ راہ کا کیا بندوبست کرنا چاہئے۔"

جواب میں چونی لال مسکرایا اور مڑتے ہوئے بولا۔

"تم بیٹھ جاؤ۔ سہ پہر ہو چکی ہے۔ میں تمہارے کھانے کا اہتمام کرتا ہوں۔ زادِ راہ کا بھی سارا انتظام ہو جائے گا۔ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس کے ساتھ ہی چونی لال وہاں سے نکل گیا تھا۔

Marfat.com

٭

دونوں نے کھانا اسی کھولی میں کھایا۔ زادِ راہ بھی چونی لال نے مہیا کر دیا تھا۔ پھر جب انہوں نے اندازہ لگایا کہ خانہ بدوشوں کے شہر سے نکلنے کا وقت ہو گیا ہے تو وہ دونوں بھی مندر کی اس کھولی سے نکل آئے۔ دونوں نے اپنی اپنی گٹھڑیاں اٹھا رکھی تھیں۔ پاربتی کو لے کر شہاب الدین اسی دروازے پر آیا جس دروازے سے وہ شہر میں داخل ہوا تھا۔ ایک جگہ تھوڑی دیر رک کر انہوں نے انتظار کیا۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ خانہ بدوشوں کا ایک ٹولہ جو مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھا اسی دروازے کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے بعد چھوٹی کئی ٹولیاں آ رہی تھیں۔ پہلی ٹولی جو آئی تو وہ دونوں اس میں شامل ہو گئے اور بغیر کسی شک وشبہ کے وہ شہر سے نکل آئے تھے۔

کچھ دیر تک وہ بیکانیری خانہ بدوشوں کے اندر ہی چلتے رہے۔ جب کچھ آگے جا کر وہ خانہ بدوش مختلف ٹولیوں میں بائیں جانب مڑنے لگے تب شہاب الدین اور پاربتی آگے بڑھے۔ سورج دور مغرب میں اب غروب ہو رہا تھا۔ فضاؤں کے اندر اندھیرے روشنی کو نگلتے ہوئے چاروں طرف اپنی ردا پھیلانے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ تھوڑا سا آگے جا کر شہاب الدین ایک جگہ رُک گیا۔ دائیں جانب جھاڑیوں اور سرکنڈوں کا ایک جھنڈ تھا، اس کی طرف دیکھتے ہوئے پاربتی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"پاربتی! ہم دونوں کو بیکانیری خانہ بدوشوں کے لباس میں سرائے میں داخل نہیں ہونا چاہئے۔ سرائے کے لوگ ویسے بھی مجھے پہچانتے ہیں اس لئے کہ میں گزشتہ دن سے وہاں قیام کئے ہوئے ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ جھاڑیوں اور سرکنڈوں کا جو جھنڈ ہے اس کی طرف جائیں، وہاں اپنا لباس تبدیل کر کے پھر سرائے کا رخ کریں۔" ساتھ ہی شہاب الدین انگوچھے سے چہرہ بھی صاف کرنے لگا تھا۔

شہاب الدین کے ان الفاظ کے جواب میں ہاتھ آگے بڑھا کر بڑے پیارے انداز میں پاربتی نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر کہنے لگی۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر یہاں کھڑے ہو کر سوچنے کی کیا بات ہے؟ آئیں جھنڈ کی طرف چلتے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی دونوں جھاڑیوں اور سرکنڈوں کے جھنڈ کی طرف ہو لئے۔ ایک جگہ شہاب الدین رک گیا پھر پاربتی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

Marfat.com

''پاربتی! یہ جو سامنے والے تین چار سرکنڈوں کے پودے ہیں ان کے پیچھے جا کر تم لباس تبدیل کر لو اور میں یہاں لباس تبدیل کر لیتا ہوں۔''
پاربتی نے اپنی گٹھڑی اٹھائی اور اس جھنڈ کی طرف چلی گئی۔ جب وہ لباس تبدیل کر کے شہاب الدین کے پاس آئی تو اس وقت تک شہاب الدین اپنا لباس تبدیل کر چکا تھا۔ اس کے پاس جو اپنے کپڑوں اور دوسری اشیاء کی گٹھڑی اٹھائی ہوئی تھی وہ شہاب الدین نے لے لی، کہنے لگا۔
''یہ مجھے دو۔ میں اسے اپنی خرجین میں ڈال لیتا ہوں۔ زاد راہ اور میرے کپڑے بھی خرجین میں ہیں۔ اس طرح ایک ہی گٹھڑی ہو جائے گی۔ یہ گٹھڑی اٹھا کر تم سرائے میں داخل ہوتے وقت اچھی نہیں لگو گی۔''
خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے پاربتی نے اس کی طرف دیکھا، چپ چاپ گٹھڑی اسے تھما دی۔ اس کی گٹھڑی بھی شہاب الدین نے اپنی چرمی خرجین میں ڈال لی۔ خرجین کو اس نے کندھے سے لٹکایا پھر اس شاہراہ پر دونوں آئے جو سرائے کی طرف جاتی تھی۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہ سرائے کی طرف بڑھے تھے۔
جب وہ سرائے کے پاس پہنچے تو اس وقت تک تاریکی گہری ہو چکی تھی۔ گھروں کے اندر چراغ اور سرائے کے اندر مشعلیں روشن ہو چکی تھیں۔ دونوں سرائے میں داخل ہوئے۔ اس وقت سرائے کے سامنے گول ستونوں والا جو لمبا برآمدہ تھا اور جہاں جگہ جگہ مشعلیں جل رہی تھیں انہوں نے برآمدے کے علاوہ سرائے کے صحن کو بھی روشن کر رکھا تھا۔ وہاں کچھ نوجوان کھڑے کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے قہقہے لگا رہے تھے۔ شہاب الدین جب پاربتی کے ساتھ سرائے میں داخل ہوا تو وہ سب ان دونوں کو بڑے غور سے دیکھنے لگے تھے۔ اس موقع پر ایک اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
''یہ جو نوجوان سرائے میں داخل ہوا ہے یہ گزشتہ دن یہاں آیا تھا۔ اس نے اکیلے سرائے میں قیام کیا ہوا ہے۔ یہ آج کسی لڑکی کو پکڑ کر کہاں سے لے کر آیا ہے؟''
اتنی دیر تک شہاب الدین اور پاربتی دونوں مشعلوں کی تیز روشنی میں سے گزرتے ہوئے آگے بڑھے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا ایک ساتھی بول پڑا۔
''ارے، یہ تو کمال کی لڑکی ہے۔ اس کی ایک جھلک دیکھتے ہی اس کی شخصیت کا

Marfat.com

احساس ہو جاتا ہے۔ یہ تو تبسم کے بے باک خمار، صبح کی کرنوں کی چمک اور کوہساروں پر کڑک کر گرتی برق جیسی خوبصورت ہے۔ اس کی چال میں شبنمی اداؤں کی لطافت ہے جو اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ انتہا درجہ کی خوبصورت ہے۔ گو اس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال رکھا ہے لیکن جس وقت یہ مشعلوں کی تیز روشنی میں ہمارے پاس سے گزری تو نقاب کے اندر بھی میں نے اس کے گلابی لب اور مسکراتے ہوئے عارض دیکھے ہیں۔ ایسی لڑکیاں شگوفوں میں سمائے گنگناتے رنگوں جیسی ہوتی ہیں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ نوجوان اس لڑکی کو کہیں سے بہکا کر لایا ہے۔ پر لڑکی کمال کی ہے۔ ہمہ حلاوت، ہمہ لطافت، ہمہ ترنم اور ہمہ نزاکت ہے۔ پتہ کرنا چاہئے کہ یہ اس لڑکی کو کہاں سے لایا ہے۔ یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ اس نے گزشتہ دن بھی سرائے میں قیام کیا ہے۔ یہ اتنی خوبصورت لڑکی کہاں سے پکڑ کر لے آیا ہے۔''

تھوڑا آگے جا کر شہاب الدین رک گیا اور پاربتی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''پاربتی! سرائے کے مالک کے ساتھ میں اپنا حساب بے باک کر چکا ہوں۔ میرا اور تمہارا گھوڑا اس وقت اصطبل میں ہے۔ میں ان پر زینیں ڈال کر گیا تھا۔ اگر تم پسند کرو تو ابھی اور اسی وقت یہاں سے کوچ کر جائیں۔''

اس موقع پر پاربتی نے سکھ کا ایک لمبا سانس لیا پھر کہنے لگی۔

''میں تو ایک پل بھی یہاں رکنا نہیں چاہتی۔ چلیں، اصطبل میں چلیں۔ اپنے گھوڑے کو کھولیں اور یہاں سے کوچ کرنے والی بات کریں۔''

پاربتی کے ان الفاظ پر شہاب الدین خوش ہو گیا تھا۔ دونوں اصطبل میں داخل ہوئے، ایک طرف لکڑی کی ناند میں جو پانی بھرا ہوا تھا اس میں سے شہاب الدین نے اپنا منہ دھویا، انگوچھے سے اپنا چہرہ صاف کر لیا۔ پھر دونوں اپنے گھوڑوں کی طرف بڑھے۔ جو نوجوان انہیں بڑے غور سے دیکھ رہے تھے اس موقع پر ان میں سے ایک اپنے باقی ساتھیوں کو حیرت سے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ارے یہ تو اوپر کی منزل میں ایک کمرے میں قیام کئے ہوئے ہے۔ لڑکی کو اصطبل میں کیوں لے کر گیا ہے؟ آؤ، پتہ کرتے ہیں کہ کیا معاملہ ہے؟''

اس پر ایک اور اپنے باقی ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''دیکھو، سب کا اصطبل میں جانا مناسب نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے اس طرح وہ برا

Marfat.com

مانیں اور سرائے کے اندر ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو یاد رکھنا، سرائے کا مالک اور اس کے سارے کارندے ان دونوں کا ساتھ دیں گے اور ہمارے خلاف ہو جائیں گے کہ ہم نے سرائے کے اندر ہلچل برپا کر کے سرائے کے کاروبار کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔''

ان الفاظ کے جواب میں ان میں سے جو اپنے آپ کو زیادہ منچلا، زور آور اور بدمعاش سمجھتا تھا وہ دوسروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم سب یہیں رکو، میں اکیلا اصطبل کی طرف جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کیا معاملہ ہے، کیا اصلیت ہے۔'' سب نے اس سے اتفاق کیا۔ لہٰذا وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اصطبل کی طرف بڑھا تھا۔

اصطبل میں داخل ہونے کے بعد شہاب الدین نے پہلے اپنے گھوڑے کو دہانہ چڑھایا، کندھے پر لٹکتی ہوئی خرجین زین کے ساتھ باندھ دی۔ پھر جب وہ اس گھوڑے کو دہانہ چڑھا رہا تھا جو اس نے پاربتی کے لئے حاصل کیا تھا تو وہ اوباش اصطبل میں داخل ہوا۔ دونوں کے قریب آیا۔ اسے دیکھتے ہی پاربتی آنے والے کی طرف پشت کر کے کھڑی ہو گئی تھی۔ خوف اور ڈر کے مارے کانپنے بھی لگی تھی۔ قریب آ کر اس نے شہاب الدین کو مخاطب کیا۔

''یہ لڑکی تم کہاں سے لے کر آئے ہو؟''

شہاب الدین گھوڑے کو دہانہ چڑھانے کے بعد فارغ ہوا، اس کے بعد اس کی طرف دیکھا پھر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیا تم لوگوں کی کوئی لڑکی گم ہو گئی ہے جو اس کو تلاش کرتے پھرتے ہو؟ اور تمہیں شک ہو گیا ہے کہ یہ لڑکی وہ ہے جس کی تمہیں تلاش ہے؟''

''تمیز سے بات کرو۔ تمہاری یہ گفتگو تمہیں تمہاری سلامتی، تمہاری جان سے محروم کر سکتی ہے۔'' وہ اوباش بھوکے بھیڑیئے کی طرح غرایا تھا۔

شہاب الدین نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔

''دیکھو، میں خود ایک گریبان چاک مسافر ہوں۔ میرے ساتھ الجھ کر اپنے آپ کو موت و حیات کی کشاکش میں نہ ڈالو۔''

''تیرے جیسے مسافر کی ایسی تیسی۔ ہم سے الجھو گے، ہم سے ٹکراؤ گے تو یاد رکھنا

Marfat.com

موت کے سایوں، قضا کے روگ کا شکار ہو کر رہ جاؤ گے۔'' وہ اوباش آخری شب میں گرجتے رعد کی طرح بولا تھا۔

شہاب الدین کچھ دیر تک بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا، ہونٹوں پر زبان پھیری، اس کے بعد سمجھانے کے انداز میں کہنا شروع کیا۔

''میں اسی سرائے میں قیام کئے ہوئے تھا۔ اب کوچ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ الجھو نہیں۔ دیکھو میں خود عذابوں کا مسافر ہوں۔ تم لوگ مجھے اور کیا اذیت دو گے؟ ایک بات یاد رکھنا، اگر میری راہ کا کانٹا بننے کی کوشش کرو گے تو پہلے سے میں تمہیں تنبیہہ کر دیتا ہوں، اپنے مقدر کو محرومی کا لباس اور موت کا سکوت پہناتے چلے جاؤ گے۔''

''یہ تو وقت بتائے گا کہ ہم موت کا لباس پہنتے ہیں یا کوئی تمہیں بے مندمل روگ ملتا ہے۔ میں نے تو تم سے یہ پوچھا ہے کہ یہ لڑکی تم کہاں سے لائے ہو؟ یہ لڑکی کون ہے؟ اس کے علاوہ میں تم سے کچھ نہیں جاننا چاہتا۔ یہ تو میں پہلے سے جانتا ہوں کہ تم نے اس سرائے میں قیام کر رکھا ہے۔''

اس بار شہاب الدین نے کھا جانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر پہلے کی نسبت کھولتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''جو سوال تم نے کیا ہے اس کا جواب میرے پاس یہ ہے کہ یہ لڑکی میری بیوی ہے۔ اب بولو، مزید تم کیا چاہتے ہو؟''

''اگر یہ لڑکی تمہاری بیوی ہے تو جس وقت تم سرائے میں قیام کرنے کے لئے آئے تھے اس وقت یہ تمہارے ساتھ کیوں نہ تھی؟ اگر یہ یہیں کی رہنے والی ہے اور تم اسے کہیں سے لینے کے لئے آئے ہو تو پھر تمہارا اس سرائے میں قیام کرنے کا کیا مقصد ہے۔ دیکھو، سچ بتاؤ، معاملہ کیا ہے؟''

''کیا تم میرے محتسب لگے ہوئے ہو؟ کیا میں تمہارے سامنے جواب دہ ہوں اور تمہیں بتاتا پھروں کہ یہ لڑکی کون ہے۔ میں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ یہ میری بیوی ہے۔ اب میرے ساتھ اس موضوع پر مزید گفتگو نہ کرنا۔'' کھولتے ہوئے لہجے میں شہاب الدین نے اسے جواب دیا تھا۔

''یہ تو تمہیں بتانا ہو گا کہ اس لڑکی کی اصلیت کیا ہے اور اسے کہاں سے لائے

Marfat.com

ہو؟'' وہ پھر ضد پر اتر آیا تھا۔

''کیا تم میری ذات کے کوتوال لگے ہوئے ہو؟'' پہلے سے بھی زیادہ غصیلے الفاظ میں شہاب الدین نے جواب دیا تھا۔

''ہاں...... یوں ہی سمجھ لو۔'' وہ اوباش کندھے اچکاتے ہوئے کہہ اٹھا تھا۔

شہاب الدین کی حالت شاید ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ وہ ایک دم حرکت میں آیا، اپنا دایاں ہاتھ اس کی پیٹی میں ڈالا اور ایک ہی ہاتھ سے اسے اوپر اٹھاتے ہوئے فضا میں معلق کر دیا۔ پھر اسے اصطبل کی پختہ ناند پر بری طرح پٹخ دیا تھا۔ ناند سے ٹکرانے کے بعد وہ بری طرح کراہ اٹھا تھا۔ اس پر شہاب الدین آگے بڑھا، دو زوردار ایسے گھونسے اسے مارے کہ وہ گھونسے کھانے کے بعد بے سدھ سا ہو گیا تھا۔ قریب ہی گھوڑوں کی کچھ لگامیں پڑی ہوئی تھیں۔ شہاب الدین نے ان میں سے دو لگامیں اٹھائیں۔ ایک لگام سے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے، دوسری سے دونوں پاؤں جکڑ دیئے، پھر اسے اٹھا کر اصطبل کی لمبی ناند میں ڈال دیا تھا۔

جب تک شہاب الدین یہ کارروائی کرتا رہا، پاربتی سہمے سہمے سے انداز میں اس کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ کانپ بھی رہی تھی اور دیکھے بھی جا رہی تھی۔ شہاب الدین نے جب اسے ناند میں پھینک دیا تب بھاگتے ہوئے پاربتی اس کے پاس آئی۔ شہاب الدین کے دونوں ہاتھ تھامے پھر خوف بھرے انداز میں کہنے لگی۔

''اب کیا ہو گا؟ اس کے اور بہت سے ساتھی بھی باہر کھڑے تھے۔ یہ تو ہمارے درپے ہو جائیں گے۔''

شہاب الدین نے پاربتی کا گال تھپتھپایا، پھر ایک طرف گیا جہاں چارے کی بوریاں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے اندر سے اس نے ایک ڈھال نکالی، پھر ایک چھوٹی سی پیٹی نکالی جس کے ساتھ تلوار اور خنجر تھا۔ پھر وہ پاربتی کی طرف آیا، خنجر اور تلوار کی پیٹی اس کی کمر کے ساتھ باندھ دی اور ڈھال کو اس کی پیٹھ پر لٹکا دیا۔ جب تک وہ یہ کام کرتا رہا، پاربتی چپ چاپ اپنی جگہ پر کھڑی رہی اور فکرمندی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر شہاب الدین نے پاربتی کو مخاطب کیا۔

''اب دونوں اپنے گھوڑوں پر بیٹھیں اور یہاں سے کوچ کر جائیں۔ میں جانتا ہوں جسے میں نے مار کر ناند میں ڈالا ہے اس کے ساتھی بھی باہر کھڑے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی

Marfat.com

مجھ سے الجھنے کی کوشش کرے تو تم میرے پیچھے رہنے کی کوشش کرنا۔ اپنی پیٹھ ٹکرانے والوں کی طرف رکھنا تا کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس لئے میں نے تمہاری پیٹھ پر ڈھال باندھ دی ہے۔ مجھے امید ہے وہ ہم سے ٹکرائیں گے نہیں۔ اب یہاں سے کوچ کریں۔"

اس کے ساتھ ہی پاربتی جب اپنے گھوڑے کی رکاب میں پاؤں جمانے لگی تب ہی شہاب الدین نے اپنے دونوں ہاتھ اس کی بغلوں میں ڈالے اور اسے اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا دیا تھا۔ خود دوسرے گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔ پھر دونوں آگے پیچھے اصطبل سے نکلے اور سرائے کے صدر دروازے کی طرف بڑھے تھے۔

جو اوباش برآمدے کے پاس کھڑے تھے ان میں سے ایک فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ دونوں تو چل دیئے ہیں۔ میرے خیال میں کوچ کر رہے ہیں۔ ہمارا ساتھی جو ان کی طرف گیا تھا، اس کا کیا ہوا؟"

"آؤ، پہلے اصطبل میں جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں ہمارے ساتھی کا کیا ہوا۔" ایک نے مشورہ دیا تھا۔

اس مشورے کے بعد وہ سب اصطبل کی طرف بھاگے تھے۔ اصطبل کی طرف جاتے ہوئے شہاب الدین نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا لہٰذا سرائے سے باہر نکل کر اس نے پاربتی کو مخاطب کر کے کہا۔

"پاربتی! اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاؤ اور اسے میرے ساتھ ساتھ سرپٹ دوڑاؤ۔"

پاربتی نے اس پر عمل کیا۔ پھر دونوں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑانے لگے تھے۔

❋

سارے اوباش بھاگتے ہوئے جب اصطبل میں داخل ہوئے تو دنگ رہ گئے۔ اس لئے کہ اصطبل میں کچھ گھوڑے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کا ساتھی انہیں کہیں دکھائی نہ دیا۔ اتنی دیر تک ناند میں جب اس کے کراہنے کی آواز سنائی دی تو سب پریشان ہو کر اس لمبی ناند کی طرف بھاگے جس میں شہاب الدین اسے ڈال گیا تھا۔ سب بھاگتے ہوئے ناند کے پاس آئے، پشت پر بندھے ہوئے اس کے ہاتھ اور پاؤں کھولے پھر ایک اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

Marfat.com

"یہ تیرے ساتھ کیا بیتی؟ وہ کون تھا؟ لڑکی کون تھی؟ اور اب وہ کدھر کوچ کر گیا ہے؟"

وہ شخص اپنے بازو سہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

"وہ عام انسان نہیں ہے۔ میں نے جب اس سے لڑکی کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا وہ اس کی بیوی ہے۔ میں نے پھر پوچھا کہ اگر یہ تمہاری بیوی ہے اور تم اسے کہیں سے لینے آئے ہو تو تم نے سرائے میں کیوں قیام کیا؟ اس پر وہ الجھ گیا، ایک ہی ہاتھ سے مجھے پیٹی میں گرفت کر کے اوپر اٹھا لیا اور اس ناند میں پٹخ دیا۔ دو گھونسے بھی مارے جس کی وجہ سے میں اس کے سامنے بے سدھ سا ہو گیا تھا۔

اس پر ان کا ایک ساتھی بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"جلدی کرو، ان دونوں کا تعاقب کریں۔ وہ یوں ہمارے ساتھی کو مار کر بھاگ نہیں سکتا۔ آؤ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوں اور ان کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوں۔"

سب نے اپنے اس ساتھی کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ جو ناند میں گرا تھا وہ بھی سنبھل گیا۔ اس کے بعد جلدی جلدی انہوں نے اصطبل میں کھڑے گھوڑوں پر زینیں ڈالیں، انہیں باہر نکالا، ان پر سوار ہوئے اور سرائے سے نکل کر وہ شہاب الدین اور پاربتی کے تعاقب میں لگ گئے تھے۔

گہری ہوتی رات میں شہاب الدین اور پاربتی دونوں اس شاہراہ پر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے جو، جودھ پور سے بھوپال اور وہاں سے ناگ پور اور اندور کے درمیان سے گزر کر حیدر آباد کی طرف جاتی تھی۔

کچھ آگے جا کر اچانک رات کی گہری خاموشی میں شہاب الدین بڑی محویت سے کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ شروع راتوں کے چاند کی وجہ سے فضاؤں کے اندر مدھم مدھم روشنی تھی۔ شہاب الدین کی یہ حالت دیکھتے ہوئے پاربتی فکرمند ہو گئی پھر تشویش ناک انداز میں بول اٹھی۔

"آپ کیا سننے اور جاننے کی کوشش کر رہے ہیں؟" پاربتی کی آواز میں تعجب تھا۔

"تمہیں فکرمند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے گھوڑے کو میرے ساتھ ساتھ سرپٹ دوڑاتی رہو۔ میں اگر اچانک اپنے گھوڑے پر الٹا ہو کر بیٹھ گیا تو

Marfat.com

پریشانی میں واویلا اور شور کرنا نہ شروع کر دینا۔" پاربتی کو ڈھارس اور تسلی دینے کے لئے شہاب الدین نے یہ الفاظ بڑے پُرسکون لہجے میں کہے تھے۔

پاربتی اور زیادہ فکرمند اور پریشان ہو گئی تھی۔ کہنے لگی۔

"آپ صاف صاف کیوں نہیں بتاتے، کیا معاملہ ہے؟ کیا آپ اپنے لئے کوئی خطرہ محسوس کر رہے ہیں؟" پاربتی نے اپنے گھوڑے کو کسی قدر شہاب الدین کے قریب لاتے ہوئے پوچھا تھا۔

اس موقع پر شہاب الدین کا ہاتھ اچانک زین کے ساتھ بندھے ہوئے ترکش کی طرف چلا گیا تھا۔ پہلے ترکش اس نے اپنی پیٹھ پر باندھا، زین کے ساتھ لٹکتی ہوئی کمان بھی کھول لی پھر پاربتی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"پاربتی! حوصلہ مت ہارنا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھ سے گزرنے کے بعد ہی کوئی تمہاری طرف بڑھے گا۔ بات یہ ہے کہ ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ میں تعاقب کرنے والوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی دھمک سن سکتا ہوں۔"

"اب کیا ہوگا؟ وہ تو تعداد میں کافی ہوں گے۔ ان ویران راہوں میں ہم کسی کو اپنی مدد کے لئے بھی نہیں پکار سکتے۔" روتی ہوئی آواز میں پاربتی نے کہا تھا۔

"کسی کو مدد کے لئے پکارنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ سب سے بڑا مدد کرنے والا میرا اللہ ہے۔ اسی پر میرا تکیہ اور بھروسہ ہے۔ تمہیں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تعاقب کرنے والوں سے خوب نمٹوں گا۔ پاربتی! تم نہ صرف میرے جسم کا حصہ ہو بلکہ میری عزت، میری آبرو ہو، میں تمہاری حفاظت خوب کروں گا۔ میں گھوڑے پر الٹا ہو کر بیٹھنے لگا ہوں۔ تم پریشان اور فکرمند مت ہونا۔ میرا گھوڑا سدھایا ہوا ہے، یہ اسی طرح بھاگتا رہے گا جس طرح پہلے بھاگتا رہا ہے۔ میں تعاقب کرنے والوں کو اس قدر نزدیک نہیں آنے دینا چاہتا کہ وہ پشت کی طرف سے تیر اندازی کرنے میں پہل کریں اور اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کریں۔" شہاب الدین نے پھر پاربتی کو ڈھارس دیتے ہوئے کہا تھا۔

شہاب الدین کے ان الفاظ پر پاربتی اپنے آپ کو کافی سنبھال چکی تھی۔ شاید اس نے اپنے دل میں یہ بات بٹھا لی تھی کہ شہاب الدین اس کے ساتھ ہے، وہ اکیلی نہیں ہے۔ شہاب الدین اس کی حفاظت کا انتظام خوب کرے گا۔

Marfat.com

اس کے ساتھ ہی شہاب الدین گھوڑے پر الٹا ہو بیٹھا تھا۔ پھر کمان سنبھالی، ایک بار کمان کی موٹی تانت کو کھینچتے ہوئے اس کا جائزہ لیا، ترکش سے تیر نکال کر چلے پر چڑھایا، تھوڑی دیر تک شست لیتا رہا، اس کے بعد اس نے تیر چلا دیا تھا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی تیر نکال کر اس نے چلا دیئے تھے۔ ان تیروں کے چلائے جانے کے بعد پشت کی جانب سے کسی کے واویلا کرنے، کراہنے اور کچھ کے گالیاں دینے کی بھی آوازیں سنائی دی تھیں۔

یہ کارروائی کرنے کے بعد شہاب الدین پھر اپنے گھوڑے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا پھر ایڑھ لگاتے ہوئے اس نے اس کی رفتار تیز کر دی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ پاربتی بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر رفتار تیز کر چکی تھی۔

کچھ دیر دونوں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے رہے یہاں تک کہ شہاب الدین نے مدھم چاندنی میں مڑ کر دیکھا، آخر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اور کسی قدر مسکراتے ہوئے پاربتی کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”پاربتی اس سے پہلے جو ہماری پشت پر تعاقب کرنے والوں کے ہیولے مجھے دکھائی دیئے تھے وہ نہیں ہیں۔ میرے خیال میں انہوں نے ہمارا تعاقب ترک کر دیا ہے۔ میرا یہ بھی اندازہ ہے کہ ان کے کچھ ساتھی میری تیراندازی کی وجہ سے یا تو بری طرح زخمی ہو گئے ہیں یا ہلاک ہو گئے ہوں گی۔ اسی بناء پر وہ تعاقب ترک کرنے پر مجبور ہوئے ہوں گے۔“

شہاب الدین کے ان الفاظ پر پاربتی مطمئن اور آسودہ ہو گئی تھی۔ کچھ دیر تک بڑی طمانیت اور محبت میں شہاب الدین کی طرف دیکھتی رہی پھر پہلے کی طرح وہ دونوں شاہراہ پر اپنے گھوڑوں کو دوڑا رہے تھے۔

❀ ...... ❀

Marfat.com

●●●

اگلے روز کا سورج جب طلوع ہوا تب پاربتی نے اطمینان کی خاطر اپنی پشت کی طرف دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ پیچھے بالکل ویرانہ ہی ویرانہ، سکوت ہی سکوت تھا۔ یہ صورتِ حال یقیناً اس کے لئے خوش کن تھی۔ پھر شہاب الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''آپ کا اندازہ درست تھا۔ میرے خیال میں آپ نے جو تیر اندازی کی تھی اس کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا جس کی بناء پر انہوں نے ہمارا تعاقب ترک کر دیا۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ یہاں کہیں رک کر تھوڑا سا ستا بھی لیں اور کھانا بھی کھا لیں؟''

شہاب الدین بھی تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا۔ اس نے ایک پیار بھری نگاہ پاربتی پر ڈالی پھر اپنے گھوڑے کو اس نے شاہراہ سے ہٹایا۔ دائیں جانب کے ٹیلے کے پاس گیا، گھوڑے کو وہاں اس نے روکا۔ اتنی دیر تک اس کے قریب پاربتی بھی اپنے گھوڑے کو روک چکی تھی۔ جست لگا کر شہاب الدین پہلے نیچے اترا پھر پاربتی کو سہارا دے کر اس نے اسے بھی گھوڑے سے اتارا۔ اپنے گھوڑے کی زین کے اوپر پڑی ہوئی ایک چادر اتار کر اس نے زمین پر بچھائی اور کہنے لگا۔

''اب یہاں بیٹھو...... دونوں کھانا کھاتے ہیں، ستاتے ہیں، اس کے بعد دوبارہ اپنے سفر کی ابتداء کرتے ہیں۔''

شہاب الدین کے ان الفاظ پر پاربتی خوش ہو گئی تھی۔ اتنی دیر تک اپنے گھوڑے کی زین سے بندھی ہوئی خرجین شہاب الدین نے اتار کر چادر پر رکھ دی تھی۔ پاربتی وہاں بیٹھ گئی تھی۔ خرجین کے اندر سے اس نے زادِ راہ نکالا، بڑے خوش کن ماحول میں پہلے دونوں نے کھانا کھایا، پھر بچا ہوا زادِ راہ پاربتی نے دوبارہ خرجین میں ڈالتے ہوئے

Marfat.com

خرجین کا منہ بند کر دیا تھا۔ اس کے بعد خرجین اٹھا کر شہاب الدین نے اپنے گھوڑے کی زین سے باندھ دی تھی۔ دوبارہ وہ چادر پر آ کر بیٹھ گیا پھر پاربتی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"پاربتی! میں ایک طرف ہو کر بیٹھ جاتا ہوں۔ اگر تم لیٹ کر آرام کرنا چاہتی ہو تو لیٹ سکتی ہو۔"

"میں لیٹ کر نہیں ستاؤں گی، بیٹھ کر آرام کرنا چاہتی ہوں۔ اگر میں لیٹ گئی تو مجھے نیند آ جائے گی۔ اس طرح وقت ضائع ہوگا اور میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ میں آپ کے ساتھ بہت جلد اپنی منزل پر پہنچنا چاہتی ہوں۔" محبت بھرے انداز میں شہاب الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پاربتی نے کہا تھا۔

کچھ دیر تک ستانے کے بعد پاربتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ شہاب الدین کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔ "میرے خیال میں اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہئے۔"

شہاب الدین اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ چادر تہہ کرنے لگا تھا۔ اتنی دیر تک پاربتی اچھل کود کر کے کبھی اپنی ٹانگیں دائیں بائیں ہلانے لگی، کبھی بازوؤں کو اِدھر اُدھر حرکت دینے لگی تھی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے شہاب الدین مسکرا رہا تھا۔

چادر تہہ کر کے شہاب الدین نے اپنی زین پر ڈال دی تھی۔ اتنی دیر تک پاربتی بھی اس کے قریب آ گئی۔ پہلے کی طرح پاربتی کو سہارا دے اس نے اس کے گھوڑے پر بٹھایا پھر خود بھی اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور دونوں شاہراہ پر آئے اور پہلے کی طرح گھوڑوں کو ایڑ لگا کر وہ انہیں بھگانے لگے تھے۔

انہوں نے تھوڑا سا ہی فاصلہ طے کیا ہوگا کہ دونوں چونک اٹھے۔ ذرا آگے چار سوار ان کی راہ روکے کھڑے تھے۔ وہ تعاقب کرنے والے ہی تھے اور کوئی مختصر سا راستہ اختیار کرتے ہوئے ان کے سامنے آ گئے تھے۔

پاربتی کچھ دیر تک بڑے تشویش ناک انداز میں راہ روکنے والوں کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کا رنگ ہلدی ہو گیا تھا، چہرے پر خوف اور تفکرات کی لہریں رقص کرنے لگی تھیں۔ گھوڑے کی رفتار اس نے کم کر دی تھی۔ اس موقع پر شہاب الدین بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے بھی اپنے گھوڑے کی رفتار کم کر دی تھی۔ پھر

Marfat.com

پاربتی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''پاربتی! یہ تمہارا رنگ ہلدی کیوں ہو رہا ہے؟ میں جانتا ہوں یہ جو سوار سامنے کھڑے ہیں یہ راہ روکنے والے ہیں۔ میرے خیال میں یہ کسی مختصر راستے سے ہماری راہ میں آ گئے ہیں۔ یہ تعاقب کرنے والے ہی ہیں۔ پر فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ صرف چار ہیں، انہیں تو میں لمحوں کے اندر کھنگال کر رکھ دوں گا۔ ان چاروں کو دیکھتے ہوئے تمہیں پریشان اور غم زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں؟ میں فکر مند و غم زدہ نہ ہوں تو اور کیا کروں؟ وہ چار ہیں اور ہم ڈیڑھ۔ ایک آپ اور آدھی میں۔ ہم ان کا مقابلہ کیسے کر پائیں گے؟ اس موقع پر اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو یوں سمجھئے کہ پاربتی گئی۔'' بڑے دکھ اور پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے پاربتی نے کہا تھا۔

شہاب الدین مسکرا دیا۔ پاربتی کا شانہ تھپتھپایا، پھر بول اٹھا۔

''پاربتی! کس قسم کی گفتگو کر رہی ہو تم؟ شہاب الدین کی ساتھی ہو، اس کی منگیتر، اس کی منسوبہ ہو۔ ہمت سے کام لو۔ تم کچھ بھی نہ کرنا، ایک طرف ہٹ کر کھڑی رہنا۔ پھر دیکھنا میں ان چاروں نامرادوں کا ان ویرانوں کے اندر کیا حشر نشر کرتا ہوں۔''

شہاب الدین کے ان الفاظ پر پاربتی کو کچھ حوصلہ ہوا، دونوں مزید آگے بڑھے، ان کے سامنے جا کر انہوں نے اپنے گھوڑوں کو روک دیا تھا۔ یہاں تک کہ ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے راہ روکنے والوں میں سے ایک بول اٹھا تھا۔

''تم جس قدر بھاگنا چاہتے تھے بھاگ لئے۔ تم نے راستے میں تیر اندازی کر کے ہمارے کچھ ساتھیوں کا خاتمہ کیا۔ لہٰذا اب تم بچ نہ پاؤ گے۔ تم اکیلے ہو۔ تمہارے ساتھ نازک سی لڑکی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس کے ساتھ تمہارا کوئی رشتہ نہیں۔ تم اسے بھگا کر کہیں لے جا رہے ہو۔ لیکن ہم چاروں جب درد کی گہری شعاعوں، تباہی کے بے روگ بگولوں اور غم کی اندھی یلغار کی طرح تم پر وارد ہوں گے تو ان ویرانوں میں تمہاری لاش پر کوئی نوحہ کرنے والا نہ ہو گا۔ یہ لڑکی بھی تمہیں فراموش کر چکی ہو گی۔''

راہ روکنے والا جب خاموش ہوا تب کھولتے لہجے میں شہاب الدین نے انہیں مخاطب کیا۔

''تم جیسے وحشی، بپھرے درندے اور اپنی موت کے منتظر غلیظ بھیڑیئے میں نے بہت

Marfat.com

دیکھ رکھے ہیں۔ میں سرابوں کا مسافر ہوں نہ ہی ہوا کی سسکاریوں پر اڑتا ہوا کوئی بے بس خشک پتا کہ تم مجھے اڑا کر رکھ دو گے۔ نہ ہی تم لوہے اور پتھر کے بنے ہوئے ہو کہ میری تلوار تم پر اثر نہیں کرے گی۔ اوروں کے عکس روندنے والو! آگے بڑھ کر مجھ سے ٹکراؤ۔ جس طرح تیز بارش کاغذ پر لکھی ہوئی کچی تحریروں اور دیوار پر بنے ہوئے کچے رنگوں کے نقوش کو مٹا دیتی ہے ایسے میں بھی اگر تمہیں خون کا غسل دیتا ہوا نہ نکل جاؤں تو میرا نام تبدیل کر دینا۔ آگے بڑھ کر مجھ سے ٹکراؤ، پھر دیکھو موت کی خونی مسافتیں کس کا مقدر بنتی ہیں اور کامیابیوں کی کتھا جس کا بخت اور نصیب بنتی ہے۔"

شہاب الدین کی اس گفتگو پر وہ چاروں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے صلاح مشورہ کرنے لگے تھے کہ اچانک شہاب الدین نے اپنی پیٹی سے بھاری پھل کا خنجر نکالا، تاک کر مارا اور اس کا خنجر ان میں سے ایک کا سینہ چیرتا ہوا نکل گیا تھا۔ وہ چیخ مارتا ہوا اپنے گھوڑے سے گر گیا تھا۔

اچانک اس تبدیلی پر وہ تینوں پریشان سے ہو گئے تھے۔ اپنے ساتھی کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ عین اسی موقع پر وحشیانہ انداز میں شہاب الدین نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، گھوڑا ہنہناتا ہوا آگے بڑھا۔ طوفانی انداز میں شہاب الدین ان میں سے ایک پر حملہ آور ہوا اور اس کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔ اس کے بعد ایک دم اپنے گھوڑے کو موڑتا ہوا وہ دوبارہ پاربتی کے قریب آن کھڑا ہوا تھا۔

گھوڑے کو روکنے کے بعد شہاب الدین نے پھر ان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"اس سے پہلے تم چاروں میں سے جو دھمکی آمیز انداز میں گفتگو کر رہا تھا وہ تو ختم ہو چکا ہے۔ تم چار تھے، دو موت کی گہری نیند سو چکے ہیں، اب تم دو باقی ہو۔ تم میں سے بھی اگر کوئی اپنے پہلے ساتھی کی طرح میرے ساتھ دھمکی آمیز گفتگو کرنا چاہتا ہے تو کرے، اپنے دل کی بھڑاس نکال لے۔ اس کے بعد شاید تم دونوں میں سے بھی کسی کو اس طرح کی گفتگو کرنے کا موقع نہ ملے۔ سنبھل جاؤ، میں تم پر حملہ کرنے لگا ہوں۔ پھر دیکھتا ہوں تم دونوں میرے سامنے کتنی دیر تک اپنا دفاع کرنے میں کامیاب رہتے ہو۔"

اس کے ساتھ ہی ایک بار پھر شہاب الدین نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، طوفانی انداز میں آگے بڑھا تھا۔ وہ دونوں بھی سنبھل گئے تھے۔ دائیں بائیں ہو کر انہوں نے ایک ساتھ شہاب الدین پر اپنی تلواریں برسائی تھیں۔ پھر شہاب الدین نے ان دونوں

Marfat.com

کے وار اپنی تلوار پر روکے پھر ایک دم ان کے بیچ میں سے ذرا آگے نکل گیا تھا۔ اس موقع پر ایک کو نجانے کیا سوجھی وہ اپنے گھوڑے کا رخ موڑتے ہوئے پاربتی کی طرف بڑھا تھا۔ وہ شاید پاربتی پر گرفت کرتے ہوئے شہاب الدین کو اپنے سامنے بے بس کرنا چاہتا تھا۔ عین اسی لمحے شہاب الدین نے اپنے گھوڑے کو موڑا تھا اور ان دونوں میں سے ایک کو اس نے پاربتی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ فوراً اپنا ہاتھ زین کے ساتھ بندھے ہوئے نیزے کی طرف لے گیا۔ نیزہ اس نے فضا میں تولا، تاک کر مارا اور پشت کی جانب سے اس کا نیزہ پاربتی کی طرف بڑھنے والے کے دل کو چیرتا ہوا نکل گیا تھا۔ باقی جو ایک رہ گیا تھا اس پر بوکھلاہٹ اور موت کا کرب طاری ہو گیا تھا۔

شہاب الدین نے اسے بھی زیادہ موقع نہ دیا، نیزہ مار کر وہ فوراً آخری پر حملہ آور ہوا۔ کچھ دیر تک اس نے شہاب الدین کے سامنے دفاع کیا پھر وہ لرزتا کانپ رہا تھا، چہرے پر خوف اور فکرمندی کی لہریں تھیں اور اسی خوف اور وحشت میں وہ شہاب الدین کے حملوں کو روک نہ سکا اور شہاب الدین کی تلوار اسے بھی کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی۔

راہ روکنے والے چاروں کا خاتمہ کرنے کے بعد شہاب الدین اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر جب پاربتی کے قریب آیا تو اس نے دیکھا اس سے پاربتی کے چہرے پر گہری مسکراہٹ تھی۔ شہاب الدین نے اسے مخاطب کیا۔

''پاربتی! کیسا رہا یہ کھیل؟''

پاربتی اس موقع پر سنجیدہ ہو گئی تھی، راہ روکنے والوں میں سے جو اس پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھا تھا اس کی وجہ سے اس نے اپنی تلوار بے نیام کر رکھی تھی، ڈھال بھی سنبھال لی تھی۔ ڈھال اس نے اپنی پیٹھ پر لٹکا دی۔ تلوار نیام میں کی، ایک جست لگا کر وہ گھوڑے سے اتری اور پھر شہاب الدین کو مخاطب کرتے ہوئے وہ سنجیدگی سے کہنے لگی۔

''ذرا آپ اپنے گھوڑے سے اتریں۔''

اس موقع پر شہاب الدین بھی عجیب سی سنجیدگی میں پاربتی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اس لئے کہ اس نے جائزہ لیا کہ پاربتی اچانک مسکراتے مسکراتے سنجیدہ ہو گئی تھی۔ اپنے گھوڑے سے اتر کر اسی سنجیدگی میں شہاب الدین پاربتی کے قریب آیا اور غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

Marfat.com

''کیا بات ہے؟''

''پہلے یہاں بیٹھ جائیں۔'' پاربتی نے لمحہ بھر کے لئے شہاب الدین کی طرف غور سے دیکھنے کے بعد زمین کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ کیا۔

''کیا بات ہے؟'' شہاب الدین کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

''کیا آپ کو مجھ پر اعتماد اور بھروسہ نہیں ہے؟'' پاربتی نے بھی اس جیسی سنجیدگی میں کہا تھا۔ اس پر شہاب الدین اس جگہ بیٹھ گیا، جہاں پاربتی نے اشارہ کیا تھا۔ پاربتی اس کی پشت کی طرف گئی، پھر زوردار انداز میں وہ شہاب الدین کے کندھے دبانے لگی تھی۔

اس کی اس حرکت پر شہاب الدین فوراً تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ پھر پیار بھرے انداز میں ہلکی سی چپت اس نے پاربتی کے گال پر لگائی، پھر کہنے لگا۔

''تو کیا صرف اسی مقصد کے لئے تم نے مجھے گھوڑے سے اتارا، یہاں بیٹھنے کے لئے کہا کہ تم میرے شانے دباؤ؟''

شہاب الدین کو کہتے کہتے رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ پاربتی مسکراتے ہوئے بول اٹھی تھی۔

''آپ اٹھ کیوں گئے؟ اس جگہ بیٹھیں جہاں سے اٹھے ہیں۔ میں تھوڑی دیر آپ کو دباتی ہوں۔''

جواب میں شہاب الدین نے اپنے دائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیوں سے پاربتی کا سر پکڑ کر ہلایا، پھر کہنے لگا۔

''تم کس قسم کی باتیں کر رہی ہو؟ میں نے کون سا قلعہ فتح کر لیا؟ کون سا بڑا معرکہ مار لیا ہے جو میں تھک گیا ہوں اور تم میری تھکاوٹ کا احساس کرتے ہوئے مجھے دباؤ گی۔ یہ لمحہ بھر کا ٹکراؤ تھا جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا اور ختم ہو گیا۔ اس میں تھکاوٹ کی کون سی بات ہے؟''

شہاب الدین کی اس گفتگو کے جواب میں پاربتی مسکرا دی، پھر کہنے لگی۔

''شہاب الدین! میں آپ کی ذات، آپ کی شخصیت، آپ کی رفاقت، آپ کی شجاعت، آپ کی دلیری، آپ کے ایثار اور خلوص پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے۔ میں سمجھتی

Marfat.com

ہوں کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے آپ جیسا جیون ساتھی مل رہا ہے اس لئے کہ......"

پاربتی اپنی بات مکمل نہ کرسکی۔ آگے بڑھ کے مسکراتے ہوئے شہاب الدین نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، ساتھ ہی کہہ اٹھا۔

"پاربتی! تمہیں میرے لئے ایسے الفاظ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ہمارے درمیان ایک رشتہ ہے۔ اس رشتے کے تحت تمہاری ہر طرح سے حفاظت کرنا میرا اولین فرض ہے۔"

"اگر راستے میں انہی جیسے کچھ اور سر پھروں نے ہماری راہ روکی تو پھر کیا ہوگا؟" سوچوں بھری آواز میں پاربتی نے اپنے خدشات کا اظہار کیا تھا۔

شہاب الدین نے آگے بڑھ کر پاربتی کا شانہ تھپتھپایا اور کہنے لگا۔

"پاربتی! تمہیں اس سلسلے میں پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ خداوند قدوس نے میرے مقدر میں تمہاری رفاقت، تمہارا ساتھ لکھ رکھا ہے اور اسی خداوند قدوس کی نصرت اور حمایت کے بل بوتے پر ہم جودھ پور کی حدود سے بحفاظت نکل کر اپنے محفوظ مقام کی طرف چلے جائیں گے۔ میرے خیال میں ہم دونوں کو یہاں رک کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے، اپنے گھوڑوں پر بیٹھیں، دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہوں۔"

پاربتی نے اس سے اتفاق کیا، بھاگتی ہوئی اپنے گھوڑے کی طرف بڑھی۔ شہاب الدین بھی اس کے ساتھ تھا۔ شہاب الدین اس کے گھوڑے کے قریب جا کھڑا ہوا، مسکراتے ہوئے پاربتی نے ایک جست لگائی، اپنا ایک ہاتھ شہاب الدین کے کندھے پر رکھا اور اپنے گھوڑے کی زین پر ہو بیٹھی تھی۔ اسے بٹھانے کے بعد شہاب الدین اپنے گھوڑے پر ہو بیٹھا۔ دونوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی۔ اس موقع پر پاربتی شہاب الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"شاید آپ کو خبر ہو چکی ہو گی کہ جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ یعنی میرے باپ نے ایک لشکر کے ساتھ گجرات پر حملہ آور ہونے کی حامی بھر لی تھی۔ ایک لشکر اس کی مدد کے لئے اسے دہلی سے بھی ملنا تھا۔ میرے خیال میں میرا باپ دونوں لشکروں کو لے کر گجرات کی طرف روانہ ہو چکا ہو گا۔ یقیناً اس کا مقابلہ کرنے کے لئے چچا نظام الملک،

Marfat.com

بھائی میر منوں بھی دکن سے شمال کا رخ کئے ہوئے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے اس موقع پر باقی بھائی بھی لشکر میں شامل ہوں اور ان کی بیویاں بھی ان کے ساتھ ہوں۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ پہلے حیدر آباد کا رخ کرنے کی بجائے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ہمارا لشکر کہاں ہے اور اس میں ہم شامل ہو جائیں۔ اور دونوں لشکروں کے ٹکراؤ کے دوران کسی نہ کسی طریقے سے میں اپنے باپ پر یہ واضح کروں گی کہ میں جودھ پور سے نکل کر جہاں آنا چاہتی تھی وہاں آ چکی ہوں۔ اس طرح اسے یہ احساس ہو جائے گا کہ قدرت نے جو فیصلے کرنے ہوتے ہیں وہ یقیناً انسان کی مرضی اور اس کے ارادے کے خلاف پورے ہو کر رہتے ہیں۔''

پاربتی جب خاموش ہوئی تب کچھ دیر تک شہاب الدین مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کی آواز سنائی دی۔

''پاربتی! جیسا تم چاہ رہی ہو، ایسا ہی ہو گا۔ آؤ اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر انہیں سرپٹ دوڑائیں۔ میں تمہاری تجویز پر عمل کروں گا۔ پہلے حیدر آباد جانے کی بجائے لشکر میں شامل ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں خود بھی اس ٹکراؤ میں حصہ لوں۔''

جواب میں پاربتی مسکرا دی۔ پھر دونوں نے خوش کن انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی۔ ساتھ ہی دونوں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

❁

گجرات پر حملہ آور ہونے کے لئے اجیت سنگھ ایک بہت بڑا لشکر لے کر جنوب کا رخ کئے ہوئے تھا۔ ایک لشکر اس نے جودھ پور سے لیا تھا، دوسرا لشکر اسے دہلی سے حاصل ہوا تھا اس طرح اس کے پاس ایک جرار لشکر تھا اور اس لشکر کی کمانداری کرتے ہوئے اجیت سنگھ کو امید تھی کہ وہ گجرات کے علاقے کو نظام الملک کے قبضے سے نکالنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اجیت سنگھ یہ بھی امید لگائے بیٹھا تھا کہ اگر وہ اس مہم میں کامیاب ہو گیا تو دہلی کے بادشاہ محمد شاہ کی نگاہوں میں نہ صرف اس کی عزت، اس کے وقار میں اضافہ ہو گا بلکہ یقیناً گجرات کے علاقے کو بھی اس کے تحت کر دیا جائے گا۔ اجیت سنگھ یہ ارادہ کئے ہوئے تھا کہ گجرات پر اپنی طرف سے کسی کو مقرر کرے گا اور خود جودھ پور ہی میں قیام کئے رکھے گا۔ بس یہی ارادے لئے اپنے لشکر کے ساتھ

Marfat.com

اجیت سنگھ بڑی تیزی سے گجرات کی طرف بڑھا تھا۔
دوسری طرف نظام الملک کے مخبر بھی اجیت سنگھ کی نقل و حرکت کے متعلق اسے آگاہ کرتے چلے جا رہے تھے اور وہ حیدر آباد سے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کر چکا تھا۔
نظام الملک منزل پر منزل مارتا ہوا ایک روز گجرات شہر کی حدود سے کافی آگے نکل آیا تھا۔ شاید وہ اجیت سنگھ کو اپنے علاقوں سے باہر ہی روکنا چاہتا تھا کہ متحرک لشکر کے اندر شہاب الدین اور پاربتی داخل ہوئے۔ لشکر میں ان دونوں کی آمد پر ایک زبان سے دوسری زبان تک یہ خبر نظام الملک تک جا پہنچی کہ شہاب الدین پاربتی کو لے کر لشکر میں شامل ہو چکا ہے۔ یہ خبر ملتے ہی نظام الملک نے لشکر جہاں تھا وہیں روک دیا تھا۔
شہاب الدین اور پاربتی اپنے گھوڑوں پر سوار لشکر کے اگلے حصے کی طرف جا رہے تھے۔ سب سے پہلے میر منوں کی نگاہ ان پر پڑی تھی۔ شہاب الدین کو دیکھتے ہی میر منوں اپنے گھوڑے سے اتر گیا تھا۔ قریب آ کر شہاب الدین بھی اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔ پاربتی بھی گھوڑے سے اتر چکی تھی۔ میر منوں بھاگ کر آگے بڑھا، شہاب الدین کو اپنے ساتھ لپٹا کر اس کی پیشانی چومی، پھر پاربتی کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔ اتنی دیر تک نظام الملک بھی ان کے قریب آ چکا تھا۔ دونوں کو گلے لگا کر اس نے پیار کیا پھر قاورد خان اور نظام الملک کا چچا حیدر خان اور غازی خان بھی آ کر دونوں سے ملے اور شہاب الدین کو اس کی کامیابی پر مبارک باد دی۔
جب سب آپس میں مل چکے تب میر منوں کی طرف دیکھتے ہوئے پاربتی کہنے لگی۔
''بھائی! کیا لشکر میں عورتیں بھی شامل ہیں؟''
''میری بہن! لشکر میں عورتیں شامل ہیں لیکن ہماری عورتیں سب شامل نہیں ہیں۔ یوں جانو لشکر میں میری بیوی ۔غلانی بیگم ہے، اروما ہے۔ باقی گھر کے افراد گھر ہی میں ہیں۔''

میر منوں یہیں تک کہنے پایا تھا کہ ایک طرف سے مغلانی بیگم اور اروما دونوں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتی ہوئی آئی تھیں۔ قریب آ کر وہ اتریں۔ باری باری انتہائی پُر جوش انداز میں دونوں پاربتی سے ملیں۔ پاربتی سے ملتے وقت مغلانی بیگم نے اس کا چہرہ، اس کے گال، اس کا سر کئی بار چوما۔ بڑی شفقت سے پیش آئی۔ اروما بھی بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس سے بغل گیر ہوئی۔ اس کے بعد مغلانی بیگم، شہاب الدین

Marfat.com

کے پاس آئی۔ کچھ دیر تک غور سے اس کی طرف دیکھا پھر پیار بھرے انداز میں اس کا گال تھپتھپایا، پیشانی چومی اور کہنے لگی۔

''شہاب الدین میرے عزیز بھائی! جو امید میں نے تم سے وابستہ کر رکھی تھی قسم اللہ پاک کی تم نے اسے پورا کر دکھایا۔ مجھے یقین تھا کہ تم پاربتی کو جودھ پور سے ضرور نکال لاؤ گے۔''

شہاب الدین نے مغلانی بیگم کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقع پر پاربتی نظام الملک کے قریب آئی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''چچا! مجھے امید ہے کہ میرا باپ اجیت سنگھ بھی اپنے لشکر کے ساتھ ادھر کا رخ کئے ہو گا۔ میں چاہتی ہوں جب اس سے ہمارا ٹکراؤ ہو تو کسی نہ کسی طریقے سے اس کے کانوں میں یہ بات ڈال دی جائے کہ اس کی بیٹی پاربتی جسے اس نے جودھ پور میں اسیر بنا کر رکھا تھا وہ جودھ پور سے نکل کر اپنی منزل تک پہنچ چکی ہے۔''

''میری بیٹی! تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا تم چاہ رہی ہو ایسا ہی ہو گا۔'' نظام الملک نے مسکراتے ہوئے پاربتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

دوسری طرف جودھ پور کا راجہ اجیت سنگھ بھی منزل پر منزل مارتے ہوئے گجرات کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک موقع پر دو قاصد اس کے سامنے آ گئے۔ قاصد شاید اجیت سنگھ کے جاننے والے تھے اس لئے کہ انہیں دیکھتے ہی اس نے اپنے لشکر کو روک دیا تھا۔ دونوں قاصد جب اجیت سنگھ کے پاس آئے تو اجیت سنگھ نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پریشانی میں پوچھ لیا۔

''کیا تم دونوں کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو؟''

''ہمارے پاس کوئی اچھی خبر نہیں۔ بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم آپ کے لئے بری خبر لے کر آئے ہیں اور خبر یہ ہے کہ راج کماری پاربتی جودھ پور سے بھاگ کر چلی گئی ہے۔ کہاں گئی ہے، ابھی تک اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔'' آنے والے قاصدوں میں سے ایک نے سہمے سہمے انداز میں اجیت سنگھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

یہ خبر سن کر اجیت سنگھ کا پارہ اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ چہرے پر غصے اور ناراضگی کے آثار تھے۔ پھر قاصد کو مخاطب کر کے کہہ اٹھا۔

''یہ کیسے ہو گیا؟ پاربتی اکیلی جودھ پور سے کیسے بھاگ سکتی ہے؟ اگر بھاگی بھی ہے

Marfat.com

تو وہ اکیلی کیسے سفر کر سکتی ہے؟''

یہاں تک کہنے کے بعد اجیت سنگھ جب خاموش ہو گیا اور گہری سوچوں میں ڈوب گیا تب سہمے سہمے سے انداز میں دوسرا قاصد بول اٹھا تھا۔

''مالک! ہوا یوں کہ ایک روز اچانک صبح ہی صبح رانی بشن دیوی شور کرنے لگی تھی کہ راجکماری پاربتی راج محل میں نہیں ہے۔ پہلے تو رانی اِدھر اُدھر بھاگتے ہوئے راج محل کے ایک ایک کمرے میں گئی، راجکماری کو تلاش کرتی رہی، ہر کمرے ہر راہداری میں زور زور سے رانی نے راجکماری کو آوازیں دیں، پر راجکماری کی آواز کہیں سے نہ آئی۔ سارا محل چھان مارا گیا پر پاربتی کا کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر رانی نے راج محل کے محافظوں کو مختلف سمتوں میں راج کماری کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا لیکن ہر کوئی ناکام لوٹا۔ راج کماری کا کچھ پتہ نہ چلا۔''

''اگر یہ بات ہے تو پھر راج کماری پاربتی جودھ پور سے بھاگی نہیں ہے، وہ راج محل سے ضرور بھاگی ہو گی لیکن جودھ پور شہر کے اندر ہی اس نے کہیں پناہ لے رکھی ہو گی۔ شہر سے باہر نہیں نکلی ہو گی اس لئے کہ شہر کے جس دروازے سے بھی باہر نکلتی، شہر کے محافظ اسے پہچان لیتے اور اسے روک لیتے۔ اس لئے کہ میں نے شہر کے سبھی محافظوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ میری پتنی اور میری بیٹی دونوں میں سے کوئی بھی جودھ پور سے باہر نہ نکلے۔ لہٰذا راجکماری پاربتی اگر محل میں نہیں ہے تو پھر راج محل سے نکل کر اس نے کہیں جودھ پور کے اندر ہی پناہ لے رکھی ہے، وہاں سے بھاگنے نہیں پائے گی۔ اگر بھاگنے کی کوشش بھی کی تو شہر پناہ کے محافظوں کے ہاتھوں ضرور پکڑی جائے گی۔ اور جب ایسا ہو گا تو واپس جا کر میں اس کو اس کے کئے کی کڑی سزا دوں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اجیت سنگھ رکا، کچھ سوچا پھر آنے والے ان قاصدوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں اپنے لشکر کے ساتھ پھر پیش قدمی کرنے لگا ہوں۔ تم دونوں یہیں سے واپس جودھ پور کی طرف جاؤ۔ میری پتنی کو ڈھارس اور تسلی دینا کہ پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر راج کماری پاربتی راج محل سے بھاگی ہے تو میری پتنی کو یقین دلانا کہ جودھ پور سے نہیں بھاگی۔ جودھ پور کے اندر ہی اس نے کہیں پناہ لے رکھی ہے۔ اس مہم سے فارغ ہو کر میں جب مناددوں کے ذریعے جودھ پور شہر میں

Marfat.com

اعلان کراؤں گا کہ جس کسی نے بھی راج کماری کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے وہ راجکماری کو راج محل میں لے آئے اور اگر ایسا نہیں کرے گا تو پکڑے جانے پر اس کے سارے اہل خانہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ پھر دیکھنا جن لوگوں نے جودھ پور شہر میں پاربتی کو پناہ دی ہے کیسے اسے پکڑ کر راج محل میں میرے پاس لے کر آتے ہیں۔''

اجیت سنگھ کے ان الفاظ پر قاصد بھی مطمئن ہو گئے تھے لہٰذا اجیت سنگھ کے کہنے پر وہ وہیں سے واپس چل دیئے جبکہ اجیت سنگھ نے پہلے کی طرح جنوب کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی۔

نظام الملک کے مخبر بھی اجیت سنگھ کے لشکر کی پل پل کی نقل و حرکت سے اسے آگاہ کئے ہوئے تھے۔ جب نظام الملک کو خبر کی گئی کہ اجیت سنگھ قریب آ گیا ہے تب نظام الملک نے ایک جگہ اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔

اجیت سنگھ بھی آگے بڑھا اور عین نظام الملک کے سامنے اس نے پڑاؤ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اجیت سنگھ جانتا تھا کہ اس کے مقابلے میں نظام الملک ہے جو جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا ہے اور ہار ماننے والا بھی نہیں۔ اسے یہ بھی خبر تھی کہ نظام الملک کا بیٹا میر منوں ہے جو ناممکن کو ممکن بنانے کا ہنر جانتا ہے۔ اجیت سنگھ کو یہ خبر بھی پہنچ چکی تھی کہ سابق وزیر محمد امین خان مرحوم کے اہلِ خانہ بھی نظام الملک کے پاس پہنچ چکے ہیں لہٰذا یقیناً شہاب الدین، قاورد خان اور ان کے دوسرے لواحقین بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔

اس بناء پر اجیت سنگھ ٹکراؤ سے پہلو تہی کرنا چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ پہلے بات چیت کا آغاز کرے گا اور نظام الملک کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے گا کہ وہ بغیر لڑے گجرات اس کے حوالے کر کے اپنے علاقوں کی طرف رخ کرے۔ اپنے ان ارادوں کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے اجیت سنگھ نے لشکر کے اندر جس قدر سالار اس کے ماتحت تھے ان سے مشورہ کیا۔ وہ شاید نظام الملک سے ٹکراتے ہوئے کترا رہے تھے لہٰذا انہوں نے اجیت سنگھ کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔

اجیت سنگھ بھی اپنے ماتحت سالاروں کے خیالات جاننے کے بعد بے حد خوش ہوا۔ اب اسے یہ خدشہ نہیں رہا تھا کہ اگر اس نے گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا تو محمد شاہ اس سلسلے میں اس سے باز پرس کرے گا کیونکہ اس کے سالار بھی یہی چاہ رہے تھے۔

Marfat.com

لہٰذا مطمئن ہو کر اس نے اپنے ایک سالار کو اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے نظام الملک کی طرف روانہ کیا تھا۔

اجیت سنگھ کا وہ سالار نظام الملک کے پڑاؤ میں داخل ہوا۔ اس کے کہنے پر اسے نظام الملک کے خیمے میں لے جایا گیا۔ خیمے میں اس وقت نظام الملک، میر منوں، شہاب الدین، قاورد خان، حیدر خان، نظام الملک کا بڑا بیٹا غازی خان اور کچھ دیگر سالار بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

اس سالار کو نظام الملک کے سامنے پیش کیا گیا۔ نظام الملک نے بڑی عزت، بڑے احترام سے اس کا استقبال کیا۔ سب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس سے مصافحہ کیا پھر نظام الملک نے اسے اپنے سامنے بٹھایا اور آنے کی وجہ پوچھی۔ نظام الملک کے اس استفسار پر اجیت سنگھ کا وہ سالار نظام الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''محترم نظام الملک! یہ عجیب اتفاق ہے کہ حالات آپ اور اجیت سنگھ کو آمنے سامنے لے آئے ہیں۔ وہ آپ کا اور آپ کے خاندان کا بڑا احترام کرتا ہے، آپ سے جنگ نہیں کرنا چاہتا۔ اسی بناء پر اس نے صلح کی گفت وشنید کے لئے مجھے آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔''

قاصد جب خاموش ہوا تب نظام الملک بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگر اجیت سنگھ جنگ نہیں کرنا چاہتا، اس کی نگاہوں میں میرے لئے اور میرے اہلِ خانہ کے لئے احترام ہے تو جنگ سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ اپنے لشکر کو لے کر واپس چلا جائے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔''

''محترم نظام الملک! ایسا بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ محمد شاہ نے اسے حکم دے رکھا ہے کہ وہ آپ سے ٹکرائے اور گجرات پر قبضہ کرے۔ لہٰذا اس کی خواہش ہے کہ آپ یہ ٹکراؤ نہ ہونے دیں۔ محمد شاہ کی خواہش کا احترام کریں اور گجرات کا علاقہ اس کے حوالے کر کے آپ بخیر و عافیت حیدر آباد کی طرف چلے جائیں۔''

اجیت سنگھ کا سالار جب خاموش ہوا تب کسی قدر خفگی، ناراضگی اور بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے نظام الملک کہنے لگا۔

''محمد شاہ کو گجرات پر حملہ آور ہونے کا مشورہ جو لوگ دے رہے ہیں ان میں انہیں

Marfat.com

اچھی طرح جانتا ہوں۔ میرے خدا کو منظور ہوا تو اگر میرے ساتھ کسی نے زیادہ الجھنے کی کوشش کی تو عنقریب میرا ہاتھ ان لوگوں کی گردن پر ہو گا جو محمد شاہ کو اصل راہ سے ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں اور اسے تباہی اور بربادی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ محمد شاہ کی دادی زندہ تھی تو محمد شاہ بالکل سیدھا چل رہا تھا، اس کے مرنے کے بعد اس نے جو عیش ونشاط کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس کی خبریں پوری مملکت میں پھیل چکی ہیں۔ اس نے مملکت کے کاموں سے دور رہنے کے لئے اور عیش وعشرت کے سمے باندھنے کے لئے جو باغات لگوائے ہیں ان کی خبریں بھی دکن سے لے کر ہمالیہ تک بکھری ہوئی ہیں۔ واپس جا کر اجیت سنگھ سے کہنا کہ وہ اپنے آپ کو جودھ پور تک ہی محدود رکھے۔ زیادہ لوبھ لالچ میں پڑے گا تو ایسا گرے گا کہ اٹھنے نہیں پائے گا۔ واپس جا کر میری طرف سے اجیت سنگھ کو یہ بھی کہنا کہ میں گجرات اس کے حوالے کر کے واپس جانے والا نہیں ہوں۔ گجرات میری عملداری میں شامل ہے۔ میں اپنے علاقوں کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہوں۔ اگر اجیت سنگھ واقعی گجرات محمد شاہ کے کہنے پر فتح کرنا چاہتا ہے، اس پر قابض ہو کر وہاں کا حکمران بننے کا خواہش مند ہے تو پھر مجھ سے ٹکرائے۔ مجھے شکست دیئے بغیر اجیت سنگھ گجرات پر اپنا تسلط قائم نہیں کر سکتا۔ واپس جا کر اجیت سنگھ سے یہ بھی کہنا، مجھ سے ٹکرائے۔ میں نے جب جنگ کے دوران اندازہ لگا لیا کہ اجیت سنگھ واقعی مجھ پر بھاری ثابت ہو رہا ہے تو میں خود ہی گجرات کے علاقے اس کے حوالے کر کے اپنا آپ سمیٹ کر جنوب کی طرف چلا جاؤں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نظام الملک رکا، پھر دوبارہ اس سالار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرا ایک اور پیغام بھی واپس جا کر اجیت سنگھ کو دینا۔ اسے کہنا تم نے نظام الملک کے بھتیجے شہاب الدین کے ساتھ اپنی راجکماری پاربتی کا بیاہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ دھوکے سے اس نے اپنی راجکماری اور پتنی کو جودھ پور میں واپس بلایا اور وہاں دونوں کو روک کر ایک طرح سے اپنا قیدی اور اسیر بنا لیا۔ اجیت سنگھ سے جا کر یہ بھی کہنا کہ اب پاربتی جودھ پور نہیں بلکہ اس وقت وہ میرے لشکر میں شامل ہے۔''

نظام الملک کے اس انکشاف پر اجیت سنگھ کا وہ سالار دنگ رہ گیا تھا۔ کچھ دیر تک غور سے اس نے نظام الملک کو دیکھا پھر کہنے لگا۔

Marfat.com

"یہ ناممکن ہے...... پاربتی کسی بھی صورت جودھ پور سے بھاگ کر آپ کے پاس یا آپ کے لشکر میں نہیں آسکتی۔ جس کسی نے بھی یہ خبر آپ کو دی ہے اس نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاربتی، جودھ پور کے راج محل سے غائب ہے لیکن وہ جودھ پور ہی میں کسی کے ہاں چھپی ہوئی ہے۔ عنقریب اسے وہاں سے نکال باہر کیا جائے گا اور ایسی صورت میں اجیت سنگھ اسے کڑی سزا دینے کا فیصلہ بھی کر چکا ہے۔ ہمارے لئے یہ خبر نئی نہیں ہے اس لئے کہ اجیت سنگھ کے پاس جودھ پور سے دو قاصد آئے تھے جنہوں نے یہ اطلاع کر دی ہے کہ راجکماری پاربتی راج محل سے غائب ہے لیکن کسی نے اسے جودھ پور شہر سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا نہ ہی وہ وہاں سے نکل سکتی ہے اس لئے کہ شہر پناہ کے سارے محافظوں کو اجیت سنگھ نے سختی کے ساتھ احکامات جاری کئے ہیں کہ اس کی بیوی اور بیٹی دونوں کسی بھی صورت جودھ پور شہر سے نکلنے نہ پائیں۔ اب آپ ہی بولیں، ایسی صورت میں راجکماری پاربتی جودھ پور سے نکل کر آپ کے لشکر میں کیسے آسکتی ہے؟ جس کسی نے بھی آپ کو یہ خبر دی ہے غلط دی ہے۔"

اجیت سنگھ کے اس سالار کے جواب میں کچھ دیر تک نظام الملک دھیرے دھیرے مسکراتا رہا پھر اسے مخاطب کر کے بول اٹھا۔

"کیا تم راجکماری پاربتی کو جانتے ہو؟ اسے تم نے دیکھ رکھا ہے اور وہ تمہارے سامنے آئے تو کیا تم اسے پہچان پاؤ گے؟"

نظام الملک کے ان الفاظ کے جواب میں وہ قاصد کسی قدر پریشان اور فکرمند ہو گیا تھا۔ خیمے میں اس کی دھیمی سی آواز سنائی دی تھی۔

"ہاں، میں نے راج کماری پاربتی کو ایک بار نہیں، کئی بار دیکھ رکھا ہے۔ اگر وہ میرے سامنے آئے تو میں اسے پہچان سکتا ہوں۔"

"بیٹے! اٹھو، پہلے سارا معاملہ پاربتی کو سمجھانا، پھر اسے اپنے ساتھ اس خیمے میں لے کر آؤ۔" نظام الملک نے اپنے پہلو میں بیٹھے اپنے بیٹے میر منوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

جواب میں میر منوں اٹھ کھڑا ہوا اور خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔ نظام الملک کے ایسا کرنے پر اجیت سنگھ کے سالار کی حالت عجیب سی تھی۔ کبھی کبھی گہری سوچوں میں

Marfat.com

ڈوب جاتا تھا کبھی وہ جستجو بھرے انداز میں خیمے کے دروازے کی طرف دیکھنے لگ جاتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد خیمے میں میر منوں واپس آیا۔ اس کے ساتھ راجکماری پاربتی بھی تھی۔ پاربتی جب خیمے میں داخل ہوئی تو نظام الملک اپنی جگہ پر اس کے احترام میں اٹھ کھڑا ہوا۔ باقی سب بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ نظام الملک نے ہاتھ کے اشارے سے شہاب الدین کے ساتھ جو نشست تھی وہ خالی کرنے کے لئے کہا پھر سب بیٹھ گئے۔ خالی نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پاربتی کو مخاطب کر کے نظام الملک کہنے لگا۔

''بیٹی! یہاں شہاب الدین کے پاس بیٹھ جاؤ۔''

مسکراتے ہوئے پاربتی آگے بڑھی، شہاب الدین کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ خیمے میں کچھ دیر خاموشی رہی۔ اجیت سنگھ کا قاصد شاید پاربتی کو پہچان گیا تھا لہٰذا ندامت بھرے انداز میں اس کی گردن جھک سی گئی تھی۔ اس موقع پر نظام الملک نے اسے مخاطب کیا۔

''اجیت سنگھ کے قاصد! گردن جھکاؤ نہیں، میری طرف دیکھو۔ جو لڑکی خیمے میں داخل ہوئی ہے کیا تم نے اسے پہچانا یہ کون ہے؟''

وہ سالار شرمسار سا دکھائی دے رہا تھا۔ دھیمے سے لہجے میں نظام الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''یہ یقیناً راجکماری پاربتی ہی ہے۔ میں اسے پہچان چکا ہے۔'' اس قاصد کے ان الفاظ پر نظام الملک مسکرایا، دوبارہ خیمے میں اس کی آواز سنائی دی تھی۔

''اگر تم نے پاربتی کو پہچان لیا ہے تو کیا تم نے شہاب الدین کا نام بھی سن رکھا ہے؟''

وہ سالار پھر دکھ بھرے انداز میں بول پڑا تھا۔

''یقیناً میں نے شہاب الدین کا نام سن رکھا ہے۔ اس لئے کہ راجکماری پاربتی کا رشتہ اس کے ساتھ طے ہوا تھا۔''

''تو پھر غور سے پاربتی کی طرف دیکھو۔ پاربتی کے ساتھ جو نوجوان بیٹھا ہوا ہے وہی شہاب الدین ہے۔ یہ میرا بھتیجا ہے۔ واپس جا کر اجیت سنگھ سے کہنا کہ عنقریب ان دونوں کی شادی دھوم دھام اور شان و شوکت سے ہو گی۔'' بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نظام الملک نے اجیت سنگھ کے قاصد سے کہا تھا۔

Marfat.com

اس موقع پر نظام الملک نے پاربتی کی طرف دیکھا پھر شفقت بھرے لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''پاربتی میری بیٹی! یہ سالار تمہارے باپ اجیت سنگھ کی طرف سے آیا ہے۔ یہ مجھے پیغام دینے آیا ہے کہ میری بہتری اس میں ہے کہ میں گجرات کے سارے علاقے تمہارے باپ کے حوالے کر کے واپس حیدر آباد چلا جاؤں۔ میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا ہے جس کا لازم نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہمارا اور اجیت سنگھ کا ٹکراؤ ہو گا۔ میں تمہارے باپ کے سالار کو واپس بھیجنے لگا ہوں۔ میری بچی! اگر تم اسے اپنے باپ کے نام کوئی پیغام دینا چاہتی ہو تو دے سکتی ہو۔''

اس موقع پر راجکماری پاربتی نے کچھ سوچا پھر اپنے باپ کے قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔۔

''اگر تمہیں یقین ہو چکا ہے کہ میں راجکماری پاربتی ہوں تو واپس جا کر میرے باپ سے کہنا کہ بے شک اس نے مجھے جودھ پور کے راج محل میں اسیر کر کے ایک طرح کا بے بس اور لاچار بنا کر رکھ دیا تھا پر اس سے کہنا کبھی کبھی قدرت کے کام بھی بڑے عجیب وغریب ہوتے ہیں اور اس کے کارکن، اس کے بندوں کی مدد کرتے ہوئے ہر طغیان اور جبروت کو دوستی سا مہربان، ظنون شکوک کو نیکی کی طرح بار آور اور ذلت ونکبت کو محبت کے وجدان سا خیر خواہ بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ میرے باپ سے کہنا کہ اس کی بیٹی پاربتی کہتی ہے کہ اب میں اپنی منزل پر پہنچ چکی ہوں اور جس طرح میری بڑی بہن اس پر اعتبار نہیں کرتی اسی طرح میں بھی آئندہ کبھی بھی جودھ پور کے راجہ کے کسی بھی کام کو قابل اعتماد اور قابل بھروسہ خیال نہیں کروں گی۔ بس اس کے علاوہ میں تم سے کچھ نہیں کہنا چاہتی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد پاربتی جب خاموش ہوئی تو نظام الملک نے اجیت سنگھ کے سالار کی طرف دیکھا پھر خیمے میں اس کی آواز سنائی دی۔

''جس کام کے لئے تم آئے تھے اس کا جواب میں نے تمہیں دے دیا ہے۔ پاربتی نے بھی اجیت سنگھ کے نام اپنا پیغام تمہیں سنا دیا ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔''

اس کے ساتھ ہی اجیت سنگھ کا وہ سالار اٹھا، خیمے سے نکلا اور نظام الملک کے پڑاؤ سے نکل کر اپنے پڑاؤ کا رخ کر رہا تھا۔

Marfat.com

٭

جودھ پور کا راجہ اجیت سنگھ بھی بڑی بے چینی سے اپنے سالار کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ جب وہ سالار اس کے خیمے میں داخل ہوا تو اجیت سنگھ انتہائی بے چینی اور بے تابی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آنے والے اس سالار کی طرف دیکھنے لگا تھا پھر ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب وہ سالار وہاں بیٹھ گیا تب جستجو بھرے انداز میں اجیت سنگھ نے اسے دیکھا پھر خیمے میں اس کی آواز سنائی دی تھی۔

’’کیا نظام الملک کی طرف سے تم کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو؟‘‘

’’میں نظام الملک کی طرف سے دو خبریں لے کر آیا ہوں۔ دونوں ہی انتہا درجہ کی بری ہیں۔‘‘ اس سالار نے بڑے غور سے اجیت سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

’’یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ دو خبریں کہاں سے آ گئیں؟ میں نے تو تمہیں صلح کی بات چیت کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس سلسلے میں ایک ہی خبر ہو سکتی ہے۔‘‘ فکر مندی میں اجیت سنگھ نے اس سالار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

جواب میں اس سالار نے اپنا گلا صاف کیا پھر اجیت سنگھ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

’’میں واقعی دو بری خبریں لے کر آیا ہوں۔ پہلی بری خبر یہ ہے کہ نظام الملک کسی بھی صورت صلح کے لئے تیار نہیں ہے۔ گجرات کا کوئی علاقہ وہ ہمارے حوالے نہیں کرنا چاہتا نہ ہی وہ گجرات سے دست بردار ہو کر حیدر آباد جانے کا کوئی ارادہ رکھتا ہے۔ اس کے ارادے بتاتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ جنگ کرے گا اور جنگ کی اس نے تیاری بھی خوب کر رکھی ہے۔

دوسری بری خبر جو میں آپ کے لئے لے کر آیا ہوں وہ یہ کہ آپ کی راجکماری پاربتی جودھ پور سے نظام الملک کے لشکر میں پہنچ چکی ہے۔‘‘

اس سالار کے ان الفاظ پر اجیت سنگھ چونکا تھا، چہرہ لمحہ بھر کے لئے پیلا ہو گیا تھا پھر اپنے آپ کو سنبھالا اور کپکپاتی سی آواز میں اسے مخاطب کیا۔

’’تم کیا کہہ رہے ہو؟ پاربتی اکیلی جودھ پور سے یہاں کیسے پہنچ گئی؟ اتنا لمبا اور طویل سفر وہ اکیلی کیسے کر سکتی ہے؟ میں تو یہی خیال کئے ہوئے تھا کہ اگر وہ راج محل سے بھاگی ہے تو جودھ پور کے کسی گھر یا اپنے کسی جاننے والے کے ہاں اس نے پناہ

Marfat.com

لے لی ہو گی۔ وہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گی لیکن شہر پناہ کے محافظ نکلنے نہ دیں گے۔تم نے یہ خبر سنا کر مجھے چونکا دیا ہے کہ راجکماری نظام الملک کے لشکر میں پہنچ گئی ہے۔ پر یہ خبر تم کو کس نے دی؟ خبر دینے والا ہمارے حواس منتشر کرنے کے لئے ایسی جھوٹی خبر دے کر ہمیں گمراہ بھی کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے نظام الملک یا اس کے لواحقین کو یہ خبر پہنچی ہو کہ راجکماری پاربتی راج محل سے فرار ہو چکی ہے اس بناء پر انہوں نے یہ کہہ دیا ہو کہ وہ ان کے لشکر میں پہنچ چکی ہے۔''

اس سالار نے نفی میں گردن ہلائی پھر بول اٹھا۔

''ایسا نہیں ہے۔ جب زبانی طور پر نظام الملک نے مجھے بتایا کہ پاربتی ان کے لشکر میں موجود ہے تو میں نے بھی ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر انہوں نے راجکماری کو اپنے خیمے میں بلا لیا۔ میں نے راجکماری کو اپنی آنکھوں سے نظام الملک کے خیمے میں سابق وزیر امین خان کے پوتے شہاب الدین کے ساتھ دیکھا۔ اب بولیں، آپ کیا کہتے ہیں؟''

اس سالار کے ان الفاظ پر اجیت سنگھ کی گردن خم کھا گئی تھی۔ اس کا چہرہ جھک گیا تھا۔ گہری سوچوں میں کھو گیا تھا۔ خیمے میں پھر اس کی دکھ بھری آواز سنائی دی۔

''اگر تم نے نظام الملک کے خیمے میں اپنی آنکھوں سے میری بیٹی پاربتی کو دیکھا ہے تو پھر یوں جانو یہ حادثہ میری زندگی کا سب سے بڑا حادثہ ہے۔ میں نے ان دونوں ماں بیٹی کی حفاظت کے لئے بڑے انتظامات کئے تھے پر لگتا ہے پاربتی کسی نہ کسی طریقے سے اپنی ماں کو بھی جل دے کر جودھ پور سے بھاگنے میں کامیاب ہو گئی۔ ممکن ہے جودھ پور میں اس کے کوئی جاننے والے ہوں جنہوں نے کسی نہ کسی طریقے سے اسے شہر سے نکال کر نظام الملک کے لشکر میں پہنچا دیا ہو۔ بہر حال میں چند دن تک مزید نظام الملک کے لشکر کے سامنے پڑاؤ کئے رکھوں گا اور کوشش کرتا رہوں گا کہ یہ جنگ ٹل جائے اور کسی نہ کسی طرح نظام الملک کے ساتھ صلح ہو جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو دونوں طرف کے ان گنت لشکری میدانِ جنگ میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ اب تم جاؤ، جو دو خبریں تم لے کر آئے ہو ان پر مجھے سوچنے کا موقع دو۔''

اجیت سنگھ کا وہ سالار وہاں سے اٹھ کر خیمے سے نکل گیا تھا۔

اگلے روز پھر جبکہ اجیت سنگھ اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا گہری سوچوں میں ڈوبا تھا کہ

Marfat.com

وہی سالار خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا اور اجیت سنگھ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کیا آپ نے مجھے طلب کیا ہے؟''

اجیت سنگھ نے اُداس سے لہجے میں پہلے اثبات میں گردن ہلائی پھر ہاتھ کے اشارے سے اسے اندر آنے کے لئے کہا۔ وہ سالار آگے بڑھا، اجیت سنگھ کے سامنے بیٹھ گیا۔ اجیت سنگھ کچھ دیر سوچتا رہا پھر دھیمے سے لہجے میں اس سالار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''آج پھر تمہیں نظام الملک کے پڑاؤ میں جانا ہوگا۔''

''نظام الملک کے ساتھ صلح صفائی کی بات چیت تو ختم ہوگئی بلکہ اس نے ہماری پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اب مجھے کس سلسلے میں نظام الملک کے پاس جانا ہوگا؟'' اس سالار نے پریشانی اور فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

اس کے اس استفسار پر اجیت سنگھ تھوڑی دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا پھر خیمے میں اس کی آواز سنائی دی۔

''آج ایک بار پھر میری طرف سے نظام الملک کے پاس جاؤ۔ دیکھو میں کسی نہ کسی بہانے اس جنگ کو ٹالنا چاہتا ہوں۔ میں محمد شاہ کے احکامات کا اتباع کرتے ہوئے لشکر کو لے کر یہاں آ تو گیا ہوں لیکن نظام الملک کے مقابلے میں مجھے اپنی کامیابی اور کامرانی کی کوئی صورت نہیں دکھائی دیتی۔ نظام الملک کی حالت ہم سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ہے۔ نظام الملک بذاتِ خود لشکر میں شامل ہے اور پھر سب سے بڑھ کر اس کے ساتھ میر منوں ہے، شہاب الدین ہے، قاور د خان ہے۔ چلو شہاب الدین اور قاور د خان تو دونوں نوجوان ہیں، جنگ کا وسیع تجربہ نہیں رکھتے لیکن جہاں تک میر منوں کا مسئلہ ہے وہ بڑا خطرناک انسان ہے۔ مشکل سے مشکل حالات میں بھی صورت حال کو اپنے حق میں کرنے کا ہنر جانتا ہے۔ اس بناء پر میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا حیلہ، کوئی ایسا بہانہ بن جائے کہ یہ جنگ ٹل جائے۔ میرے اور نظام الملک کے درمیان اتفاقِ رائے سے ایسا معاملہ طے ہو جائے کہ کچھ لے دے کر ہم اپنا لشکر لے کر پیچھے ہٹ جائیں۔ آج میں تمہیں صلح کی گفتگو کرنے کے لئے نہیں بھیج رہا بلکہ صلح کے لئے ایک بہانہ ڈھونڈ رہا ہوں۔ نظام الملک کے پڑاؤ میں جاؤ، نظام الملک کی خدمت میں حاضر ہو اور اس سے جا کر کہنا کہ وہ میری بیٹی پاربتی کو واپس کر دے۔ یوں جانو یہ نظام

Marfat.com

الملک سے اس موضوع پر گفتگو کرنے کا ایک بہانہ ہے۔ جب تم پاربتی کی واپسی کی گفتگو کرو تو بات سے بات نکالتے ہوئے پھر معاملے کو صلح صفائی کی طرف لے جانا۔ ہوسکتا ہے اس گفتگو کے درمیان کوئی ایسا درمیانی راستہ نکل آئے کہ ہم نظام الملک کے ساتھ ٹکرانے سے بچ جائیں۔''

اجیت سنگھ کے ان الفاظ کے جواب میں اس سالار کے چہرے پر بھی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی پھر اپنے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''آپ نے جو کچھ کہا ہے یوں جانیں میری اور لشکر کے دیگر سالاروں کے دل کی آواز ہے۔ اس سلسلے میں بہت سے سالاروں سے میری گفتگو ہوئی ہے۔ فی الوقت تو سب یہی چاہتے ہیں کہ جنگ ٹل ہی جائے تو اچھا ہے۔ نظام الملک کے ساتھ کوئی صلح صفائی کی صورت نکل آئے تو اسی میں ہم سب کی بہتری ہے۔ جہاں تک لشکر کا سوال ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پاس نظام الملک کی نسبت بڑا لشکر ہے لیکن ہر سالار یہ جانتا ہے کہ نظام الملک عددی فوقیت کو کوئی اہمیت نہیں دے گا اور جنگ کا پانسہ ہمارے خلاف پلٹنے کی کوشش کرے گا۔ اس موقع پر میں ایک اور بات بھی آپ سے کہنا پسند کروں گا وہ یہ کہ محمد شاہ جواب محمد شاہ رنگیلا ہو چکا ہے، وہ بنیادی طور پر نظام الملک اور اس کے خاندان کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ نظام الملک اور اس کے چچا امین خان کے محمد شاہ رنگیلا کے خاندان پر بڑے احسانات ہیں۔ میرا اپنا ارادہ ہے کہ محمد شاہ کے مقاصد کچھ اور ہیں۔ شاید وہ اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لئے اپنے لشکریوں کو کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی کے ساتھ مصروف کار رکھنا چاہتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جب سے محمد شاہ کی دادی مہر پرور مری ہے تب سے محمد شاہ رنگیلا نے اپنی عیاشی اور عیش وعشرت کے لئے جو باغات بنوائے ہیں وہ زیادہ وقت انہی باغات کے اندر عیش و عشرت میں بسر کرتا ہے اور سلطنت کے امور کی طرف اس کا دھیان کچھ کم ہی ہے۔ اس بناء پر میرا اپنا اندازہ ہے وہ اپنے لشکریوں کو کسی نہ کسی محاذ پر مصروف رکھنا چاہتا ہے تاکہ کوئی سالار یا کوئی صوبے دار یا حاکم اس کے خلاف کہیں کوئی آواز نہ اٹھائے۔''

وہ سالار جب خاموش ہوا تب دکھ بھرے انداز میں اجیت سنگھ کہنے لگا۔

''میں بھی تمہاری اس گفتگو سے اتفاق کرتا ہوں۔ مگر میری مجبوری یہ ہے کہ میں محمد شاہ کا حکم ماننے پر مجبور ہوں۔ اگر میں ایسا نہیں کرتا تو محمد شاہ مجھے سرکش اور باغی قرار

Marfat.com

دے گا اور مجھ پر چڑھ دوڑے گا اور میں یہ بھی بتا دوں کہ آج اگر میں محمد شاہ رنگیلا کے خلاف سرکشی کرتا ہوں، اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہوں تو محمد شاہ رنگیلا فوراً اپنا رخ بدلے گا، نظام الملک کو اپنے ساتھ ملا کر میرے خلاف چڑھ دوڑے گا اور جس دن ایسا ہوا یہ گجرات تو بہت دور کی بات میں اپنی جودھ پور کی ریاست سے بھی محروم ہو جاؤں گا اور میں ایسا نہیں چاہتا۔ تم جاؤ، میرے خیال میں میری بیٹی کے سلسلے میں نظام الملک سے بات کرو۔"

وہ سالار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اجیت سنگھ کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ نظام الملک کے پڑاؤ میں داخل ہوا اور نظام الملک سے ملاقات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

نظام الملک اس وقت اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ باقی سالار شاید لشکر کے امور کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ بہرحال نظام الملک نے اجیت سنگھ کے سالار کی خوب پذیرائی کی، اسے اپنے قریب بٹھایا۔ چند لمحوں تک غور سے اس کی طرف دیکھا پھر نظام الملک نے اسے مخاطب کیا۔

"میرے عزیز! تُو پہلے بھی آیا تھا اور جو شرائط تم نے پیش کی تھیں انہیں ماننے سے میں نے انکار کر دیا تھا۔ اب تم کون سا موضوع لے کر آئے ہو؟"

اس سالار نے ذرا کھنکھارتے ہوئے اپنا گلا صاف کیا، عجیب سی مسکنت میں ایک بار نظام الملک کی طرف دیکھا پھر نظام الملک کے خیمے میں اس کی آواز سنائی دی تھی۔

"محترم نظام الملک! مجھے ایک بار پھر اجیت سنگھ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اب میں آپ سے یہ گزارش کرنے آیا ہوں کہ اجیت سنگھ یہ کہتا ہے کہ اس کی بیٹی پاربتی اسے واپس کر دی جائے۔"

اس سالار کے ان الفاظ پر نظام الملک کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا اور کہنے لگا۔ "اجیت سنگھ پاگل اور باؤلا تو نہیں ہو گیا؟ کیا ہم نے زبردستی اور قہر و جبر کے ساتھ پاربتی کو اپنے پاس روک رکھا ہے؟ کیا ہم اسے لینے گئے تھے کہ وہ آ کر ہمارے لشکر میں قیام کرے اور اپنے باپ کو چھوڑ دے؟ پاربتی کا رشتہ شہاب الدین کے ساتھ طے ہو چکا تھا اور اس رشتے کو طے کرنے میں اجیت سنگھ کی مرضی اور اس کے ارادے شامل تھے۔ اس رشتے کے لئے اس نے ہاں بھی کی تھی اور پھر اس نے یہ پیشکش کر دی ہے

Marfat.com

کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی دھوم دھام سے کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا بارات دہلی سے جودھ پور جائے گی۔ اس بناء پر اس نے اپنی پتنی بشن دیوی اور پاربتی کو جودھ پور بلا لیا۔ جب وہ دونوں ماں بیٹی وہاں پہنچیں تو انہیں ایک طرح کا اسیر بنا لیا اور شہاب الدین کو پاربتی کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔

اب پاربتی تو اپنے آپ کو شہاب الدین کی زندگی اور اس کے جیون کا ساتھی بنا چکی تھی اور کسی اور کی وہ پتنی بننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ جب اجیت سنگھ لشکر لے کر جودھ پور سے نکلا تو اس نے اسے اپنے لئے مناسب موقع سمجھا اور کوئی حربہ استعمال کر کے وہ بڑی جرأت اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمارے لشکر میں پہنچ گئی اور ہم اسے کیسے اور کیونکر اجیت سنگھ کے حوالے کر دیں جبکہ اجیت سنگھ خود ہی اس کا رشتہ شہاب الدین کے ساتھ طے کر چکا ہے۔ اجیت سنگھ کے ساتھ اس ٹکراؤ کے بعد میں واپس حیدر آباد کا رخ کروں گا اور انتہائی طمطراق اور شان و شوکت کے ساتھ شہاب الدین اور راجکماری پاربتی کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد نظام الملک رکا، کچھ سوچا پھر کسی کو آواز دے کر بلایا۔ اس کے بلانے پر ایک مسلح جوان خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا۔ اسے دیکھتے ہی نظام الملک نے اسے مخاطب کیا۔

"ذرا جاؤ، میرے بیٹوں کے علاوہ شہاب الدین اور قاورد خان کو بلا کر لاؤ اور انہیں کہو کہ آتی دفعہ پاربتی کو بھی اپنے ساتھ لے کر آئیں۔ اس لئے کہ ایک انتہائی اہم مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔"

وہ لشکری وہاں سے ہٹ گیا۔ اس کے جانے کے بعد اجیت سنگھ کے سالار کو مخاطب کر کے نظام الملک کہنے لگا۔

"دیکھو، میں نے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کے علاوہ پاربتی کو بھی بلایا ہے۔ پاربتی کو تمہارے سامنے بٹھاتا ہوں۔ اگر وہ کہہ دے کہ وہ اپنے باپ کے پاس جانے کے لئے تیار ہے، ہمارے پڑاؤ میں نہیں رہنا چاہتی تو میں بخوشی اسے رخصت کر دوں گا۔ تم اسے اپنے ساتھ اجیت سنگھ کے پاس لے جانا اور اگر وہ یہ کہہ دے کہ وہ یہاں رہنا چاہتی ہے، اپنے باپ کے پاس نہیں جانا چاہتی تو پھر اگر کسی نے اسے یہاں سے زبردستی نکالنے کی کوشش کی تو وہ اپنے سر اور گردن سے محروم ہو جائے گا۔"

Marfat.com

نظام الملک کی اس گفتگو سے اجیت سنگھ کا وہ سالار مزید سہم گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک خیمے میں بالکل خاموشی رہی۔ اتنی دیر تک خیمے میں میر منوں، غازی الملک، حیدر خان، شہاب الدین، قاور دخان داخل ہوئے۔ اس موقع پر شہاب الدین کے ساتھ پاربتی بھی تھی۔ سب نشستوں پر بیٹھ گئے۔ نظام الملک نے پاربتی کی طرف دیکھا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بیٹی! تمہارے باپ کا یہ سالار ایک بار پھر میرے پاس آیا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اجیت سنگھ یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس کی بیٹی پاربتی کو اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ میں نے اس سے کہا ہے کہ میں پاربتی کو بلاتا ہوں۔ اگر وہ اپنی خوشی، اپنی رضامندی سے تمہارے ساتھ اپنے باپ کے پاس جانا چاہے تو اسے باعزت رخصت کر دیا جائے گا اور اگر پاربتی انکار کر دے اور اس کے باوجود اگر کسی نے اسے لے جانے کی کوشش کی تو وہ اپنے سر اور اپنی گردن سے محروم ہو جائے گا۔ میری بچی! اب تُو جو اس سالار سے اپنے باپ کے لئے کہنا چاہتی ہے کہہ دے۔''

نظام الملک جب خاموش ہوا تو پاربتی نے استفہامیہ سے انداز میں کچھ دیر تک اپنے پہلو میں بیٹھے شہاب الدین کی طرف دیکھا۔ اس پر شہاب الدین مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ''تم ہچکچا کیوں رہی ہو؟ جو کہنا چاہتی ہو بلا جھجک اس سے کہو۔

شرماتے ہوئے پاربتی نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر اپنے باپ کے اس سالار کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''واپس جا کر میرے باپ سے پہلا سوال یہ کرنا کہ وہ میری واپسی کا کیوں مطالبہ کرتا ہے؟ اپنی بڑی بیٹی گوہر آراء کا کیوں نہیں مطالبہ کرتا؟ اس سے دوسرا سوال یہ کرنا کہ جب میرا رشتہ محترم امین خان کے پوتے شہاب الدین کے ساتھ طے ہوا تھا تو اس رشتے میں اس وقت اس نے اپنی رضامندی، اپنی قبولیت کا اظہار کیا تھا۔ لہٰذا یہ رشتہ پکا ہو گیا تھا۔ ایک بار جہاں رشتہ ہو جاتا ہے اسے توڑا نہیں جاتا۔ چونکہ میرے ماں باپ دونوں ہی اس رشتے کے لئے حامی بھر چکے تھے لہٰذا میں دلی اور ذہنی طور پر اپنے آپ کو، اپنی ذات کو شہاب الدین کے ساتھ جوڑ چکی تھیں، انہیں اپنا جیون ساتھی بنا چکی تھی۔ پر میرے باپ نے دھوکا دہی سے کام لیا۔ دونوں ماں بیٹی کو وہاں بلا کر اسیر کر دیا۔ اب میں نے وہاں سے آ کر یہاں پناہ لے لی ہے تو وہ کس رشتے، کس ناطے سے

Marfat.com

میری واپسی کا مطالبہ کرتا ہے؟ واپس جا کر جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ سے کہنا کہ پاربتی کا اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ پاربتی اس کے لئے اب اجنبی ہے۔ اس لئے کہ پاربتی اب شہاب الدین کی زندگی کی ساتھی ہے۔ اب میرے رشتہ دار یہی ہیں جو خیمے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اجیت سنگھ میرے لئے پرایا ہے۔ میرے خیال میں میری طرف سے تمہاری تسلی اور تمہاری تشفی کے لئے اور میرے باپ کو مطمئن کرنے کے لئے میرے اس قدر الفاظ ہی کافی ہیں۔''

پاربتی جب خاموش ہوئی تب اس سالار نے کچھ سوچا، دوبارہ اس نے نظام الملک کو مخاطب کیا۔ ''محترم نظام الملک! یہ مسئلہ تو ختم ہوا۔ راجکماری اپنے باپ کے پاس جانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیا دونوں لشکریوں کے درمیان صلح صفائی کے لئے بھی آپ نے کچھ سوچا؟''

نظام الملک نے اس موقع پر گھورنے کے انداز میں اس سالار کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔ ''اس موقع پر گفتگو نہ کرنا۔ اس لئے کہ اس موضوع پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔ واپس جا کر میری طرف سے اجیت سنگھ سے کہنا کہ اس کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ پہلا راستہ یہ ہے کہ آنے والی صبح سے پہلے پہلے وہ اپنے لشکر کو لے کر یہاں سے چلا جائے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اس میں، اس کی شانتی، اس کی بہتری اور بھلائی ہے۔

دوسرا راستہ پھر یہ ہو گا کہ اگر کل صبح تک وہ اپنے لشکر کا بوریا بستر سمیٹ کر واپس نہ گیا تو میں کل صبح ہی صبح اس کے خلاف جنگ کی بتداء کروں گا۔ اپنے لشکر کی صفیں درست کروں گا۔ پھر میں دیکھوں گا کہ اجیت سنگھ کتنی دیر تک میرے سامنے اپنا دفاع کرتا ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔''

اس کے ساتھ ہی اجیت سنگھ کا وہ سالار وہاں سے نکل گیا تھا اور واپس جا کر جو گفتگو نظام الملک سے ہوئی تھی وہ اس نے اجیت سنگھ سے کہہ دی تھی۔ اجیت سنگھ اور زیادہ پریشان اور فکرمند ہو گیا تھا تاہم وہ واپس بھی نہیں جا سکتا تھا۔ لہٰذا جنگ کی تیاریاں کرنے لگا تھا۔

❊ ...... ❊

Marfat.com

●●●

اگلے روز دونوں لشکریوں نے ایک دوسرے کے خلاف اپنی صفیں درست کرنی شروع کر دی تھیں۔ دونوں لشکروں کے اندر لشکریوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے بڑے بڑے طبل اور دفیں بجنا شروع ہو گئی تھیں۔ لشکری اِدھر اُدھر گھوڑے دوڑاتے ہوئے اور مختلف نعرہ نما آوازیں نکالتے ہوئے اپنے جوش و جذبے کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے بعد دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ اجیت سنگھ اور نظام الملک کے لشکری موت کے جھکڑوں کی یورش اور مرگ کی خونی دستکوں کی طرح ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے میدانِ جنگ کے اندر بود نابود کی کشمکش شروع ہو گئی تھی۔ بڑے بڑے سورما، بڑے بڑے ماہر تیغ زن گھائل و مجروح پرندوں کی طرح زمین پر گرنے لگے تھے۔ ہر کوئی دوسرے پر پتھروں کی رگوں سے بھڑک اٹھنے والی آگ کی طرح نزول کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

اجیت سنگھ کو ابتداء میں امید تھی کہ وہ تعداد میں بڑا لشکر رکھتا ہے لہٰذا وہ شاید نظام الملک کو کسی نہ کسی طریقے سے مار بھگائے لیکن جنگ شروع ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد مایوسیاں، افسردگیاں اجیت سنگھ کے سر پر منڈلانا شروع ہو گئی تھیں اس لئے کہ نظام الملک، میر منوں، شہاب الدین، حیدر خان، قاوردخان، غازی الملک عجیب سے جذبے، انوکھی بے باکی میں اجیت سنگھ کے لشکر پر حملہ آور ہونا شروع ہو گئے تھے۔

اجیت سنگھ کے لشکر میں سب سے پہلے پسپائی ان صفوں میں ہوئی جن پر میر منوں اور شہاب الدین ضربیں لگا رہے تھے۔ میر منوں اور شہاب الدین کیونکہ اپنے لشکر کے دائیں حصے میں تھے اور انہوں نے اجیت سنگھ کے بائیں پہلو پر ضرب لگانا شروع کی تھی لہٰذا اجیت سنگھ کے بائیں طرف کے حصے کو ایک طرح سے انہوں نے کاٹنا شروع کر دیا

Marfat.com

تھا۔ اگلی کئی صفیں انہوں نے اس طرح کاٹ کر رکھ دی تھیں جیسے پکے ہوئے کھیت کو کسی نے کاٹ دیا ہو۔ میر منوں اور شہاب الدین کے سامنے اجیت سنگھ کے لشکر کا بایاں پہلو بری طرح مجروح اور گھائل ہوا۔ تب میر منوں اور شہاب الدین کا دباؤ مرکزی حصے پر بھی پڑنے لگا تھا جہاں اجیت سنگھ خود اپنے لشکریوں کو للکارتے ہوئے انہیں آگے بڑھنے کی ترغیب دے رہا تھا۔

اجیت سنگھ کا بایاں پہلو کیونکہ بری طرح کٹا تھا لہٰذا اس سے میر منوں اور شہاب الدین نے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے فوراً اپنی کمانداری میں جو لشکر تھا اسے دو حصوں میں تقسیم کر لیا۔ ایک حصہ میر منوں نے اپنے پاس رکھا، دوسرا شہاب الدین کی سرکردگی میں دیا۔ میر منوں پہلے سے بھی زیادہ خوفناک انداز میں اجیت سنگھ کے بائیں پہلو پر ضربیں لگاتا رہا۔ انہیں پسپا ہونے اور پیچھے ہٹنے پر مجبور کرتا رہا جبکہ شہاب الدین نے اپنے لشکر کے ساتھ بائیں طرف ضرب لگانی شروع کی تھی اور بائیں طرف اجیت سنگھ کا مرکزی حصہ تھا۔ اب بائیں پہلو کے ساتھ ساتھ اجیت سنگھ کا قلب بھی متاثر ہونا شروع ہو گیا تھا اور وہاں بھی اس کے لشکریوں کا قتل عام شروع ہو چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ سارا معاملہ نظام الملک اور اس کے سالار پہلے سے طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق کر رہے تھے۔ اس لئے کہ اجیت سنگھ کے لشکر کے بائیں پہلو میں جو کھیل میر منوں اور شہاب الدین نے کھیلا تھا، دائیں طرف کے پہلو پر وہی کھیل نظام الملک کے چچا حیدر خان اور قاور د خان نے بھی کھیلا تھا۔ انہوں نے بھی دائیں پہلو کو بری طرح کاٹنے کے بعد لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ حیدر خان خود دائیں پہلو پر ضرب لگاتا رہا جبکہ قاور د خان قلب کی صفوں میں گھسنے لگا تھا۔

اب صورت حال بڑی تیزی سے تبدیل ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اجیت سنگھ کے دائیں اور بائیں پہلو متاثر ہوئے ہی تھے، وہاں اس کے بے شمار لشکری کام آ چکے تھے۔ صفیں کی صفیں لاشوں کی صورت اختیار کر گئی تھیں۔ اب اجیت سنگھ کے حصے کی بدقسمتی کہ سب سے زیادہ بوجھ اس پر پڑا۔ سامنے کی طرف سے نظام الملک اور اس کا بیٹا غازی الملک نہ تھمنے والی تیز آندھی کی طرح اس پر وارد ہو رہے تھے۔ بائیں جانب سے شہاب الدین، دائیں جانب سے قاور د خان، اجیت سنگھ کے پہلوؤں پر شکست اور ریخت کر دینے والے بے روک طوفانوں کی طرح لڑتے ہوئے حملہ آور ہو رہے تھے۔

Marfat.com

اجیت سنگھ کے قلب پر جب تین طرف سے حملے شروع ہوئے تب اجیت سنگھ کے وسطی حصے کی حالت پہلوؤں سے بھی بدتر اور بری ہونا شروع ہو گئی تھی۔ وسطی حصے کے ان گنت لشکری موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور اجیت سنگھ کے لشکر کی اگلی صفیں ایک طرح سے میدانِ جنگ میں بچھ کر رہ گئی تھیں۔

اس موقع پر وسطی حصے سے نظام الملک نے زور دار انداز میں تکبیریں بلند کیں۔ شاید یہ اس کا اپنے سالاروں کو اشارہ تھا۔ اس کے اس طرح تکبیریں بلند کرنے پر باری باری میر منوں، شہاب الدین، حیدر خان اور قاورد خان نے بھی تکبیریں بلند کی تھیں اور ان تکبیروں کے جواب میں ان سب کے لشکری بھی تکبیریں بلند کرتے ہوئے ایک طرح سے میدانِ جنگ کے اندر آندھیوں اور طوفانوں کی طرح اپنے کام کی ابتداء کر چکے تھے اور انہوں نے پہلے کی نسبت زیادہ تندی اور شدت کے ساتھ اجیت سنگھ کے لشکر پر حملہ آور ہونا شروع کر دیا تھا۔

اجیت سنگھ اس نئی شدت کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ تھوڑی دیر تک اس نے پسپائی اختیار نہ کی تو اس کے پاس مٹھی بھر لشکری رہ جائیں گے جن کے ساتھ وہ اپنا دفاع تک نہ کر سکے گا۔ لہٰذا اس نے اپنے لشکریوں کو پسپائی کا اشارہ دے دیا۔ لہٰذا اجیت سنگھ اور اس کے سالار شکست اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

نظام الملک اور اس کے سالاروں نے کچھ دور تک بھاگتے اجیت سنگھ کا تعاقب کیا۔ اس کے لشکر کی تعداد مزید کم کی۔ اس کے بعد وہ تعاقب ترک کر کے واپس اس جگہ آ گئے تھے جہاں اجیت سنگھ کے ساتھ جنگ ہوئی تھی۔

زخمیوں کی دیکھ بھال کا سامان کیا گیا۔ جو لشکری میدانِ جنگ میں کام آ چکے تھے ان کی تدفین کی گئی۔ اجیت سنگھ کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا اس کے بعد نظام الملک نے لشکریوں کے آرام کی خاطر وہاں خیمے نصب کر کے پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

جس وقت خیمے نصب ہو رہے تھے اور نظام الملک، میر منوں اور حیدر خان، شہاب الدین اور قاورد خان اور کچھ دوسرے سالاروں کے ساتھ ایک جگہ کھڑا تھا کہ میر منوں کی بیوی مغلانی بیگم اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے اس طرف آئی۔ اس نے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا، سر پر آہنی خود تھا۔ اس نے عام لشکریوں سا جنگی لباس پہنا ہوا

Marfat.com

تھا۔ اسے اس طرح آتے دیکھ کر میر منوں مسکرا دیا تھا۔ اس موقع پر میر منوں کو مخاطب کر کے نظام الملک کہنے لگا۔

''منوں میرے بیٹے! مغلانی بیگم آئی ہے۔ خیریت ہو۔''

اتنی دیر تک مغلانی بیگم قریب آ کر اپنے گھوڑے سے اتر گئی تھی۔ سیدھی نظام الملک کے پاس آئی۔ نظام الملک سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ نظام الملک نے اسے مخاطب کرنے میں پہل کرنا چاہی پر مغلانی بیگم اس سے پہلے بول پڑی۔

''بابا! میں آپ سے ایک گزارش کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری بات ٹالیں گے نہیں۔''

نظام الملک نے پہلے ایک غائب نگاہ میر منوں پر ڈالی پھر مغلانی بیگم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بیٹی! کہہ، تُو کیا کہنا چاہتی ہے؟ میں نے پہلے بھی کبھی تیری کوئی بات نہیں ٹالی۔''

مغلانی بیگم کو کچھ حوصلہ ہوا، کہنے لگی۔

''میں چاہتی ہوں کہ آپ چند دستوں کے ساتھ مجھے، اروما اور پاربتی کو حیدر آباد کی طرف روانہ کر دیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے پہلے ہم تینوں وہاں پہنچ جائیں اور آپ کی آمد سے پہلے ہی پہلے میں چاہتی ہوں سب کے ساتھ مل کر شہاب الدین اور پاربتی کی شادی کی تیاریوں کو آخری شکل دے دوں اور جونہی شہاب الدین حیدر آباد پہنچے جس دن۔ یہ اپنی حویلی میں داخل ہو اسی روز اس کی اور پاربتی کی شادی کر دی جائے۔''

مغلانی بیگم کے خاموش ہونے پر نظام الملک مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری بیٹی! تُو نے جو کچھ کہا ہے درست ہے اور تیری اس گفتگو سے شہاب الدین، پاربتی اور دیگر اہلِ خانہ کے ساتھ تیری محبت اور چاہت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ پر میں ایسا نہیں کرنے دوں گا میری بچی! اگر میں تجھے، پاربتی اور اروما کو چند دستوں کے ساتھ حیدر آباد کی طرف روانہ کر دوں، اس روانگی کی اطلاع اجیت سنگھ کے مخبر اسے کر دیں اور وہ کوئی لمبا چکر کاٹ کر تم پر وارد ہو جائے اور تم لوگوں کو نقصان پہنچا کر پاربتی کو لے بھاگے یا مرہٹے کوئی واردات کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بھی ہمارے دشمن ہیں۔ ان کا کوئی طلایہ گر انہیں یہ بتا دے کہ نظام الملک کے اہل خانہ حیدر آباد کی

Marfat.com

طرف جا رہے ہیں اور ان کے ساتھ چند دستے ہیں۔ اگر وہ حملہ کر کے تم لوگوں کو نقصان پہنچائیں پھر میری بیٹی! یہ بتاؤ نظام الملک کے دامن میں کیا رہے گا؟''

نظام الملک رکا، کچھ سوچا پھر اس کی آواز سنائی دی۔

''اس بناء پر میری بیٹی میں تمہیں، اروما اور پاربتی کو چند دستوں کے ساتھ حیدر آباد روانہ نہیں کروں گا۔ ہاں، میں اس کا ایک بندوبست کر سکتا ہوں۔ میں ابھی تھوڑی دیر تک دو قاصد حیدر آباد کی طرف روانہ کرتا ہوں جو فیروز مرزا اور دیگر اہل خانہ کی طرف یہ پیغام پہنچائیں گے کہ شہاب الدین پاربتی کو جودھ پور سے نکال کر لشکر میں شامل ہو چکا ہے اور اس نے جنگ میں بھی حصہ لیا ہے۔ اب ہم نے اجیت سنگھ کو شکست دے دی ہے۔ چند روز لشکر یہاں قیام کر کے ستائے گا اس کے بعد لشکر بھی حیدر آباد کا رخ کرے گا۔ لیکن ہمارے وہاں پہنچنے سے دو دن پہلے ہی قاصد وہاں پہنچ جائیں گے۔ اتنی دیر تک ہمارے اہل خانہ شادی کی تیاریاں مکمل کر لیں گے۔ قاصد کے ہاتھ میں سختی کے ساتھ یہ پیغام بھجواؤں گا کہ لشکر کے پہنچنے سے پہلے پہلے شہاب الدین اور پاربتی کی شادی کو آخری شکل دے دینی چاہیے۔

میری بیٹی! یہ بھی تو سوچو کہ حیدر آباد میں گوہر آراء بیٹھی ہوئی ہے۔ پاربتی کی بڑی بہن ہے۔ اسے جب خبر ہو گی کہ پاربتی جودھ پور سے نکال لی گئی ہے اور چند دن تک حیدر آباد پہنچ جائے گی تو اس کی خوشی کی انتہا نہیں ہو گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ تو اس روز ہی شادی کی تیاریاں کرنا شروع کر دے گی۔ اور پھر وہاں ماہ الملک موجود ہے۔ ایسے کام تو وہ چٹکیوں میں کر کے دکھا دیتی ہے۔ میری بیٹی! تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ گوہر آراء اور ماہ الملک کی مدد کے لئے تقدیس خانم ہے، قرہ خاتون ہے، فیروز مرزا ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ چچی مہر النساء بھی بڑھ چڑھ کر شادی کی تیاریوں میں حصہ لے گی۔ اس کے علاوہ میرے اہلِ خانہ بھی ہیں، وہ بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ اس بناء پر میں کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے حیدر آباد پہنچنے تک شادی کی تیاریاں اپنے عروج پر پہنچ چکی ہوں گی۔ میری بچی! میرے اس جواب سے برا مت ماننا۔ ایسا میں تم سب لوگوں کی سلامتی کے لئے کر رہا ہوں۔ مغلانی بیگم! یہ سوچو ہم نے کس قدر خطرہ مول لے کر پاربتی کو جودھ پور سے نکالا ہے۔ اب اگر ہماری اس کارروائی سے پاربتی پھر اجیت سنگھ کے ہاتھ لگ گئی یا مرہٹوں نے حملہ آور ہو کر اس پر قبضہ کر لیا تو وہ بیچاری

Marfat.com

جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گی اور میں ایسا ہرگز پسند نہیں کروں گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد نظام الملک رکا، پھر دھیمے سے لہجے میں مغلانی بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میری بچی! میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔ اب بھی آخری فیصلہ میں تم پر ہی چھوڑتا ہوں۔ اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں نے جو کچھ کہا ہے یہ غلط ہے تو پھر میری بیٹی! جو کچھ تُو چاہتی ہے میں ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

مغلانی بیگم شرمساری ہو گئی تھی۔ بڑی ارادت مندی اور عقیدت سے کہنے لگی۔

"بابا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں سمجھتی ہوں میری تجویز غلط تھی۔ اس میں واقعی ہم سب کو اپنی جانوں کا خطرہ ہے۔ ویسے بابا! میں ایک بات کہوں، آپ کی طرف آنے سے پہلے میں نے یہ تجویز پاربتی اور اروما کے سامنے پیش کی تھی اور ان دونوں نے اس تجویز پر عمل کرنے سے مجھے منع کر دیا تھا۔

نظام الملک مسکرا دیا، کہنے لگا۔

"میری بچی! اب تُو جا کر آرام کر۔ لشکر دو تین دن یہاں قیام کرے گا۔ جو زخمی ہیں وہ سفر کے قابل ہو جائیں گے تو پھر ہم حیدر آباد کی طرف کوچ کر جائیں گے۔"

مغلانی بیگم مطمئن ہو گئی تھی۔ دوبارہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئی اور جس سمت سے آئی تھی اسی سمت واپس ہو لی تھی۔ مغلانی بیگم کے واپس جانے کے بعد نظام الملک نے میر منوں کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"منوں میرے بیٹے! اپنے لشکر کے دو قاصدوں کو حیدر آباد کی طرف روانہ کر دو۔ جو گفتگو میری تمہاری بیوی مغلانی کے ساتھ ہوئی ہے اس کی تفصیل قاصدوں سے کہہ دو۔ یہ بھی کہو کہ جس تیزی سے سفر کر سکتے ہیں، کریں اور حیدر آباد پہنچ کر ہمارا پیغام فیروز مرزا تک پہنچائیں۔ قاصدوں کو تفصیل کے ساتھ بتا دینا کہ جس روز ہم حیدر آباد میں داخل ہوں گے، اسی روز جہاں فتح کا جشن منایا جائے گا وہیں شہاب الدین اور پاربتی کی شادی کا بھی اہتمام کر دیا جائے گا۔"

میر منوں وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد دو قاصد بڑی تیزی کے ساتھ میدانِ جنگ سے نکل کر حیدر آباد کا رخ کر رہے تھے۔

✽

Marfat.com

محمد شاہ رنگیلا ایک روز اپنے قصر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا ایک مشیر عظیم خان اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ محمد شاہ کو اس نے تعظیم دی۔ محمد شاہ نے اسے مخاطب کرنے میں پہل کی۔ کہنے لگا۔

”عظیم خان! تمہارا چہرہ بتاتا ہے کہ تم ہمارے لئے کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو۔ کہو کیا بات ہے؟“

عظیم خان نے ایک بار پھر اپنی گردن کو خم کرتے ہوئے محمد شاہ رنگیلا کو تعظیم دی پھر کہنے لگا۔

”حضور! لاہور سے ایک گانے والا آیا ہے۔ اس کا نام انداز خان ہے۔ اس کا گانا گانے کا اس قدر شہرہ ہے کہ اسے مہا گائیک کہا جا سکتا ہے۔ اسے خصوصی طور پر لاہور کے والی کی بیوی بیگم جان نے آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔ بیگم جان نے جو پیغام بھیجا ہے اس کے تحت اس گانے والے کی بڑی تعریف کی گئی ہے جس کا نام میں آپ کو انداز خان بتا چکا ہوں۔“

(یاد رہے کہ لاہور کے حاکم ذکریا خان کی بیوی بیگم جان وہی تھی جس نے لاہور کا ایک محلہ بیگم پورہ آباد کیا تھا۔ محمد شاہ رنگیلا کے دور میں اس محلے میں ان گنت حویلیاں، عمدہ مکانات، باغات، مساجد، حمام، بڑے بڑے بازار اور قبرستان تک بنائے گئے تھے۔ چونکہ اس محلے میں لاہور کے حاکم کے علاوہ دیگر امراء اور رؤسا رہائش رکھتے تھے اس لئے اس دور میں بیگم پورہ متمول ترین علاقوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ افسوس جب لاہور کے حاکم نے احمد شاہ ابدالی کے قاصد اور پیر و مرشد صابر شاہ کو قتل کر دیا تو اس کا انتقام لینے کے لئے احمد شاہ بیگم پورہ پر حملہ آور ہوا اور وہ قتل عام کیا کہ خون کے نالے بہہ نکلے۔ اس کے بعد پھر اس محلے پر مصیبتیں نازل ہوئیں وہ اس طرح کہ جب احمد شاہ ابدالی ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو اس کے بعد میر منوں جو نظام الملک کا بیٹا تھا وہ یہاں کا حاکم بنا۔ میر منوں کے دور میں جب سکھوں نے شورشیں برپا کرنی شروع کیں تو میر منوں نے سکھوں کا ایسا قتل عام کیا کہ انہیں اپنے سامنے زیر اور مغلوب کر کے رکھ دیا۔ اس بناء پر سکھ بھی اس محلے سے نفرت کرتے تھے چنانچہ رنجیت سنگھ کے دور میں بچی کھچی کسر نکال کر اس محلے کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ رنجیت سنگھ نے باغبانپورہ کے زراعت پیشہ لوگوں کو یہاں کنوئیں کھود کر زراعت کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد رنجیت

Marfat.com

سنگھ نے یہ علاقہ جاگیر کے طور پر سنسار چند کو عطا کر دیا۔ اس کے بعد یہ علاقہ لہنہ سنگھ نے خرید لیا۔

بہرحال سکھوں کے دور میں بیگم پورہ اور اس کے علاوہ کچھ دوسرے محلے جو زندگی سے بھرپور تھے، سکھوں کی شکست و ریخت کی وجہ سے اجاڑ کر رکھ دیئے گئے۔ بچے کھچے لوگوں نے بچی کھچی حویلیوں اور عمارتوں میں قیام کر کے اردگرد کی زمین کو آباد کر کے گزر بسر کرنی شروع کی۔ چنانچہ جب انگریزوں کا دور آیا تو ان کے دور سے لے کر قیامِ پاکستان تک قدیم شہر سے باہر سلطان پورہ، چاہ میراں، بادامی باغ، شاد باغ، کوٹ خواجہ سعید، باغبان پورہ، مغل پورہ اور داروغہ والا تک سب بستیاں صرف دیہات تھیں۔ اچھرہ، مزنگ کے ساتھ نواں کوٹ، ہنجر وال اور ٹھوکر نیاز بیگ دور افتادہ گاؤں اور مواضعات سمجھے جاتے تھے۔ ان کے درمیان ویرانے اور جنگل تھے۔ بہرحال پاکستان بننے کے بعد بھی ان علاقوں میں کہیں نہ کہیں قدیم عمارتوں کے نشانات باقی رہ گئے تھے)

عظیم خان کے اس انکشاف پر محمد شاہ رنگیلا مسکرایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ تم ایک اچھی خبر لے کر آئے ہو لہٰذا ایسا کرو کل مہتاب باغ میں محفلِ عیش و عشرت کے انعقاد کا بندوبست کرو۔ سب امراء، روٴسا اور جاننے والے وہاں جمع ہو جائیں۔ لاہور سے آنے والے گویے انداز خان کو بھی وہاں پیش کرو اور اس کے ساتھ اپنی گانے والی چندروپ کو بھی دعوت دینا۔ ہم چاہیں گے کہ کل میں ہی نہیں ہمارے امراء، وزراء اور سلطنت کے عمائدین دونوں کے گانوں سے لطف اندوز ہوں۔''

محمد شاہ رنگیلا کی اس گفتگو سے عظیم خان خوش ہو گیا تھا۔ اپنے آپ کو جھکاتے ہوئے اس نے پھر تعظیم دی اور محمد شاہ رنگیلا کے پاس سے ہٹ کر وہ چلا گیا تھا۔

اگلے روز محمد شاہ کے حکم پر مہتاب باغ میں راگ و رنگ، عیش و عشرت کی محفل سجائی گئی۔ رات کا سماں تھا۔ ہر کوئی کڑوا پانی پینے میں مصروف تھا۔ اس موقع پر عظیم خان، محمد شاہ کے حکم پر لاہور سے آنے والے مغنی انداز خان اور محمد شاہ کے دربار کی مغنیہ چندروپ کو لے کر آیا۔

پہلے انداز خان کا سب سے تعارف کروایا گیا۔ اس سے مل کر محمد شاہ بڑا خوش ہوا۔

Marfat.com

چند روپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
''چند روپ! پہلے تم گاؤ، کیا گاتی ہو۔ آج کوئی نئی چیز سنانا۔ اس کے بعد لاہور سے آنے والے اس مغنی انداز خان کو سنیں گے۔''
محمد شاہ جب خاموش ہوا تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے انداز خان کہنے لگا۔ ''حضور! برا نہ مانئے گا، میرا اور چند روپ کا معاملہ کہیں دمشق کی حسینہ، برقِ افق اور سعید کا سا نہ ہو جائے۔ ڈرتا ہوں اگر ایسا ہوا تو......''
انداز خان خاموش ہو گیا۔ اس لئے کہ بیچ میں اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے محمد شاہ بول اٹھا تھا۔
''یہ سعید کون تھا؟ یہ برقِ افق نام کی حسینہ کون تھی؟ اس کی تفصیل تو ہم تم سے بعد میں سنیں گے۔ پہلے کچھ سناؤ، کیا سناتے ہو۔ چند روپ! آج تم رہنے دو۔ آج اسی مہمان سے ہم سنیں گے۔''
چند روپ نے برا سا منہ بنایا اور انداز خان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ انداز خان نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا پھر محمد شاہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔
''انداز خان! میں دیکھتا ہوں چند روپ کے ساتھ اس کے سازندے بیٹھے ہوئے ہیں جبکہ تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں ہے۔ کیسے گاؤ گے؟
انداز خان مسکرایا اور کہنے لگا۔
''حضور! میں بغیر سنگت کے ہی گاتا ہوں۔ سارنگی بجاتا ہوں۔ یہی میرا ساز اور میرے دل کی ترجمانی ہے۔''
محمد شاہ مسکرا دیا، کہنے لگا۔
''اچھا شروع کرو...... دیکھتے ہیں تم کیا سناتے ہو۔''
آخر انداز خان نے اپنی خوبصورت سارنگی سنبھالی، نچلا حصہ گود میں، اوپر والا حصہ کندھے پر رکھا، سارنگی کے ساتھ بے شمار تاریں تھیں اور اس کی دستی کے ساتھ بھی ان گنت تاریں تھیں۔ پھر دستی کے دائیں طرف کچھ گھنگھرو بندھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ انداز خان کی بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کے ساتھ بھی گھنگھرو بندھے ہوئے تھے۔ پہلے انداز خان نے سارنگی بجانی شروع کی۔ سارنگی بجاتے ہوئے سارنگی کی دستی کے ساتھ جو گھنگھرو بندھے ہوئے تھے انہیں اوپر نیچے کرتے ہوئے اس انداز میں انداز

Marfat.com

خان سارنگی بجا رہا تھا کہ ان گھنگھروؤں سے ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے اس کے ساتھ کئی دفیں اور ڈھولک بج اٹھے ہوں۔ اور پھر کبھی کبھی بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کے ساتھ اس نے جو گھنگھرو باندھ رکھے تھے ان کے ساتھ بھی وہ سارنگی کے ایک مخصوص حصے کو چھیڑتا جس کی وجہ سے گھنگھرو سارنگی کے ساتھ مل کر عجیب سی دل سوز آواز نکالتے تھے۔

کچھ دیر تک انداز خان اسی انداز میں سارنگی بجاتا رہا۔ اس کے اس انداز کو محمد شاہ، اس کے مشیروں اور وہاں جس قدر حلقے میں لوگ بیٹھے ہوئے تھے سب نے پسند کیا۔ پھر انداز خان نے گانا شروع کیا۔ جو کچھ اس نے گایا اس کا لب لباب، اس کا مطلب اور مقصد کچھ اس طرح تھا۔

اپنے ہی ڈستے رہتے ہیں اوہام کی صورت
کبھی ابہام کی صورت کبھی سرسام کی صورت
ملتے رہے لوگ ہمیں درد کی مسافتوں میں
کبھی الزام کی صورت کبھی صمصام کی صورت
کاٹی ہے ہم نے زیست بے زاریوں کے دشت میں
کبھی گمنام کی صورت کبھی بدنام کی صورت
وفا دیتے ہیں دوست بھی ضرورتوں کے حصار میں
کبھی سرِ عام کی صورت کبھی بے نام کی صورت
بکتے رہتے ہیں در بذر تلاش معاش میں
کبھی تہِ دام کی صورت کبھی بے دام کی صورت
اٹھتی ہے خلش ایک مہربان کے جانے کے بعد
کبھی آرام کی صورت کبھی کہرام کی صورت

محمد شاہ اور اس کے مصاحبوں کو انداز خان کا انداز اور اس کا لب لہجہ اور بول بہت پسند آئے تھے۔ کچھ دیر تک بڑے خوش کن انداز میں بیٹھا محمد شاہ اس کی تعریف کرتا رہا پھر کہنے لگا۔

"انداز خان! تُو نے ایک طرح سے اپنے گانے میں ہمارے خاندان سے بے وفائی کرنے والوں کی داستان بیان کر دی ہے۔ ابھی ہم تم سے بہت کچھ سنیں گے۔

Marfat.com

چندروپ بھی گائے گی لیکن پہلے تم سعید اور دمشق کی لڑکی برق افق کی داستان سناؤ جن کی طرف اشارہ تم نے گانے سے پہلے کیا تھا۔"

جواب میں انداز خان نے گلا صاف کیا پھر کہنے لگا۔

"حضور! مکہ میں ابوعثمان سعید نام کا ایک حبشی غلام تھا۔ تعلق اس کا بنی نوفل سے تھا۔ وہ مکہ ہی میں پیدا ہوا، مکہ ہی میں تربیت پائی۔ اس کو بچپن سے گانے کی دھن تھی۔ چنانچہ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور میں نئے انداز میں خانہ کعبہ کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا تو تعمیر کے اس کام میں کچھ ایرانی مزدور بھی شامل تھے۔ وہ کام کرتے ہوئے گاتے اور گنگناتے بھی تھے۔ چنانچہ تعمیر خانہ کعبہ کے زمانے میں یہی ابوعثمان سعید ایرانی مزدوروں کے راگ سنا کرتا تھا اور اپنی ذہانت سے انہیں عربی راگوں میں منتقل کرتا تھا۔ ایک دن سعید بڑے خوش کن انداز میں کسی عرب شاعر کا گانا گا رہا تھا کہ اس کے آقا نے یہ راگ سن کر اسے بلایا اور دوبارہ وہی گانا گانے کی فرمائش کی۔ جب سن چکا تو بے حد خوش ہوا اور ابوعثمان سعید کو غلامی سے آزاد کر دیا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد انداز خان رکا، کچھ سوچا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"آزادی کے بعد سعید شام چلا گیا اور رومن مغنیوں کا شاگرد ہوا۔ پھر شام سے عراق اور فارس چلا گیا۔ ان ممالک میں بھی موسیقی کی عملی تعلیم حاصل کی اور خود عود بجانا سیکھا۔ تکمیل فن کے بعد مکہ واپس گیا اور رومنوں اور ایرانیوں کی موسیقی میں جو غلطیاں تھیں ان کی اصلاح کی اور غیر ممالک کے نغمات کو اپنے گلے میں اتارا اور دن رات مشق کرتا رہا۔ چنانچہ سعید کی یہ راگنیاں مقبول ہوئیں۔ اب سعید کے مکان پر نوجوانوں کے جمگھٹے رہنے لگے۔ مکہ کے عامل کو جب خبر ہوئی کہ سعید کے ہاں موسیقی کی تعلیم پانے والوں کا ہجوم رہنے لگا ہے تب اس نے دربارِ خلافت میں سعید کی شکایت کی کہ سعید جوانوں کے اخلاق بگاڑ رہا ہے۔

اس وقت خلیفہ عبدالملک بن مروان تھا۔ عبدالملک بن مروان نے خانہ کعبہ کا احترام کرتے ہوئے حکم دیا کہ سعید کی جائیداد ضبط کر لی جائے اور اسے دربارِ خلافت میں پیش کیا جائے۔

مکہ کے حاکم نے حکم کی تعمیل کی۔ سعید کی ساری جائیداد ضبط کر لی گئی اور سعید کو

Marfat.com

تباہی اور بربادی کی حالت میں دمشق بھیج دیا گیا۔

وہاں سعید ایک قریشی سردار کا مہمان ہوا اور اتفاق سے اسی دن قریشی کے ہمراہ ایک دعوت پر گیا۔ اس دعوت کی میزبان ایک انتہائی خوبصورت اور پری جمال مغنیہ برق افق تھی۔

سعید کیونکہ حبشی تھا، سیاہ فام تھا۔ لوگ اسے شکل وصورت سے یہی خیال کرتے تھے کہ وہ غلام ہے لہٰذا وہ اس محفل میں ایک گوشے میں سب سے الگ جا کر بیٹھ گیا۔ اسی جگہ اس نے کھانا کھایا۔ کچھ دیر کے بعد گانا شروع ہوا۔ پہلے برقِ افق کی دو کنیزوں نے اپنا کمال دکھایا۔ جب وہ گا چکیں تو برق افق تخت پر آ بیٹھی۔‘‘

دم لینے کے لئے انداز خان رکا پھر قصے کو آگے بڑھا رہا تھا۔

’’حضور! اس سے آگے یوں ہوا کہ برق افق کی خوش جمالی سے سعید کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور بلند آواز سے برق کے حُسن اور اس کے جمال کی تعریف بھی کی۔ اس موقع پر اس کی خوبصورتی پر ایک برجستہ شعر بھی پڑھا جس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا۔

’’میں نے کہا یہ آفتاب ہے یا کلیسا کے چراغ ہیں جو پسِ پردہ نظر آ گئے ہیں...... کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔‘‘

یہ شعر سنتے ہی برقِ افق چمک کر بولی۔

’’صاحبو! میرے حُسن کی مداحی کے لئے کیا یہ سیاہ فام حبشی غلام ہی رہ گیا تھا؟ سچ تو یہ ہے کہ اب میرا گھر شریفوں کے لائق نہیں رہا۔‘‘ اور ہاتھ میں پکڑا ہوا عود پٹخ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس موقع پر حاضرین محفل کو بھی سعید کی یہ شوخی ناگوار محسوس ہوئی اور اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی گئی۔ ساتھ ہی برق افق سے بھی انہوں نے التماس کی کہ وہ گانا شروع کرے۔‘‘

انداز خان پھر رکا اور احمد شاہ رنگیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

’’حضور! اس موقع پر میں یہ بھی کہتا چلوں کہ غائبانہ طور پر برق افق نام کی وہ حسینہ سعید سے واقف تھی۔ اسے گانے والوں کا استاد اور ایک اچھا شاعر خیال کرتی تھی اور غائبانہ طور پر سعید موسیقی کے لحاظ سے پہلے ہی برق افق کے حواس پر چھایا ہوا تھا۔ بہرحال حاضرینِ محفل کے کہنے پر برق افق نے بڑے ناز نخرے کے بعد پھر گانا شروع

Marfat.com

کیا۔ دو چار شعر گائے تھے کہ حاضرینِ مجلس دم بخود ہو گئے۔ اس موقع پر سعید سے بھی نہ رہا گیا اس نے بھی تعریف کی کہ واہ بی بی کیا خوب گا رہی ہو۔

اس بار اس کے اس جملے پر برق افق نے تحمل سے کام لیا۔ پھر ساز چھیڑا۔ تھوڑی دیر تک گاتی رہی اور سعید چپ چاپ بیٹھا سنتا رہا۔ چونکہ برق افق کوئی راگنی غلط گا رہی تھی لہٰذا سعید زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکا۔ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور انتہائی غصے اور غضبناکی میں سب لوگوں کے سامنے دمشق کی حسینہ برق افق کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''او حرام زادی! تُو غلط گا رہی ہے۔ اس راگ کو اس طرح نہیں بلکہ یوں گاتے ہیں۔'' اس کے بعد سعید خود شہہ نشین پر چڑھ گیا اور جو راگنی برق افق گا رہی تھی اسے صحیح طرح سے گا کر سنایا۔ سعید کے گانے کے انداز اور اس کی آواز کو جب برق افق نے سنا تو حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''خدا کی قسم، یہ استاد ابو عثمان سعید کے علاوہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔''

جب وہاں کے لوگوں اور محفل میں موجود سارے تماشائیوں کو خبر ہوئی کہ سیاہ رنگ کا وہ شخص جسے شروع میں برق افق نے بری طرح جھڑک دیا تھا وہ تو عرب کی سرزمینوں کا مانا ہوا گانے والا سعید ہے تو وہاں موجود لوگوں نے اس کی عزت افزائی کی، اسے اپنے برابر بٹھایا اور معذرت کی۔ اس کے بعد لوگوں کے پوچھنے پر سعید نے اپنا حال سنایا۔ اس طرح وہ جلسہ برخاست ہو گیا۔

کچھ دنوں کے بعد قریشی سردار جس کے پاس سعید نے مہمان کے طور پر قیام کیا ہوا تھا وہ عبدالملک خلیفہ سے ملنے کے لئے گیا اور ابو عثمان سعید بھی اس کے ہمراہ ہو لیا۔

جب وہ قریشی سردار عبدالملک سے ملنے کے لئے اس کے کمرے میں گیا تو سعید قصرِ شاہی کے باہر ایک کھڑکی کے نیچے بیٹھ گیا اور قریشی سردار سے کہا کہ میں اپنا تعارف امیر المومنین سے خود ہی کرا لوں گا۔

اسکے ان الفاظ کے جواب میں قریشی سردار تو اندر جا کر عبدالملک بن مروان کے پاس جا کر بیٹھ گیا جبکہ سعید نے قصر سے باہر کھڑکی کے پاس بیٹھ کر اپنی خوش نوائی میں حدی گانا شروع کی۔

خلیفہ عرب تھا۔ اس نے جب اپنے دیس کا راگ دمشق میں سنا تو چونک اٹھا۔ حدی ایک طرح سے عربوں کی کمزوری تھی لہٰذا قریشی سردار کو مخاطب کرتے ہوئے عبدالملک

Marfat.com

نے پوچھا۔

”یہ کون ہے جو اس انداز میں حدی گاتا ہے؟“

تب قریشی سردار نے عبدالملک سے سعید کا ذکر کیا۔

سعید کا سن کر عبدالملک نے سعید کو دربار میں بلایا۔ وہاں اس نے امیر المومنین کے سامنے دو تین راگ سنائے۔ جب گانا ہو چکا تو عبدالملک نے حال پوچھا۔

سعید نے اپنی داستانِ غم سنائی۔ اس پر عبدالملک نے اس کی جائیداد کی واگزاری کا حکم دیا اور انعام واکرام دے کر رخصت کر دیا۔ سعید نے مکہ پہنچ کر پھر تعلیم جاری کی۔ اس کے شاگردوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اس سعید اور اس کے شاگردوں نے عرب کی جدید موسیقی کو ایک مستقل فن بنا دیا۔ اگرچہ عہدِ بنو امیہ میں چند مغنی مشہور ہو چکے تھے لیکن عہد عباسیہ میں ابراہیم موصلی اور اسحاق موصلی وغیرہ نے حقیقتاً فنِ موسیقی کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد انداز خان رکا، پھر محمد شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”حضور! یہ ہے سعید اور برق افق کی داستان۔ اپنے ساتھ ساتھ اس خوبصورت چند روپ کو دیکھتے ہوئے مجھے ان کے حالات یاد آ گئے تو میں نے سوچا کہ کہیں ہم دونوں کا معاملہ بھی سعید اور برق افق جیسا نہ ہو جائے۔ اسی بناء پر میں نے گانا گانے سے پہلے ان کے متعلق جملہ ادا کیا تھا۔“

انداز خان جب یہ قصہ سنا چکا تب محمد شاہ کا مشیر عظیم خان محمد شاہ کے قریب آیا، رازداری سے اس سے کچھ کہنے کی اجازت طلب کی جس پر ہاتھ کے اشارے سے عظیم خان کو محمد شاہ نے قریب آنے کے لئے کہا پھر سرگوشی اور رازداری میں عظیم خان کہنے لگا۔

”حضور! ابھی ابھی کچھ قاصد گجرات کی طرف سے آئے ہیں۔ نظام الملک کے مقابلے میں جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کے لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے اور شکست خوردہ اجیت سنگھ بچے کھچے لشکر کے ساتھ دہلی کا رخ کر رہا ہے۔“

عظیم خان رکا، کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

”حضور! اس موقع پر میں یہ بری خبر کہنا تو نہیں چاہتا تھا پر مجبوری تھی اس بناء پر کہنا

Marfat.com

پڑی۔"
عظیم خان کے ان الفاظ کے جواب میں محمد شاہ مسکرایا پھر بڑی رازداری میں اسے کہنے لگا۔
"عظیم خان! یہ بری خبر نہیں ہے بلکہ یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔"
عظیم خان چونکا، کہنے لگا۔
"حضور! اجیت سنگھ کو بدترین شکست ہوئی ہے اور آپ کہتے ہیں یہ ایک اچھی خبر ہے۔ اس شکست سے نظام الملک کے ارادے، اس کے ولولے مزید مستحکم ہو جائیں گے۔ وہ اپنی قوت میں مزید اضافہ کرے گا۔ اس طرح اس کے طاقت پکڑنے سے کیا دہلی کے تخت و تاج سے اس کو کوئی خطرہ نہیں ہے؟"
محمد شاہ نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔
"عظیم خان! تم بھی سیدھے سادھے آدمی ہو۔ تخت و تاج کو خطرہ اجیت سنگھ اور دہلی میں بیٹھے ہوئے ناکارہ قسم کے سالاروں اور امیروں سے ہے، نظام الملک سے نہیں۔ دکن میں اگر نظام الملک طاقت اور قوت پکڑتا ہے تو اس کے ایسا کرنے سے میری طاقت اور قوت میں اضافہ ہوگا۔ عظیم خان! ایک بات اپنے ذہن میں بٹھا رکھنا، امین خان اور اس کے بعد اس کا بھتیجا نظام الملک ایسے لوگ ہیں جو اپنے آپ سے بے وفائی کر سکتے ہیں پر میرے ساتھ اور میرے خاندان سے بے وفائی نہیں کریں گے۔ ان لوگوں کے خون میں ہمارے لئے جاں نثاری اور وفاداری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اجیت سنگھ کو اگر نظام الملک کے مقابلے میں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے تو یہ میری امیدوں کے خلاف نہیں ہوا۔ مجھے یہی امید تھی کہ نظام الملک چھوٹا لشکر رکھنے کے باوجود بھی اجیت سنگھ جیسے سالار کو کھنگال کر رکھ دے گا۔ عظیم خان! دکن کے علاقے میں اگر نظام الملک طاقت اور قوت پکڑتا ہے تو اس کی یہ طاقت اور قوت ہمارے حق میں ہے۔ اس لئے کہ دکن میں اگر مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور قوت اور ان کی تباہی و بربادی کے سیلاب کو کوئی روک سکتا ہے تو وہ نظام الملک اور اس کے بیٹے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی مرہٹوں کی راہ نہیں روک سکتا۔"
محمد شاہ رکا، کچھ سوچا پھر عظیم خان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔
"عظیم خان! گانے کی یہ محفل رات گئے تک جاری رہے گی۔ کل جب میں بیدار

Marfat.com

ہوں تو سب سے پہلے ایک کام کرنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے اس کی یاد دہانی کرا‌ؤ گے۔ کل دو قاصد تیار کیئے جائیں گے۔ ان کے ہاتھ میں ایک تحریر نظام الملک کی طرف روانہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس تحریر میں، میں نظام الملک سے کہوں گا کہ وہ اپنے بیٹے غازی الملک کو صوبہ گجرات کا حاکم مقرر کر دے اور اس کے ذمے یہ کام لگا دے کہ وہاں قیام کے دوران اپنی عسکری قوت میں اضافہ کرے اور جب کبھی مرہٹے سر اٹھانے کی کوشش کریں ان پر چڑھ دوڑے۔ اور اگر مرہٹے غازی الملک کے خلاف زیادہ طاقت اور قوت پکڑ جائیں تو پھر نظام الملک خود بھی اور اس کا شیر دل بیٹا میر منوں دونوں غازی الملک کی مدد کرتے ہوئے مرہٹوں پر چھانے کی کوشش کریں۔"

بہر حال موسیقی کی وہ محفل رات گئے تک جاری رہی۔

اگلے روز عظیم خان کے کہنے پر محمد شاہ نے نظام الملک کے بیٹے غازی الملک کو صوبہ گجرات کا والی مقرر کر دیا تھا اور مرہٹوں سے نمٹنے کے لئے اسے ہدایات بھی کر دی تھیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ یہ عظیم اللہ خان جو محمد شاہ رنگیلا کے مشیر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا یہ کبھی مالوہ کا حاکم بھی رہا تھا لیکن بنیادی طور پر سازشی شخص تھا اور اپنی سازشوں میں ناکامی کے بعد یہ دلی سے بھاگ کر لاہور کے حاکم ذکریا خان کے پاس جا کر قیام پذیر ہو گیا تھا مگر ذکریا خان نے اسے گرفتار کر کے محمد شاہ کے حوالے کر دیا، اسے دہلی پہنچا دیا گیا جہاں وہ زندان میں ڈال دیا گیا اور وہیں دم توڑ گیا۔

✲ ...... ✲

Marfat.com

•••

حیدر آباد میں گوہر آراء اور ماہ الملک دونوں اکٹھی بیٹھی کسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں۔ جس کمرے میں وہ بیٹھی ہوئی تھیں وہ گوہر آراء کی خواب گاہ تھی۔ اچانک دونوں چونک پڑیں۔ کمروں کے سامنے جو برآمدہ نما لمبی راہداری بنی ہوئی تھی وہاں انہیں قرہ خاتون کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ زور زور سے باری باری گوہر آراء اور ماہ الملک کو پکار رہی تھی۔

اس پکار پر گوہر آراء اور ماہ الملک دونوں چونک پڑیں۔ دونوں اٹھیں۔ جب وہ کمرے سے باہر آئیں تو انہوں نے دیکھا راہداری میں آگے آگے قرہ خاتون تھی۔ پیچھے تقدیس خانم، عباد الدین اور شرف الدین بھی آرہے تھے۔

انہیں اس طرح آتے دیکھ کر گوہر آراء اور ماہ الملک پریشان سی ہوگئی تھیں۔ قرہ خاتون کو مخاطب کر کے ماہ الملک بول اٹھی۔

"اماں! کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے؟ آپ اس طرح بھاگی بھاگی آرہی ہیں۔ آپ کے پیچھے امی بھی ہیں، ساتھ ہی بھائی عباد الدین ہیں، میرے شوہر شرف الدین ہیں۔ پر آپ کا چہرہ بتاتا ہے کہ جو کچھ آپ بتانا چاہ رہی ہیں اس میں خوشی پنہاں ہے۔ اس لئے کہ میں دیکھتی ہوں آپ کے چہرے پر اطمینان اور خوشی کے تاثرات ہیں۔"

ماہ الملک جب خاموش ہوئی تب بڑے شوق اور جستجو سے قرہ خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے گوہر آراء کہنے لگی۔

"چھوٹی اماں! اگر کوئی اچھی خبر ہے تو جلدی کہئے۔ اس لئے کہ اس خاندان کے لئے......"

گوہر آراء کو رک جانا پڑا۔ اس دوران اس کا شوہر عباد الدین اس کے قریب آن

Marfat.com

کھڑا ہوا۔ گوہر آراء غور سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ یہاں تک کہ عباد الدین گوہر آراء کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''گوہر آراء! یقیناً ہم اچھی خبر لے کر آئے ہیں۔ یہ خبر عام طور پر تو پورے خاندان کے افراد کے لئے اچھی ہے لیکن تمہارے لئے یہ زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ خبر یہ ہے کہ......''

یہاں تک کہتے کہتے عباد الدین رک گیا، پھر اپنی خالہ قرہ خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''چھوٹی اماں! میں یہ خبر کہہ دوں یا آپ کہیں گی؟''

اس موقع پر روہانسی سی آواز میں گوہر آراء اپنے شوہر عباد الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''یہ کیا بات ہوئی۔ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں فی الفور کہہ دیں۔ اس طرح رک کر تو آپ میرا اور ماہ الملک کا امتحان لینا چاہ رہے ہیں تا کہ ہم دونوں زیادہ بے تابی کا اظہار کریں۔''

اس موقع پر ماہ الملک بھی بول اٹھی اور اپنے قریب ہی کھڑے اپنے شوہر شرف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''اگر بھائی عباد الدین نہیں بولتے تو آپ ہی بتا دیں، ہمارے لئے کون سی خوشی کی خبر آئی ہے؟''

شرف الدین، ماہ الملک کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا پھر اپنی ماں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ماں! ان دونوں کا زیادہ دیر تک امتحان نہ لیں۔ جو اچھی خبر لے کر ہم آئے ہیں اسے کہہ دیں۔''

اس پر قرہ خاتون مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''میری بچیو! اچھی خبر یہ ہے کہ شہاب الدین پاربتی کو جودھ پور سے نکالنے میں کامیاب ہو چکا ہے اور وہ دونوں لشکر میں شامل ہو چکے ہیں اور لشکر دو دن تک یہاں پہنچ جائے گا۔''

یہ خبر سن کر گوہر آراء اور ماہ الملک کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی دونوں کچھ دیر تک

Marfat.com

مسکراتے ہوئے اپنی مسرت کا اظہار کرتی رہیں پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئی تھیں۔ پھر علیحدہ ہوئیں، ماہ الملک نے قرہ خاتون کو مخاطب کیا۔

''اماں! یہ خبر آپ تک کیسے پہنچی؟''

''بیٹی! تھوڑی دیر پہلے نظام الملک کی طرف سے دو قاصد آئے تھے۔ اس وقت میں اور تمہاری امی، عباد الدین، شرف الدین، تمہاری دادی مہر النساء، بڑے ابا فیروز مرزا دیوان خانے میں بیٹھے تھے۔ وہ وہیں آئے اور انہوں نے نظام الملک کا پیغام دیا کہ شہاب الدین پاربتی کو جودھ پور سے نکال کر لشکر میں شامل ہو چکا ہے اور اجیت سنگھ کے ساتھ ہونے والی جنگ میں بھی اس نے بھرپور حصہ لیا ہے۔ نظام الملک نے یہ بھی پیغام بھجوایا ہے کہ دو دن بعد لشکر یہاں پہنچے گا اور جس دن لشکر یہاں پہنچے گا اسی دن نظام الملک، شہاب الدین اور پاربتی کی شادی کا اہتمام کرنا چاہتا ہے۔ اس بناء پر اس نے پہلے پیغام بھیج دیا ہے کہ اس کی آمد سے پہلے پہلے شادی کی ساری تیاریاں مکمل کر لی جائیں۔

اس نے یہ بھی پیغام بھیجا ہے کہ شہاب الدین کی شادی کے لئے......''

قرہ خاتون کو رک جانا پڑا تھا اس لئے کہ ماہ الملک بول اٹھی۔

''اماں! آپ کیا کہنا چاہتی ہیں، میں سمجھ گئی ہوں۔ آپ فکر ہی نہ کریں۔ شہاب الدین کی شادی کی ایسی تیاری کی جائے گی کہ سب لوگ دنگ رہ جائیں گے۔ ابھی دو دن باقی ہیں، ہم آج کا دن بھی لگاتی ہیں۔ اگلے دو دن بھی لگاتی ہیں۔ پھر دیکھیں حویلی کو کیسے ہم سنوارتی اور سجاتی ہیں اور کیسے تیاریوں کو اپنے عروج پر پہنچاتی ہیں۔''

ماہ الملک جب خاموش ہوئی تو اس بار اس کی اپنی ماں تقدیس خانم، گوہر آراء اور ماہ الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''میری دونوں بچیو! پہلے یہ بتاؤ کہ تم دونوں شہاب الدین اور پاربتی کے لئے کون سا کمرہ ان کی خواب گاہ کے طور پر مختص کرنا چاہتی ہو؟''

اس پر گوہر آراء اور ماہ الملک نے صلاح مشورہ کیا، پھر گوہر آراء کہنے لگی۔

''اماں! میری اور ماہ الملک کی خواب گاہ کے درمیان جو کمرہ ہے یہ توشک خانے کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔ وہ کمرہ میرے اور ماہ الملک کے کمروں سے خاصا بڑا

Marfat.com

بھی ہے۔ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو توشک خانہ حویلی کے کسی پشتی کمرے میں منتقل کر دیتے ہیں۔ وہاں کئی کمرے خالی ہیں اور اس کمرے کو شہاب الدین اور پاربتی کی خواب گاہ کے طور پر مختص کر دیتے ہیں اور اسے آج ہی سجانا اور سنوارنا شروع کر دیتے ہیں اور آج ہی اس کی تزئین کا کام شروع کرتے ہیں۔''

تقدیس خانم، قرہ خاتون دونوں نے اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ پھر گوہر آراء نے اپنے شوہر عباد الدین کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''آپ اور بھائی شرف الدین جائیں گے نہیں، ہمارے ساتھ کام کریں گے۔ پہلے توشک خانے کا سارا سامان حویلی کے کسی پشتی کمرے میں منتقل کرتے ہیں، اس کے بعد اس کمرے کی صفائی ستھرائی کرنے کے بعد میں اور ماہ الملک دونوں دن کا یہ حصہ اور آنے والی شب کو اس کمرے کی آرائش اور سجاوٹ پر لگائیں گے۔ جو سامان ہم کہیں گے وہ بازار سے لا کر دیتے رہیں گے۔ شہاب الدین اور پاربتی شادی کے بعد جب اپنی اس خواب گاہ کو دیکھیں گے تو دونوں دنگ اور خوش ہو کر رہ جائیں گے۔''

قرہ خاتون، تقدیس خانم اور گوہر آراء کی اس تجویز سے اتفاق کیا گیا تھا۔ پھر گوہر آراء کے کہنے پر تقدیس خانم اور قرہ خاتون تو اپنے اپنے کمروں میں آرام کرنے کے لئے چلی گئی تھیں جبکہ گوہر آراء، ماہ الملک، شرف الدین اور عباد الدین اپنے کام میں لگ گئے تھے۔

شہاب الدین کی خواب گاہ کے علاوہ دو دن میں پوری حویلی کو سجا کر دلہن بنا دیا گیا تھا اور جس روز نظام الملک اپنے لشکر کے ساتھ حیدر آباد میں داخل ہوا اسی روز شہاب الدین اور پاربتی کی شادی کا اہتمام کر دیا گیا تھا۔

❁

ہندوستان میں محمد شاہ رنگیلا عیش وعشرت اور بے خبری کی حالت میں حکومت کر رہا تھا، زندگی بسر کر رہا تھا جبکہ ایران میں اس کے خلاف ایک خونی انقلاب جنم لے رہا تھا۔ ہوا یوں کہ جب ایران کے نئے حکمران نادر شاہ نے قندھار فتح کیا تو بہت سے اس کے مخالف بھاگ کر ہندوستان چلے گئے۔ نادر شاہ کو خدشہ تھا کہ وہ لوگ وہاں رہ کر اس کے لئے فتنہ کھڑا کر سکتے ہیں اس لئے وہ چاہتا تھا کہ ان لوگوں کو اپنی گرفت میں کر لے۔ اس کے علاوہ اس کے کچھ دشمن بھاگ کر کابل اور غزنی کی طرف چلے

Marfat.com

گئے تھے۔ نادر شاہ کے لئے مصیبت یہ تھی کہ کابل اور غزنی اس وقت ہندوستان کی مغل حکومت کے تحت تھے۔

ان حالات میں نادر شاہ نے محمد شاہ کو پیغام بھیجا کہ قندھار کے ان افغانوں کو جو بھاگ کر اس کے علاقوں میں پناہ لے رہے ہیں انہیں اپنے علاقوں میں داخل نہ ہونے دے۔ اس لئے کہ نادر شاہ انہیں سزا دینا چاہتا ہے۔

نادر شاہ نے محمد شاہ کی طرف یہ پیغام بھی بھجوایا کہ محمد شاہ کو چاہئے کہ کابل کے اپنے حاکم کو ہدایت جاری کرے کہ وہ فی الحال اپنی سرحدیں بند کر دے تاکہ نادر شاہ کے مخالفین مغلوں کی سلطنت میں داخل ہو کر پناہ نہ لیں اور اس کے خلاف کارروائیاں کرنے کی کوشش نہ کریں۔''

محمد شاہ نے وعدہ تو کر لیا مگر عملاً کچھ نہ کیا۔ اس پر نادر شاہ نے محسوس کیا کہ قندھار کے محاصرے کے باوجود بھی بہت سے باغی کابل میں پہنچ کر پناہ لے رہے ہیں۔ نادر شاہ نے ایک اور سفیر بھیجا مگر محمد شاہ نے اسے ملاقات کا موقع نہ دیا اور نہ ہی واپس جانے کی اجازت دی۔

اب قندھار پر تو نادر شاہ کا قبضہ ہو گیا تھا، اس کا سفیر جو اس نے ہندوستان بھیجا تھا وہ واپس نہ آیا تھا۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے نادر شاہ اپنا لشکر لے کر کابل جا پہنچا۔ کابل اس وقت مغلیہ سلطنت میں شامل تھا۔

کابل کے نواح میں قیام کرنے کے بعد نادر شاہ نے ایک بار پھر اپنا ایک ایلچی محمد شاہ کی طرف بھوایا اور محمد شاہ کو پیغام روانہ کیا مگر اس کے ایلچی کو راستے ہی میں قتل کر دیا گیا اور وہ ایلچی محمد شاہ تک پہنچ ہی نہ سکا۔ بعض مورخوں کے مطابق جو ایلچی کابل کے نواح سے نادر شاہ نے محمد شاہ کی طرف بھجوایا تھا اسے کچھ باغیوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور اس طرح محمد شاہ تک نادر شاہ کا پیغام پہنچ ہی نہ سکا تھا۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے نادر شاہ نے کابل پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ جمرود کے مقام پر کابل کے والی اور نادر شاہ کے درمیان ٹکراؤ ہوا اور اس ٹکراؤ کے نتیجے میں نادر شاہ نے کابل کے حاکم کو شکست دی اور پھر آگے بڑھتے ہوئے نادر شاہ نے پشاور پر بھی قبضہ کر لیا۔

اب نادر شاہ کی راہ روکنے کے لئے کوئی قوت نہ تھی۔ پشاور سے اس نے اپنے لشکر

Marfat.com

کے ساتھ کوچ کیا اور منزل پر منزل مارتا ہوا بغیر کسی مزاحمت کے وہ پنجاب میں داخل ہونے کے بعد وزیر آباد کے مقام پر آن رکا اور یہاں اس نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا۔

وزیر آباد سے کوچ کرنے کے بعد نادر شاہ نے آخر لاہور کا رخ کیا۔ لاہور کے حاکم نے جو لشکر اس کے پاس تھا اس کے ساتھ مزاحمت کی مگر اسے بھی شکست ہوئی۔ اس طرح پسپا ہونے کے بعد لاہور کے مغل حاکم نے نادر شاہ کو صلح کی پیشکش کر دی۔ نادر شاہ نے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ اس طرح نادر شاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ لاہور سے باہر پڑاؤ کیا اور وہاں سے ایک ایلچی دہلی بھجوایا اور محمد شاہ کو ایک اور پیغام روانہ کیا اور باہمی تعاون کا ارادہ ظاہر کیا۔

محمد شاہ کے حاشیہ برداروں نے اسے اکسایا لہٰذا محمد شاہ کی طرف سے نادر شاہ کو جو جواب روانہ کیا گیا وہ بہت روکھا پھیکا تھا۔ نادر شاہ نے پھر پیغام بھجوایا کہ وہ محمد شاہ کے حاشیہ برداروں کو سزا دینے کے لئے آ رہا ہے۔

اب محمد شاہ کی آنکھیں کھلیں۔ وہ جان گیا تھا کہ وہ اکیلا کسی بھی صورت نادر شاہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لئے کہ اس کے مخبروں نے نادر شاہ کے لشکر کی تعداد اور اس کے ہتھیاروں سے محمد شاہ کو آگاہ کر دیا تھا۔ اس صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے اور نادر شاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے محمد شاہ نے تیز رفتار قاصد دکن اور اودھ کی طرف روانہ کئے۔ دکن سے اس نے نظام الملک کو طلب کر لیا جبکہ اودھ سے وہاں کے حاکم برہان الملک کو طلب کیا تاکہ سب مل کر نادر شاہ کا مقابلہ کر سکیں۔

صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے ایرانی مؤرخ لکھتے ہیں کہ ہندوستان کا باشاہ محمد شاہ بہت آرام پسند شخص تھا۔ اس لئے وہ محمد شاہ رنگیلا کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے علاوہ ہنوز دلی دور است کہنے والا بادشاہ بھی یہی تھا۔ اس نے بہر حال لوگوں کے کہنے پر دریائے جمنا کے کنارے کرنال کے مقام پر خندقیں کھدوا کر اپنا پڑاؤ کیا اور نادر شاہ کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

یہاں پہلی بار نادر شاہ کو ہاتھیوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن نادر شاہ کے پاس توپیں تھیں جو آگ کے گولے پھینکتی تھیں۔ جب ایرانیوں نے آگ کے گولے ہاتھیوں کی طرف پھینکنے شروع کئے تو ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ کرنال کے مقام پر

Marfat.com

صرف دو گھنٹے کی جنگ کے بعد محمد شاہ رنگیلا کے لشکر کو شکست ہوئی۔ اس جنگ میں بیس ہزار ہندوستانی لشکری مارے گئے۔ محمد شاہ کی بدقسمتی کہ اس جنگ میں اسے شکست کچھ عوامل کی وجہ سے ہوئی گو اس کی مدد کے لئے نظام الملک اور اودھ سے برہان الملک پہنچ گیا تھا۔ سب سے پہلے برہان الملک نے غداری کی اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ محمد شاہ کے خلاف نادر شاہ سے جا ملا۔ شکست کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ ان دنوں محمد شاہ کا وزیر خانِ دوراں تھا۔ وہ ایک طرح سے امیر امراء اور سپہ سالار بھی تھا۔ گو اس نے ڈٹ کر نادر شاہ کے لشکر کا مقابلہ کیا لیکن محمد شاہ کی بدقسمتی کہ اس جنگ کے دوران خانِ دوراں بری طرح زخمی ہوا اور اگلے روز وہ زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا جس کی وجہ سے محمد شاہ کے لشکر کو پسپائی اختیار کرنا پڑی تھی۔

محمد شاہ اس وقت اپنے لشکر کے اندر موجود تھا۔ اس کا پڑاؤ ایک طرح سے نادر شاہ کے محاصرے میں تھا اس کے علاوہ جنگ کی وجہ سے محمد شاہ کے لشکر میں خوراک کی قلت بھی پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی۔

دوسری طرف اودھ کا والی برہان الملک جو نادر شاہ سے مل گیا تھا، اسے خبر ہو گئی تھی کہ جنگ کے دوران خانِ دوراں بری طرح زخمی ہوا تھا اور وہ فوت ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس نے خود بخود ہی اپنے لئے امیر امراء کا عہدہ حاصل کر لیا تھا اور وہ نادر شاہ کے لشکر میں رہتے ہوئے امیر امراء کہلانے لگا تھا۔ اس موقع پر برہان الملک نے ایک اور کارروائی شروع کی۔ خود ہی امیر امراء کا لقب حاصل کرنے کے بعد اس نے نادر شاہ سے درخواست کی کہ وہ اپنا لشکر لے کر ہندوستان سے چلا جائے۔ محمد شاہ کو دہلی کے تخت پر رہنے دے اور اس کے عوض دو کروڑ روپے بطورِ ہرجانہ وصول کر لے۔

دوسری طرف محمد شاہ نے جب دیکھا کہ شکست تو اسے ہو چکی ہے اور وہ کوئی دوسرا محاذ کھول کر نادر شاہ کو پسپا نہیں کر سکتا لہٰذا اس نے نادر شاہ سے رحم کی اپیل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس مقصد کے لئے محمد شاہ نے نظام الملک کا انتخاب کیا اور اسے نادر شاہ کی طرف بھجوایا تاکہ نادر شاہ کے ساتھ مل کر وہ صلح صفائی کی گفتگو کرے۔

نادر شاہ نظام الملک کو پہلے سے جانتا تھا۔ ایران میں رہتے ہوئے اس نے نظام الملک کا نام بھی سن رکھا تھا اس لئے کہ نظام الملک جہاں اپنی شجاعت، بہادری، خلوص اور دیانت داری کی وجہ سے بہت مشہور اور نمایاں تھا وہاں اس کی قیافہ شناسی بھی

Marfat.com

ہندوستان اور اس کے باہر دوسرے ممالک میں بھی مشہور اور معروف تھی۔

نظام الملک نے بڑے طریقے بڑے ڈھنگ کے ساتھ نادر شاہ سے گفتگو کی۔ اس کی گفتگو سے نادر شاہ بے حد متاثر ہوا۔ اس طرح نظام الملک اور نادر شاہ کے درمیان گفتگو کامیاب رہی اور جو مقصد محمد شاہ حاصل کرنا چاہتا تھا نظام الملک کی مدد سے وہ پورا ہوا۔

نظام الملک کی اس کارروائی سے محمد شاہ بڑا خوش ہوا اور اسے اس نے امیر امراء کا منصب عطا کر دیا تھا۔ اب ایک بار پھر ایک طرح سے نظام الملک ہندوستان کا وزیر بن گیا تھا۔

دوسری طرف نادر شاہ کے لشکر میں برہان الملک کو جب خبر ہوئی کہ وہ خود ہی امیر امراء کہلاتا پھرتا ہے جبکہ یہ منصب محمد شاہ نے نظام الملک کو عطا کر دیا ہے تب وہ بڑا سیخ پا ہوا۔ اس نے ایک دم پلٹا کھایا، غداری پر اترا اور نادر شاہ کو مخاطب کر کے اس نے کہا۔ دو کروڑ روپے ایک فاتح کے لئے نہ ہونے کے برابر ہیں اور اتنی رقم تو وہ ایک صوبائی گورنر کی حیثیت سے ادا کر سکتا ہے۔

یہ سن کر نادر شاہ کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس موقع پر صلح کی شرائط کو آخری شکل دینے کے لئے محمد شاہ بذات خود بھی نادر شاہ سے ملا۔ اس ملاقات کے بعد بارہ مارچ کو نادر شاہ دلی شہر کی طرف بڑھا۔ اس نے دلی شہر کے قریب شالیمار باغ میں پڑاؤ کیا۔ بائیس مارچ کو اس کے نام کا خطبہ مساجد میں پڑھا گیا۔ دوسرے دن اتفاقاً ایرانی لشکریوں سے کچھ لوگوں کا جھگڑا ہو گیا اور یہ افواہ بھی شہر میں اُڑ گئی کہ نادر شاہ کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ مقامی لوگوں نے یہ سن کر ایرانی لشکریوں پر حملے شروع کر دیئے۔ جب یہ اطلاع نادر شاہ کو ملی تو اس نے اپنے لشکریوں کو دفاع کی اجازت دے دی۔

اسی اثناء میں دو مغل افسر اس غلط فہمی کے تحت کہ نادر شاہ مر چکا ہے حرکت میں آئے اور انہوں نے دو ایرانی سالاروں کو ہلاک کر دیا ہے۔ جب نادر شاہ نے خود حالات کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ اس کے نو سو سپاہی ہلاک ہو چکے ہیں اور ان کی لاشیں دلی کی سڑکوں پر پڑی ہوئی ہیں۔ ایرانیوں کے لشکر کا جائزہ لینے کے لئے وہ سنہری مسجد پہنچا تو کچھ لوگوں نے گھروں کی چھتوں سے اس پر سنگ باری کی۔ ایک آتشیں گولا بھی پھینکا گیا جس سے نادر شاہ کا ایک سالار اس کے سامنے ہلاک ہو گیا۔ یہ حالات دیکھ کر

Marfat.com

نادر شاہ کے صبر کا یارا نہ رہا اور اس نے شہر کے اندر قتل عام کا حکم دے دیا۔
یہ قتل عام صبح آٹھ بجے سے شام ڈھلے تک جاری رہا۔ کم از کم تیس ہزار افراد قتل کئے گئے۔ بعض مؤرخین کے مطابق قتل کئے جانے والوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار سے ایک لاکھ پچاس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔
کچھ مؤرخین ہندوستان کے لشکر کی تباہی و بربادی اور شکست کا ذمہ دار امیر امراء خانِ دوراں کو ٹھہراتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ نظام الملک کے دکن رخصت ہو جانے کے بعد اکثر بڑے بڑے عہدے ایرانی یا ہندوستانی امیروں کے ہاتھوں میں آ گئے تھے۔ لشکر کا حاکم اعلیٰ امیر امراء خانِ دوراں سپہ گری میں جتنا لائق تھا، علم و عقل کے میدان میں اتنا کوتاہ دست ثابت ہوا۔ نادر شاہ کی قندھار سے کابل پر فوج کشی کی خبر آئی تو خوب ہنسا۔ خبر لانے والوں سے کہا۔
"تمہارے مکان بہت اونچے پہاڑوں پر ہوں گے کہ اتنی دور سے نادر شاہ کے لشکر کو دیکھ لیتے ہو۔"
بعض درباری یہ بھی کہتے تھے کہ سب کچھ لاہور کے حکمران ذکریا خان کی کارستانی ہے کہ جھوٹی خبریں اُڑاتا رہتا ہے اور نادر شاہ کی طرف سے مصنوعی قاصد بھجواتا رہتا ہے۔
اور پھر محمد شاہ اور اس کے مشیروں کی بدبختی جب کابل سے پے در پے لوگ فرار ہو کر دہلی پہنچے اور یقین ہوا کہ یہ صوبہ سلطنت دہلی کے ہاتھ سے چھن گیا ہے تو نادر شاہ کے مراسلوں کا جواب دینا یاد آیا۔ نادان وزیروں میں دیر تک اس پر عقل آزمائی ہوتی رہی کہ جواب دیں تو اس غاصب لٹیرے ایرانی بادشاہ نادر شاہ کو القاب کیا لکھیں۔ وہ شہنشاہِ ہندوستان کے مساویانہ وقار کے لائق کہاں ہے۔
آخر محمد شاہ رنگیلا کو ہوش آیا۔ تاکید کے ہرکارے دوڑاتے ہوئے اصرار کے پروانے اڑائے۔ نظام الملک کو دہلی سے بلایا اور انتظامِ جنگ کی زمام اس کے حوالے کی۔ یہاں حیرت کی بات یہ ہے کہ نادر شاہ بغیر کسی مزاحمت کے اٹک، جہلم، چناب تینوں دریا عبور کر کے لاہور پہنچ گیا اور شہر کو آ گھیرا اور کسی نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اور پھر نادر شاہ جس وقت لاہور کا محاصرہ کر رہا تھا اس وقت بھی محمد شاہ رنگیلا کے سر پر جوں تک نہ رینگی۔ اس موقع پر اگر وہ اپنا لشکر لاہور کے حاکم ذکریا خان کی مدد کے لئے

Marfat.com

بھیج دیتا تو شاید جو فتح نادر شاہ کو کرنال کی جنگ میں ہوئی وہ نہ ہوتی اور دہلی میں قتل عام بھی نہ ہوتا۔

کچھ مؤرخین دہلی میں نادر شاہ کے ہاتھوں قتل عام کی وجہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ کسی بھنگڑ نے کسی چنڈو خانے میں بیٹھ کر یہ گپ ہانک دی۔

''واہ رے محمد شاہ پیا...... نادر شاہ کو خوب قتل کیا۔''

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس قتل عام سے پہلے صلح کا معاملہ طے ہو چکا تھا۔ دہلی کے قلعے اور شاہی کارخانوں پر نادر شاہ نے اپنے لشکریوں کا پہرہ لگا دیا تھا۔ اس سارے کام میں برہان الملک، نادر شاہ اور اس کے سالاروں کی مدد کر رہا تھا۔ اس طرح نادر شاہ قلعے میں داخل ہوا۔ تمام زر و جواہرات، نادر اور بے بہا سامان جس میں شاہ جہان کا تختِ طاؤس بھی تھا، سمیٹ لیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ واقعات کچھ ایسے چھپے ڈھکے اور اتنی جلد گزرے کہ ان دنوں جبکہ اخبار چھپنے اور اطلاعات کے فوراً شائع ہونے کے وسائل نہ تھے، اہلِ ملک ایک طرف، پایۂ تخت دہلی کے عام باشندے بھی یہ نہ سمجھے کہ سلطنت پر کیا سانحہ بیت گیا۔ مگر دوسرے دن عید الاضحیٰ کی دعا میں خطیب نے محمد شاہ کے ساتھ نادر شاہ کو بھی ہندوستان کا فرماں رواں بتایا تو شہر میں کہرام مچ گیا جس کی وجہ سے لوگ برہم ہو گئے۔ ایرانیوں پر حملہ آور ہونا شروع ہو گئے اور نادر شاہ کو قتل عام اور غارت گری کا حیلہ مل گیا۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ یہ دہلی کے لیئے عجیب اور تکلیف دہ موقع تھا۔ چاندنی چوک اور سنہری مسجد کو خون ریزی کا مرکز بنا کر بندگانِ خدا پر وہ قیامت توڑی گئی جس میں جوان، پیر، تندرست، بیمار، معصوم، بچے اور زنانانِ پردہ نشین، کسی سے رعایت نہ کی گئی۔ قلعے کے سامنے ہی بڑے بڑے چوک، بازار اور بیش بہا سامان اور نادر مصنوعات کی منڈیاں تھیں۔ شمال میں امرائے کبار کی حویلیاں عیش و تجمل کے اسباب سے دلہنوں کی طرح آراستہ کھڑی تھیں۔ ایرانی لشکریوں نے شہر کے انہی حصوں کو جی بھر کر لوٹا اور جگہ جگہ آگ لگا دی۔ قتل عام تو دوپہر یعنی آٹھ نو گھنٹے ہی جاری رہا جس میں کام آنے والوں کا کم از کم تخمینہ مؤرخین مختلف پیش کرتے ہیں۔ لیکن خانہ تلاشی اور لوٹ کا سلسلہ کئی دنوں بلکہ کئی ہفتوں تک چلتا رہا۔

جب لوٹ مار ختم ہو چکی تب نادر شاہ کے میر منشی مرزا مہدی نے اندازہ لگایا کہ

Marfat.com

ایرانی کروڑوں روپے کے جواہر اور زیورات، بیش بہا ظروف، پارچہ جات، ہاتھی، گھوڑے، اونٹ اور مختلف ساز و سامان کے علاوہ کم از کم پندرہ کروڑ روپیہ نقد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

نادر شاہ نے قتل عام کی چنگیزی سنت عید قربان کے تیسرے چوتھے دن کی تھی۔ شہر کربلا کا نمونہ اور ذوالحج محرم کا مہینہ بن گیا تھا لیکن عبرت کا تماشہ دیکھئے کہ خون کی یہ ہولی کھیل کر نادر شاہ نے اپنے منجھلے بیٹے کی محمد شاہ کی بیٹی سے شادی رچائی تو گھر گھر طبلے کھڑکنے لگے۔ ناچ رنگ، جلسے، دعوتیں، جہاں دیکھو محفل رقص و سرور برپا ہو گئی تھی۔ بھانڈ خود اپنے لشکریوں، سرداروں کی نقلیں اتارنے لگے تھے جبکہ تماشائی اس شکست پر افسوس کرنے کی بجائے قہقہے لگا رہے تھے۔

نادر شاہ نے ہندوستان کے تخت طاؤس پر بھی قبضہ کر لیا تھا جسے شاہ جہاں نے بنوایا تھا۔ اس تخت سے متعلق ایرانی مؤرخ مقبول بیگ بدخشانی خود لکھتا ہے۔

''یہ ایک بہت بڑا تختِ شاہی تھا جو ایوان کے پہلے کمرے میں نصب تھا۔ شکل میں یہ ایک چارپائی کے پھیلاؤ کی مانند تھا۔ چھ فٹ لمبا اور چار فٹ چوڑا تھا۔ نچلے حصے کا تکیہ گول اور اطرف کے تکیے چوڑے تھے۔ چھتر کے نچلے حصے میں ہیرے جواہرات کا جڑاؤ کام تھا جس کے گرد موتیوں کا حاشیہ سا بنا ہوا تھا۔ چھتر کی بالائی سطح کوس نما تھی جس کے چار شطرنجی خانے تھے۔ اس کے اوپر ایک مور چنور کئے ہوئے تھا۔ دم کے اوپر نیلم اور رنگا رنگ قیمتی پتھروں کے پتے تھے اور اس مور کا جسم سونے کے پتروں سے بنایا گیا تھا جن میں متعدد ہیرے جواہرات نصب کئے گئے تھے۔''

مؤرخ مزید لکھتا ہے کہ اس مور کی چھاتی پر ایک بڑا یاقوت اور اس کے ساتھ ایک ہیرا آویزاں تھا جس کا وزن پچاس کیرٹ تھا۔ مور کے دائیں اور بائیں دو گلدستے تھے جو اونچائی میں پرندوں کی مانند تھے۔ ان میں سونے کے پتروں کے بنے ہوئے متعدد پھول رکھے ہوئے تھے۔ پھولوں پر مینا کاری کا کام کیا ہوا تھا۔

بادشاہ جب تخت پر بیٹھتا تھا تو اس کی آنکھوں کے برابر ایک شفاف ہیرا آویزاں ہوتا تھا جس کے ساتھ اسی یا نوے کیرٹ کا الماس ملحق تھا اور اس کے اردگرد یاقوت اور زبرجد جڑے ہوئے تھے۔ بارہ ستونوں پر جن کے اوپر چھتر بنا ہوا تھا عمدہ آب تاب دینے والے ہیرے قطاروں کی صورت میں جڑے ہوئے تھے۔ ہر ہیرے کا وزن چھ سو

Marfat.com

دس کیرٹ کا تھا۔

ایرانی مؤرخ مزید لکھتا ہے کہ دہلی پر اس حملے کے نتیجے میں نادر شاہ کو جو مال و دولت ملا اس کی مالیت موجودہ دور کے لگ بھگ آٹھ کروڑ پچھتر لاکھ پاؤنڈ کے برابر تھی۔ قیمتی اشیاء اور تختِ طاؤس کے علاوہ دنیا کے دو نامور، بہترین اور مشہور و معروف ہیرے بھی نادر شاہ کے قبضے میں چلے گئے تھے۔ ان دو ہیروں میں سے ایک کوہ نور اور دوسرے ہیرے کا نام دریائے نور تھا۔

نادر شاہ کو ہندوستان سے بے انتہا دولت حاصل ہوئی اور محمد شاہ کو اس کی حکومت واپس دے کر اس نے مزید فوائد بھی حاصل کئے اور اس طرح مغل سلطنت میں دریائے سندھ کے دائیں کنارے کے جو علاقے تھے وہ نادر شاہ نے اپنی سلطنت میں شامل کر لئے۔ ان علاقوں کو اس نے تین صوبوں میں منقسم کر کے وہاں اپنی طرف سے حاکم مقرر کئے اور خود دہلی سے اس نے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا۔ پشین اور قندھار سے ہوتا ہوا ایران چلا گیا تھا۔

❁

محمد شاہ نے چونکہ نظام الملک کو ایک بار پھر اپنا وزیر اور امیر امراء اور سپہ سالار مقرر کر دیا تھا لہٰذا نظام الملک نے اپنے سارے رشتہ دار اور عزیز و اقارب کو حیدر آباد سے دہلی بلا لیا تھا۔ اب حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ سلطنت کا استحکام کمزوری کا شکار ہونے لگا تھا اس لئے کہ نادر شاہ کے حملے نے مغل بادشاہ کی نااہلی کا ڈھنڈورا پیٹ دیا تھا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ خود محمد شاہ نادر شاہ کے ہاتھوں شکست کی وجہ سے اتنا رنجیدہ تھا کہ راگ رنگ سے توبہ کر لی۔ اربابِ نشاط کو بالکل موقوف کر دیا۔

بہر حال ہندوستان جنت نشان کے فرماں روا کو حملۂ نادری اور خاص کر دارالحکومت کی غارت گری سے جتنی خفت ہوئی وہ کم نہیں تھی۔ ایک آفاقی قزاق کا چند ہزار سوار لے کر ملک میں گھس آنا، قلعۂ معلّٰی میں آ کر دندنانا، عید کی نماز میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوانا گویا ڈنکے کی چوٹ پر مغل بادشاہت کے خاتمے کا اعلان کرنا تھا۔

اس کے علاوہ نادر شاہ کے حملے کے بعد جب مختلف صوبوں کے والیوں نے دیکھا کہ مرکزی حکومت تو کمزور ہوتی جا رہی ہے تو اردگرد سرکشی کے آثار نمودار ہونے لگے۔

Marfat.com

مرہٹوں کی ظاہری فروتنی کے پس پردہ ان کی باطنی سرکشی نمایاں ہونے لگی تھی۔ ان کے اندر لوٹ مار کا نسلی جذبہ انہیں بغاوت کا راستہ دکھانے لگا تھا اور یہ قوم اپنی کمزور قیادت سے باہر ہونے لگی تھی۔

اس کے علاوہ نادر شاہ کے حملے سے سندھ پار کے علاقے بلکہ وادی کشمیر بھی ایرانیوں کے قبضے میں آئی نہ آئی، دہلی کے مغلوں کے ہاتھ سے ضرور نکل گئی تھی۔

سندھ کے قبائل کلوہڑے، داؤد پوتے اور تالپور وغیرہ باہمی زور آزمائیوں میں مبتلا ہو گئے۔ اکثر علاقوں میں بدنظمی پھیل گئی۔ خود پنجاب کے نظم ونسق کی کیلیں ڈھیلی ہونا شروع ہو گئیں۔ فرخ سیر کے عہد میں سکھوں کے مذہبی جنون کو تلوار کی نوک سے فرو کر دیا گیا تھا۔ ان کی دور دست بستیوں میں دوبارہ وحشت کے آثار پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے۔

پایۂ تخت کے قریب آگرہ کے نواح میں جاٹوں کی آبادی سرکشی اختیار کرنے لگی تھی اور یہ جاٹ اِدھر اُدھر حملہ آور ہوتے ہوئے ایک طرح سے اپنی خوشحالی کو ترقی دینے لگے تھے۔ بڑے بڑے زمینداروں نے گڑھ بنا لئے۔ راجگی کے ٹھاٹھ جمانے شروع کر دیئے۔ مقامی حکام سے بار بار سینہ زوری، گردن کشی کرنے لگے۔

اور ان پر ہندوستان کی سلطنت کی چولیں ہلا دینے والا جو مزید واقعہ ہوا وہ کچھ اس طرح تھا کہ قندھار اور کابل پر نادر شاہ کے حملے اور تسلط نے وہاں کے صدہا افغانی خاندانوں کو اکھاڑ دیا۔ ان میں بہت سے بہتے ہوئے دوآب تک پہنچے اور گنگا پار کے علاقوں میں اتنی کثرت سے آباد ہو گئے کہ یہ علاقہ سرحدی روہیلوں کے نام سے روہیل کھنڈ موسوم ہو گیا۔ یہ ایک اور جنگجو بے قابو عنصر تھا جس نے آئندہ سلطنت کی بوسیدہ عمارت کی اینٹیں اکھاڑنے اور اسے ملبے کا ڈھیر بنانے میں بھی حصہ لیا۔

دوسری جانب اودھ کے حاکم برہان الملک یعنی سعادت خان نے کرنال کی جنگ میں محمد شاہ سے بے وفائی کرتے ہوئے نادر شاہ کا ساتھ دیا تھا۔ اس نے یہ رسوائی تو کمائی مگر نصیب کی نحوست سے انہی دنوں وہ سرطان کے مرض کا شکار ہوا اور فوت ہو گیا۔ محمد شاہ نے رحم دلی سے کام لیتے ہوئے اودھ کی حاکمیت اس کے داماد صفدر جنگ کے سپرد کر دی۔

گو نادر شاہ کے حملے کی وجہ سے خزانہ خالی ہو گیا تھا۔ سلطنت کا کاروبار بکھرنے لگا

Marfat.com

تھا۔ اس کے باوجود محمد شاہ اپنے وزیر، سپہ سالار اور امیر امراء نظام الملک کے ساتھ مل کر حالات کو دوبارہ اپنی گرفت میں کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

✿

نادر شاہ گو ہندوستان میں بے شمار لوگوں کا قتل عام کرنے اور ہندوستان کی ساری دولت سمیٹ کر ایران کی طرف چلا گیا تھا لیکن اپنی اس کارروائی سے وہ بھی قدرت کے انتقام اور مکافاتِ عمل سے بچ نہ سکا۔ ہوا یوں کہ ہندوستان کی مہم سے فارغ ہو کر نادر شاہ نے ازبکوں کی سرکوبی کرنا چاہی۔ ازبک قبائل نے دریائے آمو سے پار چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر رکھی تھیں۔ سب حکمران آپس میں قرابت دار تھے۔ بخارا اور خوارزم ان کے بڑے بڑے مراکز تھے۔ ازبک ان علاقوں سے اٹھ اٹھ کر خراسان میں لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ ازبکوں کے خلاف لشکرکشی کا آغاز بلخ سے ہوا۔ یہاں سے نادر شاہ نے بخارا کا رخ کیا۔ یہاں کا حکمران ابوفیض خان تھا اس نے مقابلے کی تاب نہ پا کر اطاعت اختیار کی اور خود چل کر نادر شاہ کے پڑاؤ میں آیا۔ نادر شاہ نے اس کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور بخارا کی حکومت اسی کو سونپ دی۔

اس سے نادر شاہ کے حوصلے بڑھے۔ بخارا کے بعد نادر شاہ نے خوارزم کا رخ کیا۔ ترکمانوں نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا لیکن آخر وہ بھی پسپا ہو گئے۔

بخارا اور خوارزم کی مہموں سے فارغ ہو کر نادر شاہ نے قلات نام کے قلعے کا رخ کیا جو اس کی محبوب جگہ تھی یہاں اس نے ایک شاہی محل تعمیر کروایا اور اپنا خزانہ اس کے اندر محفوظ کر دیا۔ ہندوستان سے لوٹی ہوئی ساری دولت اس نے یہاں رکھی تھی۔ پھر وہ مشہد گیا اور وہاں اپنی فتوحات کی یاد منانے کے لئے جشنِ عظیم برپا کیا۔

اہل شہر نے والہانہ طور پر خوشیاں منائیں۔ یہ زمانہ نادر شاہ کے عروج کا تھا۔ اس نے صرف پانچ سال کے مختصر عرصے میں زندگی کی بڑی بڑی مہمیں سر کر لی تھیں۔

ان فتوحات اور لوٹ کھسوٹ نے نادر شاہ کو بے حد مغرور بنا دیا تھا۔ آخری ایام میں اس نے ظلم وستم کا بازار گرم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اب اس کے اعمال نامے میں فتوحات کے ساتھ ساتھ ظلم وستم کا اضافہ ہونے لگا اس لئے وہ لوگ جنہیں اس نے دشمنوں سے رہائی دلائی تھی اس سے نفرت کرنے لگے تھے۔

اس کے علاوہ نادر شاہ جس وقت ہندوستان کی مہم میں مصروف تھا اس کا بھائی

Marfat.com

ازبکوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ بھائی کا انتقام لینے کے لئے اس نے داغستان پر حملہ کیا جہاں یہ قوم آباد تھی۔ وہاں اس نے لوٹ مار کرنی شروع کر دی۔ ازبکوں نے اپنی پوری جمعیت سے نادر شاہ کے لشکر پر حملہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ نادر شاہ کے پڑاؤ تک پہنچ گئے اور کچھ عورتوں کو نادر شاہ کے قیمتی مال و اسباب سمیت اٹھا کر لے گئے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ ازبکوں کے ہاتھوں نادر شاہ کو زک اور نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ ازبکوں کی اس جرأت مندی اور دلیری سے نادر شاہ بڑا برافروختہ ہوا اور نہایت پُر جوش انداز میں ان پر حملے شروع کئے۔ لیکن ازبک بھی جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی نادر شاہ کے خلاف جوابی کارروائیاں کرنی شروع کر دیں۔ ان حالات میں نادر شاہ کو ازبکوں کے ہاتھوں شکست اٹھانا پڑی اور دربندھ کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ یہ وہ تلخ تجربہ تھا جس نے نادر شاہ کو احساس دلایا کہ وہ ناقابل شکست نہیں ہے۔ نادر شاہ کی یہ پہلی بدترین شکست تھی جس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس شکست نے نادر شاہ کو پریشان کر دیا اور اس کا سر ندامت سے جھک گیا تھا۔

ان شکستوں کے بعد نادر شاہ استر آباد اور مازندان سے ہوتا ہوا شرواں کو جا رہا تھا کہ دو افغانوں نے اچانک اس پر حملہ کر دیا۔ اس حملے کے نتیجے میں نادر شاہ اور اس کا گھوڑا بھی زخمی ہوا جبکہ افغان بھاگ کر کہیں چھپ گئے اور نادر شاہ کی دسترس سے باہر ہو گئے۔

اب نادر شاہ کو شبہ ہوا کہ اس حملے میں اس کے ایک عزیز رضا قلی مرزا کا ہاتھ ہے۔ چنانچہ اس کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر کر اسے بصارت سے محروم کر دیا۔ نادر شاہ کے اس شبے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ جب دہلی میں یہ افواہ اڑی تھی کہ نادر شاہ مارا گیا ہے تو رضا قلی مرزا نے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ دہلی سے واپس آ کر وہ رضا قلی پر سخت برہم ہوا۔ اب اسے یہ خیال گزرا اور ممکن ہے اسی نے افغانوں کو اس پر حملہ آور ہونے پر مامور کیا ہو۔ بہر حال وہ بعد میں اپنے اس اقدام سے سخت نادم بھی ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ رضا قلی کی آنکھیں نکلواتے وقت جو لوگ موجود تھے ان سب کو نادر شاہ نے اس لئے مروا دیا کہ انہوں نے اسے اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کیوں نہ کی۔

ازبکوں کے ہاتھوں نادر شاہ کے شکست کھانے کی وجہ سے بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پہلی بغاوت شروان میں ہوئی جس میں ازبکوں نے باغیوں کا ساتھ دیا اور

Marfat.com

شروان میں جو نادر شاہ کا دو ہزار کا لشکر تھا ازبک اس پر حملہ آور ہوئے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ سن کر نادر شاہ غیض و غضب سے بھڑک اٹھا اور باغیوں کی سرکوبی کے لئے پچیس ہزار کا ایک لشکر لے کر شروان کی طرف گیا۔ وہاں اس نے خوب قتل عام کیا۔ لاشوں اور سروں کے مینار کھڑے کئے۔

نادر شاہ کے خلاف دوسری بغاوت شیراز میں ہوئی۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ساٹھ ہزار کا لشکر بھیجا گیا جس نے بغاوت فرو کر دی۔ یہاں بغاوت کرنے والوں کا سربراہ ایک شخص تقی تھا۔ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ نادر شاہ نے اس کی ایک آنکھ نکلوا دی اور اس کے تمام لواحقین کو قتل کرا دیا۔

تیسری بغاوت استر آباد میں ہوئی۔ اس بغاوت کی خبر سن کر نادر شاہ اس علاقے پر چڑھ دوڑا اور پورے صوبے کو برباد کر کے رکھ دیا۔

اب نادر شاہ نے بحری بیڑا بنانے کا ارادہ کیا۔ اتفاق سے ایک انگریز جس کا نام جان الٹان تھا وہ انہی دنوں تجارتی روابط پیدا کرنے کے لئے ایران آیا۔ وہیں مستقل قیام اختیار کر کے اس نے نادر شاہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ نادر شاہ نے بحری بیڑا بنانے کا کام اس کے سپرد کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ بحری بیڑے کے ذریعے ترکمان بحری قزاقوں پر قابو پایا جا سکے اور ازبکوں کے خلاف بحری بیڑے کے ذریعے رسد اور کمک پہنچائی جا سکے۔

کچھ یہ مقصد بھی تھا کہ بحرۂ خزر میں تجارت کی سہولت حاصل کر سکیں۔ جان الٹان نے جہاز بنانے کا تمام سامان فراہم کیا۔ آخر جہاز بنا کر بحرۂ خزر میں ڈال دیا لیکن نادر شاہ کو ان جہازوں سے کام لینا نصیب نہ ہوا۔ نادر شاہ نے چونکہ ان دنوں ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی جہاں کہیں بغاوت کے آثار نمودار ہوتے وہاں لاشوں کے ڈھیر اور سروں کے مینار کھڑے کر دیتا تھا اس کے باوجود بغاوتوں کا مواد پکتا رہا۔ سیستان میں بغاوت اور شورش اٹھی تو اسے فرو کرنے کے لئے نادر شاہ نے اپنے بھانجے علی قلی خاں کو بھیجا لیکن اس نے اہل سیستان کو ساتھ ملا کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ انہی دنوں کردوں نے بھی اپنی طاقت و قوت میں اضافہ کر کے نادر شاہ کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی۔ نادر شاہ کردوں کی بغاوت فرو کرنے کے لئے روانہ ہوا لیکن سات آٹھ میل کی مسافت طے کی ہو گی کہ اس کے قبیلے کے بعض افراد نے اس کے پڑاؤ میں داخل

Marfat.com

ہو کر اس موت کے گھاٹ اتار دیا۔

نادر شاہ کے قتل میں اس کا بھتیجا اور کچھ سالار شامل تھے۔ ان قاتلوں اور سازشیوں نے فیصلہ کیا کہ صبح تک نادر شاہ کے قتل کی خبر افشا نہ ہونے پائے اور لشکر کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو۔ ایرانی ایسا اس لئے چاہتے تھے کہ نادر شاہ کے لشکر میں جو ازبک، ترک اور افغان تھے وہ انہیں اس حادثے سے بالکل بے خبر رکھنا چاہتے تھے تاکہ بے خبری کی حالت ہی میں ان سے نمٹ کر اپنی حکمرانی کا اعلان کر دیں۔ لیکن ان ایرانیوں کی بدقسمتی کہ اسی اثناء میں نادر شاہ کی بیوی نے بڑی سرعت سے کام لیا اور ایک باندی کے ذریعے نادر شاہ کے مارے جانے کی خبر اس نے احمد شاہ ابدالی تک پہنچا دی۔

احمد شاہ، نادر شاہ کا بڑا مخلص تھا۔ اس کے پاس اس وقت چار ہزار ابدالیوں پر مشتمل ایک لشکر بھی تھا اور وہ بالکل چوکس بھی تھا۔

اب احمد شاہ ابدالی نے صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے آقا کے تحفظ اور سلامتی کے لئے ہر خطرہ مول لینے اور ہر قوت سے ٹکرا جانے کے لئے وہ پہلے ہی تیار تھا۔ پہلے پہل تو احمد شاہ کو یقین نہ آیا کہ واقعی نادر شاہ کو قتل کر دیا گیا ہے لیکن پھر بھی وہ بالکل تیار رہا۔ صبح ہوئی تو ابدالی لشکری ریلا کر کے نادر شاہ کے خیمے کے قریب پہنچے تاکہ اس کی لاش کو قبضہ میں کر لیں۔

دوسری طرف ایرانی بھی چوکس تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ نادر شاہ کے خیمے کی طرف آ رہا ہے تو انہوں نے احمد شاہ پر حملہ کر دیا لیکن احمد شاہ ابدالی نے اس زوردار انداز میں حملے کئے کہ ایرانیوں کو پیچھے دھکیلتا ہوا وہ نادر شاہ کے خیمے میں داخل ہو گیا۔

خیمے میں داخل ہونے کے بعد احمد شاہ نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ اس نے نادر شاہ کی انگلی سے شاہی انگشتری اتار لی۔ کوہِ نور ہیرا جو نادر شاہ ہندوستان سے لے گیا تھا اس پر بھی احمد شاہ نے قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد جو شاہانہ نشانات تھے سب احمد شاہ ابدالی کی گرفت میں چلے گئے تھے۔

دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے ایک شور وغل اور ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ ایرانی لشکری شاہی املاک اور جائیداد لوٹنے کی فکر میں لگ گئے۔ دوسرے قبائل باہمی جنگ

Marfat.com

میں مصروف ہو گئے۔ ہر کوئی لوٹ مار کر کے اپنی حالت بہتر بنانا چاہتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس حادثے کے تھوڑی ہی دیر بعد نہ کہیں شاہی خیمے کا نشان تھا نہ کہیں شاہی ہیرے و جواہرات اور دوسری املاک کا پتہ چلا۔ نادر شاہ کے ساتھ ہی یہ ساری چیزیں بھی غائب ہوگئیں۔

نادر شاہ کا کٹا ہوا سر محمد قلی خاں نے فوراً ہی اس کے بھتیجے علی قلی خاں کے پاس بھیج دیا اور مقتول کی خواہش کے مطابق اسے مشہد میں دفن کر دیا گیا۔ نادر شاہ کے مرنے کے بعد احمد شاہ بڑی تیزی سے حرکت میں آیا۔ کابل و قندھار اور دیگر علاقوں پر وہ قبضہ کرتا چلا گیا تھا۔ اس طرح اس نے افغانستان میں افغانوں کی ایک آزاد مملکت قائم کر لی تھی اور خود وہ اس مملکت کا پہلا حکمران ہوا تھا۔

❋ ...... ❋

Marfat.com

●●●

محمد شاہ رنگیلا اپنے قصر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا چوبدار اندر آیا اور اسے تعظیم دی، پھر کہنے لگا۔ ''مالک! لاہور سے ایک قاصد آیا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔''

محمد شاہ نے اس موقع پر اپنی نشست میں پہلو بدلا اور اپنے چوبدار کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''اسے اندر لاؤ۔''

تھوڑی ہی دیر بعد چوبدار لاہور سے آنے والے قاصد کو جب اندر لے کر آیا تو قاصد نے محمد شاہ کو تعظیم دی پھر قصر کے اس کمرے میں محمد شاہ کی آواز گونجی تھی۔

''تم لاہور سے ہمارے لئے کیا پیغام لے کر آئے ہو؟ کیا لاہور کے حاکم ذکریا خان نے تمہیں کوئی اچھی خبر دے کر ہماری طرف روانہ کیا ہے؟''

آنے والا قاصد سنجیدہ اور اداس تھا۔ محمد شاہ کے خاموش ہونے پر قصر میں اس کی آواز گونجی تھی۔

''مالک! لاہور میں آپ کا حاکم ذکریا خان وفات پا چکا ہے۔ اور میں آپ سے یہی خبر کہنے کے لئے آیا ہوں۔''

یہ خبر سن کر دکھ اور افسوس کے باعث محمد شاہ کی گردن جھک گئی تھی۔ اس لئے کہ ذکریا خان بڑا بہادر اور جفاکش انسان تھا اور وہ مغل سلطنت کے لئے مختلف حملوں کو روکتا بھی رہا تھا۔ اس نے نادر شاہ کے حملے کو بھی روکنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ دہلی سے اسے کوئی مدد نہ ملی تھی اور وہ نادر شاہ کی صورت میں تباہی کے ریلے کو روک نہ سکا۔

محمد شاہ کچھ دیر اسی طرح گردن جھکائے بیٹھا رہا پھر دکھ بھرے انداز میں چوبدار کو

Marfat.com

مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''قاصد کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اس کے قیام اور طعام کا عمدہ بندوبست کرو۔ ساتھ ہی نظام الملک کو بلا کر میرے پاس لاؤ۔''

چوبدار اس قاصد کو لے کر قصر کے اس کمرے سے نکل گیا تھا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد محمد شاہ کی گردن پھر جھک گئی تھی۔ افسردہ سے انداز میں گہری سوچوں میں کھو گیا تھا۔ لاہور کا حاکم ذکریا خان اس کے وزیر نظام الملک کا قریبی رشتہ دار تھا۔ ذکریا خان کی بیوی نظام الملک کی بہن تھی جبکہ ذکریا خان کے بڑے بیٹے یحیٰی کی بیوی نظام الملک کی بیٹی تھی۔ لاہور کے حاکموں میں ذکریا خان بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ وہ ایک بہترین منتظم اور سپہ سالار تھا۔ نظام الملک کی بہن کے علاوہ اس کی ایک اور بیوی بھی تھی۔ اس کی دوسری بیوی کا نام کلو بائی تھا۔ یہ کلو بائی اپنے عہد کی ایک انتہائی خوبصورت و پُر جمال اور پُرکشش اور مشہور و معروف طوائف تھی۔ ذکریا خان اس سے اتنا متاثر اور اس کا اتنا گرویدہ ہوا کہ کلو بائی سے اس نے شادی کر لی تھی۔ ذکریا خان کی پہلی بیوی کا نام بیگم جان تھا جو نظام الملک کی بہن تھی۔ یہ وہی بیگم جان تھی جس نے لاہور میں محلہ بیگم پورہ آباد کیا تھا۔

کلو بائی سے شادی کرنے کے بعد ذکریا خان کلو بائی کو اب اپنی بیوی بیگم جان کے ساتھ تو نہیں رکھ سکتا تھا اس لئے کہ وہ ایک طوائف تھی لہٰذا اس کی رہائش کے لئے اس نے علیحدہ بندوبست کیا۔ اس کی رہائش کے لئے ذکریا خان نے یکی دروازے کا انتخاب کیا۔ وہاں اس نے کلو بائی کے لئے ایک شاندار عمارت جو محل نما تھی، بنوائی۔ کلو بائی سے شادی کرنے کے بعد کچھ عرصہ تک ذکریا خان سلطنت کے امور اور دربار تک کلو بائی کے اس محل ہی میں لگایا کرتا تھا۔ ذکریا خان کے مرنے کے بعد پہلے تو یہ حویلی ذکریا خان کے وارثوں کے حصے میں آئی اس کے بعد ذکریا خان کے وارثوں میں سے ایک شخص غازی خان نے اس حویلی کو فروخت کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ حویلی جو ذکریا خان نے بڑی محنت اور بڑے شوق سے تعمیر کروائی تھی اور جس پر اس وقت لاکھوں کی رقم خرچ ہوئی تھی، کوئی خریدنے تک کے لئے تیار نہ تھا

ایسا اس لئے ہوا تھا کہ سکھوں کا دور آ گیا تھا اور سکھوں نے ہر طرف بھگدڑ اور قتل و غارت گری شروع کر رکھی تھی۔ آخر اتنی بڑی حویلی صرف سو روپے میں فروخت ہوئی

Marfat.com

اور جس نے سو روپے میں اس حویلی کو خریدا اس بیچارے کو بھی اس حویلی میں رہنا نصیب نہ ہوا اس لئے کہ رنجیت سنگھ نے یہ حویلی بحق سرکار ضبط کر لی تھی۔ رنجیت سنگھ نے یہ حویلی اپنے ایک عزیز فتح سنگھ کے حوالے کر دی۔ بعد میں حویلی کے نگرانوں کی غفلت کی وجہ سے حویلی میں آگ لگ گئی اور یہ تباہ و برباد ہو گئی۔

بہر حال محمد شاہ اسی طرح گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ کمرے کے دروازے پر نظام الملک نمودار ہوا، اپنی جگہ سے اٹھ کر محمد شاہ نے اس کا شاندار استقبال کیا، اپنے پہلو میں بیٹھنے کے لئے کہا اور پھر لاہور سے آنے والے قاصد نے جو خبر دی تھی اس کی تفصیل اس سے کہہ دی تھی۔

ذکریا خان کے مرنے کا سن کر نظام الملک اُداس اور افسردہ ہو گیا تھا۔ دکھ اور غم کے باعث اس کی گردن جھک گئی تھی۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی، اس کے ساتھ محمد شاہ کی گردن بھی جھکی رہی۔ پھر محمد شاہ نے نظام الملک کو مخاطب کیا۔

"نظام الملک! اب کہو کیا کرنا ہے؟"

نظام الملک کی دکھ بھری آواز اس موقع پر سنائی دی۔

"بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ ذکریا خان کے دو بیٹوں نے لاہور سے دہلی آ کر میرے ہاں ہی قیام کیا ہوا ہے۔ تاہم تیسرا اور چھوٹا بیٹا لاہور ہی میں ہے لیکن وہ ایک گوشہ گیر شخص ہے۔ سلطنت کے امور کی طرف دھیان دینا تو بہت دور کی بات وہ تو اپنے گھریلو معاملات میں بھی توجہ مرکوز کرنے کا روادار نہیں ہے۔"

نظام الملک جب خاموش ہوا تب محمد شاہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"سب سے پہلے تو مجھے ذکریا خان کے مرنے کا بے حد دکھ اور افسوس ہے۔ اس لئے کہ وہ لاہور کا کامیاب ترین حاکم ثابت ہوا تھا۔ اب اس کے بیٹے کیسے ہیں، میں نہیں جانتا نہ میری کبھی ان سے ملاقات ہوئی ہے۔ ذکریا خان کے تین بیٹے ہیں۔ چھوٹا تو لاہور ہی میں ہے بڑے میرے پاس ہی قیام کئے ہوئے ہیں اور وہ چند روز پہلے ہی لاہور سے یہاں پہنچے ہیں۔ سب سے بڑے بیٹے کا نام یحیٰی خان ہے اور اس سے چھوٹے کا نام شاہ نواز خان۔ آپ جانتے ہیں یہ دونوں میرے بھانجے بھی ہیں اور ساتھ ہی بڑے بیٹے یحیٰی خان کے ہاں میری بیٹی بھی ہے۔ اب میں آپ کے پاس سے واپس جا کر انہیں ان کے باپ کے مرنے کی اطلاع کرتا ہوں۔ کیا آپ لاہور کے

Marfat.com

لئے کسی نئے والی کا تعین کر چکے ہیں؟'' بڑے غور سے نظام الملک نے محمد شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

محمد شاہ نے جواب میں پہلے نفی میں گردن ہلائی پھر اس کی آواز سنائی دی۔

''نظام الملک! تمہارے مشورے کے بغیر میں اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ نادر شاہ کے حملے کے بعد سلطنت کے حالات ابتر ہوتے جا رہے ہیں اور ان حالات میں، میں تمہارے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ میں تمہارا ممنون بھی ہوں کہ تم نے بہت سے بگڑتے ہوئے حالات کو سنوارا ہے۔ چوبدار کو تمہیں بلانے کے لئے بھیجنے کے بعد میں نے جو لاہور سے متعلق سوچا ہے وہ یہ کہ میں اپنی طرف سے تمہیں پورے پنجاب کا حاکم مقرر کرتا ہوں۔ تم اپنی طرف سے جسے چاہو وہاں حاکم مقرر کر دو اور تم یہاں دہلی میں رہتے ہوئے ان کی راہنمائی کر سکتے ہو۔ ہاں! اس موقع پر میں یہ مشورہ تمہیں ضرور دے سکتا ہوں کہ ذکریا خان کے بڑے بیٹے یحیٰی کو لاہور کا حاکم مقرر کر دو اور اس سے چھوٹے کو ملتان کا حاکم مقرر کر دو۔ تیسرا بیٹا جس کو تم کہتے ہو کہ وہ گوشہ گیر ہے اسے گوشہ گیر ہی رہنے دو۔ ان دونوں بھائیوں کو سمجھا دو کہ آپس میں اتفاق اور تعاون کے ساتھ پنجاب کے امور کو بالکل اسی طرح چلاتے رہیں جس طرح دیانت داری و شجاعت اور جانثاری سے ان کا باپ ذکریا خان چلا رہا تھا۔''

محمد شاہ کے خاموش ہونے پر نظام الملک کچھ دیر خاموش رہ کر سوچتا رہا پھر اس نے محمد شاہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''جو فیصلہ آپ کر رہے ہیں اگر میں انہیں اس فیصلے سے آگاہ کروں گا تو وہ یہ خیال کریں گے کہ یہ میرا فیصلہ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ان دونوں کو یہاں بلاتے ہیں اور آپ خود انہیں پوری صورتِ حال سے آگاہ کریں۔''

نظام الملک! میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔ ساتھ ہی میں اس موقع پر ان سے یہ بھی کہوں گا کہ سب سے پہلے ذکریا خان کی ذاتی املاک کو بحق سرکار ضبط کرو۔ اس لئے کہ تم جانتے ہو کہ مغلیہ سلطنت کا یہ ہمیشہ طریقہ رہا ہے کہ جس صوبہ کا بھی صوبے دار فوت ہوتا رہا ہے اس کی جائیداد سلطنت کے حق میں ضبط ہوتی رہی ہے۔ ذکریا خان کے سلسلے میں بھی یہی کرو کہ ساری جائیداد سلطنت کے حق میں ضبط

Marfat.com

کرنے کے احکامات جاری کرو۔ پر رکو! پہلے ذکریا خان کے دونوں بیٹوں کو بلاتے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی ایک بار پھر چوبدار کو آواز دے کر محمد شاہ نے بلایا۔ چوبدار اندر آیا تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے تحکمانہ انداز میں محمد شاہ بول اٹھا۔

"لاہور کے حاکم ذکریا خان کے دو بیٹوں یحییٰ خان اور شاہنواز نے محترم نظام الملک کے ہاں قیام کر رکھا ہے۔ ان دونوں کو بلا کر میرے پاس لاؤ۔"

چوبدار وہاں سے ہٹ کر چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لاہور کے مرحوم حاکم ذکریا خان کے دونوں بیٹے یحییٰ خان اور شاہنواز قصر کے اس کمرے میں داخل ہوئے۔ دونوں نے محمد شاہ کو تعظیم دی پھر جب محمد شاہ نے نشستوں کی طرف اشارہ کیا تب وہ وہاں بیٹھ گئے۔ سب سے پہلے محمد شاہ نے ان دونوں کو ان کے باپ کے مرنے کی اطلاع دی۔ اس پر دونوں اداس اور افسردہ ہو گئے تھے۔

کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی۔ پھر محمد شاہ نے اس خاموشی کو توڑا اور دونوں بھائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں تم دونوں کے باپ کے غم اور دکھ میں برابر کا شریک ہوں۔ تمہاری آمد سے پہلے تمہارے ماموں نظام الملک کو میں ذکریا خان کے مرنے کی اطلاع دے چکا ہوں اور اس سے متعلق فیصلہ بھی کر چکا ہوں کہ سلطنت کے قانون کے مطابق ذکریا خان کی ساری جائیداد سلطنت کے حق میں ضبط کر لی گئی ہے۔ پنجاب کی حاکمیت کے متعلق میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ بھی سنو۔ پنجاب کا حاکم اعلیٰ میری طرف سے تم دونوں کا ماموں نظام الملک ہو گا۔ اب نظام الملک اپنی طرف سے یحییٰ خان کو لاہور کا اور شاہنواز کو ملتان کا حاکم مقرر کرتا ہے۔ اس موقع پر میں تم دونوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے اپنے علاقوں کی بہترین خدمت کرنا بالکل اسی طرح جس طرح تمہارا باپ ذکریا خان پورے پنجاب کا تحفظ کرنے کے ساتھ ساتھ بہترین انداز میں انتظامی امور کو چلاتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں تم دونوں میں سے کسی کو کوئی شک ہو تو کہے۔ اور جب تم نظام الملک کے ہاں سے قیام کرنے کے بعد واپسی کا سفر شروع کرو تو کوچ کرنے سے پہلے نظام الملک کے ساتھ مجھ سے مل کر جانا۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

اس کے ساتھ ہی یحییٰ اور شاہنواز اٹھ کر چلے گئے تھے جبکہ محمد شاہ نظام الملک کے

Marfat.com

ساتھ پنجاب کے امور پر گفتگو کرنے لگا تھا۔

❁

نظام الملک اُداس اور افسردہ تھا۔ اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ جب وہ دیوان خانے کے دروازے پر آیا تو اس نے دیکھا کہ یحییٰ اور شاہنواز کے علاوہ نظام الملک کے سارے اہل خانہ اور پھر فیروز مرزا، مہر النساء، قرہ خاتون، تقدیس خانم، عباد الدین، گوہر آراء، شرف الدین، ماہ الملک، قاورد خان، اروما، شہاب الدین، پاربتی سب اُداس اور افسردہ بیٹھے ہوئے تھے۔

اس وقت مہر النساء کے قریب یحییٰ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنی نشست سے اٹھ کر دوسری جگہ پر بیٹھ گیا۔ جو نشست اس نے خالی کی تھی وہاں نظام الملک ہو بیٹھا تھا۔ اس موقع پر مہر النساء نے نظام الملک کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا پھر دکھ بھرے انداز میں کہنے لگی۔

''نظام الملک میرے بیٹے! ذکریا خان کے مرنے کا بے حد دُکھ اور افسوس ہے۔ تمہاری آمد سے پہلے یحییٰ اور شاہنواز سے اسی موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ذکریا کے مرنے کے بعد ساری جائیداد سلطنت کے حق میں ضبط ہو جائے گی۔ جبکہ محمد شاہ نے پورے پنجاب کا حاکم اعلیٰ تمہیں مقرر کیا ہے اور تمہاری طرف سے لاہور کا حاکم یحییٰ کو اور شاہنواز کو ملتان کا حام مقرر کر دیا ہے۔ بچے! کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ ذکریا خان کی ساری جائیداد اس کے تینوں بیٹوں کو ورثے میں ملے۔''

مہر النساء کے خاموش ہو جانے پر لمحہ بھر کے لئے تکلیف دہ انداز میں نظام الملک نے اس کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔

''چچی! ایسا ممکن نہیں ہے۔ مغلیہ سلطنت میں شروع سے ہی یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جس علاقے اور صوبے کا حاکم بھی وفات پاتا رہا ہے اس کی ذاتی جائیداد اور اس کا سارا اثاثہ حکومت کی ملکیت قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس بناء پر ذکریا خان کے متعلق بھی وہی مغلیہ سلطنت کا پرانا اور قدیم اصول اپنایا گیا ہے اور اس سلسلے میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نظام الملک رک گیا، کچھ دیر خاموش رہ کر سوچتا رہا پھر اپنے سامنے بیٹھے اپنے بڑے بھانجے یحییٰ خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''یحییٰ خان! محمد شاہ نے تجھے لاہور کا حاکم و ناظم نامزد کیا ہے۔ دو وجوہات کی بناء

Marfat.com

پر میں تم سے کچھ کہنے لگا ہوں۔ پہلی وجہ یہ کہ تم پنجاب کے مرکزی شہر لاہور کے حاکم ہی مقرر ہوئے ہو۔ دوسری وجہ یہ کہ تم دہلی کی نسبت ملتان سے قریب ہو۔ اس بناء پر جو کچھ میں کہنے لگا ہوں وہ غور سے سننا۔ یہاں سے جانے کے بعد چند ماہ لاہور میں قیام کرنا۔ لاہور کے نظم ونسق کو اپنے باپ ذکریا خان کے اصولوں پر چلانا۔ لوگوں کے ساتھ نیکی اور خیر خواہی سے پیش آنا، کسی کی دل آزاری نہ کرنا اور ہمیشہ بادشاہ کا جانثار اور وفادار رہنے کی کوشش کرنا۔ چند ماہ کا وقفہ ڈال کر تم دہلی آنا، محمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہونا، اسے کچھ تحائف بھی پیش کرنا، ساتھ ہی اس سے اپنے باپ کی ساری جائیداد اور اس کی ملکیت واگزار کرنے کی التماس بھی کرنا۔ مجھے امید ہے اگر تم ایسا کرو گے تو محمد شاہ ذکریا خان کی ساری جائیداد اور اس کی ساری دولت تمہیں واپس کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے تم دونوں بھائیوں پر لازم یہ ہے کہ تم دونوں بھائی لاہور اور ملتان کے حاکموں کی حیثیت سے اپنی کارگزاری، اپنی وفاداری سے محمد شاہ کو مطمئن کر سکو۔''

کچھ دیر خاموش رہ کر نظام الملک نے کچھ سوچا پھر دوبارہ یحییٰ اور شاہنواز کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''اب تم دونوں مجھے یہ بتاؤ کہ تم کب تک یہاں سے کوچ کرنا چاہتے ہو؟''

اس موقع پر یحییٰ نے اپنے چھوٹے بھائی شاہنواز کی طرف دیکھا۔ دونوں بھائیوں میں کچھ فیصلہ ہوا پھر یحییٰ، نظام الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ماموں! ہم دونوں بھائی آج ہی یہاں سے لاہور کے لئے کوچ کریں گے۔ قاصد کی آمد سے پہلے ہم سب نے مل کر ایک فیصلہ کیا تھا اور مجھے امید ہے کہ آپ اس فیصلے پر ہمیں عمل درآمد کرنے کی اجازت دے دیں گے۔''

''کیسا فیصلہ؟'' نظام الملک نے یحییٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''ماموں! آپ کی آمد سے پہلے ہم سب کے درمیان یہ فیصلہ ہوا کہ یہاں سے رخصت ہوتے وقت ہم میر منوں، مغلانی بیگم، شہاب الدین، پاربتی، شرف الدین، ماہ الملک، عباد الدین، گوہر آراء، قادر خان اور اروما کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ یہ سب چند روز تک ہمارے پاس لاہور میں قیام کریں گے۔ پھر جب یہ واپس آنا چاہیں گے تو انہیں دہلی روانہ کر دیا جائے گا۔

Marfat.com

ماموں! میری التماس پر دادی مہر النساء کے علاوہ تقدیس خانم، قرہ خاتون، چچا فیروز مرزا نے بھی ان سب کو جانے کی اجازت دے دی ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ غازی الملک بھی ہمارے ساتھ چلے لیکن دادی مہر النساء نے کہا کہ کم از کم غازی الملک کو ان کے پاس ہی رہنا چاہئے۔''

اس موقع پر نظام الملک نے مہر النساء کی طرف دیکھا، کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی مہر النساء بول اٹھی۔

''نظام الملک میرے بیٹے! میں نے واقعی یحییٰ سے وعدہ کیا ہے لہٰذا میں تم سے کہوں گی کہ بچوں کو جانے دو۔ چند روز لاہور میں رہ کر شہر دیکھ لیں گے پھر لوٹ آئیں گے۔ میں جانتی ہوں ان کے جانے کے بعد ہمارے پاس رونق ختم ہو جائے گی لیکن ان سارے بچوں کا بھی اصرار ہے کہ وہ یحییٰ اور شاہنواز کے ساتھ لاہور جانا چاہتے ہیں۔''

مہر النساء کے ان الفاظ پر مسکراتے ہوئے نظام الملک مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر یحییٰ خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''چچی نے چونکہ ان سارے بچوں کو جانے کی اجازت دے دی ہے۔ اس لئے میں انہیں روک نہیں سکتا۔ پر یحییٰ! میں تم سے یہ کہوں گا کہ تم ہماری ساری رونق سمیٹ کر لے جا رہے ہو اور اس موقع پر میں یہ بھی کہوں گا کہ یہ بچے ایک ماہ سے زیادہ لاہور میں قیام نہیں کریں گے۔ ایک ماہ قیام کرنے کے بعد واپس آ جائیں گے اگر یہ شرط منظور ہے تو انہیں ساتھ لے جاؤ ورنہ پھر......''

جواب میں یحییٰ فوراً بول اٹھا۔

''ماموں! آپ بے فکر رہیں۔ میں ایک ماہ کے بعد انہیں واپس بھیج دوں گا۔ بالکل مطمئن رہیں۔''

نظام الملک نے پھر کچھ سوچا اور دونوں بھائیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''دونوں بھائی آپس میں اتفاق رکھنا شاہنواز! تمہارے متعلق میں یہ کہوں گا کہ تم لاہور جانے کے بعد دو دن سے زیادہ وہاں قیام مت کرنا۔ اس کے بعد تم ملتان کی طرف روانہ ہو جانا۔ محمد شاہ کافی تیز رفتار قاصد لاہور اور ملتان کی طرف بھجوائے گا اور تم دونوں بھائیوں کے تقرر کے احکامات دونوں شہروں کو روانہ کر دے گا۔ اس بناء پر تم جلد از جلد ملتان پہنچ کر سارے انتظام کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرنا۔ اگر تم دونوں

Marfat.com

بھائیوں نے آج ہی یہاں سے روانہ ہونا ہے تو اٹھو سب تیاری کرو۔''
اس کے ساتھ ہی سب اپنی نشستوں پر اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور کوچ کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ اور پھر اسی روز شام کے قریب یحییٰ اور شاہنواز دونوں بھائی، میر منوں، عباد الدین، شرف الدین، قاورد خان اور شہاب الدین اور ان کی بیویاں دہلی سے لاہور کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

٭

لاہور پہنچ کر شاہنواز تو دو دن بعد ملتان کی طرف روانہ ہو گیا جبکہ دہلی سے آنے والے سارے افراد نے یحییٰ خان کے ساتھ بیگم پورہ میں قیام کیا تھا جہاں یحییٰ خان اور شاہنواز کی ماں اور نظام الملک کی بہن بیگم جان نے عالی شان حویلیاں تعمیر کی تھیں۔
پانچ چھ روز تک لاہور میں قیام کرنے کے بعد ایک روز شہاب الدین اور پاربتی دونوں اپنی خواب گاہ میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے کہ پاربتی بڑے پیارے انداز میں شہاب الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔
''ہم دہلی سے لاہور آ کر کب تک یونہی چپ چاپ پڑے رہیں گے اور اس حویلی کے اندر بند رہیں گے۔ اگر اسی طرح رہنا تھا تو اس سے بہتر تھا کہ ہم دہلی میں رہتے۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ یحییٰ بھائی سے کہیں کہ وہ ہمارے لئے کسی بگھی اور راہنما کا بندوبست کر دیں جو ہمیں پورے شہر میں گھمائے اور یہاں کی جو مشہور و معروف دیکھنے کے لائق جگہیں ہیں وہ ہمیں دکھائے اور ان کی تفصیل بھی بتائے۔''
پاربتی کے ان الفاظ پر شہاب الدین خوش ہو گیا تھا۔ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا، اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، پاربتی نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا۔ شہاب الدین نے اسے کھینچ کر اٹھایا پھر کہنے لگا۔
''پاربتی! تم نے میرے دل کی بات کی ہے۔ آؤ! میرے خیال میں اس وقت سب لوگ میر منوں اور مغلانی بیگم کی خوابگاہ میں ہیں۔ وہیں اس موضوع پر بات کرتے ہیں۔''
شہاب الدین کے ان الفاظ پر پاربتی بھی خوش ہو گئی تھی۔ پھر دونوں بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی خواب گاہ سے نکلے تھے۔ جب وہ میر منوں اور مغلانی بیگم کی خوابگاہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا وہاں واقعی سب لوگ بیٹھے کسی موضوع پر

Marfat.com

گفتگو کر رہے تھے۔ اس موقع پر میر منوں نے شہاب الدین کی طرف دیکھا پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''شہاب الدین! تم دونوں میاں بیوی کی کمی تھی اور میں ابھی تم دونوں کو بلانے ہی والا تھا۔ اس لئے کہ ہم اب ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کر رہے تھے اور اس گفتگو میں تم دونوں میاں بیوی کی شرکت بڑی لازمی ہے۔''

اس موقع پر پاربتی اور شہاب الدین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور شہاب الدین نے میر منوں کو مخاطب کیا۔

''پہلے یہ بتائیں کہ گفتگو کس موضوع پر ہو رہی تھی؟''

میر منوں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی مغلانی بیگم بول اٹھی۔

''شہاب الدین میرے بھائی! میں سمجھتی ہوں کہ ہم سب لوگ حویلی کے اندر پڑے پڑے تنگ آ چکے ہیں۔ میں نے آج تمہارے بھائی میر منوں سے کہا کہ یحییٰ سے کہیں کہ ہم سب کے لئے کسی سواری کا بندوبست کرے اور ہمیں شہر کے مختلف مقامات دکھائے......''

یہاں تک کہتے کہتے مغلانی بیگم کو رک جانا پڑا اس لئے کہ پاربتی بھاگتے ہوئے آگے بڑھی، مغلانی بیگم سے بغل گیر ہوگئی پھر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ''آپی! قسم اللہ پاک کی آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی ہے۔ اپنی خوابگاہ میں، میں بھی شہاب الدین سے اسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھی اور اب ہم دونوں میاں بیوی اسی موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔ اچھا ہوا آپ نے پہلے ہی اس موضوع کو چھیڑا ہوا ہے۔''

یہاں تک کہتے کہتے پاربتی کو رک جانا پڑا اس لئے کہ اسی لمحہ کمرے کے دروازے پر یحییٰ نمودار ہوا تھا اور مسکراتے ہوئے سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''تم سب لوگ ایک ہی کمرے میں جمع ہو۔ لگتا ہے کوئی سازش تیار کی جا رہی ہے۔''

اس پر میر منوں، یحییٰ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یحییٰ میرے بھائی! سازش تو واقعی تیار ہو رہی ہے۔ سب لوگ حویلی کے اندر پڑے پڑے تنگ آ چکے ہیں اور سب کی خواہش یہ ہے کہ آپ سواریوں کا بندوبست کریں اور کچھ راہبر بھی ہمارے ساتھ کر دیں جو ہمیں لاہور کے مختلف مقامات دکھائیں

Marfat.com

اور ان سے متعلق تھوڑی بہت تفصیل بھی ہمیں بتائیں۔"

یحییٰ خان مسکرایا پھر میر منوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"منوں میرے بھائی! یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ آج تو شام ہونے والی ہے، صبر کریں، کل صبح ہی صبح آپ لوگوں کے لئے عمدہ قسم کی بگھیوں کے علاوہ راہبر بھی مہیا کر دیئے جائیں گے جو آپ کو شہر کے مختلف حصے دکھائیں گے اور ان کی تفصیل بھی بتاائیں گے۔ اب تم سب لوگ اٹھو اس لئے کہ تھوڑی دیر تک نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ سب مل کر نماز پڑھیں گے اس کے بعد کھانا کھائیں گے۔"

سب نے یحییٰ کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا پھر اس کمرے سے نکل کر سب یحییٰ کے ساتھ ہو لئے تھے۔

✻

اگلے روز یحییٰ نے دونئی اور بہترین بگھیوں کا انتظام کیا، کچھ راہبر بھی ان کے ساتھ کر دیئے تھے جن کے ذمے اس نے سب کو لاہور کے اہم مقامات دکھانے کے احکامات جاری کر دیئے تھے۔ اس طرح سب بگھیوں میں بیٹھ کر اپنی رہائش گاہ سے نکلے۔

ایک راہبر نے اس موقع پر میر منوں کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔ "آپ اس شہر کے عجائبات دیکھنے کے لئے کہاں سے سفر شروع کرنا پسند کریں گے؟"

میر منوں نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

"پہلے یہ کہو کہ سب سے اہم مقامات کیا ہیں؟ اور میں وہیں سے شروع کرنا پسند کروں گا۔"

راہبر مسکرایا اور کہنے لگا۔

"سب سے اہم مقامات یہاں کا قلعہ اور شاہی مسجد ہیں۔"

میر منوں مسکرایا اور کہنے لگا۔

"تو پھر دیر کا ہے کی؟ چلو، پہلے ان دونوں مقامات کی طرف چلو۔ اس کے بعد تم اپنی صوابدید پر جن اہم مقامات کی طرف ہمیں لے کر جاؤ گے ہم دیکھتے چلے جائیں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان سب کی تفصیل بھی ہمیں اجمالی انداز میں بتاتے رہو گے۔"

راہبر اس پر متفق ہو گیا۔ پھر اس نے بگھی کے سائیسوں کو کچھ سمجھایا اس پر انہوں

Marfat.com

نے دونوں بگھیوں کا رخ ایک سمت کر دیا تھا۔

پہلے وہ قلعے کی طرف گئے۔ لاہور شہر چونکہ رام چندر کے بیٹے لُو نے آباد کیا تھا لہٰذا مؤرخین اور محققین کا خیال ہے کہ قلعہ بھی اسی نے تعمیر کرایا ہوگا اس لئے کہ شاہی قلعے کے تہہ خانے میں ایک چھوٹا سا مندر ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ یہ مندر رام چندر کے بیٹے لُو نے ہی بنوایا تھا۔ اس کے بعد جب ایاز لاہور کا حاکم مقرر ہوا تو اس نے قلعے کو ازسرِ نو تعمیر کرایا لیکن بدقسمتی سے منگول جب لاہور پر حملہ آور ہوئے تو ان کی شکست و ریخت سے یہ قلعہ بری طرح متاثر ہوا یہاں تک کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے اسے ازسر نو تعمیر کرایا لیکن حالات کی ستم ظریفی، منگولوں کی طرح ایک بار پھر یہ قلعہ تیمور لنگ کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوا۔ آخر مبارک شاہ نے قلعے کی پھر درستگی کی لیکن حالات کی ستم ظریفی کہ شیخا کھکھو کی یلغار کی وجہ سے یہ قلعہ پھر منہدم ہو گیا۔ آخر ہمایوں کے بیٹے شہنشاہ اکبر کے دور میں قلعے کو ازسرِ نو تعمیر کرایا گیا اور قلعے کے اندر شاہی محل اور دیگر بہت سی عمارتیں تعمیر کرائی گئیں۔ بعد کے دور میں جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے اپنے دور میں محلات کے علاوہ نشست گاہیں، باغات، خواب گاہیں، شاہ برج، حمام، نولکھا، شیش محل، دیوانِ عام و موتی مسجد اور قلعے کے عالیشان دروازے بھی تعمیر کروائے۔

اس سے قلعے سے متعلق تفصیل جاننے کے بعد سب قلعے سے نکلے، کچھ دیر دریائے راوی کے کنارے کھڑے رہے اس لئے کہ ان دنوں دریائے راوی قلعے اور شاہی مسجد کے پہلو میں رواں دواں رہتا تھا۔

اس کے بعد سب مسجد میں داخل ہوئے۔ راہبر نے مسجد کی تفصیل بتانا شروع کی۔ ”یہ مسجد قلعے کے عالمگیری دروازے کے عین مقابل قدیم اور پرانے شہر کے مغرب کی جانب ہے۔ اس مسجد کو مغل عہد کا ایک شاہکار اور تعمیر کا انمول نمونہ کہا جاتا ہے۔ اسے دنیا کی سب سے بڑی اور عظیم مسجد ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ اس میں بہ یک وقت 70 ہزار افراد با جماعت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اسے اورنگ زیب عالمگیر نے سنگ سرخ سے تعمیر کرایا تھا۔“

شاہی مسجد کے بعد مختصر سے اس قافلے نے رنگ محل کا رخ کیا۔ یہ ایک شاندار محل تھا جسے شاہجہان کے وزیر نے موجودہ رنگ محل میں تعمیر کیا تھا۔ یہ وزیر چنیوٹ کا رہنے

Marfat.com

والا تھا۔ اس کا نام سعد اللہ خان تھا۔ یہ حویلی اتنی بڑی تھی کہ اس سے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس حویلی کے مکینوں کی پانی کی ضرورت پورا کرنے کی خاطر دس کنوؤں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس محل کے تین حصے تھے۔ ایک مردانہ، دوسرا زنانہ اور تیسرا خدام اور کاریگروں کے لئے تھا۔ تیسرے حصے میں دھوبی خانہ، اناج پیسنے کے لئے خراس، بارچی خانہ، درزی خانہ، برتن قلعی کرنے کے لئے قلعی گروں کا خانہ، ان جیسے لوگوں کی رہائش گاہیں بھی تھیں۔ آخر سکھوں کے دور میں اس محل کی شان و شوکت ختم ہوگئی۔

رنگ محل سے نکل کر دہلی کے اس خوبصورت قافلے نے پری محل کا رخ کیا تھا۔ یہ محل بھی شاہ عالمی دروازے کے قریب پاپڑ منڈی میں تھا۔ یہ محل اپنی شہہ نشینوں، ڈیوڑھیوں، بالا خانوں اور طلائی کام کی آراستگی کے لئے بڑا مشہور تھا۔ اس کی زیبائش ایسی عمدگی سے کی گئی تھی کہ یہ محل چاندنی راتوں میں لاہور شہر کے اندر کھڑی کسی پری کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ اس بناء پر اس کا نام ہی پری محل مشہور ہو گیا۔ پنجاب میں جب سکھوں کا بدترین دور آیا تو یہ پری محل بھی سکھ گردی کا شکار ہوا۔ پہلے سکھوں نے اس محل کے اندر سے قیمتی سامان جس میں فانوس، قالین اور دوسرا انتہائی قیمتی اور آرائشی سامان تھا وہ چوری کر لیا پھر رنجیت سنگھ نے طوفانِ بدتمیزی کی انتہا کر دی اور پری محل کو اس نے گولہ بارود کے گودام میں تبدیل کر دیا۔ انگریزوں کا دور آیا تو انہوں نے اسے فروخت کر دیا۔ جس کسی نے لیا تھا اس نے اس محل کی اینٹیں حاصل کرنے کے لئے اسے گرا مارا۔ تاہم جس جگہ پری محل تھا وہاں چھوٹی سی اب بھی ایک مسجد موجود ہے۔

پری محل سے نکل کر انہوں نے شاہ عالمی دروازے کا رخ کیا تھا۔ یہاں وہ ایک مندر کے قریب رکے اور اسے دیکھنے لگے تھے۔ یہ جوگی مندر تھا جو بانساں والے بازار کے بالکل بالمقابل اور شاہ عالمی دروازے سے ذرا باہر تھا۔ کہتے ہیں اس مندر کو ملتان کے رہائشی ایک شخص گوردھاری لعل نے مغل شہنشاہ اکبر کے دور میں تعمیر کرایا تھا۔ گوردھاری لعل نے سنت سادھوؤں کی صحبت میں رہتے ہوئے ان جیسا حلیہ اختیار کر لیا تھا اور ایک طرح سے جوگ سادھ لیا تھا۔ لہٰذا اسی کے نام پر یہ جوگی مندر کہلایا۔

جوگی مندر سے نکلنے کے بعد انہوں نے قریب ہی سیتلا مندر کا رخ کیا۔ اس مندر کی عمارت آج بھی موجود ہے اور یہ اس جگہ موجود ہے جہاں اخبار مارکیٹ کے قریب

Marfat.com

ہسپتال روڈ سرکلر روڈ سے آ کر ملتی ہے۔

سیتلا مندر سے وہ پھر پلٹے، شاہ عالم دروازے سے شہر میں داخل ہوئے اور دہلی دروازے کا رخ کیا۔ وہاں وہ مسجد وزیر خان دیکھنے گئے۔ یہ مسجد چنیوٹ شہر کے رہنے والے ایک معزز شخص حکیم علیم الدین نے تعمیر کروائی جنہیں نواب وزیر خان کہا جاتا تھا۔ یہ اپنے دور کے بہترین طبیب تھے۔ لاہور و دہلی کے علاوہ اکبر آباد میں بھی حکمت کرتے تھے۔ یہ مسجد انہوں نے دہلی دروازے کے اندرونی حصے میں تعمیر کرائی تھی۔ ملکہ نور جہاں کے ایک بار جب پھوڑا نکلا تو اس نے بہتیرا علاج کروایا لیکن وہ پھوڑا ٹھیک نہ ہوا۔ آخر اسی چنیوٹ کے حکیم علیم الدین سے علاج کروایا گیا اور نور جہاں کو اس پھوڑے سے نجات ملی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جہانگیر اور شاہجہان کے درمیان جب اختلافات پیدا ہوئے، یہ اختلافات تخت نشینی کی وجہ سے تھے۔ شاہجہان اپنے باپ جہانگیر کا جانشین بننا چاہتا تھا جبکہ نور جہاں اپنے داماد اور شاہ جہاں کے بھائی کو ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک دیکھنا چاہتی تھی۔ اسی چپقلش میں جہانگیر نے جب شاہجہان کو زندان میں ڈال دیا تو حکیم علیم الدین چنیوٹی کے کہنے پر جہانگیر نے شاہجہان کو زندان سے نکال دیا۔ علیم الدین چنیوٹی نے جب نور جہاں کے پھوڑے کا علاج کیا اور اسے شفا ہوگئی تب حکیم علیم الدین کو شاہی طبیب کا خطاب ملنے کے ساتھ ساتھ خلعت سے بھی نوازا گیا۔ حکیم علیم الدین یعنی وزیر خاں نے جب یہ مسجد تعمیر کرائی تو مسجد کی بنیاد زمین سے ڈیڑھ منزل کی بلندی پر رکھی گئی تھی۔ مسجد کی ڈیوڑھی پر ایک خوبصورت گنبد تعمیر کروایا گیا تھا۔ مسجد کا بیرونی یعنی صدر دروازہ بھی دیکھنے کے لائق ہے۔ صدر دروازہ 19 فٹ لمبا اور 21 فٹ چوڑا ہے۔ مسجد کا صحن 175 فٹ لمبا ہے اور 94 فٹ کے لگ بھگ چوڑا ہے۔ اس عالیشان مسجد کے پانچ گنبد ہیں۔ درمیانی گنبد کا قطر 24 فٹ، باقی گنبدوں میں سے ہر ایک کا قطرہ لگ بھگ 20 فٹ کے قریب ہے۔ مسجد کے صحن کے اندر ایک خوبصورت پانی کا حوض ہے۔ ساتھ ہی مسجد کے اندر لگ بھگ 37 حجرے بنائے گئے تھے۔ مسجد کے صحن کے اندر ہی ایک تہہ خانہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد اپنی نقاشی و کاشی کاری وعمدہ کتابت کے علاوہ لاجوردی، بسنتی اور سنہری نقش و نگار اور بہترین فنِ تعمیر کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس طرز کی مسجد برصغیر پاک و ہند میں کہیں اور نہیں۔ اس مسجد کا کمال یہ بھی ہے کہ جب

Marfat.com

ہندوستان میں سکھوں کا دور آیا تو انہوں نے بے شمار مسجدوں کو نقصان پہنچایا حتیٰ کہ شاہی مسجد کے اندر ہندوؤں کے دو گروہ آپس میں ٹکرائے۔ مسجد کو نقصان پہنچا۔ لیکن مسجد وزیر خان ویسی کی ویسی ہی رہی۔ اب بھی یہ مسجد دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور اپنے وقت کا ہی نہیں، موجودہ وقت کا بھی ایک شہ پارہ کہلائی جا سکتی ہے۔

پہلے روز اس قافلے نے اتنی ہی عمارات دیکھیں۔ پھر اپنی رہائش گاہ کی طرف لوٹ گئے۔

اگلے روز پھر دہلی کا یہ خوبصورت قافلہ لاہور کے اہم مقامات دیکھنے کے لئے نکلا اور سب سے پہلے ٹکسالی دروازے کے ایک مندر بیکنٹھ داس مندر کو دیکھنے کے لئے نکلا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مندر ہزاروں سال پہلے تعمیر کیا گیا تھا اور اس کی جو اولین عمارت تھی وہ مغلوں کے دور میں ہی انتہا درجہ کی بوسیدہ، پرانی اور خطرناک ہو گئی تھی۔ اس کے بعد ایک شخص پریتم داس نے مندر کی پرانی عمارت کو گرا کر مندر کی نئی عمارت تعمیر کی۔ یہ مندر سہ منزلہ تھا۔ ہر منزل پر کمرے اور خوبصورت صحن بنے ہوئے تھے۔ مندر چونکہ بلندی پر تعمیر نہیں کیا گیا تھا لہٰذا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی نچلی منزل آس پاس کی بلند عمارتیں تعمیر ہونے کی وجہ سے ایک طرح سے زمین میں ہی دب کے رہ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس مندر کے اندر کرشن اور رادھا کی مورتیاں رکھی جاتی تھیں اور انہیں سونے کے زیورات سے سجایا جاتا تھا۔ یہاں ہنومان کا ایک بُت بھی رکھا گیا تھا۔ پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ مندر بھی زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہا۔

اس کے بعد اس قافلے نے انارکلی کے مقبرے کا رخ کیا۔ انارکلی سے متعلق بے شمار روایتیں ہیں اور کسی ایک کو بھی آخری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کچھ محققین کا کہنا ہے کہ انارکلی اکبر کی ایک بیوی کا نام تھا جو اس کے بیٹے دانیال کی ماں تھی۔ یہ حسین و خوبصورت تھی۔ شہزادہ سلیم اسے پسند کرنے لگا جس کی وجہ سے اکبر کو شہزادہ سلیم یعنی جہانگیر پر شک ہو گیا اور اسی شک کو بنیاد بناتے ہوئے جلال الدین اکبر نے انارکلی کو زندہ دیوار میں چنوا دیا اور اکبر کی وفات کے بعد شیخ فرید کی مسجد کے قریب جہانگیر نے سلطنت ہندوستان کا بادشاہ بننے کے بعد اپنی محبت کی یاد میں انارکلی کا مقبرہ تعمیر کرا دیا۔

دوسری روایت کچھ اس طرح ہے کہ انارکلی کا اصل نام نادرہ بیگم تھا اور کچھ کے مطابق اس کا نام شرف النساء بیگم تھا۔ وہ مانی ہوئی رقاصہ تھی اور اکبر کی رانی نے جب

Marfat.com

اس کا رقص دیکھا تو اسی نادرہ خاتون یا شرف النساء بیگم کو رانی نے انار کلی کا خطاب دے دیا۔ پر یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ جہانگیر نے اپنی تزکِ جہانگیری میں کسی بھی موقع پر انار کلی کا ذکر تک نہیں کیا۔

انار کلی کے اس مقبرے کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جہاں مقبرہ ہے وہاں پہلے ایک بہت بڑا باغ تھا اور باغ کا نام انار کلی تھا۔ انار کلی باغ کی نسبت سے اس مقبرے کو بھی انار کلی کہا جانے لگا۔ لیکن جہانگیر سے اس مقبرے کے تعلق کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ اول بات یہ کہ سنگ مرمر کا یہ مقبرہ جہانگیر کے دور ہی میں تعمیر ہوا تھا اور پھر مقبرے کے اندر جو قبر ہے اس کے تعویذ پر خداوند قدوس کے 99 نام عربی میں نقش ہیں اور سرہانے کی طرف مجنوں سلیم اکبر کندہ ہے اور قبر کے تعویذ پر جہانگیر کا ایک پُر درد شعر بھی نقش تھا جو کچھ اس طرح ہے۔

آہا! گرمن باز بینم رُوئے یار خویش را
تا قیامت شکر گویم کردگارِ خویش را

اس گنبد نما مقبرے کی دو منزلیں ہیں۔ دونوں منزلوں کے آٹھ آٹھ دروازے ہیں، کئی کھڑکیاں ہیں اور کئی روشندان ہیں۔ گنبد کے گرد آٹھ برجیاں ہیں اور ہر برجی کا ایک ایک دروازہ ہے اور انار کلی کے اس مقبرے کی شکل بھی انار کی کلی جیسی ہے۔

(افسوس جب رنجیت سنگھ کی حکومت آئی تو اس نے انار کلی باغ میں اپنے بیٹے کھڑک سنگھ کی ولی عہدی کا جشن منایا۔ رنجیت سنگھ نے اس مقبرے کو اپنے لشکر کی تربیت گاہ کے طور پر بھی استعمال کیا لیکن افسوس سکھوں کے دور میں اس مقبرے کو خاصا تباہ کر دیا گیا۔ مقبرے مین لگا ہوا سنگ مرمر اتار کر مقبرے کی بنیادوں کو بھی کھوکھلا کر دیا گیا تھا اور قبر کے تعویذ پر بنے اسمائے الٰہی اور اشعار تک کو نقصان پہنچایا گیا تھا۔

سکھوں کے عہد حکومت کے بعد جب انگریزوں کا دور آیا تو اس مقبرے کی عمارت کو گرجا بنا دیا گیا اور انگریزوں نے بڑے گنبد کے نیچے قبر اکھاڑ کر ایک طرف رکھ دی۔ گرجے کا نام ''سینٹ جیمز چرچ'' رکھا گیا اور بڑے برج پر سنگ سرخ کی دو فٹ طویل صلیب نصب کر دی گئی اور یہاں باقاعدہ عبادت شروع کر دی گئی۔

آخر انگریزوں کے جانے کے بعد سنگ سرخ کی صلیب وہاں سے اتار کر لاہور کے بڑے گرجے کے احاطے میں نصب کر دی گئی اور اس مقبرے کو پنجاب سیکرٹریٹ

Marfat.com

لاہور کے احاطے میں شامل کر دیا گیا اور ضرورت کے مطابق اب اس عمارت میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ اب اس عمارت کو سفید چونے کی چادر میں لپیٹ دیا گیا ہے اور اسے میوزیم اور ریکارڈ آفس کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔)

تیسرے روز یہ قافلہ جب اہم مقامات دیکھنے کے لئے نکلا تب پاربتی نے میر منوں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

''بھائی! آج ہم سب سے پہلے شہر کے سب دروازے دیکھنا چاہیں گے۔ اس کے بعد دوسرے اہم مقامات کی طرف جائیں گے۔ یہ صرف میرا فیصلہ نہیں آپ سب نے مل کر یہی طے کیا ہے۔''

میر منوں نے اس سے اتفاق کیا پھر جو راہبر اس کے ساتھ تھے میر منوں نے انہیں پاربتی کے ارادے کے مطابق ہدایات دے دی تھیں۔ آخر سب سے پہلے یہ قافلہ شہر کا لوہاری دروازہ دیکھنے کو نکلا۔

یہ دروازہ ہر دور میں لاہور شہر کے لئے انتہائی اہم اور مشہور رہا ہے۔ جس وقت سلطان محمود غزنوی یہاں حملہ آور ہوا تو لاہور پر اس وقت راجہ جے پال کی حکومت تھی۔ راجہ جے پال کو امید تھی کہ محمود غزنوی لاہور کے فصیل بند شہر میں داخل نہیں ہو پائے گا۔ لیکن محمود غزنوی شہر کے موری دروازے کے ذریعے جب شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تو راجہ جے پال اسی لوہاری دروازے سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا۔ محمود غزنوی کے حملے کی وجہ سے شہر کے اس دروازے کے آس پاس جو آبادی تھی ان میں سے اکثر لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے اور یہ حصہ ویران سا دکھائی دینے لگا۔ آخر جب محمود غزنوی نے اپنے غلام ایاز کو لاہور کا حاکم مقرر کیا تو اس نے لوگوں کو یہاں آباد کیا اور اس دروازے کے آس پاس پہلے کی طرح رونق بحال ہو گئی۔

لوہاری دروازہ دیکھنے کے بعد وہ شاہ عالم دروازے کی طرف بڑھے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی دور میں اس دروازے کے باہر ویرانہ اور جنگل ہوا کرتا تھا اور اس طرف سے کوئی شہر سے باہر نکلتا ہی نہ تھا۔ آخر اس ویرانے اور جنگل کو اورنگ زیب عالمگیر کے بیٹے معظم علی نے آباد کیا اور یہاں سے جو شہر سے باہر نکلنے کے لئے دروازہ بنایا گیا تھا اور اورنگ زیب عالمگیر کے نام پر شاہ عالم یا شاہ عالمی دروازہ کہلایا۔

مغلوں کے دور تک اس دروازے کی حالت بڑی اچھی تھی اور یہ اپنی پوری آب و

Marfat.com

تاب کے ساتھ موجود تھا۔ پر افسوس سکھوں ک حملوں کی وجہ سے یہ دروازہ منہدم ہو گیا۔ بعد میں انگریزوں نے ضرور اسے تعمیر کیا لیکن بدقسمتی سے 1947ء کے ہنگاموں میں یہ دروازہ جل کر خاکستر ہو گیا۔

شاہ عالمی دروازے سے انہوں نے موچی دروازے کا رخ کیا۔ یہ دروازہ بھی سکھوں کے دور میں شکستہ ہو کر گرا دیا گیا تھا اور جو تھوڑا بہت بچا تھا وہ انگریزوں کے دور میں ختم کر دیا گیا۔

موچی دروازے کے بعد انہوں نے اکبری دروازے کا رخ کیا۔ اس دروازے سے متعلق کہا جاتا ہے چونکہ پہلے پہل شہنشاہ اکبر کی سواری اس دروازے سے داخل ہوئی تھی اسی لئے یہ اکبری دروازہ کہلایا۔ شہنشاہ اکبر نے یہاں اناج کی ایک منڈی بھی قائم کی تھی جس کی وجہ سے یہاں خوب گہما گہمی اور خرید و فروخت ہوتی تھی۔ بدقسمتی سے سکھوں نے اسے بدترین نقصان پہنچایا۔ بعد میں انگریزوں نے اسے دوبارہ تعمیر کیا۔

اکبری دروازے سے ان کا رخ دہلی دروازے کی طرف ہوا۔ اس دروازے سے نکل کر چونکہ وہ شاہراہ آتی تھی جو دہلی کی طرف جاتی تھی اس بناء پر یہ دہلی دروازہ کہلایا۔ سکھوں کے دور میں جب کابلی مل لاہور کا حاکم تھا تو اس کے دور میں اس دروازے کو بڑا نقصان پہنچا۔ دروازے کو جلا دیا گیا۔ فصیل کا ایک حصہ بھی متاثر ہوا۔ بعد میں انگریزوں نے دوبارہ اس دروازے کی تعمیر کا کام سرانجام دیا۔

دہلی دروازے سے وہ یکی دروازے پہنچے۔ اس دروازے کی خوبصورتی کے آثار کبھی باقی تھے۔ شہر میں داخل ہونے کا یہ بہترین دروازہ تھا پر افسوس اس کی شکستگی اور کہنگی کی طرف کسی نے دھیان نہ دیا اور آہستہ آہستہ یہ خود ہی منہدم ہو کر زمین بوس ہو گیا۔

یکی دروازے کے بعد وہ شیرانوالہ دروازے پہنچے۔ کہتے ہیں کہ رنجیت سنگھ سے قبل یہ خضری دروازہ کہلاتا تھا۔ رنجیت سنگھ نے چونکہ اپنے عہد میں اس دروازے کے دونوں جانب شیروں کے پنجرے رکھوائے تھے اس بناء پر یہ شیرانوالہ دروازہ کہلانے لگا۔

شیرانوالہ دروازے کے بعد کشمیری دروازے کی باری آئی۔ اس دروازے کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اول تو اس دروازے کا رخ چونکہ کشمیر کی طرف تھا لہٰذا یہ کشمیری دروازہ کہلایا۔ دوسری وجہ اس کے نام کی یہ بتائی جاتی ہے کہ اس دروازے کے

Marfat.com

اندر چونکہ کشمیر سے آنے والے لوگ کافی تعداد میں آ کر آباد ہو گئے تھے اس بناء پر یہ کشمیری دروازہ کہلانے لگا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی دور میں دریائے راوی اس کشمیری دروازے کو ٹھوکر مارتے ہوئے گزرتا تھا۔ دریا کے ان تھپیڑوں کی وجہ سے دروازہ خستہ اور کمزور ہو گیا تھا جس کی بناء پر شاہجہان نے اپنے دورِ حکومت میں نئے سرے سے اس دروازے کی تعمیر کا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔

کشمیری دروازے کے بعد وہ مستی دروازے کی طرف بڑھے۔ اس دروازے کو مستی دروازہ کہنے کی یہ وجہ بتائی جاتی ہے کہ اس دروازے کے محافظ کا نام مست خان تھا۔ جب یہ دروازہ تعمیر ہوا تو اسے ہی دروازے کا محافظ مقرر کیا گیا تھا اور وہی اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک اس دروازے کا محافظ رہا لہٰذا اسی کے نام کی نسبت یہ مستی دروازہ کہلایا۔

مستی دروازے کے بعد وہ سب روشنائی دروازے کی طرف آئے۔ یہ دروازہ بھی بڑی عجیب وغریب جگہ ہے۔ یہ شاہی مسجد اور قلعے کے درمیان میں شہر کے اندر آنے جانے کا انتہا درجہ کا بہترین اور محفوظ دروازہ ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دروازہ درحقیقت قلعے کے اندر کام کرنے والے لوگوں کے لئے شہر کے اندر آنے جانے کا راستہ تھا۔ اس دروازے کو روشنائی دروازہ کہنے کی دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس دروازے کے ذریعے جب شہر میں داخل ہوا جاتا تھا تو اس حصے میں چونکہ روشنی کا بڑا عمدہ اور بہترین انتظام کیا جاتا تھا لہٰذا یہ روشنی دروازہ کہلانے لگا۔ دوسری وجہ اس کے نام کی یہ بتائی جاتی ہے کہ اس دروازے کے اندر مغلوں کا ایک ایسا قبیلہ آباد تھا جسے روشنائی قبیلے کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور اسی قبیلے کے حوالے سے یہ روشنائی دروازہ مشہور ہو گیا۔

اس کے بعد ٹکسالی دروازے کی باری آئی۔ کہتے ہیں اس دروازے کے اندر کبھی صنعت پیشہ لوگ جن میں زیادہ تر لوہار، ترکھان، دھوبی، جلاہے وغیرہ آباد تھے اس کے بعد جب مغلوں کے دور میں یہاں ٹکسال قائم کی گئی تو اس دروازے کا نام بھی ٹکسالی دروازہ پڑ گیا۔

ٹکسالی کے بعد ان کا رخ بھاٹی دروازے کی طرف ہوا۔ اس دروازے کو بھاٹی دروازہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے بھاٹ نام کی ایک قوم یہاں آ کر آباد

Marfat.com

ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ محمود غزنوی نے جب لاہور پر حملہ کیا اور اس شہر کو اس نے فتح کیا تو بھاٹ قوم کے افراد شہر سے نکل کر بھاگ گئے۔ محمود غزنوی نے جب اپنے غلام ایاز کو لاہور کا حاکم مقرر کیا تو اس نے بھاگ جانے والے لوگوں کو پھر آباد کرنا چاہا۔ اس سلسلے میں اس نے بھاٹ قوم کے بھاگ جانے والے افراد سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے اس شرط پر دوبارہ وہاں آباد ہونے کی حامی بھری کہ ان کے محلے کے سامنے شہر پناہ کے اندر ایک دروازہ بنایا جائے تاکہ وہ ضرورت کے وقت اس دروازے کے ذریعے شہر سے باہر نکل سکیں۔ ایاز نے ان کی اس پیشکش کو قبول کر لیا اور ان کے محلے میں دروازہ بنا دیا جو انہی کی نسبت سے بھاٹی دروازہ کہلایا۔

بھاٹی دروازے کے بعد انہوں نے آخری اور تیرھویں موری دروازے کا رخ کیا۔ یہاں پہلے ایک چھوٹا سا دروازہ ہوا کرتا تھا۔ سلطان محمود غزنوی جب یہاں حملہ آور ہوا تو اسی دروازے کو توڑ کر وہ شہر میں داخل ہوا تھا۔ ایاز کو جب محمود غزنویؒ نے لاہور کا حاکم مقرر کیا تو شہر میں اس داخلے کو یادگار بنانے کے لئے ایاز نے چھوٹے دروازے کی جگہ یہاں ایک کافی بڑا دروازہ تعمیر کروالیا جو اب بھی موری دروازہ کہلاتا ہے۔

اس کے بعد اس قافلے نے مغل پورہ کا رخ کیا۔ شہر کا یہ حصہ کبھی شاندار حویلیوں پر مشتمل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مغل چونکہ کوہستانی حصوں کی طرف سے آئے تھے جہاں ان کے پاس وسیع علاقے تھے اور وہ کھلی جگہوں پر رہنے کے عادی تھے جب وہ لاہور میں آئے اور انہیں ہندو طرز کی تنگ و تاریک عمارتوں میں رہنے کو جگہ ملی تو انہوں نے اسے ناپسند کیا لہٰذا انہوں نے شہر پناہ سے ذرا فاصلے پر اپنے لئے کھلی حویلیاں تعمیر کرائیں، وسیع باغات بنائے اور شاہراہیں تعمیر کرائیں۔ مغلوں کی آباد کردہ یہی آبادی مغل پورہ کہلائی۔

اس کے بعد ان لوگوں نے باغبانپورہ کا رخ کیا تھا۔ یہ بھی کسی دور میں زبردست آبادی تھی۔ شاہجہان نے جب لاہور شہر میں شالیمار باغ کی تعمیر کی تو باغ کا ناظم اس نے ایک شخص مہر منگا کو بنایا تھا۔ چونکہ باغ میں بہت سے باغبان کام کرتے تھے لہٰذا اس ناظم نے کچھ جگہ خرید کر وہاں باغبانوں کو آباد کر دیا، بعد میں دوسرے زراعت پیشہ لوگ بھی وہاں آ کر آباد ہونا شروع ہو گئے۔ انہی باغبانوں کی نسبت سے وہ باغبانپورہ مشہور ہو گیا۔

Marfat.com

ان محلوں کے بعد انہوں نے جہانگیر، نور جہاں، آصف جاہ اور قطب الدین ایبک کے مقبرے دیکھے، جین مندر دیکھا، بیگم شاہی مسجد کا جائزہ لیا جسے اکبر کی بیوی مریم زمانی نے تعمیر کروایا تھا۔ اس کے بعد ٹکسالی مسجد، مسجد پری محل، مسجد شہید گنج دیکھنے کے بعد وہ محمود غزنوی کے غلام ایاز کے مزار کے علاوہ سید علی ہجویری و پیر مکی، شاہ حسین و میاں میر، شاہ جمال اور شاہ چراغ کے مزارات کو دیکھتے ہوئے واپس اپنی حویلی کی طرف چلے گئے تھے۔

اس خوبصورت قافلے نے پورا ایک ماہ لاہور شہر میں قیام کئے رکھا اور مختلف مشہور و معروف اور تاریخی مقامات کی سیر کرتے رہے اور لطف اندوز ہوتے رہے۔ آخر ایک ماہ گزرنے کے بعد سب لاہور سے دہلی چلے گئے تھے۔

❀ ...... ❀

Marfat.com

●●●

محمد شاہ کی اس سے پہلے نادر شاہ سے بڑی مشکل سے جان چھوٹی تھی۔ اب اس کے لئے ایک اور بہت بڑا خطرہ اپنا دروازہ کھولنے والا تھا۔ نادر شاہ نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو نہ صرف مرکزی مغل حکومت کو کمزور اور کھوکھلا کر کے رکھ دیا بلکہ دہلی کی مرکزی حکومت سے صدیوں کی وفاداری بھی متزلزل ہونے لگی۔ بہت سے صوبوں میں گورنری کا منصب مخصوص خاندانوں میں مستقل اور موروثی چلا آ رہا تھا۔ یہ لوگ مرکزی حکومت کے بغیر دوسری قوتوں سے گٹھ جوڑ کرنے لگے۔ دکن اور بنگال کے نائب سلطنت فرانسیسیوں اور انگریزوں کے ساتھ نام و پیام کا سلسلہ شروع کر چکے تھے یہاں تک کہ پنجاب میں بھی راکھ تلے دبی ایک چنگاری نے اپنا آپ دکھانا شروع کر دیا تھا۔

ہوا یوں کہ جب پنجاب کا مخلص و وفادار والی ذکریا خان لاہور میں انتقال کر گیا تو اس کے بیٹوں میں سے دو یعنی یحییٰ خان اور شاہنواز نے دہلی میں قیام کیا ہوا تھا اور پھر یحییٰ خان کو لاہور اور شاہنواز کو ملتان کا حاکم مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس واقعہ کے کچھ ماہ بعد ذکریا خان کا بڑا بیٹا یحییٰ خان دہلی پہنچا اس کے اس سفر کا مقصد یہ تھا کہ مغل شہنشاہ محمد شاہ کی خدمت میں عرض گزار ہو کہ اس کے باپ کی جائیداد و املاک واپس کر دی جائے جو مغل قوانین کے مطابق ضبط ہو گئی تھی۔ کیونکہ مغل حکومت کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی منصب دار فوت ہوتا تھا تب اس کی املاک و جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی جاتی تھی۔
اس سلسلے میں یحییٰ خان دہلی پہنچا تھا۔ یحییٰ خان کو دہلی میں چھ ماہ تک قیام کرنا پڑا۔ مختلف مواقع پر اس کی محمد شاہ سے گفتگو ہوئی۔ اس سلسلے میں نظام الملک نے بھی اس کی سفارش کی اس لئے کہ یحییٰ خان نہ صرف اس کا بھانجا بلکہ اس کا داماد بھی

Marfat.com

تھا۔ آخر یحییٰ خان کامیاب رہا۔ محمد شاہ نے اس کے باپ کی ساری املاک اور جائیداد اسے بخش دی تھی۔ اس طرح اس کامیاب سفر کے بعد یحییٰ خان دہلی سے لاہور پہنچا اور اس کے مرحوم باپ ذکریا خان کی جس قدر املاک اور جائیداد ضبط ہوئی تھی وہ ساری اس کے حوالے کر دی گئی تھی۔

اب چاہئے تو یہ تھا کہ یحییٰ خان اس جائیداد میں اپنے دوسرے بھائیوں یعنی شاہنواز اور میر باقی کو بھی شریک کرتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ میر باقی تو خاموش طبع تھا، وہ ویسے بھی گمنام زندگی بسر کر رہا تھا اور جائیداد و املاک سے وہ کوئی تعلق بھی نہیں رکھنا چاہتا تھا لیکن شاہنواز تو ہر صورت میں اپنا حصہ لینے پر تلا ہوا تھا۔

شاہنواز ویسے بھی ایک آتش خو اور شعلہ مزاج انسان تھا۔ جب اسے خبر ہوئی کہ اس کا بڑا بھائی یحییٰ خان لاہور سے دہلی آ گیا تھا اور دہلی میں محمد شاہ نے رحم دلی سے کام لیتے ہوئے ان کے باپ کی ساری املاک یحییٰ خان کو دے دی ہے تب شاہنواز ملتان سے لاہور پہنچا اور بڑے بھائی یحییٰ خان سے شدت کے ساتھ مطالبہ کیا کہ باپ کی جائیداد و املاک میں سے اس کا حق اور حصہ دیا جائے۔

اس مسئلہ پر جب گفتگو شروع ہوئی تو نوبت تلخ کلامی تک جا پہنچی۔ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ تلواریں میان سے نکل آئیں۔ دونوں بھائیوں کے حمایتی لشکر اکثر لاہور شہر کی شاہراہوں پر جنگ و جدل میں مصروف ہو جاتے۔ دونوں بھائی شہر سے باہر خیموں میں مقیم ہو گئے تھے جبکہ ان کے لشکری اپنے آقاؤں کے برعکس زبانی جنگ پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ شمشیر و سناں کا استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

شاہنواز نے جب دیکھا کہ یحییٰ خان اسے کچھ بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہے تو اس نے ملتان سے اپنے مزید لشکری منگوا لئے۔ معاملہ طول پکڑنے لگا تھا۔ بہت جلد اس معاملے نے خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لی اور باقاعدہ دونوں فریقین پہلے شہر سے باہر ٹکراتے رہے اور آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اندرون شہر بھی دونوں فریقوں کا تصادم اور ٹکراؤ شروع ہو گیا۔

اس طرح دونوں بھائیوں کے لشکر میں خون ریزی وقتل و غارت گری کے واقعات معمول کا حصہ بن گئے۔ یہ خانہ جنگی پورے چار ماہ تک جاری رہی اور حیرت اور دکھ کی بات یہ کہ ان چار ماہ کے دوران پنجاب خصوصاً لاہور میں خانہ جنگی کا عالم تھا۔

Marfat.com

دہلی میں مغل شہنشاہ محمد شاہ رنگیلا نے اس چنگاری کو دفن کرنے کی کوشش نہ کی اور اس غفلت کی وجہ سے لاہور سے اٹھنے والی یہ چنگاری بتدریج شعلے کی صورت اختیار کرنے لگی۔

پھر مارچ کے مہینے میں یحییٰ خان اور شاہنواز خان دونوں بھائیوں کے لشکر ایک دوسرے کے خلاف اپنی پوری طاقت وقوت سے حرکت میں آئے۔ دونوں کا ٹکراؤ ہوا۔ خوفناک اور ہولناک جنگ دونوں بھائیوں کے درمیان ہوئی۔ اس جنگ کے نتیجہ میں یحییٰ خان کو شکست ہوئی اور فاتح کی حیثیت سے شاہنواز خان اپنے شہر میں داخل ہوا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد شاہنواز نے اپنے بڑے بھائی یحییٰ خان کو گرفتار کر لیا اور اسے لاہور کے زندان میں ڈال دیا۔ اس موقع پر ذکریا خان کی بہن اور یحییٰ خان اور شاہنواز کی پھوپھی دُردانہ بیگم نے یحییٰ خان کا ساتھ دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ چونکہ یحییٰ خان لاہور کا حاکم ہے لہٰذا اس کے باپ کی جائیداد اسے ہی ملنی چاہیے۔ اس کے ان خیالات کی وجہ سے شاہنواز نے اسے بھی اس کی حویلی میں ایک طرح سے نظر بند کر دیا تھا۔

شاہنواز نے یحییٰ خان کو گرفتار کر کے زندان میں تو ڈال دیا تھا لیکن اب وہ سہما ہوا اور خوفزدہ بھی تھا اس لئے کہ یحییٰ خان مغل سلطنت کے وزیر کا داماد تھا۔ اسے گرفتار اور نظر بند رکھنا شاہنواز کو راس بھی نہیں آ سکتا تھا اور شاہنواز کو یہ بھی خطرہ تھا کہ یحییٰ خان کو زندان میں ڈالنے کا خطرناک نتیجہ بھی برآمد ہو سکتا تھا۔

انہی اندیشوں کے تحت شاہنواز کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ اسے خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ یحییٰ خان کو زندان سے نکالنے کے لئے نظام الملک کسی وقت بھی ایک لشکر دہلی سے لاہور کی طرف روانہ کر سکتا ہے اور وہ لشکر اگر اس پر حملہ آور ہوا تو اس کا خاتمہ کر کے رہے گا۔ لہٰذا شاہنواز نے غداری پر اترتے ہوئے ایک طرح سے ہندوستان میں مغل سلطنت سے غداری کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

پورے پنجاب کا حقیقی معنوں میں حاکم محمد شاہ نے اپنے وزیر نظام الملک کو ہی مقرر کیا تھا۔ آگے نظام الملک نے پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کر کے یحییٰ خان اور شاہنواز خان کے سپرد کر دیا تھا۔ شاہنواز کو یہ بھی خطرہ تھا کہ پنجاب کا حاکم حقیقی طور پر تو نظام الملک ہی ہے لہٰذا وہ اسے کسی بھی وقت اس کے عہدے سے معزول بھی کر سکتا ہے۔

انہی سوچوں میں لگ بھگ پانچ ماہ کا عرصہ گزر گیا اور دہلی کی طرف سے شاہنواز

Marfat.com

کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا گیا لیکن خطرہ بہر حال باقی تھا۔ آخر کافی غور و فکر کے بعد اس خطرے کو ٹالنے اور اس مسئلے کو سدھارنے کے لئے شاہنواز خان نے اپنا ایک ایلچی محمد شاہ کے پاس دہلی کی طرف روانہ کیا۔ اس ایلچی کا نام نعیم خان تھا۔ اس ایلچی کے ذریعے شاہنواز نے گزشتہ زیادتیوں سے تائب ہونے کا اعلان کیا اور گزشتہ غلطیوں پر پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے استدعا کی کہ اسے لاہور کا نائب حاکم بنا دیا جائے۔

شاہنواز کا یہ سفیر دہلی پہنچا۔ اس ایلچی کا قیام دہلی میں طویل ہو گیا۔ اسی دوران نظام الملک کی طرف سے ایک خط شاہنواز کو ملا جس میں نظام الملک نے شاہنواز سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ فی الفور یحییٰ خان کو رہا کر دے لیکن شاہنواز نے نظام الملک کے اس خط کا جواب یہ دیا کہ جب تک اسے پنجاب کی حکومت کی سند نہیں عطا کر دی جاتی اس وقت تک وہ یحییٰ خان کو رہا نہیں کرے گا۔ یہ خبر ملتے ہی نظام الملک نے شاہنواز پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے نظام الملک نے اپنے خاندان کے سارے افراد کو اپنی حویلی میں جمع کیا۔ جب سب لوگ اس کی حویلی کے بڑے کمرے میں جمع ہو گئے تب یحییٰ خان اور شاہنواز کی جو صورت حال تھی، تفصیل کے ساتھ ان کے سامنے پیش کی۔ اس موقع پر سب سوچ و بچار میں ڈوبے ہوئے تھے کہ نظام الملک نے فیروز مرزا کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"بھائی! آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟"

فیروز مرزا نے کچھ سوچا پھر اس بڑے کمرے میں اس کی آواز سنائی دی۔

"نظام الملک! میں چاہتا تھا کہ دونوں بھائیوں کا معاملہ احسن طریقے سے نمٹ جاتا تو اچھا تھا۔ پر جو حالات آپ نے بتائے ہیں ان میں شاہنواز بھی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اگر یحییٰ خان نے اس کے حقوق سلب کئے ہیں تو اسے چاہئے تھا کہ آپ کے پاس آتا۔ یحییٰ خان کے خلاف جو شکایات تھیں وہ پیش کرتا اور اس کے بعد خاندان کے سب افراد مل کر اس کے حقوق اسے ضرور دلاتے۔ لیکن اس نے جو یحییٰ خان کو زندان میں ڈال دیا ہے یہ بہت بڑی زیادتی ہے۔"

فیروز مرزا جب خاموش ہوا تب مہر النساء نظام الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "نظام الملک! پہلے یہ کہو کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟"

Marfat.com

نظام الملک نے ایک بھرپور نگاہ سب پر ڈالی پھر کہنے لگا۔
''اگر میرے ارادے پوچھتے ہیں تو میں یحییٰ اور شاہنواز دونوں کو ہی پنجاب کی حکمرانی سے ہٹا دینا چاہتا ہوں۔ محمد شاہ نے ویسے ہی پورے پنجاب کا حاکم مجھے مقرر کیا تھا اور میں نے اپنی طرف سے دونوں بھانجوں کو لاہور اور ملتان کا حاکم بنا دیا۔ اب وہ دونوں اگر آپس میں اتفاق نہیں رکھتے تو میں سمجھتا ہوں دونوں اس قابل نہیں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ لشکر کو تیار کروں اور لاہور کا رخ کروں۔ یحییٰ خان کو رہا کرانے کے بعد یحییٰ خان اور شاہنواز دونوں کو ان کے منصب سے ہٹا دوں اور لاہور میں اپنے بیٹے میر منوں کو رکھوں جو پورے پنجاب کے حاکم کی حیثیت سے وہاں قیام کرے۔ اس سلسلے میں محمد شاہ سے تفصیل کے ساتھ میری گفتگو ہو چکی ہے اور اس نے سارا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیا ہے کہ میں جیسے چاہے کروں۔''

نظام الملک جب خاموش ہوا تب خوشی کا اظہار کرتے ہوئے شہاب الدین بول اٹھا۔ ''چچا! اگر یہ بات ہے تو میں چاہوں گا کہ میر منوں کے ساتھ میں بھی مستقل طور پر لاہور میں قیام کروں۔''

شہاب الدین کی اس خواہش پر میر منوں اور نظام الملک مسکرا دیئے تھے۔ پھر نظام الملک نے اسی مسکراہٹ میں شہاب الدین کو مخاطب کیا۔
''بیٹے! پہلے اپنی ماں اور بیوی سے اس سلسلے میں مشورہ کیا ہے؟''
''جہاں تک میری بیوی کا تعلق ہے وہ ان سے متفق ہے اس لئے کہ اس سے پہلے جب ہم لاہور گئے تھے تو اس نے وہیں رہنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ جہاں تک میری ماں کا تعلق ہے کہ جب یحییٰ خان اور شاہنواز کی یہ صورتِ حال درست ہو جائے گی تو اماں کو بھی میں وہاں بلا لوں گا۔''

یہاں تک کہتے کہتے شہاب الدین کو رک جانا پڑا اس لئے کہ میر منوں پاربتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''پاربتی میری بہن! جو کچھ شہاب الدین نے کہا ہے کیا تم اس سے اتفاق کرتی ہو؟''

اپنے خوبصورت لبوں پر گہری مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے پاربتی منہ سے تو کچھ نہ بولی تاہم اثبات میں اس نے اپنی گردن ہلا دی تھی۔
ماہ الملک اس ساری صورت حال کا بغور جائزہ لے رہی تھی، فوراً بول اٹھی۔

Marfat.com

''اگر یہ بات ہے تو پھر ہم بھی ان کے ساتھ وہاں قیام کریں گے۔ اس سے پہلے صرف شہاب الدین اور قادرد دونوں جنگوں میں حصہ لیتے رہے ہیں اب سب لشکر میں شامل ہوں گے تاکہ سب کو لاہور میں قیام کرنے کا موقع ملے۔''

فیروز مرزا، تقدیس خانم اور قرہ خاتون کے علاوہ ان کی دادی مہر النساء نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا پھر فیصلہ کن انداز میں وہ کہہ رہا تھا۔

''شہاب الدین، قادرد خان، شرف الدین اور عباد الدین میرے بچو! میر منوں کے ساتھ مل کر آج ہی تم اپنی تیاریوں کو آخری شکل دینا شروع کر دو۔ میں شاہنواز پر حملہ آور ہونے کے لئے زیادہ دن انتظار نہیں کروں گا۔ میں وقت ضائع کئے بغیر یہاں سے کوچ کرنا چاہتا ہوں۔''

سب نے نظام الملک کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ پھر سب کے لئے نظام الملک کے ہاں ہی کھانے کا اہتمام ہونے لگا تھا۔

✻

دوسری طرف لاہور میں جب شاہنواز کو خبر ہوئی کہ نظام الملک نے لاہور کی طرف پیش قدمی کرنے کی زبردست تیاریاں کرنا شروع کر دی ہیں تاکہ یحیٰی خان کو قید سے رہائی دلائے تو اس واقعے نے شاہنواز کو حواس باختہ کر دیا تھا۔ وہ سخت خلفشار میں مبتلا ہو کر رہ گیا تھا۔

شاہنواز پر اب یہ خوف طاری ہو گیا تھا کہ عنقریب نظام الملک ایک جرار لشکر لے کر دہلی سے لاہور کا رخ کرے گا اور اس پر حملہ آور ہوگا۔ اسے یقین تھا کہ نظام الملک کے ساتھ یقیناً میر منوں کے علاوہ اس کے دوسرے عزیز و اقارب بھی ہوں گے جو جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا شاہنواز کو اپنی شکست کا یقین تھا۔ اب اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ لہٰذا اس نے اپنی جان بچانے کے لئے سوچ و بچار شروع کر دی تھی۔

ان حالات میں آخر شاہنواز نے سوچا کہ اب مدد کے لئے کسی غیر ملکی قوت کو دعوت دینی چاہئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں اس کی نگاہ احمد شاہ ابدالی پر پڑ گئی۔

احمد شاہ ابدالی اس وقت کابل اور پشاور تک کے سارے علاقوں پر قابض ہو چکا تھا۔ اپنی سلطنت کو اس نے وسعت دے دی تھی اور عسکری قوت کو بھی بڑا مستحکم اور

Marfat.com

مضبوط بنا لیا تھا۔

شاہنواز کو احمد شاہ کی جنگی مہمات کا پوری طرح علم ہو چکا تھا اسی بناء پر اس کی نگاہیں احمد شاہ پر جا کر رک گئیں چنانچہ اس نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا۔

ان دنوں جالندھر اور اس کے گرد و نواح میں اس کی بہت سی جاگیریں تھیں اور ان جاگیروں کا فوجدار اس کا ایک بہترین ساتھی ادینہ بیگ تھا۔ ادینہ بیگ بڑا عقل مند اور بڑا ہوشیار شخص تھا اور وہ ہمیشہ بڑے جوش و خروش سے شاہنواز کی تائید و حمایت کیا کرتا تھا۔

چنانچہ شاہنواز نے اسی ادینہ بیگ کو اپنا سفیر بنا کر احمد شاہ کی طرف بھجوایا اور ایک خط لکھ کر اس نے اس خط میں احمد شاہ ابدالی سے استدعا کی کہ اس وقت ہندوستان کے حالات ابتر ہیں اس کے لئے بہترین موقع ہے کہ وہ ہندوستان پر حملہ آور ہو۔ لہٰذا اس موقع سے فائدہ اٹھائے اور لشکر لے کر ہندوستان پر چڑھ دوڑے اور اسے فتح کر لے۔ اس کے معاوضے میں شاہنواز نے احمد شاہ ابدالی سے ہندوستان کی وزارتِ عظمیٰ طلب کی تھی۔

شاہنواز کا قاصد ادینہ بیگ جب احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہنواز کا پیغام اسے دیا تو احمد شاہ ابدالی نے تو شاہنواز کے نامہ بر کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ شاہنواز کا نامہ پڑھ کر کہتے ہیں کہ وہ سجدۂ شکر بجا لایا کیونکہ یہ بات اس کے وہم و گمان میں نہ تھی کہ یوں غیر متوقع طور پر اچانک حالات اس کے لئے اتنے سازگار ہو جائیں گے۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے اس نے فوراً ایک عہد نامہ تیار کیا جس میں یہ تحریر کیا گیا کہ ہندوستان کے تاج و تخت کا مالک تو احمد شاہ ہو گا جبکہ وزارتِ عظمیٰ کا منصب یقیناً شاہنواز کو ملے گا اس عہد نامہ پر اپنی مہر ثبت کرنے کے ساتھ ساتھ احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے سالاروں سے بھی تصدیق اور تائید کے طور پر دستخط ثبت کرائے اور یہ عہد نامہ احمد شاہ ابدالی نے اپنے ایک معتمد خاص کے ہاتھ لاہور بھیجا۔ احمد شاہ ابدالی کے اس معتمدِ خاص کا نام بغرہ خان پوپل زئی تھا۔

جہاں احمد شاہ ابدالی اسے تائید غیبی سمجھ رہا تھا اور اتنا خوش اور مطمئن تھا وہاں ادینہ بیگ بھی بڑا عقلمند، بڑا تیز شخص تھا۔ اس تمام مدت میں ادینہ بیگ بڑی صفائی سے دو رخی چال چلتا رہا۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی کو شاہنواز سے خط بھجوا کر اس نے ہندوستان

Marfat.com

کے وزیر نظام الملک کو ایک خط لکھا اور اس میں شاہنواز اور احمد شاہ ابدالی کی خط و کتابت کی پوری تفصیل لکھ دی۔ ساتھ ہی نظام الملک کو ادینہ بیگ نے یہ بھی لکھا۔

"آپ کا یہ بھانجا بڑا خودسر اور ہٹیلا واقع ہو رہا ہے۔ آپ کے دیرینہ خادموں اور خدمت گزاروں کی اس نے ایک نہ سنی اور احمد شاہ سے آخر ربط قائم کر ہی لیا۔ لیکن اب بھی وقت نہیں گیا ہے اور اس صورت حال کا فوری تدارک ممکن ہے وہ یہ ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو شاہنواز کو گرفتار کر کے بے بس کر دیا جائے تاکہ وہ غدارانہ اقدام نہ کر سکے۔

صورت حال عجیب سی ہو گئی تھی۔ شاہنواز کا قاصد نعیم خان ابھی تک دہلی میں قیام کئے ہوئے تھا جبکہ احمد شاہ ابدالی کا قاصد بغرہ خان پوپل زئی لاہور پہنچ گیا تھا۔ ادینہ بیگ کا خط جب نظام الملک کو ملا تو اس نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اگر اس معاملے میں احمد شاہ ابدالی نے مداخلت کی تو حالات مزید خراب اور ابتر ہو جائیں گے اور اس سے ہندوستان کی سلطنت کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا حالات پر مکمل قابو پانے اور ہندوستان کو بیرونی حملے سے بچانے کے لئے اس نے ایک سیاسی چال چلی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ ایک ہی تیر سے دو شکار کرے گا۔ احمد شاہ ابدالی کو بھی آگے نہیں بڑھنے دے گا اور شاہنواز کو بھی مطمئن کر دے گا۔ اس موقع پر نظام الملک نے دو اقدام کئے۔ پہلا یہ کہ ایک شاہی فرمان کے ذریعے اس نے شاہنواز کی معذرت منظور کر لی۔ فوراً ایک مسودہ تیار کیا اور اسے سفیر کے ہاتھ لاہور میں شاہنواز کے حوالے کر دیا۔

دوسرا اقدام نظام الملک نے یہ کیا کہ اپنے ہاتھ سے ایک خط شاہنواز کے نام لکھا۔ اس طرح نظام الملک نے شاہنواز پر ایک نفسیاتی اثر ڈالنے کی کوشش کی۔ اس خط میں نظام الملک نے لکھا تھا۔

"تمہارا خاندان ہمیشہ اور ہر موقع پر شاہانِ مغلیہ کا جانثار اور وفادار رہا ہے۔ اس سے کبھی بھی غداری یا بے وفائی کا ارتکاب نہیں ہوا ہے۔ یہ بڑے دکھ اور افسوس کی بات ہو گی اگر اب وہ اس جادۂ مستقیم سے ہٹے۔ اور اس سے بڑھ کر شرم کی کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی کہ نادر شاہ کے ایک افغان سالار کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے نظر آئے۔ حکومتِ ہند اپنے

Marfat.com

تمام وسائل و ذرائع کے ساتھ تمہاری پشت پناہی کے لئے موجود ہے۔''

نظام الملک کے اس خط نے سارا نقشہ پلٹ دیا۔ شاہی فرمان پا کر شاہنواز پھول گیا اور وزیر اعظم نظام الملک کے اس خط سے اس کی اتنی حوصلہ افزائی ہوئی کہ وہ اپنی حدود مملکت کی توسیع کا منصوبہ بنانے لگا۔ نظام الملک نے اس کی اور اس کے خاندان کی وفاداری کو خوب سراہا تھا چنانچہ اس نے فوراً ہی رائے بدل دی اور آنے والے حالات کو ذہن میں رکھے بغیر اُس نے احمد شاہ ابدالی سے جو گفت و شنید وہ کر چکا تھا اسے یکسر نظر انداز کر دیا اور اب اس نے اعلان کر دیا کہ وہ اپنی قسمت قدیم آقاؤں یعنی خاندانِ مغلیہ کے ساتھ ہی وابستہ رکھنا چاہتا ہے۔

❁

نظام الملک کا خط ملنے کے بعد گو شاہنواز نے احمد شاہ ابدالی کے ساتھ کئے جانے والے معاہدے کو ترک کر کے ایک بار پھر مغلیہ سلطنت سے اپنے خلوص اور وفاداری کا اظہار کر دیا تھا لیکن دوسری طرف احمد شاہ ابدالی تو حملہ آور ہونے کی اپنی تیاریوں کو حتمی شکل دے چکا تھا۔ اس کے علاوہ افغان مہم پسندوں کی ایک جماعت جو مختلف قبائل کے افراد پر مشتمل تھی، ہندوستان کے زر و گوہر کی طمع میں اس کے ساتھ ہو گئی تھی ان حالات میں اٹھارہ ہزار کا ایک لشکر لے کر احمد شاہ ابدالی پشاور سے نکلا۔

جو لشکر احمد شاہ ابدالی کے ساتھ تھا ان میں سے ایک تہائی لشکری ابدالی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ پشاور سے کوچ کرنے کے بعد آخر کار احمد شاہ ابدالی نے دریائے سندھ کو عبور کیا۔ دریا کو عبور کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اٹک کے مقام پر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا۔ یہی احمد شاہ ابدالی کا وہ قاصد تھا جو اس نے لاہور بھیجا تھا اور جس کا نام بغرہ خان پوپل زئی تھا۔ وہ لاہور سے لوٹ کر احمد شاہ ابدالی کے پاس پہنچا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ بغرہ خان کچھ اچھا آدمی نہیں تھا۔ وہ دوسروں کو اپنی طرف راغب کرنے کا مادہ تو سرے سے رکھتا ہی نہ تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شاہنواز کے ساتھ ملاقات کے وقت اس بغرہ خان کے انداز کچھ زیادہ معقول اور حوصلہ افزاء نہ تھے اور کئی غیر ضروری مباحث چھیڑ کر اس نے ایک طرح سے خواہ مخواہ شاہنواز کو کئی مواقع پر مشتمل کر دیا تھا۔

یہ بغرہ خان بہر حال ان تیاریوں سے ناواقف اور انجان ہی رہا جو شاہنواز کر رہا تھا

Marfat.com

اور جن کا مقصد احمد شاہ ابدالی کو شکست دینا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سفر کی منزلیں جلد از جلد طے کرتا ہوا بغرہ خان احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو اطلاعات وہ لاہور سے حاصل کر سکا تھا وہ اسے پہنچائیں۔ احمد شاہ اپنے سفیر بغرہ خان کی لائی ہوئی ان اطلاعات سے کوئی خاص متاثر نہ ہوا نہ ہی انہیں اہمیت دی بلکہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھی بغرہ خان کی اطلاعات نے کسی طرح اسے متزلزل نہ کیا تھا۔ اٹک میں پڑاؤ کرنے کے بعد اس نے وہاں سے کوچ کیا اور دریائے جہلم کی طرف بڑھا یہاں تک کہ اس نے قلعہ روہتاس تک بغیر کسی مزاحمت کے پیش قدمی کر لی اور روہتاس میں ایک بار پھر اس نے پڑاؤ کر لیا۔

قلعہ روہتاس میں پڑاؤ کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے پیر صابر شاہ کو اپنے آگے آگے لاہور روانہ کیا تاکہ وہ پہلے سے طے شدہ معاہدے کے مطابق لاہور کے حاکم شاہنواز خان سے گفتگو کرو۔ صابر شاہ کے ساتھ احمد شاہ ابدالی نے اپنے ایک اور ساتھی محمد یار خان کو بھی لاہور کی طرف روانہ کیا۔ یہ محمد یار خان ٹکسال کا ناظم تھا اور اس کے ماں باپ اور عزیز و اقارب لاہور ہی میں رہتے تھے۔ لاہور آنے کے بعد صابر شاہ نے ایک شخص مفتی عبداللہ کے گھر میں اقامت اختیار کی۔ صابر شاہ کی آمد پر لاہور میں یہ مشہور ہو گیا کہ احمد شاہ ابدالی نے اپنے آگے آگے اپنے پیر کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ مغلوں کے توپ خانے کو اپنی دعاؤں سے اتنا ناکارہ بنا دے کہ احمد شاہ ابدالی کے خلاف کچھ نہ کر سکے اور بالکل بے کار اور بے بس ہو کر رہ جائے۔

دوسری طرف شاہنواز کو جب یہ خبریں پہنچیں کہ احمد شاہ ابدالی کا پیر صابر شاہ لاہور پہنچ گیا ہے تو اسے یہ جستجو ہوئی کہ آخر یہ معلوم کیا جائے کہ صابر شاہ کا لاہور آنے سے کیا مقصد ہے؟

یہ جاننے کے لئے شاہنواز خان نے ادینہ بیگ اور اپنے دیوان کروڑ مل کو اس کے پاس بھیجا۔ یہ دونوں جب صابر شاہ کے پاس پہنچ گئے اور دورانِ گفتگو صابر شاہ سے لاہور اس کی آمد سے متعلق پوچھا تو وہ کہنے لگا۔

"میرا تم دونوں میں سے کسی سے کوئی واسطہ نہیں۔ ویسے میرے آنے کی غرض یہ ہے کہ اس شہر سے میرا لگاؤ ہے۔ یہاں کے باشندوں سے تعلق خاطر بھی رکھتا ہوں۔ یہاں کے فرمانرواؤں کا ہمدرد اور بہی خواہ بھی ہوں۔ ان کے ساتھ زندگی کے دن بھی

Marfat.com

بسر کر چکا ہوں لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بے وفائی سے نہ آدمی خوش ہوتا ہے اور نہ خدا۔ اور یہ بھی کہ احمد شاہ ابدالی کی تلوار کا تمہاری تلوار مقابلہ نہ کر سکے گی"

صابر شاہ کی اس گفتگو کو اس موقع پر وہاں موجود لوگوں میں سے ایک نے سخت ناپسند کیا اور طنزیہ انداز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"آپ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری تلوار لکڑی کی بنی ہوئی ہے اور احمد شاہ ابدالی کی تلوار لوہے کی بنی ہوئی ہے؟"

"نہیں، یہ بات تو نہیں۔ دونوں تلواریں آہن ہی کی بنی ہوئی ہیں لیکن احمد شاہ ابدالی کا آفتابِ اقبال نصف النہار پر ہے اور تم لوگوں کا آفتابِ اقبال گہنا چکا ہے۔"

اس سے زیادہ ادینہ بیگ نے گفتگو کرنا نہ چاہی۔ وہاں سے اٹھ کر وہ شاہنواز کے پاس گیا اور جس قدر گفتگو صابر شاہ کے ساتھ ہوئی تھی وہ شاہنواز تک پہنچا دی۔ یہ گفتگو سن کر شاہنواز بڑا برہم اور برافروختہ ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ صابر شاہ اور اس کے ساتھ آنے والے محمد یار خاں دونوں کو گرفتار کر لیا جائے اور دونوں کی کڑی نگرانی کی جائے اور کسی قیمت پر بھی انہیں واپس احمد شاہ ابدالی کے پڑاؤ میں نہ جانے دیا جائے۔

اس موقع پر خود شاہنواز نے بھی صابر شاہ سے ملاقات کی اور دورانِ ملاقات صابر شاہ نے شاہنواز کو مخاطب کر کے کہا۔

"احمد شاہ افغانستان اور خراسان کا بادشاہ ہے اور ہندوستان فتح کر لینے کا عزم رکھتا ہے۔ تمہاری حیثیت صرف ایک صوبے دار یعنی گورنر کی ہے جو صرف ایک صوبے کا فرمانروا ہے۔ تم آزاد نہیں، ایک دوسرے شخص کے غلام اور خادم ہو۔ شہنشاہِ ہند تمہارے ساتھ مخلص نہیں ہے وہ موقع کی تاک میں ہے کہ تم سے شدید انتقام لے۔ خود تمہارے مقاصد کا تقاضہ یہ ہے کہ میرے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے پاس چلو۔ وہ تمہاری عزت بڑھائے گا، تمہارے اعزاز میں اضافہ کرے گا اور پورے ملک کی وزارت تمہیں سونپ دے گا۔"

صابر شاہ نے اسی طرح کی مزید گفتگو کی جسے شاہنواز نے ناپسند کیا۔ شاہنواز برہم ہو گیا۔ اسی برہمی میں صابر شاہ نے بھی کچھ الفاظ کہے جن کو برداشت کرنا شاہنواز کے لئے مشکل تھا۔ لہٰذا وہ بھی تاؤ اور طیش میں آ گیا۔ چنانچہ جوشِ غضب سے مغلوب ہو کر شاہنواز نے حکم دیا کہ صابر شاہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اس حکم کے بعد صابر

Marfat.com

شاہ کی گردن کاٹ دی گئی۔ محمد یار خان کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہو سکی لہٰذا اسے رہا کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ یہ وہی صابر شاہ ہے جس کی قبر لاہور کی شاہی مسجد کے عقب میں ہے۔

دوسری طرف روہتاس کے مقام پر پڑاؤ کرنے کے دوران احمد شاہ ابدالی نے بالا ناتھ جوگی کا مندر منہدم کرا دیا جواب ٹیلہ گورکھ ناتھ کے نام سے مشہور ہے اور جہلم سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کے بعد احمد شاہ نے روہتاس سے لاہور پر حملہ آور ہونے کے لئے کوچ کیا۔ منزل پر منزل مارتے ہوئے وہ دریائے جہلم کو عبور کر کے گجرات پہنچا۔ گجرات میں اس نے چند روز قیام کیا اور ایک شخص مقرب خان کو گجرات کا حاکم مقرر کر کے وہاں ایک طرح سے اپنی حکومت مستحکم اور مضبوط کی۔

گجرات سے احمد شاہ ابدالی نے پھر پڑاؤ اٹھایا۔ سوہدرہ کی سیدھ سے اس نے دریائے چناب کو عبور کیا اس کے بعد بڑی تیزی سے کوچ کرتا ہوا لاہور کی طرف بڑھا اور دریائے راوی کے کنارے شاہدرہ پہنچا اور شہنشاہ جہانگیر کے مقبرے کے قریب اس نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔

لاہور کے ناظم شاہنواز کو بھی احمد شاہ ابدالی کی نقل و حرکت سے آگاہی ہو رہی تھی اور اس نے بھی اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی جنگی تیاریوں کو عروج پر پہنچا دیا تھا لیکن شاہنواز کی یہ ساری تیاریاں دفاعی تھیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کے حملے سے لاہور کو بچایا جائے۔ لاہور سے باہر نکل کر وہ احمد شاہ ابدالی کی راہ روکنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے شاہ نواز نے دسمبر کے دوسرے ہفتے میں شہر سے باہر خیموں کا ایک شہر آباد کیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہاں مقیم ہوا تاکہ لشکر کی تیاریوں کو وہ خود دیکھے اور ان کی نگرانی کر سکے۔

اس کا خیال شاید یہ تھا کہ احمد شاہ کے پاس شاید توپیں نہیں ہیں اور لاہور کے توپ خانے کو کام میں لا کر وہ احمد شاہ ابدالی کو با آسانی شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن اس وقت لاہور کی حالت عجیب و غریب تھی۔ یحییٰ خان اور شاہنواز دونوں بھائیوں کے آپس میں ٹکرانے اور دونوں کی چپقلش کی وجہ سے حکومت کے جتنے وفادار ملازم اور عہدے دار تھے یا تو وہ جیل خانوں میں محبوس تھے اور مقید تھے یا برگشتہ اور

Marfat.com

منحرف ہو کر لاہور چھوڑ کر دوسرے علاقوں کی طرف جا چکے تھے۔ جو لوگ وفاداری کا دم بھر رہے تھے وہ بھی بد دل تھے۔ شاہنواز کے لشکر میں ان دنوں قصور کے بہت سے افغان امراء بھی شامل تھے اور یہ سارے یحیٰی خان کے ہم نوا تھے اور شروع ہی سے یحیٰی خان کو قید سے نکالنے اور اسے دوبارہ لاہور کا حاکم بنانے کی کوششوں میں مصروف تھے اور اپنی اس کوشش میں وہ کامیاب بھی ہوئے۔ انہوں نے آخر کار یحیٰی خان کو رہا کرالیا تھا۔

رہائی حاصل کرنے کے بعد یحیٰی خان دہلی جا چکا تھا۔ وہاں وہ بھی ناکارہ نہیں بیٹھا بلکہ احمد شاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ بھی ایک لشکر ترتیب دینے لگا تھا۔

2 محرم کو یعنی اپنی آمد کے تیسرے دن احمد شاہ ابدالی نے دریائے راوی کے پایاب حصے سے اپنے لشکر کے ساتھ دریا کو عبور کیا اور شالیمار باغ پہنچا اور ایک گاؤں کے قریب اس نے اپنے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ گاؤں کا نام محمود بوٹی تھا۔

اس موقع پر شاہنواز شہر سے باہر ایک بہت بڑا لشکر اور کافی ساز و سامانِ جنگ کے ساتھ احمد شاہ ابدالی اور اس کے لشکریوں کا منتظر تھا۔ جو لشکر اس کی ماتحتی میں تھا اس کے علاوہ اس نے اپنے لشکر کے دو اور حصے بھی شہر کے اندر محفوظ کر رکھے تھے۔ ایک حصہ خواجہ عصمت اللہ کی نگرانی میں تھا اور دوسرا جو ذرا چھوٹا تھا ایک دوسرے سالار کی کمانداری میں شہر کے اندر محفوظ تھا۔

جب احمد شاہ ابدالی نے دریائے راوی کو عبور کر لیا تب سب سے پہلے شاہنواز نے اس کی راہ روکنے کے لئے اپنے ایک سالار جلہ خان کا انتخاب کیا۔ جلہ خان افغان تھا اور اس کے تحت کافی افغانی کام کر رہے تھے۔ جب شاہنواز نے اس کے ذمے یہ کام لگایا کہ ہراول کے طور پر وہ پہلے احمد شاہ ابدالی کی راہ روکے گا تو جلہ خان چونکہ خود افغان تھا لہٰذا وہ اپنے ساتھیوں سمیت شاہنواز کے لشکر سے نکل کر احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں چلا گیا۔ اس سے شاہنواز کے لشکر کو ضعف پہنچا۔

ایک روز دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ ہوئی اور شام تک دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے اور کوئی فیصلہ نہ ہوا۔

اگلے روز دونوں طرف خاموشی طاری رہی۔ شاہنواز بھی چاہتا تھا کہ اس روز جنگ نہ ہی ہو تو اچھا ہے لہٰذا شاہنواز اپنے خیمے میں آ کر چاہتا تھا کہ کھانا کھائے۔ ابھی وہ

Marfat.com

دستر خوان پر بیٹھا ہی تھا کہ باہر مسلسل توپیں داغنے کی آواز سنائی دی۔ پریشان ہو کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جب وہ خیمے سے بھاگتا ہوا باہر نکلا تو اس نے دیکھا دونوں لشکریوں کے درمیان پھر ٹکراؤ شروع ہو گیا تھا۔

اس موقع پر شاہنواز نے اپنے فوجدارِ خاص ادینہ بیگ کو حکم دیا کہ وہ خود آگے بڑھ کر حملوں کی کمانداری کرے اور دشمن کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک دے۔ لیکن ادینہ بیگ ایک دوسری سمت چلا گیا اور ایک تماشائی کی طرح جنگ کا منظر دیکھنے لگا۔ اسی دوران سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا اور جنگ بھی کسی قدر مدھم ہو گئی لہٰذا شاہنواز کے لشکریوں نے یہ خیال کیا کہ اب شاید جنگ بند ہو گئی ہے چنانچہ وہ اطمینان سے رات گزارنے کے لئے اپنی اپنی خندقوں کی طرف چلے گئے۔

اس صورت حال سے احمد شاہ ابدالی اور اس کے لشکریوں نے فائدہ اٹھایا اور ایک دم آگے بڑھے اور شاہنواز کے لشکریوں پر ٹوٹ پڑے۔ احمد شاہ ابدالی کے سواروں نے اس تیزی اور تسلسل سے حملہ کیا کہ شاہنواز کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور شاہنواز کے لشکریوں کا جو سالار تھا وہ بھی بھاگ کھڑا ہوا۔

اس بھگدڑ میں شاہنواز کے لشکر نے جس جگہ اپنا گولہ بارود اور دیگر اسلحہ رکھا ہوا تھا وہ بھی بغیر کسی حفاظت کے چھوڑ دیا اور اس پر احمد شاہ ابدالی کا قبضہ ہو گیا۔

شاہنواز کے سپہ سالار کے بھاگنے کی وجہ سے لشکر کے دوسرے سالاروں نے بھی فرار اختیار کیا تھا۔ بہت سے سالار شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ ہر کوئی ہراساں اور حواس باختہ تھا۔ اس موقع پر شاہنواز نے چاہا کہ اپنے ہاتھی سے اتر پڑے اور اپنے خیمے میں قیام کرے تاکہ لشکریوں کا حوصلہ بلند ہو اور لشکر کے اکھڑے ہوئے قدم جم سکیں تاکہ دوسرے روز وہ زیادہ جوش و خروش کے ساتھ جنگ جاری رکھ سکے۔

شاہنواز کا خیال تھا کہ وہ بگڑی ہوئی صورت حال کو اب بھی سنبھال سکتا ہے لیکن اس کا ایک عزیز جو اس کی پھوپھی کا شوہر تھا آڑے آیا۔ اس نے اسے مجبور کیا کہ اپنے عزم اور اپنے ارادے کے برخلاف شہر کے کسی محفوظ مقام میں جا کر پناہ گزین ہو جائے۔

شاہنواز نے اپنے اس عزیز کے مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ لشکر سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہوا لیکن بدقسمتی سے جیسے ہی اس کا ہاتھی خیمے سے آگے

Marfat.com

بڑھا تو لشکری بھی جواب اس کا ساتھ دے رہے تھے اور فرار سے اس کی وجہ سے گریز کر رہے تھے وہ بھی اس کے نقش قدم کی پیروی کرنے لگے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر ایک گروہ مایوسی کے عالم میں حرکت میں آیا اور شاہنواز کی پوری خیمہ اور لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔

شاہنواز سمجھ گیا تھا کہ اب حالات اس کے خلاف کروٹ لے چکے ہیں۔ اس کے لشکری چونکہ منتشر ہو رہے ہیں لہٰذا وہ کہیں بھی جم کر احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد آخری آدھی رات کو اس نے اشرفیوں سے بھری کچھ تھیلیاں اپنے لشکریوں میں تقسیم کر دیں۔ جواہرات کا ایک خاصا بڑا صندوقچہ اپنے خواجہ سرا کے حوالے کیا اور خود خاموشی کے ساتھ لاہور سے نکل کر دہلی کی طرف فرار ہو گیا۔

❋

شاہنواز کے دہلی کی طرف بھاگ جانے کے بعد احمد شاہ ابدالی کو اب یقین ہو گیا تھا کہ لاہور شہر اس کا ہے۔ شاہنواز خان نے نہ صرف اپنے بھائی یحییٰ خان کو قید میں ڈالا تھا اور بعد میں اسے رہا کر دیا تھا بلکہ اس کے کچھ ہم نوا سالاروں اور امراء کو بھی اس نے زندان میں ڈالا ہوا تھا۔ ان میں میر مومن خان اور میر نعمت خان، جمال الدین خان اور میر امیر خان قابل ذکر تھے۔ شاہنواز کے بھاگنے کے بعد یہ قید سے رہا ہوئے۔

رہا ہونے کے بعد ان سارے امراء نے ایک مجلس منعقد کی اور فیصلہ کیا کہ ایک وفد کی صورت میں احمد شاہ ابدالی سے ملاقات کی جائے اور صرف لاہور شہر ہی نہیں بلکہ پورے صوبے پنجاب کی طرف سے اطاعت کا اعلان کیا جائے۔

اس فیصلے کے بعد میر مومن خان، دیوان لکھپت رائے، دیوان سورت سنگھ تینوں احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور استدعا کی کہ اہل شہر کی جاں بخشی کی جائے اور انہیں لوٹ مار سے محفوظ رکھا جائے۔ اس کے بدلے ان امراء نے احمد شاہ ابدالی کو تیس لاکھ روپے کا نذرانہ پیش کرنے کا بھی عہد کیا۔

احمد شاہ نے یہ پیش کش خوشی سے منظور کر لی اور اپنے کچھ سالاروں کو حکم دیا کہ شہر کی حفاظت کریں اور کوئی لشکری اندرون شہر داخل ہو کر لوٹ مار کرنے کی کوشش نہ کرے۔ لیکن اس کے باوجود بہت سے مقامات پر گھر لوٹے گئے۔ خاص طور پر مغل محل سرا پورے طور پر لوٹ لیا گیا۔ ایک مقامی بزرگ حاجی محمد سعید لاہوری کی سفارش پر

Marfat.com

لکھی محلہ اور عبداللہ باڑی بالکل محفوظ رہ گئے۔ اس کے علاوہ میر مومن خان کی قابل ستائش اور زبردست جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہر لاہور میں بہت جلد امن و امان بحال ہو گیا اور شہریوں کو کم سے کم گزند پہنچا۔

اس فتح کے سلسلے میں احمد شاہ ابدالی کو جو مالِ غنیمت ملا وہ بے حد و بے حساب تھا۔ شہر کی طرف سے جو نذرانہ ملا اس کے علاوہ شاہنواز اور اس کے خاندان کا سارا بیش قیمت اثاثہ اور گراں بہا سامان احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ لگا۔ ان ساری چیزوں کے علاوہ لاہور شہر کے اندر ایک بہت بڑا خزانہ تھا جو گزشتہ بتیس سال سے پہلے حاکم عبدالصمد خان اور ذکریا خان جمع کرتے رہے تھے۔ یہ سارا خزانہ احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

اس کے علاوہ شہر میں جتنے بھی گھوڑے اور اونٹ تھے ان پر قبضہ کر لیا گیا بلکہ آس پاس کے علاقوں سے بھی چھین لئے گئے۔ کہتے ہیں لاہور سے احمد شا ابدالی کو کم از کم پانچ ہزار گھوڑے ملے جس کی وجہ سے اس نے پانچ ہزار پیادہ لشکریوں کو سواروں میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس طرح ایک فاتح کی حیثیت سے احمد شاہ ابدالی لاہور پر قابض ہوا اور یہاں اس نے اپنے نام کا سکہ جاری کر دیا۔

✲ ...... ✲

Marfat.com

●●●

دوسری طرف دربارِ دہلی کی حالت عجیب وغریب تھی۔ جس وقت احمد شاہ ابدالی لاہور پر حملہ آور ہونے کے لئے پشاور سے روانہ ہوا تھا اسی وقت ہی مخبروں، طلایہ گروں نے اس کی پیش قدمی کی اطلاع محمد شاہ رنگیلا کو کر دی تھی لیکن افسوس نادرشاہ کے حملہ آور ہونے سے پہلے محمد شاہ رنگیلا شراب نوشی کا عادی ہو چکا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے حملے اور اس کی تباہی کو دیکھتے ہوئے گو محمد شاہ نے شراب نوشی تو ترک کر دی تھی لیکن اسے ایک اور بری عادت پڑ گئی تھی اور وہ یہ کہ وہ افیون کا عادی ہو گیا تھا۔

افیون منگولوں اور ترکوں میں بہت چلتی تھی۔ اب صورت حال یہ تھی کہ احمد شاہ ابدالی تو اپنے لشکر کے ساتھ پشاور سے کوچ کر چکا تھا اور دہلی کے بادشاہ محمد شاہ رنگیلا کا یہ حال تھا کہ افیون نے اس پر قبضہ جما رکھا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کے پشاور سے روانہ ہونے کی خبریں جب پہنچیں تو محمد شاہ رنگیلا نے آہستہ آہستہ حرکت کی اور اپنے وزیر نظام الملک کے انگیخت کرنے پر لشکر تیار کرنا شروع کیا۔ آخر فیصلہ کیا گیا کہ احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ کرنے کے لئے لشکر تین دسمبر کو مغرب کی طرف پیش قدمی کرنا شروع کرے گا۔

لیکن حیرت اور افسوس کی بات کہ مقرر کی ہوئی اس تاریخ کو شاہی لشکر نے ذرہ برابر بھی نقل و حرکت نہ کی۔ لشکر دہلی ہی میں پڑا رہ گیا اور پھر محمد شاہ رنگیلا کی طرف سے تاریخ بدل دینے کا حکم جاری کر دیا گیا اور نئی تاریخ چودہ دسمبر مقرر کر دی گئی۔

مزید بدقسمتی کہ دوسری تاریخ جو چودہ دسمبر مقرر کی گئی تھی اس تاریخ کو بھی لشکر حرکت میں نہ آسکا۔ نظام الملک چیخ چلا رہا تھا کہ فی الفور لشکر کو دہلی سے کوچ کر جانا چاہئے تاکہ احمد شاہ کے لشکر کو لاہور سے دور روک دیا جائے۔

Marfat.com

دراصل نظام الملک چاہتا تھا کہ وقت ضائع کئے بغیر ایک لشکر لے کر لاہور کی طرف کوچ کیا جائے۔ محمد شاہ رنگیلا کو وہ خود پیش کش کر چکا تھا کہ اس لشکر کی کمانداری وہ خود کرے گا اور احمد شاہ ابدالی کو روک کر دکھائے گا لیکن دوسرے سالار جنگ سے پہلو تہی کر رہے تھے اور کوشش کر رہے تھے کہ احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ لشکر نہ ہی روانہ ہو تو اچھا ہے۔

اس موقع پر ایک اور بدبختی اٹھ کھڑی ہوئی۔ دربار کے اندر جو لٹ کھنے اور مال مارو قسم کے منجم تھے انہوں نے محمد شاہ رنگیلا کو بتایا کہ جو تاریخ آپ احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ کرنے کے لئے لشکر کی روانگی کی مقرر کی ہے وہ منحوس ہے۔ اس تاریخ کو لشکر روانہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس طرح ان بدبخت منجموں کی وجہ سے لشکر کے کوچ کے لئے تاریخ مقرر کرنے پر تین ہفتے مزید گزر گئے اور لشکر کے کوچ کا کوئی اقدام نہ کیا جا سکا۔

اب نظام الملک اکیلا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اور اس کا بیٹا میر منوں چیخ چلا رہے تھے کہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے، فوراً لشکر کو کوچ کرنا چاہئے لیکن دوسرے امراء اور بدبخت سالار ایسا نہیں چاہ رہے تھے۔ اس کے بعد کچھ امراء اور سالاروں نے محمد شاہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ جب تک وہ خود کوچ کرنے والے لشکر میں شامل ہو کر سالاری کے فرائض انجام نہیں دے گا، ہندوستان کے آرام طلب اور سست گام لشکری احمد شاہ ابدالی کے برق رفتار اور طرار لشکریوں کے مقابلے میں ٹھہر نہ پائیں گے۔

لیکن افیونی بادشاہ محمد شاہ رنگیلا ایسا نہیں چاہتا تھا۔ امراء اور سالاروں کے اس مطالبہ کو سن کر ہی وہ بیمار پڑ گیا۔ ساتھ شاہی طبیبوں نے جب اس کا معائنہ کیا تو محمد شاہ کو نقل و حرکت سے منع کر دیا۔

اس موقع پر کوچ کے لئے تاخیر کرنے والے سالاروں اور امراء نے ایک اور حربہ استعمال کیا۔ انہوں نے محمد شاہ رنگیلا سے یہ التجا کی کہ اگر وہ خود لشکر میں شامل نہیں ہوتا اور سپہ سالارِ اعظم کے فرائض انجام نہیں دینا چاہتا تو پھر وہ اپنی جگہ اپنے بڑے بیٹے احمد شاہ کو لشکر میں شامل کر دے۔ لشکر کا سپہ سالارِ اعلیٰ اسے بنا دے۔ یہ سپہ سالاری بے شک نام ہی کی سہی اور اصل کام نظام الملک کے سپرد کر دے۔ لیکن اس کے لشکر میں شامل ہونے کی وجہ سے لشکریوں کے حوصلے بڑھے رہیں گے اور فتح کی امید زیادہ ہو جائے گی۔

Marfat.com

محمد شاہ رنگیلا نے اپنے سالاروں کی اس تجویز کو بھی ماننے سے انکار کر دیا۔ اس نے آخری فیصلہ یہ دیا کہ لشکر فوراً روانہ ہو۔ لشکر کا سالارِ اعلیٰ نظام الملک ہو گا۔ اس کا بیٹا میر منوں اس کے ساتھ ہو گا۔ اس لئے کہ محمد شاہ رنگیلا جانتا تھا کہ نظام الملک کے علاوہ میر منوں بھی جنگ کا بہترین تجربہ رکھتا تھا اور وہ برستی تلواروں اور اڈتے تیروں کے اندر بھی کھڑا ہو کر دشمن کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر دیکھنے کی جرأت رکھتا تھا۔

اس کے علاوہ اودھ کے حاکم صفدر جنگ، وجے پور کے راجہ ایشوری سنگھ اس بہت بڑے لشکر کے نائب سالار مقرر کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے جہاندیدہ اور آزمودہ کار سالاران کے ہمراہ کئے۔ ساتھ ہی لشکر کے اخراجات پورے کرنے کے لئے محمد شاہ نے ساٹھ لاکھ روپے کی رقم بھی عطا کی۔ یہ سارے انتظامات مکمل ہونے کے باوجود نظام الملک، میر منوں اور چند دیگر سالاروں کے سوا سب امراء سستی و غفلت اور سہل نگاری سے کام لیتے اور وقت کو شرمناک طور پر ٹالتے رہے اور اقدامِ پیش قدمی سے گریز کرتے رہے۔

نظام الملک و میر منوں کی نقل و حرکت کام میں آئی۔ اس لشکر میں نظام الملک نے اپنے خاندان کے سارے افراد کو شامل کر لیا تھا۔ شہاب الدین، قاورد خان، عباد الدین، شرف الدین سب اس لشکر میں شامل تھے اور ان سارے سالاروں اور عزیز و اقارب کے اہل خانہ بھی لشکر میں شامل ہوئے تھے۔

آخر نظام الملک اور میر منوں کے شور و غوغا کرنے پر آٹھ جنوری کو لشکر احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ کرنے کے لئے دہلی سے روانہ ہوا۔ یہ وہی دن تھا جب احمد شاہ ابدالی کوچ کرتا ہوا دریائے جہلم، دریائے چناب کو عبور کرنے کے بعد شاہدرہ میں جہانگیر کے مقبرے کے پاس اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر چکا تھا اور وہ ایک طرح سے لاہور کے دروازے پر مقیم تھا۔

دہلی کا لشکر اگر اپنے کوچ میں بے جا تاخیر نہ کرتا اور تیزی سے مغرب کی طرف روانہ ہوتا تو یقیناً احمد شاہ کے لشکر کو دہلی کا لشکر دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد اٹک کے مقام پر ہی روک سکتا تھا۔

نظام الملک اور اس کے ساتھ وہ سالار جو جلد از جلد احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے انہوں نے یہ طے کیا تھا کہ احمد شاہ ابدالی کے دریائے چناب کو عبور کرنے

Marfat.com

سے پہلے ہی وہ لاہور میں داخل ہو کر اپنا دفاع مضبوط اور مستحکم کر لیں گے لیکن حالات کی ستم ظریفی کہ لشکر ابھی دہلی سے صرف سولہ میل کے فاصلے پر سونی پت کے مقام پر پہنچا تھا کہ خبر ملی کہ احمد شاہ ابدالی نے برق رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہوئے لاہور پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ خبر سن کر لشکر نے سونی پت کے مقام پر پڑاؤ کر لیا تھا۔

سونی پت کے مقام پر پڑاؤ کرنے کے بعد سارے سالاروں اور جنگی کونسل نے مجلس منعقد کی۔ صلح و مشورے کے بعد دہلی کے شہنشاہ محمد شاہ رنگیلا سے استدعا کی گئی کہ یہ بڑا نازک وقت ہے اور اس وقت بگڑا ہوا کام صرف اسی طرح سنبھل سکتا ہے کہ ولی عہد مملکت شہزادہ احمد کو لشکر کے اندر رکھا جائے تاکہ لشکریوں کے حوصلے بلند رہیں اور عزم و ثبات میں فرق نہ آئے۔ آخر خدا خدا کر کے بڑی ہی مشکل سے محمد شاہ نے اپنے بیٹے کو لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔ یہ اجازت ملنے کے بعد محمد شاہ کا بیٹا اتوار کے روز دہلی سے روانہ ہوا اور اسی روز وہ سونی پت میں لشکر کے پڑاؤ میں آن پہنچا۔

لشکر نے سونی پت سے کوچ کیا اور پانی پت کے میدان میں پہنچا۔ آخر سارے سالاروں نے مل کر نظام الملک کو مشورہ دیا کہ پہلے سرہند کا رخ کیا جائے۔ لشکر کے اندر جو فالتو سامان و فالتو اسلحہ و باربرداری کا ایسا سامان ہے جس کی ابھی ضرورت نہیں اسے سرہند شہر میں رکھا جائے۔ وہاں اس سامان کی حفاظت کے لئے ایک ہزار کے قریب لشکری رکھے جائیں۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ کرنے کے لئے لاہور کا رخ کیا جائے۔

نظام الملک نے ایسا ہی کیا۔ چھبیس فروری کو یہ لشکر سرہند شہر میں پہنچا۔ سارا فالتو سامان سرہند کے قلعے میں رکھا گیا اور وہاں اس سامان کی حفاظت کے لئے ایک ہزار سواروں پر مشتمل لشکری مقرر کر دیئے گئے اس کے بعد لشکر نے لاہور کی طرف کوچ کیا۔

آگے بڑھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اوپر کوہستانی سلسلے کے اندر بارشوں کی وجہ سے دریائے ستلج میں چونکہ تازہ پانی آیا ہوا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس شاہراہ کو چھوڑ دیا جائے جو لدھیانہ کی طرف جاتی ہے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ لدھیانہ کے مقابلے میں مچھی واڑے کا رخ کیا جائے۔ وہاں دریا زیادہ پایاب ملے گا اور اسے آسانی سے عبور کر لیا جائے گا۔

یہ فیصلہ ہونے کے بعد لشکر نے اس بڑی شاہراہ کو ترک کر دیا جو سرہند سے لدھیانہ

Marfat.com

کی طرف جاتی تھی اور لشکر نے مچھی واڑہ کا رخ کیا تھا۔ اس بڑی شاہراہ کو ترک کرنے کے بعد آخر خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔ اس لئے کہ دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کو بھی اس لشکر کی پیش قدمی کی اطلاع ہو چکی تھی۔ ایک طرف ہندوستان کا لشکر مچھی واڑے کے راستے دریائے ستلج کو عبور کر کے لاہور کا رخ کر رہا تھا دوسری طرف احمد شاہ فوراً لاہور سے نکلا۔ جس وقت وہ لاہور سے روانہ ہوا اس وقت اس کے پاس تیس ہزار کا ایک بہترین لشکر تھا۔ لاہور سے روانہ ہوتے وقت اس نے قصور کے جلہ خان کو لاہور کا حاکم مقرر کیا تھا۔ قصور کا جلہ خان وہی تھا جس نے ہندوستان کے لشکر سے نکل کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔

لاہور سے روانہ ہوتے وقت اپنی نقل و حرکت کو پوری طرح پوشیدہ رکھنے کے لئے احمد شاہ ابدالی نے یہ فرمان صادر کر دیا کہ جو ہندوستانی بھی اس کے لشکر کے آس پاس گھومتا پھرتا دکھائی دے اسے بے تامل فوراً قتل کر دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں ہندوستانی لشکر کے بہت سے مخبر و طلایہ گر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ لہٰذا نظام الملک اور اس کے سالاروں کو یہ خبر نہ ہو سکی کہ ابدالی لاہور سے نکل کر سرہند کی طرف کوچ کر چکا ہے۔

احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ جب پھلور کے مقام پر پہنچا تو اسے اس کے مخبروں نے اطلاع دی کہ ہندوستانی لشکر نے سرہند میں ایک بڑا خزانہ رکھنے کے ساتھ ساتھ وہاں ضروریات کا فالتو سامان بھی چھوڑا ہے اور اس سامان کی حفاظت کے لئے ایک ہزار لشکری مقرر کئے ہیں۔

یہ ایک ہزار لشکری صرف اس سامان کی حفاظت کے لئے تھے جو نظام الملک نے وہاں چھوڑا تھا ورنہ اس وقت سرہند کا حاکم ایک شخص محمد خان روہیلہ لشکر میں تھا۔

احمد شاہ ابدالی کو جب اس صورت حال سے آگاہی ہوئی تو اس نے ایک خط سرہند کے سالار علی محمد خاں روہیلہ کو لکھ کر بھیجا اور اس سے کہا کہ وہ اطاعت اور رفاقت کے لئے تیار رہے اور اگر وہ ہندوستانی لشکر سے اپنی وفاداری ترک کر کے احمد شاہ ابدالی کا ساتھ دے گا تو اس کے صلے میں احمد شاہ ابدالی فتح و کامرانی حاصل کرنے کے بعد اسے ہندوستان کا وزیر بنا دے گا۔

احمد شاہ ابدالی کا یہ خط ملنے کے بعد علی محمد نے اپنے سارے سالاروں کی ایک مجلس

Marfat.com

طلب کی اور ان سے صلاح و مشورہ طلب کیا۔ مجلس کے افغان سرداروں نے متفقہ طور پر یہ رائے دی کہ احمد شاہ کی دعوت و اطاعت اور رفاقت فوراً قبول کر لینی چاہئے۔

لیکن علی محمد خان ایک عقلمند و زیرک شخص تھا اس نے سارے افغان سرداروں کو مخاطب کر کے کہا۔

''آپ لوگوں کا مشورہ سر آنکھوں پر لیکن میں جانتا ہوں احمد شاہ ابدالی ہندوستان میں قیام نہیں کرے گا۔ بہت جلد وہ واپس چلا جائے گا لہٰذا میری رائے میں یہ مناسب نہیں ہو گا کہ ہم اس ملک کے لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہوں اور ہندوستان کے شہنشاہ اور سرداروں کے معتوب اور مقہور ہو کر رہ جائیں۔''

چنانچہ علی محمد خاں نے محفوظ ترین راستہ اختیار کیا۔ سرہند شہر کے اندر اس وقت جو چوبیس ہزار سواروں پر مشتمل ایک لشکر اس کے تحت تھا اسے لے کر وہ سرہند کو خالی کر کے چلا گیا۔ اس طرح گویا یہ کارروائی کر کے علی محمد خاں نے احمد شاہ ابدالی کے لئے سرہند میں داخل ہونے کا راستہ صاف کر دیا تھا۔

آخر کار یکم مارچ کو احمد شاہ ابدالی نے لدھیانہ کے مقام پر دریائے ستلج کو عبور کر لیا اور ناک کی سیدھ میں سرہند کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس طرح بغیر روک ٹوک و مزاحمت اور مقاومت کے احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ رواں دواں آگے بڑھتا چلا گیا۔ تقریباً چالیس میل کا فاصلہ احمد شاہ ابدالی نے صرف ایک دن میں طے کر لیا۔ دو مارچ کو احمد شاہ ابدالی کا لشکر سرہند کے قلعے کی فصیل کے سامنے کھڑا تھا۔

نظام الملک نے اپنے سامان کی حفاظت کے لئے جو وہاں ایک ہزار سواروں کا دستہ مقرر کیا تھا وہ احمد شاہ ابدالی کے تیس ہزار کے لشکر کا مقابلہ کیا کرتا۔ پھر بھی اس نے تھوڑی بہت مزاحمت کی اور احمد شاہ ابدالی نے حملہ آور ہو کر ان سب کا خاتمہ کر دیا۔ قلعے کے دروازے کھل گئے۔ قلعے کے سارے خزانے اور ساز و سامان پر قبضہ کر لیا گیا اور سرہند شہر میں مردوں کی بڑی تعداد کی گردنیں کاٹ دی گئیں اور عورتوں کو باندیاں بنا لیا گیا۔ اندرون اور بیرونِ قلعہ بہت سے مکانات نذرِ آتش کر دیئے گئے اور ان کا مال اور زرِ نقد بلکہ سارا سامان لوٹ لیا گیا۔

سرہند پر قبضہ کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے خیمے بادشاہی باغ میں نصب کرائے اس کے علاوہ اس باغ سے ملحق جو دوسرے باغات تھے ان پر قبضہ کر

Marfat.com

لیا۔ دوسرا قدم احمد شاہ ابدالی نے یہ اٹھایا کہ اپنے لشکر کو ہلکا پھلکا کرنے کے لئے جس قدر مالِ غنیمت اس کے ہاتھ سرہند شہر سے آیا تھا وہ سارا مالِ غنیمت اور بھاری ساز و سامان اس نے لاہور بھجوا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ جب ان جنگوں سے فارغ ہونے کے بعد وہ واپس جائے گا تو لاہور سے یہ سارا سامان لے کر واپسی کا سفر کرے گا۔

سرہند پر قبضہ کی خبر جب نظام الملک کو پہنچی جو اس وقت لاہور کی طرف کوچ کئے ہوئے تھا تب اس نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ اس خبر کے ساتھ یہ بھی خبریں آنی شروع ہوئیں کہ سرہند پر قبضہ کرنے کے بعد اب احمد شاہ ابدالی دہلی پر یلغار کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور بہت جلد سرہند سے کوچ کرنے والا ہے۔

سرہند کا ہاتھ سے نکل جانا اور دہلی کی طرف کوچ کی تیاریاں کرنا ایسا حادثہ تھا جس سے ہندوستانی لشکر سراسیمہ ہو کر رہ گئے تھے۔ انہیں اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں لڑے بغیر انہیں شکست سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ لہٰذا وہ پلٹے اور سرہند کا رخ کیا۔

دوسری طرف دہلی میں جب احمد شاہ ابدالی کے سرہند پر قبضہ کرنے اور پھر دہلی کی طرف کوچ کرنے کے ارادے کی خبریں پہنچیں تو دارالحکومت دہلی میں سخت اضطراب اور تشویش کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ لوگوں کو رونگٹے کھڑے کر دینے والے وہ خونریز واقعات یاد آنے لگے جو نادر شاہ کی آمد پر رونما ہوئے تھے۔ چنانچہ شہر سے بہت بڑی تعداد میں لوگ اپنے عزیز و اقارب اور مال و متاع کو لے کر راہِ فرار اختیار کرنے لگے تھے۔ محمد شاہ رنگیلا کو اس فرارِ عام کو روکنے کے لئے آخر سخت اقدامات کرنے پڑے اور اس نے مختلف جگہوں پر چوکیاں قائم کر دیں تا کہ لوگ شہر سے بھاگنے نہ پائیں۔

❋

آخر تین مارچ کو محمد شاہ رنگیلا کا بیٹا احمد اور وزیر نظام الملک اپنے لشکر کو لے کر سرہند کی طرف بڑھے اور مان پور نام کے قصبہ کے قریب انہوں نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی نے سرہند کے باغات میں اپنے مورچے قائم کئے اور تقریباً پانچ میل آگے بڑھ کر خندقیں کھود لیں۔ ان خندقوں سے مان پور کا فاصلہ بھی قریب قریب پانچ میل کے لگ بھگ تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ مغل لشکر کی حالت زیادہ محفوظ نہ تھی۔ آس پاس کا تمام علاقہ

Marfat.com

خشک اور بے آب وگیاہ تھا۔ وہاں احمد شاہ ابدالی نے کچھ نہ رہنے دیا تھا اور جو تھوڑے بہت کنوئیں رہ گئے تھے وہ لشکر کی پانی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ناکافی تھے۔

اس کے برعکس احمد شاہ ابدالی کی حالت مغلوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ مضبوط اور مستحکم تھی۔ سرہند شہر پر قبضہ ہونے کے باعث نہ اسے پانی کی تکلیف تھی نہ رسد اور اناج کی فراہمی میں کوئی دشواری پیش آسکتی تھی۔ پانی بھی با افراط تھا اور اناج کی بھی بہتات تھی۔

لیکن اس کے باوجود وہ جس چیز کی کمی سب سے زیادہ محسوس کرتا تھا وہ توپ خانے کا نہ ہونا تھا۔ اس کے پاس صرف ایک بھاری توپ تھی باقی چند چھوٹی چھوٹی توپیں تھیں۔ اس کے برعکس مغلوں کے پاس کئی بھاری اور چھوٹی توپیں تھیں۔ چنانچہ جنگ کی ابتداء احمد شاہ ابدالی ہی نے کی اور یہ ابتداء اس طرح ہوئی کہ چھوٹے چھوٹے دستے اِدھر اُدھر چھاپے مارنے کے لئے بھیجنے شروع کئے گئے تاکہ مغلوں میں افراتفری پیدا ہو۔ وہ پیش قدمی کی بجائے صرف دفاع پر مجبور ہو جائیں۔ احمد شاہ ابدالی جانتا تھا کہ ان کے پاس رسد کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ آس پاس کے علاقوں سے بھی انہیں ایک دانہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ چونکہ ان علاقوں میں احمد شاہ ابدالی نے کچھ نہ رہنے دیا تھا۔ پانی کی کمی، اناج کی نایابی کی وجہ سے احمد شاہ ابدالی کو امید تھی کہ مغل سالار بہت جلد اپنے لشکر کو لے کر پسپا ہو جائیں گے۔

جے پور کے راجہ ایشوری سنگھ اور چند دوسرے سالاروں نے مشورہ دیا کہ یہی وقت ہے کہ بے دھڑک ہو کر احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر ہلہ بول دیا جائے اور انہیں راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ لیکن یہ مشورہ قبول نہ کیا گیا۔ نظام الملک اور شہزادہ احمد نے سمجھ لیا کہ جنگ کو ڈھیل دی جائے اور بڑے پیمانے پر حملہ نہ کیا جائے۔ اس طرح افغان بھوکے مرنے لگیں گے۔ بہتر ہے کہ آس پاس کے چھوٹے بڑے حاکموں سے رابطہ قائم کر کے اپنے لئے اناج حاصل کیا جائے۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر توپ خانے سے آگ برسا کر اسے بھاگ جانے پر مجبور کیا جائے۔

یوں ایک ہفتہ تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑے رہے اور کوئی بڑا معرکہ پیش نہ آیا۔ دوسری طرف احمد شاہ ابدالی ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔ اس کے چھاپہ مار دستے زیادہ سرگرم اور کارگزار تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خوفناک جنگ

Marfat.com

قریب سے قریب تر آتی چلی گئی تھی۔

نو مارچ کو احمد شاہ ابدالی نے اپنی بھاری توپ سے جو صرف ایک تھی مغل لشکر کے خیموں پر آگ برسانا شروع کر دی۔ نشانہ اتنا درست تھا کہ گولے خندقوں اور خیموں پر گرے۔ کچھ سرداروں کی چھولداریوں پر بھی گولے گرے جس کے نتیجے میں جانوروں اور لشکریوں کی بڑی تعداد ہلاک ہوگئی۔ اس آتش باری سے اتنی بڑی تعداد میں لوگ زخمی ہوئے کہ اپنے سالاروں کے دباؤ پر مجبور ہو کر نظام الملک نے پوری طاقت اور قوت سے احمد شاہ ابدالی پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

جنگ کی ابتداء کرنے سے پہلے لشکر کے مختلف حصے کیے گئے۔ لشکر کے اندر جس قدر ترک تھے ان کا ایک لشکر علیحدہ کر دیا گیا۔ ترکوں کے اس لشکر کا کماندار وزیر نظام الملک کے بیٹے میر منوں کو بنایا گیا۔ اس کا پورا نام تو میر معین الدین خان تھا۔ پیار اور محبت سے اسے میر منوں کے نام سے پکارا جاتا تھا اور معین الملک کے خطاب سے وہ سرفراز کیا گیا تھا۔ یہ شخص بلا کا جرأت مند، دلیر، شجاع، عمدہ اور نایاب قسم کا تیغ زن اور جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا تھا۔

اس وقت مغلوں کے لشکر میں جو ایرانی سپاہی تھے ان کا کماندار اودھ کے حاکم صفدر جنگ کو مقرر کیا گیا اور ایرانیوں کے اس حصے کو جنگ کا دایاں پہلو قرار دیا گیا۔ لشکر کے ایک حصے کو قلب کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اس کی کمانداری شہزادہ احمد اور وزیر نظام الملک کے ہاتھ میں تھی۔

لشکر کا ایک حصہ بائیں پہلو کے طور پر علیحدہ کیا گیا۔ اس حصے کا کماندار جے پور کے راجہ ایشوری سنگھ کو بنایا گیا تھا جس کے تحت کچھ مغل لشکریوں کے علاوہ راجپوت لشکری بھی تھے۔

لشکر کا پانچواں حصہ کابل کے سابق حکمران نصیر خان کی کمانداری میں رکھا گیا تھا اور اس کے ذمہ لشکر کی پشت اور پڑاؤ کی حفاظت لگائی گئی تھی۔

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی نے بھی لشکر کی تقسیم کا کام سرانجام دیا۔ اس کے لشکر میں اس وقت افغانوں کے علاوہ تین ہزار ایرانی تھے۔ انہیں اس نے ایک ایرانی سالار محمد تقی خان شیرازی کی کمانداری میں دیا۔ لشکر کے باقی حصے اس نے اپنے مختلف افغان سرداروں کی کمانداری میں دیئے تھے۔ لشکر کی تقسیم کے بعد احمد شاہ ابدالی اپنے گھوڑے

Marfat.com

کو ایڑھ لگاتا ہوا ایرانی لشکر کے سالار محمد تقی خان شیرازی کے پاس آیا۔ کچھ دیر تک غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے اس طرح دیکھنے پر محمد تقی خان شیرازی کو شک ہوا کہ شاید اس سے کوئی غلطی، کوئی خطا ہوئی ہے اس بناء پر احمد شاہ ابدالی اس کی طرف آیا ہے اور اسے میدانِ جنگ میں سزا دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔

آخر احمد شاہ ابدالی نے محمد تقی خان شیرازی کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

''تقی شیرازی! میں نے تمہارے ذمے ایک اور انتہائی اہم ذمہ داری لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔ دیکھو ہندوستانی لشکر سرہند سے باہر ان میدانوں میں ہمارے خلاف جان توڑ کر لڑے گا۔ ان کی پوری کوشش ہو گی کہ سرہند سے آگے ہمیں دہلی کی طرف پیش قدمی نہ کرنے دیں اور یہیں سے ہمیں مار بھگائیں۔ جبکہ ہم نے کوشش یہ کرنی ہے کہ سرہند کے نواح میں مغلوں کے اس لشکر کو بدترین شکست دینے کے بعد نادر شاہ کی طرح ہم نے بھی دہلی کی طرف پیش قدمی کرنی ہے اور نادر شاہ کی طرح ہی دہلی کو اپنی گرفت میں لینا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد احمد شاہ ابدالی رکا، پھر اپنی بات کو وہ آگے بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تقی شیرازی! میں جانتا ہوں تم ایک نایاب سردار اور ایک عمدہ سالار ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ جنگ کے دوران تم ہندوستان کی سلطنت کے وزیر نظام الملک کے بیٹے میر منوں کا مقابلہ کرو۔ ابھی ابھی جو میرے مخبروں نے مجھے اطلاع دی ہے وہ یہ ہے کہ ترکوں کا ایک گروہ علیحدہ کیا گیا ہے اور اس گروہ کو میر منوں کی کمانداری میں دیا گیا ہے۔ یہ ترک چند ہزار ہیں۔ اور ان کی تعداد ان ایرانی جنگجوؤں سے کم ہے جنہیں میں نے تمہاری کمانداری میں دے دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں جنگ کے دوران تم میر منوں پر ضرب لگاؤ۔ ایسا کرتے وقت ایک بات ذہن میں ضرور رکھنا، ہندوستانی لشکر میں اس وقت مجھے کسی سے خطرہ ہے تو وہ صرف میر منوں ہے یاد رکھنا یہ شخص بلا کا جنگجو، جنگ کا وسیع تجربہ رکھنے کے ساتھ ساتھ دلیری، شجاعت، ہمت اور جرأت مندی میں اپنا ثانی، اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس نے بڑے بڑے سورماؤں پر اپنا دبدبہ قائم کر رکھا ہے۔ تقی شیرازی! میر منوں ان جوانوں میں سے ہے جو پرانے دیولاخوں سے اٹھتے مہیب طوفانوں، بے روک مرگ کی گرانباری اور وحشتوں کے مناظر میں درد کی اندھی گھٹن کی

Marfat.com

طرح اپنے دشمن کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ میرا تمہیں مشورہ ہے کہ اس کے سامنے آتے ہی اس پر پراگندہ کر دینے والی سیال آتش، رقص کرتے وحشی فتنوں کی طرح حملہ آور ہو کر اس کی ہر چال، اس کے ہر فریب کو ناکام بنا کر رکھ دینا۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو یاد رکھنا پھر وہ جوابی کارروائی کرتے ہوئے تم پر تلخیوں کے انبوہ، خوفنا کی کے ہجوم، موت کے سراب، روح کے عذاب کی طرح تم پر وارد ہو گا اور تمہارے ہر طرف ایسے طوفان کھڑے کر دے گا کہ تمہیں اپنے چارسُو قضا فروش عناصر کے علاوہ کچھ دکھائی نہ دے گا۔“

احمد شاہ ابدالی جب خاموش ہوا تب تقی شیرازی چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔

”میر منوں کی ایسی تیسی۔ آپ دیکھئے گا کہ جنگ کی ابتداء ہونے کے بعد میں پہلے حملے ہی میں اسے لپیٹ کر رکھ دوں گا اور اسے اس قابل نہیں چھوڑوں گا کہ وہ جنگ میں کوئی بڑا کارنامہ دکھا سکے۔“

احمد شاہ ابدالی اپنے اس ایرانی سالار کے اس جذبے و ولولے سے مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر دونوں لشکروں نے اپنی صفیں درست کیں۔ اس کے ساتھ دیکھتے ہی دیکھتے دونوں لشکر ایک دوسرے پر رگ رگ میں چھپے خوف، لاوے کی ابلتی لہروں، بھاپ اور تیل کے جلتے غبار اور اندیشوں بھرے بگولوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

میدانِ جنگ میں وحشتوں کی قبا اوڑھے خوف کی جلتی تاریکیاں، نظر نظر میں خوف، نفس نفس میں وحشت بھرنے لگی تھیں۔ ان کے درمیان صبح سویرے ہی جنگ کی ابتداء ہو گئی تھی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ صبح سویرے دونوں لشکروں کے چھوٹے چھوٹے حصے آپس میں ٹکرائے تھے۔ ہندوستانی لشکر کی بدقسمتی کہ جنگ کی ابتداء ہونے سے تھوڑی ہی دیر بعد جس وقت نظام الملک اپنے خیمے میں اپنے مصلے پر بیٹھا وظائف میں مصروف تھا کہ دفعتہً اس کے خیمے کو چاک کرتا ہوا ایک گولہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کی طرف سے آیا اور زمین پر گرا پھر اچھلا اور نظام الملک کی پیٹھ کو بری طرح زخمی کر دیا۔ اس موقع پر کچھ لشکری نظام الملک کے قریب تھے۔ وہ اسے سنبھالنے لگے تھے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ بات بظاہر انہونی سی معلوم ہوتی ہے کہ احمد شاہ ابدالی کی توپوں کا نشانہ اتنا سیدھا تھا کہ پہلا گولہ ہی ٹھیک وزیر کے خیمے میں آ کر گرا اور اسے موت کا زخم لگاتا چلا گیا۔ لیکن مؤرخ آنند رام نے اپنے تذکرے میں پہلے گولے کے

Marfat.com

نظام الملک کو لگنے کی کچھ وجوہات بیان کی ہیں۔

آنند رام کا بیان ہے کہ بیس ربیع الاول کو افغان لشکر کے دو آدمی نظام الملک کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ نظام الملک سے ملاقات کرنے کے بعد انہوں نے نظام الملک کو یقین دلایا کہ وہ دونوں لاہور کے سابق والی ذکریا خان کے پرانے جانثاروں اور وفاداروں میں سے ہیں اور انہیں جبراً احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں شامل کر لیا گیا تھا جبکہ وہ خود اپنی مرضی سے مغل لشکر کو چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ انہوں نے نظام الملک کو یہ بھی یقین دلایا کہ وہ اپنے تمام دوسرے ساتھیوں کے ساتھ جنگ کے دوران نظام الملک کے لشکر میں شامل ہو جائیں گے۔ نظام الملک نے اس داستان پر اعتماد کر لیا۔ ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا اور داروغہ کو حکم دیا کہ ان دونوں کے نام اپنی سپاہ کی فہرست میں داخل کر لئے جائیں۔ ساتھ ہی نظام الملک نے انعام کے طور پر انہیں کچھ رقم بھی دی۔ اس طرح ضروری معلومات اور اطلاعات لے کر وہ لوگ احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں واپس چلے گئے اور نظام الملک کو یہ جھانسہ دے آئے کہ وہ اپنے آدمیوں کو لے کر واپس آتے ہیں۔ اس طرح احمد شاہ ابدالی کے ان دو جاسوسوں نے احمد شاہ ابدالی کے توپچیوں کو نظام الملک کے خیمے کے محل وقوع سے آگاہ کر دیا تھا جس کی بناء پر پہلا گولہ ہی خیمے کو لگا اور نظام الملک کو زخمی کرتا چلا گیا تھا۔

اس کے علاوہ تاریخ احمد شاہی کے مصنف نے اس سلسلے میں ایک اور قصہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک روز احمد شاہ ابدالی نے اپنے کچھ آدمیوں کے ذریعے اونٹ پر کچھ پھل لاد کر محمد شاہ رنگیلا کے بیٹے احمد کو بھیجے۔ اس خط میں اس تمنا کا اظہار کیا گیا تھا کہ اگر کابل اور ٹھٹھہ نادر شاہ کی طرح اس کے حوالے کر دیئے جائیں، نیز یہ کہ نادر شاہ دہلی سے جو روپیہ لے گیا تھا اس کی طرح اسے بھی رقم مہیا کی جائے تو وہ واپس چلا جائے گا۔

محمد شاہ رنگیلا کے بیٹے احمد نے وہ خط اور اونٹنی اودھ کے حاکم کے ذریعے اپنے وزیر نظام الملک کو روانہ کر دیئے۔ نظام الملک نے احمد شاہ ابدالی کو پیغام بھیجا کہ اسے دست بستہ حضور شاہی میں حاضر ہونا چاہئے۔ تب ہی شہنشاہ کی طرف سے اس کے جرائم کی سزا معاف ہو سکتی ہے۔

اس موقع پر جو شخص سفارت کے فرائض انجام دے رہا تھا وہ توپ چلانے والا ایک

Marfat.com

لشکری تھا جس کا نام مہدی قلی تھا۔ کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ آنے والا وہ شخص جس کا نام مہدی قلی تھا، احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں توپ خانے کا افسرِ اعلیٰ تھا۔

نظام الملک سے گفتگو کرنے کے بعد وہی مہدی قلی عجیب سے انداز میں حرکت میں آیا۔ نظام الملک کے خیمے سے واپس جاتے ہوئے اس نے اپنے قدموں کا شمار کر کے خیمے کے فاصلے کا اندازہ کر لیا۔ یہی وجہ تھی کہ احمد شاہ ابدالی کے توپچیوں نے جب گولے داغنے شروع کئے تو پہلا گولہ ہی نظام الملک کے خیمے میں آ کر لگا۔ اس لئے کہ مہدی قلی نے اپنے قدموں کے ذریعے اپنے لشکر کی توپوں اور نظام الملک کے خیمے کے درمیان فاصلے کو ناپ لیا تھا اور اس ناپ کے مطابق گولہ چلایا جس نے نظام الملک کے خیمے کو اپنا ہدف بنایا۔

اس وقت جنگ کی ابھی ابتداء ہی ہوئی تھی کہ میر منوں کو خبر پہنچی کہ اس کے باپ کو توپ کا گولہ لگ گیا ہے۔ لہٰذا اپنی جگہ اس نے دوسرے سالاروں کو اپنے حصے کے لشکر کا کماندار بنایا اور خود شہاب الدین کے ساتھ اپنے باپ کے خیمے کی طرف لپکا تھا۔ جس وقت وہ دونوں نظام الملک کے خیمے میں داخل ہوئے اس وقت نظام الملک اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ اسے اپنی موت کا احساس ہو چکا تھا۔ میر منوں اور شہاب الدین اس کے سامنے آ کر بیٹھے تو کچھ دیر عجیب سے انداز میں اس نے دونوں کی طرف دیکھا پھر آخری الفاظ جو اس نے ادا کئے وہ کچھ اس طرح تھے۔

"میرے بچے! میرا تو اب چل چلا کا وقت آ گیا ہے۔ شہنشاہ کا کام ابھی باقی ہے۔ تم فوراً سوار ہو کر میدانِ جنگ میں جاؤ۔ دشمن پر حملہ کر دو۔ قبل اس کے کہ میری موت کی خبر منتشر ہو آقا کا حقِ نمک ہر چیز پر بالا ہے۔ میری پرواہ نہ کرو۔"

ان الفاظ کے بعد کلمہ شہادت پڑھتا ہوا نظام الملک عدم کو کوچ کر گیا تھا۔

اپنے باپ کا حادثۂ وفات میر منوں کے لئے بڑا دل دوز المیہ تھا لیکن اس نے حواس قابو میں رکھے اور ہمت سے کام لیا۔ اس نے نظام الملک یعنی اپنے باپ کو خون آلود کپڑوں میں ہی اس خیمے میں دفن کر دیا جس خیمے میں وہ مصلے پر بیٹھ کر تلاوت کر رہا تھا اور زمین اس طرح برابر کر دی کہ قبر کا نشان کسی طرح باقی نہ رہے۔

اس کے بعد میر منوں اپنے باپ کے ہاتھی پر سوار ہوا اور حکم دیا کہ نقارے بجا دیئے جائیں۔

Marfat.com

میر منوں نے اپنے باپ کے مرنے کی خبر کسی سالار کو نہ دی۔ حتیٰ کہ محمد شاہ رنگیلا کے بیٹے احمد کو بھی یہ خبر نہ ہونے دی اور مشہور یہ کیا گیا کہ نظام الملک کو زکام کی شکایت ہوگئی ہے اور اس نے اپنے فرزند ارجمند میر منوں کو حکم دیا ہے کہ اس کی جگہ وہ لشکر کی کمانداری اپنے ہاتھ میں لے لے اور جنگ جاری رکھے۔

دونوں لشکروں کے کچھ حصے شروع میں ایک دوسرے پر بری طرح حملہ آور ہو کر ٹکرائے تھے لیکن بعد میں جب توپیں چلنے لگیں تو ٹکرانے والے لشکر کے وہ حصے پیچھے ہٹ گئے تھے لہٰذا ایک دوسرے پر توپیں داغی جانے لگی تھیں۔

توپیں داغے جانے کے اس عمل کے دوران میر منوں نے اپنے لشکر کے سارے سالاروں کو اپنے پاس طلب کیا۔ جب وہ اس کے پاس جمع ہو گئے تب اس نے دل ہلا دینے والے انداز میں انہی مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''جو میرے ساتھ جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہے میں اسے خوش آمدید کہتا ہوں اور جو جنگ میں حصہ نہیں لینا چاہتا وہ اپنے خیمے میں بڑے شوق سے واپس جا سکتا ہے۔ کیونکہ جنگ کے دوران پیٹھ پھیرنا تباہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو جب تک تن میں جان ہے انشاء اللہ میدانِ جنگ سے قدم نہیں ہٹاؤں گا۔''

اس تقریر کے بعد میر منوں اپنے پورے لشکر کو حرکت میں لایا اور احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف کسی نہ کسی طرح نظام الملک کی ہلاکت کی خبر احمد شاہ کے لشکر میں بھی پھیل گئی تھی۔ اس خبر کے ملتے ہی ایرانی سالار علی قلی شیرازی نے احمد شاہ ابدالی کی ہدایت کے مطابق اپنے حصے کے لشکر کا رخ موڑا اور سارا زور میر منوں کی طرف لگا دیا اور پے در پے اور مسلسل حملے اس کے حصے کے لشکر پر شروع کر دیئے تھے۔

مؤرخین لکھتے ہیں اس موقع پر میر منوں شجاعت کا پیکر بنا ہوا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کا دل بڑھایا اور حملہ آوروں کا سیل رواں روک دکھایا۔ پھر جب میر منوں نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے علی قلی شیرازی پر حملے شروع کیے تو علی قلی کو پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔ یہ صورتِ حال احمد شاہ ابدالی کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ لہٰذا میر منوں پر دباؤ بڑھانے کے لئے احمد شاہ ابدالی نے علی قلی کی مدد کے لئے اپنے کچھ اور دستے بھی اس کی کمانداری میں روانہ کر دیئے تھے۔

Marfat.com

حیرت اور کمال کی بات یہ ہے کہ احمد شاہ ابدالی نے لگاتار کئی لشکر علی قلی کی مدد کے لئے بھجوائے تا کہ وہ میر منوں کو ہر صورت میں پسپا کرے۔ احمد شاہ ابدالی کا خیال تھا کہ اگر جنگ کے دوران میر منوں کو پسپا کر دیا گیا تو پھر اس کی فتح یقینی ہے۔ لیکن وقت کی آنکھ نے دیکھا کہ احمد شاہ ابدالی کے پے در پے لشکر روانہ کرنے کے باوجود علی قلی تابڑ توڑ حملے کرتے ہوئے میر منوں کو ذرا برابر بھی پیچھے نہ ہٹا سکا تھا۔

ادھر میر منوں کے علاوہ دوسرے سالار صفدر جنگ اور ایشوری سنگھ بھی سر پر کفن باندھے اعلیٰ شجاعت اور جرأت مندی کا اظہار کر رہے تھے۔

احمد شاہ ابدالی نے جب دیکھا کہ میر منوں کو کسی بھی طرح پسپا نہیں کیا جا سکا تب اس نے ایک اور چال چلی۔

مغلوں کے لشکر میں جو راجپوت شامل تھے وہ جنگ کے دوران کیسری اور زعفرانی لباس پہن کر میدانِ جنگ میں آئے تھے اور اس عزم کے ساتھ میدانِ جنگ میں اترے تھے کہ یا تو فتح حاصل کریں گے یا جان دے دیں گے۔ احمد شاہ ابدالی کے تربیت یافتہ لشکری جب ان راجپوتوں پر حملہ آور ہوئے تو راجپوت جو تلوار کے دھنی تھے، جنہیں اپنی شمشیر زنی پر بھروسہ تھا، احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں کے طوفانی حملوں کے سامنے ناکارہ ثابت ہوئے۔ مختلف حملوں کے دوران ان گنت راجپوت میدانِ جنگ میں کام آئے۔ احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں کے یہ حملے اتنے خوفناک تھے کہ راجپوتوں کو تلوار چلانے کا موقع ہی نہ ملتا تھا اور دشمن سے یہ دوبدو جنگ کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔

اس عجیب وغریب اندازِ جنگ نے راجپوت لشکریوں کے اعصاب کو خستہ اور مضمحل کر دیا تھا جو صدیوں سے اپنے مخصوص طرزِ جنگ میں مہارت کی بناء پر امتیازِ خاص کے حامل چلے آتے تھے۔ لیکن یہاں ان کی ہر مہارت ناکام ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ راجپوتوں کی اس بے بسی اور کمزوری کو احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں نے محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا سارا زور راجپوتوں کے لشکر کے خلاف لگا دیا تھا اور زوردار حملے کرتے ہوئے انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں کے زوردار حملوں کے باعث راجپوت لشکریوں کا حال ابتر ہو گیا۔ ان کے ہزاروں ساتھی میدانِ جنگ میں کام آ چکے تھے۔ ان کے سالار راجہ ایشوری سنگھ کے حواس بھی جاتے رہے تھے۔ اس نے جب دیکھا کہ چاروں طرف اس کے ساتھیوں اور لشکریوں کی لاشیں

Marfat.com

پڑی ہیں تو وہ بدحواس ہو گیا تھا۔
آخر ایشوری سنگھ اور دوسرے سالاروں کو اپنی سلامتی اس میں نظر آئی کہ وہ راہِ فرار اختیار کریں اور جس طرح ہو سکے اپنی جانیں بچالیں۔
وہ لوگ جو زعفرانی لباس پہن کر اور مارنے یا مرنے، فتح حاصل کرنے یا جان دینے کا عہدِ محکم کر کے جنگ میں اترے تھے جنہیں اپنے تہور اور شجاعت پر فخر اور ناز تھا اس وقت وہ انتہائی سراسیمگی اور بدحواسی کے عالم میں احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں کے سامنے سے دُم دبا کر بھاگ نکلے تھے۔
احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں کے سامنے راجپوتوں کی سراسیمگی اور دہشت زدگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہلکا پھلکا ہو کر بھاگنے کے لئے انہوں نے اپنا بہت سا ساز و سامان اور جنگی آلات تک پھینک دیئے۔ کچھ نے اپنے سامان کو آگ لگا دی اور میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔
راجپوتوں کا صفایا کرنے اور انہیں پسپا کرنے کے بعد اب احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ بہت مطمئن تھا۔ اب اس نے اپنے پورے لشکر کا زور اور قوت میر منوں کے مقابلے میں لا کر جھونک دیا تھا۔
میر منوں پوری دلیری اور حوصلے کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں کی یلغار کو روک رہا تھا۔ اس جنگ میں شہاب الدین، قاورد خان، عباد الدین اور شرف الدین پوری طرح اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ احمد شاہ ابدالی اور میر منوں کے لشکر کے درمیان یہ خوفناک ٹکراؤ تھا جس کے نتیجے میں دونوں طرف کے ان گنت لشکری میدانِ جنگ میں کام آ گئے تھے۔
مغل اور احمد شاہ ابدالی کے لشکری اب آمنے سامنے اور دست بدست جنگ کر رہے تھے۔ یہ بڑی ہولناک اور خوفناک جنگ تھی۔ ایک طرف لشکری آپس میں ٹکرا رہے تھے دوسری طرف توپ خانے سے آتش باری ہو رہی تھی۔ کسی طرف تیروں کی برسات بھی ایک دوسرے پر کی جا رہی تھی۔ سر کٹ رہے تھے، دھڑ گر رہے تھے، موت کا بازار گرم تھا۔ زخمیوں کی کراہیں آسمان تک پہنچتی تھیں۔
اس زبردست جنگ میں میر منوں نے شجاعت اور دلیری کا ایسا مظاہرہ کیا جسے بے نظیر اور بے عدیل کہا جا سکتا تھا۔ وہ بار بار اپنا ترکش خالی کر رہا تھا اور بڑھتے ہوئے

Marfat.com

احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں کے سینے اپنے تیروں سے چھید رہا تھا اور ہر طرف سے بے پرواہ ہو کر پورے عزم اور ثبات کے ساتھ مردِ میدان بنا ہوا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس جنگ کی ہولنا کی اور شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شاید ہی کوئی امیر اور سالار ایسا ہو گا جو زخمی ہونے کی سعادت سے محروم رہ گیا ہو۔ شہاب الدین کے کئی تیر لگے تھے۔ تلوار کے بھی کچھ زخم آئے تھے۔ قاور د خان بھی زخمی تھا۔ عباد الدین اور شرف الدین کیونکہ پچھلے حصے میں تھے وہ محفوظ رہے تھے۔ زخمی ہونے کے باوجود شہاب الدین اور قاورد خان بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

دوسری طرف مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ خود میر منوں بھی زخمی ہوا تھا۔ دوسرے کئی سالار بھی بری طرح زخمی ہوئے تھے لیکن کسی نے ہمت نہ ہاری تھی اس لئے کہ وہ دیکھ رہے تھے زخمی ہونے کے باوجود میر منوں میدانِ جنگ میں شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے چاروں طرف مخالفوں پر ضربیں لگا رہا تھا۔

جنگ کے اس نازک ترین مرحلے پر میومنوں اور اس کے دیگر سالاروں نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ اس نے چونکہ راجپوتوں کو پسپا کر دیا ہے لہٰذا اب میر منوں زیادہ دیر تک اس کے سامنے ٹھہر نہ سکے گا اور شکست اٹھا کر بھاگ کھڑا ہو گا۔

لیکن ایسا نہ ہوا۔ میر منوں بالکل تیار اور مستعد تھا۔ عجیب سے انداز میں نعرے بلند کرتا ہوا حملہ آور ہوتا اور اپنے ماتحت دستوں کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں جس طرف بھی رخ کرتا اپنے پیچھے لاشوں کی صفیں بچھاتا چلا جاتا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ احمد شاہ ابدالی عالمِ اسلام کا ایک نایاب اور بے عدیل مجاہد تھا۔ رات کی جاگتی تاریکی میں ماوراء ادراک ہیولوں جیسا جرأت مند، سمندر کی لاانتہا نیلاہٹوں میں سرکش اور وحشی ہواؤں کے عفریت جیسا شجاع اور منجمد کرتی برفانی آندھیوں میں جبر کے رازدانوں جیسا بے مثال تھا۔ لیکن اس کا کیا کہیئے کہ اس کے مقابلے میں میر منوں بھی قہرمانیت کی طغانیوں اور جھوم کے اٹھتے تند طوفانوں کی طرح بے روک، شعلے لہراتے، شرر برساتے بگولوں جیسا ناقابل تسخیر، کہربائی کوندوں، سچائی کی کرنوں جیسا زور آور اور کرب کے بے کراں سلسلوں میں تکبیروں کی صداؤں کے وقار جیسا کڑا ثابت ہوا تھا۔

Marfat.com

میر منوں اب چاروں طرف حملہ آور ہوتے ہوئے طوفان کھڑا کر رہا تھا۔ اب چہار سو قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا تھا۔ اتنی دیر تک ولی عہد احمد اور ایک دوسرا سالار ناصر خان بھی لشکر کے ایک حصے کے ساتھ میر منوں کی مدد کے لئے پہنچ گئے اور جنگ پہلے کی نسبت زیادہ جوش و خروش اور زور و شور کے ساتھ شروع ہو گئی تھی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ حملے ایسے زوردار تھے کہ احمد شاہ ابدالی کے لشکری گرداب میں پھنسنے لگے تھے۔ میر منوں نے یہ سب اتنا اچانک کر دکھایا تھا کہ ان کی عقل گم ہو کر رہ گئی تھی اور وہ ہر طرف سے درماندہ اور گھرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میر منوں کے تیز حملوں کے باعث اب ان کے لئے ناممکن تھا کہ وہ میدان میں ٹھہر سکتے اور مقابلہ جاری رکھ سکتے۔

جس وقت میر منوں نے احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر اپنا زور اور دباؤ بڑھانا شروع کیا تھا اس وقت اس نے ایک اور اہم کام بھی سرانجام دیا تھا۔ اس نے ایک چھوٹے سالار کو حکم دیا کہ اپنے توپچیوں سے جا کر کہے کہ وہ توپوں کے گولے لگاتار احمد شاہ ابدالی کے پڑاؤ میں داغنا شروع کر دیں۔

یہ پیغام ملتے ہی توپچی حرکت میں آئے۔ انہوں نے بھی اپنے کام کی ابتداء کر دی تھی۔

میر منوں کے اس فیصلے سے احمد شاہ ابدالی کے لئے ایک خونی ابتلا اٹھ کھڑی ہوئی۔ مغل توپچیوں نے جب توپیں چلاتے ہوئے گولے داغنے شروع کئے تو کچھ گولے احمد شاہ ابدالی کے بارود خانے میں لگے اور وہاں آگ لگ گئی۔ احمد شاہ ابدالی لاہور سے جو بارود اور آتشی تیر اپنے ساتھ لایا تھا، بارود تو بھڑک اٹھا اور آتشی تیر اُڑ اُڑ کر خود اپنے ہی لشکریوں پر گرنے لگے تھے اور بارود کے آگ لگنے کی وجہ سے شعلوں کی لپٹیں آسمان سے باتیں کرنے لگی تھیں۔

اس کے علاوہ بارود کے دھماکوں اور تیروں کی آتش ریزیوں سے احمد شاہ ابدالی کے کم و بیش ایک ہزار ایرانی لشکری ہلاک ہو گئے تھے۔ بارود بڑی تیزی سے آگ پکڑ چکا تھا اور بارود کی آگ کی وجہ سے چاروں طرف سے شائیں شائیں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔

اس موقع پر مؤرخین لکھتے ہیں کہ بارود کو آگ لگی اور چاروں طرف آگ پھیلنے لگی تو

Marfat.com

تیز بھڑکتی آگ کی وجہ سے شائیں شائیں کی آواز آنے لگی تو احمد شاہ کے لشکریوں نے یہ سمجھا کہ شاید آسمان سے کوئی ان دیکھی مصیبت اور بلا نازل ہو رہی ہے اور وہ یہ کہہ رہی ہے کہ شاہ کہاں ہے...... شاہ کہاں ہے۔

اس وحشت کے باعث احمد شاہ ابدالی کے لشکری جدھر منہ اٹھا، سر پر پاؤں رکھ کر نہایت بے ترتیبی، افراتفری اور بدحواسی میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر بھی احمد شاہ ابدالی جیسے نایاب مجاہد نے حُسنِ تدبیر سے کام لے کر اپنے لشکریوں کو مکمل ہلاکت سے بچالیا تھا۔

اس نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد سرہند کی طرف پسپائی اختیار کی جبکہ میر منوں نے بڑی قوت اور بڑی شدت کے ساتھ احمد شاہ ابدالی اور اس کے لشکریوں کا تعاقب کیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی بڑی احتیاط کے ساتھ پسپائی اختیار کر رہا تھا۔ وہ ایک دم سرہند شہر کی طرف نہیں گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو وہاں تک میر منوں اس کا تعاقب کرے گا اور اس کے لشکر کو کاٹ کر رکھ دے گا لہٰذا احمد شاہ ابدالی نے عقل مندی سے کام لیتے ہوئے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا۔

مان پور کے میدان جہاں جنگ ہوئی تھی اور سرہند شہر کے درمیان ایک کافی بڑی بستی تھی۔ احمد شاہ ابدالی پسپا ہو کر اس بستی میں داخل ہوا اور وہاں محصور ہو گیا اور میر منوں جب اس کا تعاقب کرتے ہوئے اس بستی کے قریب آیا تو محصور ہو کر احمد شاہ ابدالی کے لشکری اس پر تیر اندازی کرنے لگے۔ اس طرح میر منوں کو اس بستی کے قریب آ کر رک جانا پڑا۔

آخر جب رات ہوئی تو میر منوں میدانِ جنگ کی طرف واپس چلا گیا۔ احمد شاہ ابدالی رات کی تاریکی میں اس بستی سے نکل کر سرہند شہر پہنچا اور وہاں سے وہ افغانستان جانے کی تیاریاں کرنے لگا تھا۔

❀ ...... ❀

Marfat.com

•••

احمد شاہ ابدالی کا تعاقب ترک کر کے جب میر منوں واپس اپنے پڑاؤ میں آیا تو سب سے پہلے اس نے جنگ میں کام آنے والوں کی تجہیز اور تکفین کا کام سرانجام دیا اور جس وقت اپنے زخمی لشکریوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دے رہا تھا اس وقت اس نے کچھ سوچتے ہوئے اپنے دائیں بائیں، آگے پیچھا دیکھا، کچھ سوچا پھر اپنے ایک سالار کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرا چھوٹا بھائی شہاب الدین کہاں ہے؟ میں نے جب وقت بھاگتے دشمن کا تعاقب کیا تھا اس وقت وہ میرے ساتھ تھا۔ واپسی میں بھی میں نے اسے اپنے پہلو میں دیکھا تھا۔ اب وہ کہاں چلا گیا ہے؟''

جس سالار کو میر منوں نے مخاطب کیا تھا وہ میر منوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں ابھی دیکھ کر آتا ہوں کہ شہاب الدین کہاں ہے۔''

وہ وہاں سے ہٹنے ہی لگا تھا کہ ایک لشکری تقریباً بھاگتا ہوا آیا اور میر منوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''آپ کا بھائی شہاب یہاں سے دائیں جانب اپنے گھوڑے سے گر پڑا ہے۔ وہ شدید زخمی ہے۔''

اس انکشاف پر میر منوں کا چہرہ پیلا ہو گیا تھا۔ حالانکہ میر منوں خود زخمی تھا۔ اسے بھی گولی لگی تھی۔ لیکن بچاؤ ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ گولی اس کی ران کی جلد کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی جو اس کے لئے خطرے کا باعث نہ تھی۔

آنے والے اس لشکری کے اس انکشاف پر میر منوں کچھ دیر تک عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اپنے اردگرد کھڑے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

Marfat.com

''سارے زخمیوں کو یہاں جمع کرنے کے بعد طبیبوں سے کہو کہ ان کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کریں۔ میں دیکھتا ہوں شہاب الدین کو کیا ہوا۔''

اس کے ساتھ ہی میر منوں ٹھٹھک کر رک گیا اس لئے کہ اس کے سامنے شہاب الدین کا گھوڑا کھڑا تھا جبکہ گھوڑے کے قریب ہی شہاب الدین زمین پر بے سدھ سا لیٹا ہوا تھا۔ اس کی ران میں دو تیر پیوست تھے جبکہ دوسری ران اور بازو بتاتا تھا کہ وہاں بھی تیر پیوست ہوئے تھے جو نکال دیئے گئے تھے۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے میر منوں نے فوراً ایک لشکری کو طبیب کو بلانے کے لئے کہا۔ وہ لشکری بھاگتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔

میر منوں آگے بڑھا۔ پہلے اس نے شہاب الدین کے گھوڑے سے پانی کی چھاگل اتاری، زمین پر بیٹھا، شہاب الدین کا سر اپنی گود میں رکھا۔ اس موقع پر شہاب الدین نے آنکھیں کھول کر میر منوں کی طرف دیکھا تھا۔ ساتھ ہی اس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا تھا۔

میر منوں نے چھاگل کا منہ کھول کر شہاب الدین کے منہ سے لگایا اور کہنے لگا۔

''پہلے پانی پیو، پھر میں تم سے بات کرتا ہوں۔''

مسکراتی آنکھوں اور تبسم خیز چہرے کے ساتھ شہاب الدین نے تھوڑا سا پانی پیا پھر ہلکی سی آواز میں کہنے لگا۔

''بس!''

میر منوں نے چھاگل کا منہ بند کر کے اسے زین سے باندھ دیا۔ اتنی دیر تک جو لشکری بھاگتا ہوا گیا تھا وہ ایک طبیب کو لے آیا۔ طبیب بھی میر منوں کے پاس بیٹھ گیا۔ میر منوں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''پہلے اس کی ران میں جو دو تیر پیوست ہیں وہ نکالیں اور وہاں مرہم پٹی کر دیں۔ اس کے بعد میں دیکھتا ہوں کہ اس کے اور کہاں زخم ہیں۔''

طبیب نے بڑی آہستگی اور آرام سے دونوں تیر نکالے اور زخموں کو دھویا اور وہاں مرہم لگا کر پٹی باندھ دی تھی۔ اس کے بعد شہاب الدین کا جائزہ لیا گیا۔ دوسری ران پر بھی زخم تھے، وہاں بھی پٹیاں باندھ دی گئیں۔ بائیں بازو پر بھی ایک زخم تھا وہاں بھی طبیب نے مرہم پٹی کر دی تھی۔

Marfat.com

طبیب جب اس کام سے فارغ ہوا تب شہاب الدین نے ایک لمبا سانس لیا پھر طبیب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں آپ کا شکر گزار اور ممنون ہوں کہ آپ نے میری مرہم پٹی کی۔ اب آپ جائیں۔ اس لئے کہ بہت سے لشکریوں کو آپ کی ضرورت ہو گی۔''

اس موقع پر میر منوں نے توصیفی انداز میں شہاب الدین کی طرف دیکھا پھر ہاتھ کے اشارے سے اس نے طبیب کو چلے جانے کا حکم دیا جس پر طبیب تقریباً بھاگتا ہوا واپس ادھر جا رہا تھا جہاں زخمیوں کو جمع کیا جا رہا تھا۔

طبیب کے جانے کے بعد کچھ دیر تک بڑی محبت اور چاہت میں میر منوں شہاب الدین کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

''چھوٹے! میں جنگ کے دوران تم پر بھی گاہے گاہے نظر ڈالتا رہا تھا۔ جنگ میں تمہاری کارگزاری سب سے عمدہ رہی ہے۔ تم نے بڑھ چڑھ کر حملے کئے۔ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کو شکست دینے کے بعد جب میں نے تعاقب کیا تو تم تعاقب میں بھی شامل تھے۔ واپسی میں میرے ساتھ تھے۔ تم نے مجھے پتہ ہی نہیں چلنے دیا کہ کب تم زخمی ہوئے، کب تمہیں تیر لگے۔ میرے بھائی! بڑا بھائی باپ کی جگہ ہوتا ہے۔ جس وقت تمہیں تیر لگے تھے اس وقت تم نے مجھے بتانا تھا۔ میں تمہارے زخموں کی مرہم پٹی کروا دیتا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد میر منوں جب خاموش ہوا تب شہاب الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔ ''منوں میرے بھائی! آپ خود زخمی ہو کر دشمن پر جان لیوا حملے کر رہے تھے۔ میں بھی آپ کا بھائی ہوں۔ میں کیسے پسند کرتا کہ بڑا بھائی زخمی حالت میں بھی دشمن کو شکست دینے اور پسپا کرنے والے حملے کر رہا ہے اور میں چند تیر کھانے کے بعد جنگ سے منہ موڑ لوں۔ یہ میری فطرت، میری جبلت، میری سرشت کے بالکل خلاف تھا۔ جنگ جس وقت زوروں پر آئی تھی اس وقت میری پشت پر تیر لگے تھے۔ ران اور بازوؤں کے تیر میں نے نکال پھینکے تھے لیکن یہ دو اٹک کر رہ گئے تھے۔ یہ چونکہ میرے لئے تکلیف کا باعث بھی نہیں تھے لہٰذا میں نے انہیں رہنے دیا۔ اور میں جنگ میں مصروف رہا۔ تعاقب کرنے کے بعد جب میں واپس لوٹا تو شاید خون نکل جانے سے میں کچھ نڈھال ہو گیا تھا۔ میں گھوڑے سے گرا نہیں، گھوڑے سے خود اتر کر ستانے

Marfat.com

اور تھوڑا سا آرام کرنے کے لئے یہاں زمین پر لیٹ گیا تھا۔ میرے عزیز بھائی! لیکن فکر مند نہ ہونا۔ میرے یہ زخم نہ خطرناک ہیں نہ تکلیف دہ ہیں لیکن اس موقع پر میں آپ سے ایک گزارش کروں گا، میرے یوں زخمی ہونے کی اطلاع پاربتی کو نہ کرنا۔"

شہاب الدین کے ان الفاظ کے جواب میں میر منوں کچھ دیر تک شفقت بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا تھا، پھر مسکرایا، ہلکی سی ایک چپت اس کے گال پر لگائی اور کہنے لگا۔

"بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ اگر میں تمہارے زخمی ہونے کی اطلاع پاربتی کو نہ کروں گا تو کیا تم سمجھتے ہو کہ پاربتی کو تمہارے زخمی ہونے کی خبر نہیں ہو گی۔ ان گنت لشکریوں میں سے کوئی نہ کوئی پڑاؤ میں جا کر تمہارے زخمی ہونے کی خبر دے دے گا۔ اس طرح تمہارے زخمی ہونے کی اطلاع پاربتی کو ہو جائے گی۔"

میر منوں کے ان الفاظ کے جواب میں کچھ دیر خاموش رہ کر شہاب الدین کچھ سوچتا رہا پھر اس کی دکھ بھری آواز سنائی دی۔

"میر منوں میرے عزیز بھائی! وہ بڑی نازک اور کمزور سی لڑکی ہے......"

اس کے آگے شہاب الدین کو رک جانا پڑا اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے میر منوں بول اٹھا تھا۔

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ نازک سی، کمزور سی، بزدل سی لڑکی ہے۔ تمہارے اس طرح زخمی ہونے کو وہ برداشت نہیں کر سکے گی۔ اس لئے کہ وہ تم سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ میری سوچیں تم سے مختلف ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ اسے تمہارے زخمی ہونے کی اطلاع فوراً کرنی چاہئے۔ وہ خود تمہیں سنبھالے گی۔ تمہاری دیکھ بھال کرے گی اور اس کی دیکھ بھال سے تم بہت جلد ٹھیک اور چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤ گے۔"

جواب میں شہاب الدین کچھ کہنے ہی والا تھا کہ میر منوں نے اپنے سامنے دیکھا، ایک طرف سے عباد الدین، شرف الدین، قادر خان، گوہر آراء، ماہ الملک، پاربتی اور اروما بڑی تیزی سے ان کی طرف آ رہے تھے۔

شہاب الدین نے بھی انہیں آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا میر منوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بھائی! آپ ذرا پیچھے ہٹ جائیں، میں اٹھ کھڑا ہوتا ہوں۔ میرے کھڑا ہونے

Marfat.com

سے پاربتی یہ خیال کرے گی کہ میں ٹھیک ہوں۔ اس پر وہ زیادہ فکرمند نہیں ہو گی۔

شہاب الدین کے ان الفاظ کے جواب میں میر منوں اس کے ردِ عمل کا اظہار کرنا ہی چاہتا تھا کہ شہاب الدین واقعی ہی ہمت کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اتنی دیر تک پاربتی تقریباً بھاگتی ہوئی قریب آ گئی تھی۔ آتے ہی پاربتی نے اپنا دایاں بازو اس کی کمر میں ڈالا جبکہ شہاب الدین کا بایاں بازو پکڑ کر اپنی گردن کے گرد لپیٹ لیا تھا۔ پھر وہ بڑے غور، بڑے تجسس، بڑی فکرمندی، انتہائی تشویش ناک انداز میں شہاب الدین کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

اتنی دیر تک گوہر آراء، عباد الدین، ماہ الملک، شرف الدین اور اروما وہاں پہنچ گئے تھے۔ پاربتی کے بعد ماہ الملک بھاگتی ہوئی وہاں پہنچتی تھی اور آتے ہی سب سے پہلے اس نے اپنے آنچل کے پلو سے شہاب الدین کا چہرہ صاف کیا، اس کی پیشانی پر کئی بوسے دیئے پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"شہاب الدین میرے عزیز اور نایاب بھائی! شرف الدین مجھے جنگ کے دوران تمہاری شجاعت اور تمہاری دلیری اور تمہاری نایاب کارروائیوں کی داستانیں سنا چکے ہیں۔ میں تمہیں تمہاری کامیابی اور فتح مندی پر مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ میرے عزیز بھائی! بتا تجھے کہاں زخم لگے ہیں؟ مجھ سے کوئی چیز نہ چھپانا۔ تم جانتے ہو کہ مجھے تم سے کس قدر محبت ہے۔ اگر چھپاؤ گے تو یاد رکھنا میں یہیں زمین پر گر کر دم توڑ جاؤں گی۔"

اس کے ساتھ ہی ماہ الملک رو دینے والی ہو رہی تھی۔ دوسری طرف پاربتی ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

گوہر آراء آگے بڑھی، پہلے شہاب الدین کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیریں پھر اس کے شانے دبانے لگی تھی۔ اس موقع پر شہاب الدین پاربتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"پاربتی! روتی کیوں ہو؟ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم ایک مجاہد کی بیوی ہو اور ایسے حادثے تو اکثر و بیشتر پیش آتے ہی رہتے ہیں۔ میرے جیسے لوگ اپنی کامیابی کے در کھولنے کے لئے اکثر موت وقضا کے دروازوں پر دستک دیتے رہتے ہیں۔"

اس سے آگے شہاب الدین کچھ نہ کہہ سکا۔ اس لئے کہ پاربتی نے تڑپ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اس موقع پر میر منوں مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

Marfat.com

''اس کی ایک ٹانگ پر دو زخم اور دوسری پر ایک اور بازو پر بھی زخم ہیں۔ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ طبیب نے مرہم پٹی کر دی ہے۔ پاربتی میری بہن! اس نے تمہیں آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ پہلے یہ لیٹا ہوا تھا، میرے ساتھ گفتگو کر رہا تھا اور تمہیں دیکھتے ہی اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ پاربتی آ رہی ہے لہٰذا اسے کھڑا ہو جانا چاہئے تاکہ پاربتی یہ سمجھے کہ میں کوئی زیادہ زخمی نہیں ہوں۔''

یہ الفاظ سن کر پاربتی نے عجیب سے انداز میں شہاب الدین کی طرف دیکھا۔ اس کے انداز میں بے مثال محبت، بے حد چاہت اور ایک نایاب و عجیب سرشاری تھی۔

میر منوں ذرا رک کر پھر پاربتی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''پاربتی! یہاں لیٹے ہی لیٹے شہاب الدین مجھ سے کہہ رہا تھا میں اس کے زخمی ہونے کی اطلاع تمہیں نہ دوں۔ پر میں نے اسے بتا دیا تھا کہ میں اگر تمہارے زخمی ہونے کی اطلاع پاربتی کو نہ دوں گا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بے شمار لشکری ہیں جنہیں تمہارے زخمی ہونے کی اطلاع ہو چکی ہے اور ان کی وساطت سے یہ خبر پڑاؤ میں پاربتی کے پاس پہنچ جائے گی۔''

میر منوں جب خاموش ہوا تب ماہ الملک بول اٹھی۔

''آپ کا اندازہ درست ہے۔ تھوڑی دیر پہلے کچھ لشکری پڑاؤ میں گئے تھے اور انہوں نے شہاب الدین کے زخمی ہونے کی اطلاع کی تھی۔ لہٰذا ہم سب بھاگتے ہوئے ہم ادھر آئے۔ بھائی! کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ شہاب الدین کو پڑاؤ میں لے جائیں۔ وہاں یہ آرام کرے اور ہم اس کی دیکھ بھال کر سکیں۔''

میر منوں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ اس موقع پر شرف الدین آگے بڑھا، پھر پاربتی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''پاربتی میری بہن! تم چھوڑ دو۔ میں شہاب الدین کو خود سہارا دے کر پڑاؤ میں لے چلتا ہوں۔''

اس موقع پر شہاب الدین مسکرایا، پھر جواں مردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''بھائی! کسی کو مجھے سہارا دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ پاربتی بھی پیچھے ہٹ جائے گی۔ میں خود چل کر پڑاؤ کی طرف جاؤں گا۔''

اس موقع پر میر منوں سامنے آیا اور شہاب الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

Marfat.com

"شہاب الدین! میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں تم شجاع ہو، دلیر ہو، جرأت مند ہو اور زخمی ہونے کے باوجود میں خیال کرتا ہوں تم پڑاؤ تک جا سکتے ہو۔ پر میرے بھائی! تمہارے زخموں کی ابھی مرہم پٹی ہوئی ہے۔ تمہارے حرکت کرنے سے زخموں سے خون رس سکتا ہے۔ کوئی تمہیں سہارا دے کر نہیں لے جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں ایسا تم اپنے لئے عار اور بے عزتی خیال کرتے ہو۔ لہٰذا اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر تم پڑاؤ کی طرف جاؤ گے۔"

میر منوں کے ان الفاظ کے جواب میں شہاب الدین کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ میر منوں نے شرف الدین کو اشارہ کیا۔ اس پر شرف الدین، عباد الدین اور قاورد تینوں ایک دم حرکت میں آئے اور شہاب الدین کو اٹھا کر اس کے گھوڑے پر بٹھا دیا تھا۔ اس صورتِ حال پر جہاں شہاب الدین مسکرا دیا تھا وہاں اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے پاربتی کے چہرے پر بھی ہلکا سا تبسم نمودار ہوا تھا۔ اس موقع پر عباد الدین اپنی بیوی گوہر آراء کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"گوہر آراء! تم سب شہاب الدین کو پڑاؤ کی طرف لے جاؤ۔ پاربتی کے خیمے میں اس کی دیکھ بھال کرو۔ میں، شرف الدین اور قاورد بھائی میر منوں کے ساتھ جاتے ہیں اور جنگ میں زخمی ہونے والوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔"

گوہر آراء نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر گوہر آراء، ماہ الملک، پاربتی اور اروما چاروں شہاب الدین کو پڑاؤ کی طرف لے جا رہی تھیں۔ اس حال میں کہ پاربتی نے شہاب الدین کے گھوڑے کی باگ پکڑی ہوئی تھی۔ گھوڑے کے ایک طرف ماہ الملک تھی، دوسری طرف گوہر آراء تھی۔ دونوں نے بڑے پیارے انداز میں شہاب الدین کے بازو تھام رکھے تھے اور پیچھے پیچھے اروما تھی۔ اس طرح وہ پڑاؤ کا رخ کر رہے تھے۔ جبکہ میر منوں کے ساتھ عباد الدین، شرف الدین اور قاورد خان اس طرف جا رہے تھے جہاں زخمیوں کو ایک جگہ جمع کر کے ان کی دیکھ بھال کی جا رہی تھی۔

❋

میر منوں اور اس کے سالار اور لشکری احمد شاہ ابدالی اور اس کے لشکریوں کو پسپا کرنے کے بعد یہ توقع لگائے ہوئے تھے کہ اگلے روز احمد شاہ ابدالی اپنی اس پسپائی کا انتقام لینے کے لئے پھر میدان میں نمودار ہو گا اور جنگ کی طرح ڈالے گا اس لئے کہ

Marfat.com

وہ سب احمد شاہ ابدالی کی جرأت مندی اور جنگ میں اس کے تجربے سے باخبر تھے۔ اس موقع پر کچھ ہرکاروں نے لشکر کے اندر یہ خبر بھی اُڑا دی تھی کہ احمد شاہ ابدالی جنگ کے دوران مارا گیا ہے۔ کچھ مخبروں نے یہ بھی خبر اُڑا دی کہ نہیں، وہ شدید زخمی ہوا ہے۔ جبکہ دوسری طرف احمد شاہ ابدالی جو نہ صرف دلیر و جرأت مند اور شجاع تھا اور جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا تھا۔ وہ اپنے لشکر کو تو پہلے ہی مکمل تباہی سے بچا چکا تھا لہٰذا اپنا مزید نقصان نہیں کرانا چاہتا تھا اس لئے اس نے رات ہی کو اپنے توپ خانے اور خزانے کا بڑا حصہ لاہور کی طرف روانہ کر دیا تھا تاکہ جب وہ واپس جائے گا تو واپسی پر لاہور سے ہر چیز لیتا جائے گا۔

احمد شاہ ابدالی کا جنگ کے دوران بہت زیادہ نقصان ہو چکا تھا لہٰذا وہ جنگ کو مزید جاری نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے لشکر میں جو بارود کو آگ لگی تھی اس نے اس کے لشکر اور پڑاؤ میں تباہی مچا کر رکھ دی تھی۔

کچھ مؤرخین جن میں امام الدین حسینی سرِ فہرست ہیں ان کا خیال ہے کہ احمد شاہ ابدالی کے پڑاؤ میں جو بارود کو آگ لگی تھی، اسے افغانوں نے خود ہی بے خیالی میں ان آتشی تیروں کو دشمن پر برسانے کے لئے فلیتہ دکھایا تھا۔ ان کا رخ کیونکہ اپنے لشکر کی طرف تھا لہٰذا جس وقت انہوں نے یہ آگ لگائی تو یہ تیر اُڑ کر آتشی گرز کی طرح خود احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر ہی گرنے لگے تھے۔ ساتھ ہی بارود کو آگ بھی لگ گئی۔ وہ ہولناک منظر دیکھ کر جو خود افغانوں ہی کا پیدا کیا ہوا تھا، جدھر منہ اٹھا بھاگ گئے۔ ساتھ ہی یہ بھی پکارتے جا رہے تھے۔

''یہ بلا جو ہندوستان سے آئی ہے، بادشاہ کہاں ہے، بادشاہ کہاں ہے پکار رہی تھی اور بادشاہ کو تلاش کر رہی تھی۔''

احمد شاہ ابدالی کے لشکر نے پسپائی تو اختیار کر ہی لی تھی، لیکن اب وہ اس کوشش میں تھا کہ کوئی باوقار معاہدہ کر کے اپنے اپنے لشکر کے ساتھ افغانستان واپسی کا رخ کرے۔ لہٰذا اس مقصد کے لئے اس نے اپنے ایرانی سالار تقی شیرازی کو سفیر بنا کر محمد شاہ رنگیلا کے بیٹے احمد کی طرف روانہ کیا اور اس کے ہاتھ کچھ شرائط بھیجیں جن کے ذریعے احمد شاہ ابدالی نے یہ ظاہر کیا کہ وہ صلح کا طلب گار ہے۔ بشرطیکہ وہ علاقہ جو اس سے پہلے ہندوستان والوں نے نادر شاہ کو دیا تھا اسے دے دیا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے

Marfat.com

تو وہ اپنے لشکر کو لے کر واپس افغانستان چلا جائے گا۔

ایرانی سالار تقی شیرازی جب احمد شاہ ابدالی کا یہ پیغام لے کر میر منوں کے پڑاؤ میں داخل ہوا تو سب سے پہلے محمد شاہ رنگیلا کے بیٹے احمد کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو شرائط احمد شاہ ابدالی نے اسے دے کر روانہ کیا تھا وہ اس نے ولی عہد احمد کے سامنے پیش کیں۔

محمد شاہ رنگیلا کے بیٹے احمد نے تقی شیرازی کا بہترین انداز میں استقبال کیا اور اسے اپنے قریب بٹھایا۔ بڑے غور اور تحمل کے ساتھ ان شرائط کو سنا جو احمد شاہ ابدالی نے اس کے ذریعے بھجوائی تھیں۔ جب تقی شیرازی خاموش ہوا تب شہزادہ احمد اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تقی شیرازی! تم جو شرائط احمد شاہ ابدالی کی طرف سے لے کر آئے ہو یہ ایسی شرائط ہیں جو ایک فاتح مفتوح کو پیش کرتا ہے حالانکہ اس جنگ میں ہم فاتح اور احمد شاہ ابدالی مفتوح ہے۔ ایسی شرائط تو ہمیں بھیجنی چاہئے تھیں۔ الٹا تم ایسی شرائط لے کر آئے ہو۔ پر سنو، میں تمہاری ان شرائط کا کوئی جواب نہیں دوں گا۔ اگر وزیر نظام الملک زندہ ہوتا تو وہ تمہاری ان شرائط کا خوب جواب دیتا اس لئے کہ وہ جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا تھا۔ اب لشکر میں ایک طرح سے اس کا بیٹا خود مختار ہے۔ وہ بھی جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا ہے۔ میری نسبت رزم گاہ کا وہ زیادہ بھیدی اور راز دار ہے۔ جو شرائط تم لے کر آئے ہو میں نے سن لی ہیں۔ چونکہ لشکر کا کماندارِ اعلیٰ اب میر منوں ہے۔ ساتھ ہی اس جنگ کے دوران میر منوں نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں ان کی تفصیل میں نے اپنے باپ اور ہندوستان کے شہنشاہ کو روانہ کر دی ہیں۔ تم رکو، میں میر منوں کو بلاتا ہوں۔ جو شرائط تم لائے ہو اسے اس کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان شرائط کا جواب میر منوں جو دے گا، یاد رکھنا وہی میرے اور تمہارے لئے آخری ہوگا۔ اگر میر منوں کا فیصلہ تمہارے حق میں ہوگا تو بھی مجھے قابل قبول ہوگا اور اگر اس نے تمہاری لائی ہوئی شرائط کو ماننے سے انکار کر دیا اور تم سے اس نے صلح نہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تب بھی میں اس کے فیصلے سے اتفاق کروں گا۔ اب تم رکو، میں اسے بلاتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی احمد شاہ نے اپنے چوبدار کو حکم دیا اور اسے میر منوں کو بلانے کے لئے کہا جس پر احمد شاہ کا چوبدار وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

Marfat.com

تھوڑی دیر بعد خیمے میں میر منوں داخل ہوا۔ ابدالی کا سفیر اس کی دلیری سے آگاہ ہو چکا تھا۔ اس کی آمد پر جہاں تقی شیرازی اپنی جگہ سے اٹھا تھا وہاں ولی عہد احمد نے بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر میر منوں کا استقبال کیا، بڑے پُر تپاک انداز میں احمد نے میر منوں کو اپنے قریب بٹھایا پھر تقی شیرازی جو شرائط لے کر آیا تھا وہ میر منوں کو سنائیں۔

وہ شرائط سن کر میر منوں کا چہرہ ناپسندیدگی میں سخت ہو گیا تھا۔ پیشانی پر بل آ گئے تھے۔ آنکھوں کے اندر غصے کے غبار اُڑنے لگے تھے۔ کچھ دیر تک وہ عجیب سی ناپسندیدگی کے انداز میں محمد تقی شیرازی کی طرف دیکھتا رہا پھر کھولتے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مجھے تمہارا نام محمد تقی خان شیرازی بتایا گیا ہے اور تم احمد شاہ ابدالی کے ایک سالار ہو۔ احمد شاہ ابدالی کی طرف سے تم جو شرائط لے کر آئے ہو یہ تو اس طرح ہمیں پیش کی جا رہی ہیں جیسے ہم شکست خوردہ عناصر ہیں اور اپنی مرضی کی شرائط ہم پر ٹھونسی جا رہی ہیں۔ جبکہ تم جانتے ہو کہ ہم نے ہولناک جنگ کی ہے اور اس جنگ میں احمد شاہ ابدالی کو وسیع تجربہ رکھنے کے باوجود پسپا ہونے پر مجبور کیا ہے۔ ہم ان شرائط کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اب تم جاؤ۔ احمد شاہ ابدالی کو جا کر میرا پیغام دینا کہ ان شرائط کو ہم ٹھکراتے ہیں۔ ان شرائط کے ٹھکرائے جانے کے بعد اگر وہ پھر ہم سے ٹکرانے کا عہد کرتا ہے تو وہ ہمیں ہر صورت میں مقابلہ کرنے کے لئے تیار پائے گا اور خداوند قدوس کو منظور ہوا تو جیسے پہلے ہم نے اسے پسپا کیا ہے، دوسری بار ہم اس سے بھی سخت انداز میں اسے پسپا کریں گے۔''

میر منوں کا یہ روکھا سوکھا جواب سن کر تقی شیرازی اٹھ کھڑا ہوا تھا پھر بڑے مایوس کن انداز میں کہنے لگا۔ ''مجھے اسی قدر حکم تھا کہ جو شرائط مجھے احمد شاہ نے دی ہیں وہ آپ لوگوں تک پیش کر دوں۔ اپنی شرائط میں رد و بدل کرنے یا انہیں تبدیل کرنے کا میں مجاز ہی نہیں ہوں نہ مجھے اس کی اجازت دی گئی ہے۔ میں اب واپس جاتا ہوں۔ جو جواب آپ نے دیا ہے اس سے احمد شاہ ابدالی کو آگاہ کر دیتا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی محمد تقی شیرازی حرکت میں آیا۔ باری باری اس نے ولی عہد اور سپہ سالار میر منوں سے مصافحہ کیا پھر وہ اپنے پڑاؤ کی طرف واپس چلا گیا تھا۔

Marfat.com

✲

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی، محمد تقی شیرازی کو مغل پڑاؤ کی طرف روانہ کرنے کے بعد بڑی بے چینی اور بڑی بے تابی سے اس کی واپسی کا منتظر تھا۔ آخر جب محمد تقی شیرازی اس کے پاس آیا تو سوالیہ انداز میں احمد شاہ ابدالی نے اس کی طرف دیکھا۔ جواب میں محمد تقی نے ولی عہد احمد اور میر منوں کے جواب سے احمد شاہ ابدالی کو آگاہ کر دیا تھا۔ یہ جواب سن کر احمد شاہ ابدالی ایک طرح مایوس اور افسردہ ہوا تھا۔

میر منوں کا یہ نہایت تلخ جواب سن کر احمد شاہ ابدالی کو سخت مایوسی ہوئی تھی اس لئے کہ میر منوں نے ساری شرائط کو رد کر دیا تھا لہٰذا اگلے روز احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا ایک حصہ پھر میدانِ جنگ میں نمودار ہوا لیکن احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا وہ حصہ کسی بڑی جنگ کی ابتداء نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہلکے پھلکے حملے کرتے ہوئے ایک طرح سے اس نے مغل لشکر کو اپنے ساتھ مصروف جنگ رکھنا شروع کر دیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے وہ لشکری اچانک حملہ آور ہوتے، پھر پسپائی اختیار کرتے ہوئے روپوش ہو جاتے۔

ایسا کر کے احمد شاہ ابدالی حقیقت میں مغلوں کے خلاف ایک چال چل رہا تھا۔ اس طرح وہ اپنا خزانہ اور ساز و سامان مغل لشکر کو اپنے ساتھ مصروف رکھ کر اور انہیں دھوکے میں ڈال کر سلامتی کے ساتھ افغانستان لے جانا چاہتا تھا۔ لشکر کے جس حصے نے مغل لشکر سے ٹکرانا شروع کیا تھا۔ وہ کچھ دیر ہی ٹکراتا رہا، باقی لشکر سارا سامان لے کر واپسی کا سفر اختیار کر چکا تھا۔ جب رات پڑی تو احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے جس حصے نے میر منوں کے لشکر سے ٹکراتے ہوئے اسے اپنے ساتھ مصروف کار رکھا تھا وہ بھی رات کے وقت غائب ہو گیا۔

اس طرح راتوں رات احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کو لے کر سرہند سے روانہ ہو گیا تھا اور پھر قبل اس کے میر منوں اس کا پتہ چلاتا یا اس کا تعاقب کرتا، احمد شاہ ابدالی لدھیانہ پہنچ کر اپنے آپ کو محفوظ کر گیا۔ پھر دریائے ستلج کو پار کر کے وہ لاہور کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

میر منوں کے ہاتھوں پسپائی اختیار کرنے کا احمد شاہ ابدالی کو بے حد دُکھ اور قلق تھا۔ لیکن سرہند سے لاہور کی طرف جاتے ہوئے اسے تین اور ابتلاؤں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلی بری خبر جو اسے ملی وہ یہ تھی کہ قندھار میں اس کے بھتیجے لقمان خان

Marfat.com

نے بغاوت کر دی تھی۔

دوسری بری خبر جو اسے ملی وہ یہ تھی کہ لاہور احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے سرہند سے ایک خاصا بڑا خزانہ اور بہت سا سامان لاہور بھجوایا تھا، اس کا خیال تھا کہ وہ سارا سامان لاہور میں محفوظ کیا جائے گا۔ جب وہ واپس افغانستان جائے گا تو جاتے ہوئے لاہور سے وہ سارا سامان لیتا جائے گا۔ لیکن جن دنوں احمد شاہ ابدالی میر منوں کے ساتھ جنگوں میں مصروف ہوا تھا، ایک ہندوستانی سالار لکھ پت حرکت میں آیا۔ اس نے اپنے اردگرد کافی جنگجو جمع کر لئے تھے اور اس لشکر کے ساتھ وہ لاہور پر حملہ آور ہوا۔ لاہور میں احمد شاہ ابدالی کی طرف سے جھتے خان قصوری حاکم تھا۔ لکھ پت رائے اس پر حملہ آور ہوا، اسے شکست دے کر اس نے لاہور سے مار بھگایا ار خود لاہور پر قابض ہو گیا۔ اس طرح احمد شاہ ابدالی نے لاہور میں جو سامان اور خزانہ جمع کیا تھا وہ بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور لکھ پت رائے اس پر قابض ہو گیا۔

احمد شاہ ابدالی کو اب واپسی کی جلدی تھی۔ اس کی دو بڑی وجوہات تھیں۔ ایک تو قندھار میں اس کے بھتیجے لقمان خان نے اس کے خلاف بغاوت کر دی تھی، دوسرے اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ میر منوں اپنے لشکر کے ساتھ اس کے تعاقب میں نہ نکل کھڑا ہو اور اسے نقصان نہ پہنچائے۔ اس طرح احمد شاہ ابدالی لاہور کو لکھ پت رائے سے خالی نہ کروا سکا اور لاہور میں جو اس کا سامان تھا وہ سب وہیں رہ گیا اور احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ لاہور سے باہر ہی باہر آگے بڑھ گیا۔

لاہور سے نکلنے کے بعد تیسری مصیبت احمد شاہ ابدالی کے لئے سکھوں کی صورت میں نمودار ہوئی۔ احمد شاہ ابدالی جب اپنے لشکر کے ساتھ لاہور سے آگے نکلا تو سکھوں کے سردار چڑھت سنگھ نے اس کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ چڑھت سنگھ کے تحت سکھوں کا ایک خاصا بڑا لشکر تھا۔ اس لشکر کے ساتھ چڑھت سنگھ گوجرانوالہ گیا تھا اور جب احمد شاہ ابدالی کا لشکر وہاں سے گزرنے لگا تو چڑھت سنگھ اچانک نمودار ہوا، احمد شاہ کے لشکر پر عقب سے حملہ آور ہوا، احمد شاہ ابدالی کے بہت سے لشکریوں کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور احمد شاہ کے بہت سے گھوڑوں اور سامان پر اس نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس طرح انتہائی بے بسی کے عالم میں احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ قندھار کی

Marfat.com

طرف چلا گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کے قندھار روانگی کے بعد میر منوں نے مان پور کے میدانِ جنگ میں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا جبکہ لاہور پر لکھ پت رائے قابض ہو چکا تھا۔ یہ دو بھائی تھے۔ جسپت رائے اور لکھ پت رائے۔ لاہور کے سابق اور مرحوم والی ذکریا کے عہد میں لکھ پت رائے دیوان کے منصب پر فائز تھا۔ لکھ پت رائے کی دولت مندی کا یہ عالم تھا کہ جب اس نے اپنے بیٹے کی شادی کی تو لاہور کے ہر مسلم اور غیر مسلم کو فی کس اڑھائی سیر شکر تقسیم کی گئی۔ کوٹ لکھپت سمیت لاہور میں اس کی بے شمار جائیداد تھی۔ اس کے علاوہ ان دونوں بھائیوں نے شاہ عالم مارکیٹ کے مقام پر آمنے سامنے تین منزلہ حویلیاں بنائی تھیں اور یہ حویلیاں اس انداز میں تعمیر کی گئی تھیں کہ ان کے پہلو میں بازار کی طرف دکانیں بھی بنائی گئی تھیں اور یہی دکانیں درحقیقت موجودہ شاہ عالم مارکیٹ کی اولین بنیادی دکانیں تھیں۔

دیوان جسپت رائے تو ایک معرکے میں سکھوں کے ہاتھوں مارا گیا جس کا بدلہ لینے کے لئے اس کے بھائی دیوان لکھ پت رائے نے بیرون دہلی دروازہ سعید گنج کے مقام پر ایک ہزار سکھوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

میر منوں نے چند روز تک مان پور کے میدان ہی میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کئے رکھا۔ اس دوران تک دہلی سے اس کے پنجاب کا حاکم مقرر کئے جانے کے احکامات بھی آ گئے تھے۔ ساتھ ہی میر منوں نے اپنے خاندان کے سارے افراد کو بھی دہلی سے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ آنے والے ان افراد میں فیروز مرزا اور اس کے سارے اہل خانہ بھی شامل تھے۔

آخر میر منوں نے لاہور کا رخ کیا۔ دیوان لکھ پت رائے نے شہر سے باہر نکل کر بہترین انداز میں میر منوں کا استقبال کیا۔ یوں میر منوں نے پنجاب کے حاکم کی حیثیت سے انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ میر منوں نے اپنے بھائیوں اور دیگر اہل خانہ کے ساتھ پنجاب کے سابق حاکم ذکریا خان کی حویلی میں قیام کیا تھا جبکہ فیروز مرزا اور اس کے سارے اہل خانہ کو حویلی میر جواد میں ٹھہرایا گیا تھا۔

Marfat.com

میر جواد ذکریا خان کے عہد میں سلطنت کے امیر اور کبیر عہدیداروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ یہ حویلی یکی دروازے میں کاموبائی کی حویلی سے دہلی دروازے تک فصیل کی دیوار کے ساتھ ساتھ تعمیر کروائی گئی تھی۔ یہ حویلی بھی فن تعمیر کا خوبصورت نمونہ تھی۔ افسوس سکھوں نے جب کابلی مل کے زمانے میں دہلی دروازے کو نذرِ آتش کیا تو اس حویلی کا ایک خاص بڑا حصہ بھی متاثر ہوا۔

میر منوں کو پنجاب کا حاکم مقرر ہوئے ابھی چند ہی ہفتے گزرے تھے کہ دہلی میں بھی انقلاب برپا ہو گیا۔ اس لئے کہ شہنشاہ محمد شاہ رنگیلا انتقال کر گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا احمد تخت نشین ہوا۔ اس نے احمد شاہ کا لقب اختیار کیا۔ یہ زندگی کے دن زیادہ تر حرم سرا میں گزارتا تھا۔ جنگ کے آداب اور نظم و انتظام کے فن سے یکسر ناواقف تھا۔ تخت نشین ہوتے ہی یہ خواجہ سراؤں کے ہاتھوں کا کھلونا بن گیا اور درباری جو ناچ چاہتے اسے نچاتے رہتے۔

نظام الملک کے مرنے کے بعد سلطنت کا وزیر صفدر جنگ کو بنایا گیا تھا۔ صفدر جنگ کو حکومت کی بقاء اور استحکام کی کوئی فکر نہ تھی۔ اسے فکر تھی تو صرف اپنے مستقبل کی اور اپنے اقتدار اور ذاتی مفاد کا خیال تھا۔ یہ شخص حرص و ہوس کا بندہ تھا۔ وزیر بنتے ہی یہ میر منوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گیا۔ اس لئے کہ اسے خدشہ ہو گیا تھا کہ میر منوں کو چونکہ احمد شاہ ابدالی کے خلاف مان پور کی جنگ میں ہیرو قرار دیا گیا ہے لہٰذا ڈرتا تھا کہ کہیں وہ ترقی کرتے کرتے اس کی جگہ وزیر ہی نہ بن جائے۔ لہٰذا میر منوں کو کمزور کرنے کے لئے اس نے ایک چال چلی۔

اس نے میر منوں ہی کے رشتہ دار اور ذکریا خان کے بیٹے شاہنواز کو ملتان کا حاکم مقرر کروا دیا۔ اس طرح میر منوں کو اپنے سامنے کمزور کرنے کے لئے صفدر جنگ نے احمد شاہ سے احکامات جاری کروا دیئے جس کی بناء پر شاہنواز ملتان کا حاکم بنا دیا گیا۔ اس طرح پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک طرح سے صفدر جنگ نے میر منوں کی طاقت اور قوت کو ناقابل تلافی دھچکا لگایا تھا۔ صفدر جنگ کی اس شرارت آمیز حرکت سے سکھوں کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ سکھوں کی بڑھتی ہوئی قوت نے پنجاب کے امن و امان کو درہم برہم کرنا شروع کر دیا۔ اگرچہ میر منوں کے دست آہن نے انہیں خوب دبا کر رکھا لیکن جونہی کسی علاقے میں گرفت ڈھیلی پڑتی وہ سرکشی کرتے ہوئے مظاہروں

Marfat.com

پر اتر آتے تھے۔

پنجاب کی عملداری کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے صفدر جنگ نے ایک انتہائی احمقانہ قدم اٹھایا تھا۔ اس طرح سکھوں کو پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا۔

صفدر جنگ جیسے وزیروں اور امراء نے ہی مغلیہ سلطنت کے زوال کی کیلیں تیار کرنا شروع کر دی تھیں۔ ایسے ہی لوگوں نے مغلیہ سلطنت کے خاتمے کے انتظامات کرنے شروع کر دیئے تھے۔ ایسا وہ صرف اپنی حرص و ہوس کی تکمیل اور اپنے مفادات کی خاطر کر رہے تھے۔

صفدر جنگ کی وجہ سے جب مرکز کمزور ہو گیا تو بہت سی قوتوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ بنگال سے انگریز مغلوں کی سلطنت کے خلاف تانک جھانک کرنے لگے تھے۔ مرہٹے طوفان کی صورت اختیار کرتے ہوئے جنوب سے شمال کی طرف پیش قدمی کا عزم کر چکے تھے اس لئے کہ اس سے پہلے نظام الملک نے انہیں روکا ہوا تھا۔

اگر صفدر جنگ پنجاب میں میر منوں کی طاقت اور قوت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اسے کمزور نہ کرتا تو میر منوں کی وجہ سے یقیناً دہلی کے تاج و تخت کو تقویت حاصل ہوتی۔

میر منوں جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا تھا۔ دلیر اور بہادر تھا اگر اسے اس کی قوت سے محروم نہ کر دیا جاتا تو وہ بیرونی حملہ آوروں کو روکنے کے ساتھ ساتھ سکھوں کی ہر بغاوت اور سرکشی کو دبانے کی جرأت رکھتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ دہلی کے تاج و تخت پر نظر ڈالنے والوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مغلیہ سلطنت کی حفاظت بھی کر سکتا تھا۔

پر افسوس ایسا نہ ہوا۔ آدھی قوت چھن جانے کے باوجود میر منوں نے سکھوں کو اپنے سامنے دبا کر رکھا لیکن مرہٹے طاقت اور قوت پکڑتے ہوئے جنوب کی طرف سے بڑھنے لگے۔ دہلی پر بھی ایک بار انہوں نے قبضہ کر لیا۔ پھر ان کے لشکری پنجاب کا رخ کر رہے تھے۔

اس موقع پر عالم اسلام کا عظیم مجاہد حرکت میں آیا۔ اس شیر دل مجاہد اور زندہ دل سالار نے مرہٹوں کی طاقت اور قوت کو توپاش پاش کر کے رکھ دیا لیکن افسوس اس کے بعد جب مرہٹوں کی بجائے انگریزوں نے بنگال سے نکل کر مغلوں کی کمزور سلطنت پر

Marfat.com

اپنی گرفت کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت مغرب میں کوئی دوسرا احمد شاہ ابدالی نہ تھا جو مشرق کی طرف بڑھتا اور انگریزوں پر ضرب لگاتا۔ جس کے نتیجے میں انگریز مغرب کی طرف بڑھے اور مغلیہ سلطنت کا خاتمہ کر کے مسلمانوں کے خون سے سینچی ہوئی بنیادوں پر اپنی حکومت اور اپنی سلطنت کی بنیادیں مضبوط اور مستحکم کرنے لگے تھے۔

(ختم شد)

Marfat.com

ایک تاریخ ...... ایک ناول

ابلیکا

صاحب طرز ادیب جناب
اسلم راہی ایم اے کا شاہکار ناول

جس میں حضرت آدمؑ سے لے کر نبی کریم ﷺ تک دنیا کی تاریخ پیش کی گئی ہے۔

بڑا سائز، سفید کاغذ، مضبوط جلد، پانچ ہزار سے زائد صفحات۔

قیمت حصہ اول — حصہ دوم — حصہ سوم
حصہ چہارم — حصہ پنجم — حصہ ششم
حصہ ہفتم — مکمل سیٹ

صاحب طرز ادیب جناب قمر اجنالوی کا ایوارڈ یافتہ سفر نامہ

ایک مہماتی سفر کی لرزہ خیز داستان

دھرتی کا سفر

قمر اجنالوی

انسانی تاریخ و آثار کے پس منظر میں ایک ہولناک سرگزشت۔ 1200 صفحات کے دو حصوں پر مشتمل باپ بیٹے کے سفر کی رومان آفرین تحیر انگیز سنسنی خیز اور دلوں پر لرزہ طاری کر دینے والی تحریر۔
قیمت حصہ اول 00-450 قیمت حصہ دوم 00-450

آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پرانی تاریخ ..... دیوتاؤں کے شہر بابل کی کہانی

جسے صاحب طرز ادیب جناب قمر اجنالوی
نے 35 سال کی طویل ریسرچ کے بعد قلمبند کیا

چاہ بابل

قمر اجنالوی

دنیا کی سب سے بڑی داستان محبت، جو ایک سراپا جمال عورت اور ایک سراپا عشق نوجوان کے ٹکراؤ سے پیدا ہوئی۔
800 صفحات۔ قیمت 00-500 روپے

ایک عظیم ناول ☆ ایک عظیم تاریخ

فاتح بیت المقدس

سلطان صلاح الدین ایوبی

الماس ایم۔ اے کے قلم سے ..... اردو زبان کا سب سے زیادہ ضخیم، دلچسپ، معلوماتی و اسلامی ناول۔

بڑا سائز، خوبصورت گردپوش 900 سے زائد صفحات، قیمت -/550 روپے

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور۔ فون: 7231595

Marfat.com

اسلم راہی ایم اے کے ولولہ انگیز تاریخی ناول

جن کے بغیر آپ کی لائبریری نامکمل ہے

خیرالدین باربروسہ	300/-	طارق بن زیادؒ	300/-
بے منزل مسافر	350/-	مقدس دیوداسی	200/-
گوالیار کی راجکماری	350/-	سرابوں کے صحرا	300/-
ناصرالدین محمود	225/-	رقص درویش	300/-
گل گامش	350/-	دشت کے بھیڑیئے	300/-
اندھیروں کے ساربان	350/-	غرناطہ کا چوپان	300/-
تاریک رزم گاہ	300/-	شیرشاہ سوری	350/-
صقلیہ کا مجاہد	300/-	سندھ کا سورما	250/-
عقاب	250/-	برق کلیسا	225/-
قتیبہ بن مسلم	200/-	نیشاپور کا شاہین	250/-
موت کے مسافر	300/-	بابل کا بت شکن	250/-
یثرب کا ابلیس	250/-	یروشلم کی ساحرہ	350/-
سنہری غول	200/-	بازگشت	200/-
صلیب وحرم	200/-	صلیب کے بھنور	250/-
حجاج بن یوسف	325/-	ہیلن آف ٹرائے	250/-
طلسم کدہ	200/-	علاؤالدین خلجی	250/-
آتش فشاں	250/-	بایزید یلدرم	300/-
آخری حصار	250/-	گرداب	200/-
بنت نیل	275/-	پیاسا صحرا	200/-
سائبیریا کا طوفان	250/-	روحیں جو دیکھی گئیں	200/-
آتش وآہن	300/-	الپ ارسلان	250/-
ظلمات	250/-	کشکول قضا	200/-
ابلیکا (7 جلدیں)	2700/-	ملکہ زنوبیا	250/-
صحرا کی آگ	200/-	نیل کی ناگن	250/-
سراج منیر (دوجلدیں)	600/-	خانہ بدوش	250/-

مکتبہ القریش، قذافی مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: 7231595

Marfat.com

Marfat.com

اسلم راہی ایم اے کا شاہکار ناول

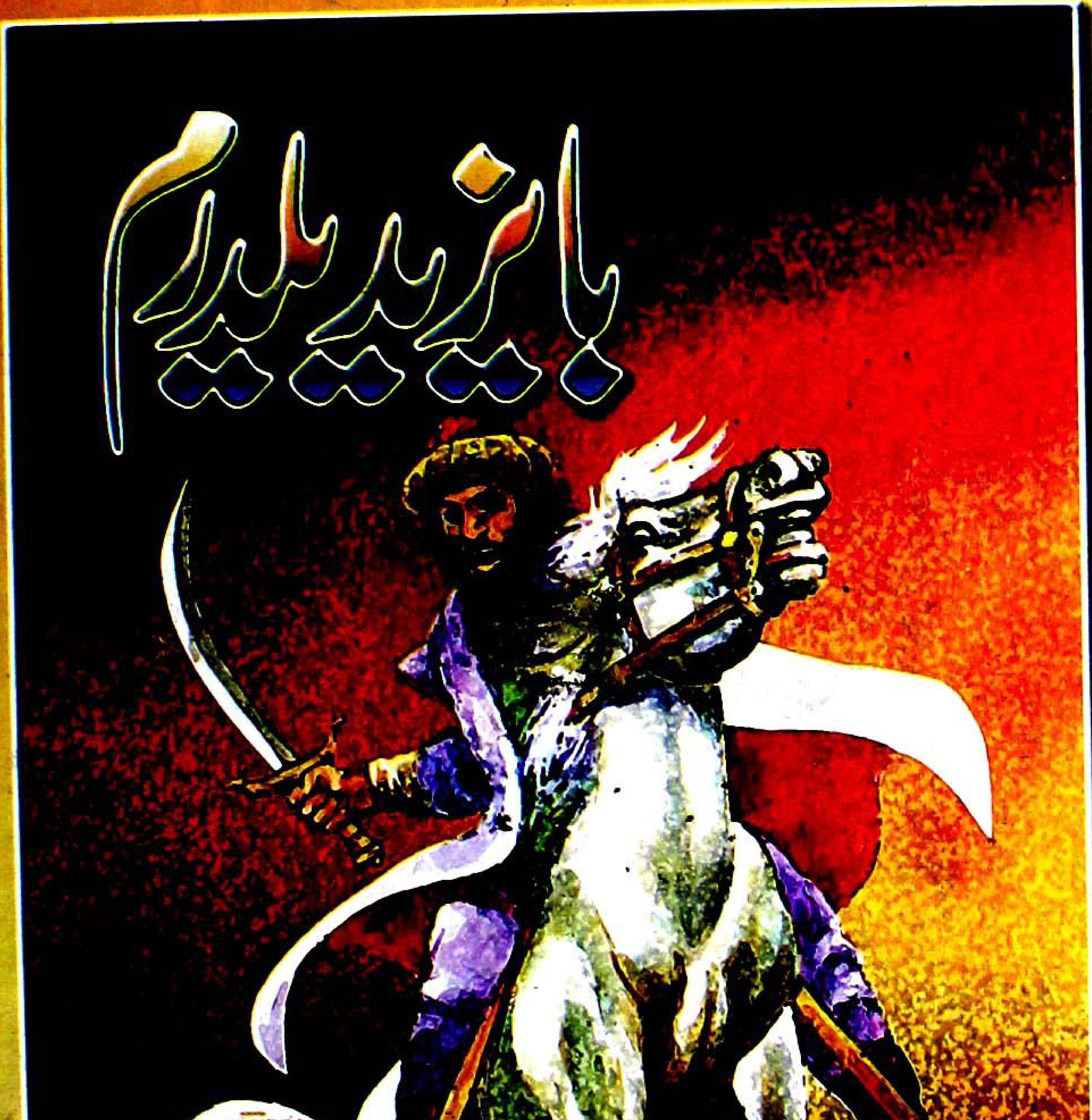

Marfat.com